زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کی خوبیاں اور اُن کا پس منظر

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کی خوبیاں اور اُن کا پس منظر

(فرمودہ ۲۶، ۲۷ مئی ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب بمقام قادیان)

مکرم السید منیر الحصنی صاحب نے ۲۱ رمئی بعد نماز مغرب زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کے مناقب کے موضوع پر عربی میں تقریر کی تھی مگر چونکہ وقت کم رہ گیا تھا اس لئے دوستوں کو سوالات کا موقع نہ مل سکا۔ ۲۶ رمئی بعد نماز مغرب جب مجلس منعقد ہوئی تو حضور نے فرمایا:۔

میں دو تین دن سے نزلہ وزکام سے بیمار ہوں اس لئے آج کچھ زیادہ بول نہیں سکتا۔ السید منیر الحصنی صاحب کا لیکچر تو اُس روز ہو گیا تھا مگر سوالات کا حصہ رہ گیا تھا اِس کے متعلق دوستوں کو اب موقع دیا جاتا ہے اگر دوستوں نے کچھ سوالات کرنے ہوں تو وہ کر سکتے ہیں۔

(اس پر تین دوستوں نے سوالات کئے اور معزز لیکچرار نے ان کے جوابات دیئے اس کے بعد حضور نے فرمایا۔)

مجلس میں بہت سے لوگ ایسے بھی بیٹھے ہیں جو عربی نہیں جانتے اور وہ اس بات کو نہیں سمجھ سکے ہوں گے کہ سوال کرنے والوں نے کیا سوالات کئے ہیں اور جواب دینے والے نے کیا جوابات دیئے ہیں مجھے نزلہ کی شکایت تو ہے لیکن مَیں کچھ باتیں آج بیان کر دوں گا اور باقی پھر کسی وقت بیان ہو جائیں گی۔ یہ تقریر جو منیر الحصنی صاحب نے کی ہے اِس کا مفہوم یہ ہے کہ عرب کے لوگوں میں قبل از اسلام بھی بعض خوبیاں پائی جاتی تھیں اور جن دوستوں نے اعتراضات کئے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ آیا یہ خوبیاں اُن عربوں میں عام تھیں یا خاص۔ اگر یہ خوبیاں ان میں عام پائی جاتی تھیں تو قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم جو ہم لیتے ہیں غلط قرار پاتا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ [1] اور اگر وہ خوبیاں خاص خاص لوگوں میں

پائی جاتیں تھیں تو کچھ خوبیاں تو قریباً ہر قوم میں ہی پائی جاتی ہیں اور اس وجہ سے عربوں کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ جہاں تک میں نے سوالات کرنے والے دوستوں اور لیکچرار کے نقطۂ ہائے نگاہ کے متعلق اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کو ہی غلط فہمی ہوئی ہے۔ نہ تو سوال کرنے والے ان کی تقریر کو صحیح طور پر سمجھ سکے ہیں اور نہ لیکچرار نے ان کے سوالات کو سمجھا ہے اور دونوں غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔

مثنوی میں مولانا روم ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ کسی جگہ چار فقیر تھے ان میں سے ایک ہندی تھا، دوسرا ایرانی، تیسرا عرب اور چوتھا تُرک۔ وہ چاروں بازار میں اکٹھے ہو کر لوگوں سے خیرات مانگتے رہے مگر کسی نے انہیں کچھ نہ دیا۔ جب شام ہوئی تو کوئی شخص اُن کے پاس سے گزرا اور جب انہوں نے سوال کیا تو اُسے ان کی حالت پر رحم آیا اور اس نے انہیں ایک پیسہ دے دیا مگر چونکہ پیسہ ایک تھا اور فقیر چار تھے اس لئے انہوں نے آپس میں جھگڑنا شروع کر دیا۔ ہندی کہتا تھا میں صبح سے گلا پھاڑ پھاڑ کر سوال کرتا رہا ہوں اس لئے پیسہ میری خواہش کے مطابق خرچ کیا جائے اور اس پیسہ کی داکھ[۲] خریدی جائے گی۔ عرب کہنے لگا تم غلط کہہ رہے ہو پیسہ دینے والے نے میری ہی حالت پر رحم کھا کر پیسہ دیا ہے اس لئے پیسہ میری مرضی کے مطابق خرچ ہوگا اور اس کی داکھ نہیں بلکہ عِنَب[۳] خریدا جائے گا، ایرانی نے کہا تم دونوں غلط کہہ رہے ہو یہ پیسہ میری مرضی سے خرچ ہوگا اور نہ داکھ خریدی جائے گی اور نہ عِنَب بلکہ انگور خریدا جائے گا۔ یہ سن کر ترکی سخت چیں بجبیں ہوا اور کہنے لگا تمہاری تینوں کی رائے غلط ہے۔ یہ پیسہ میری مرضی کے سِوا خرچ نہیں ہوسکتا اور اُس نے ترکی زبان میں انگور کا نام لے کر کہا کہ میں وہ خریدنا چاہتا ہوں۔ اس پر انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا اور ان میں سے ہر شخص چاہتا تھا کہ میری بات مانی جائے اور میری خواہش کے مطابق چیز خریدی جائے۔ وہ آپس میں جھگڑ ہی رہے تھے کہ ایک شخص پاس سے گزرا جو اُن چاروں کی زبانیں سمجھتا تھا اُس نے پاس کھڑے ہو کر ان کی باتیں سُنیں اور کہا آؤ میں تمہارے جھگڑے کا فیصلہ کر دوں اور ہر ایک کی خواہش کے مطابق چیز خرید دوں۔ یہ کہہ کر وہ ان کو ساتھ لے گیا اور جا کر انگور خرید دیئے اور وہ سب خوش ہو گئے۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ سب ایک ہی چیز مانگ رہے تھے مگر وہ ایک دوسرے کی زبان نہ

سمجھنے کی وجہ سے آپس میں لڑ رہے تھے۔ اسی طرح بعض اوقات اختلاف کی بنیاد محض غلط فہمی پر ہوتی ہے اور فریقین آپس میں جھگڑا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ نہ وہ اس کے نقطۂ نگاہ کو سمجھ رہا ہوتا ہے اور نہ وہ اس کے نقطۂ نگاہ کو، اور وہ آپس میں لڑتے چلے جاتے ہیں لیکن اگر ایک دوسرے کے نقطۂ نگاہ کو سمجھ لیا جائے تو اختلافات کی بنیاد اُٹھ جانے سے کوئی مشکل نہیں رہتی۔ مثلاً یہ لاؤڈ سپیکر ہے اس کا جو حصہ میرے سامنے ہیں اس پر تارے سے ہیں اور پیچھے والا حصہ سیاہ ہے اگر میں کہہ دوں کہ لاؤڈ سپیکر پر تارے سے ہیں اور آپ لوگ کہنا شروع کر دیں کہ تارے تو نہیں بلکہ یہ تو سیاہ ہے تو باوجود یکہ ہم دونوں ٹھیک کہہ رہے ہوں گے ہم بحث کرتے چلے جائیں گے میں یہ کہتا رہوں گا کہ یہ سیاہ نہیں بلکہ اس پر تارے ہیں اور آپ کہتے رہیں گے ہمیں تو اس پر تارے نظر نہیں آتے ہمیں تو صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ سیاہ ہے۔ اور بات صرف اتنی ہوگی کہ جدھر میں بیٹھا ہوں اُس طرف تارے ہیں اور جدھر آپ بیٹھے ہیں اُس طرف سے سیاہ ہے۔ نقطۂ نگاہ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جہاں سے کوئی چیز نظر آ رہی ہو۔ ہر مربعہ چیز کے چھ جہت ہوتے ہیں آگے پیچھے دائیں بائیں اور نیچے اوپر۔ اگر اس چیز کی چھ کی چھ جہتیں مختلف رنگوں کی ہوں تو جب اس کی مختلف جہتوں کو مختلف آدمی دیکھیں گے تو لازماً ان کی رائیں مختلف ہوں گی مثلاً اس کی چھ جہتوں پر مختلف رنگ ہیں زرد، سرخ اور پیلا، سیاہ اور سفید تو اب جو شخص زرد حصہ کے سامنے ہوگا وہ کہے گا اِس کا رنگ زرد ہے اور جس شخص کی نظر کے سامنے سرخ حصہ ہوگا وہ کہے گا زرد نہیں ہے اس کا رنگ سرخ ہے، پھر نیلے حصہ کو دیکھنے والا کہے گا تم دونوں غلط ہو نہ یہ زرد ہے نہ سرخ بلکہ صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ چیز نیلی ہے۔ اس طرح چھ جہات کو دیکھنے والے مختلف آراء قائم کریں گے اور ان میں سے ہر ایک سچ بول رہا ہوگا۔ اس جھگڑے کو ختم کرنے کا یہ طریق ہوگا کہ سرخ کہنے والے کو سبز حصہ کی طرف لایا جائے اور نیلا کہنے والے کو سرخ اور سبز حصے دکھائے جائیں ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جھگڑتے چلے جائیں گے اور ایک دوسرے کی بات نہیں مانیں گے ان میں سے ہر ایک حق پر بھی ہوگا اور ناحق پر بھی۔ حق پر اس طرح کہ جو حصہ اُسے نظر آ رہا ہے وہ واقعی وہی ہے جو وہ کہتا ہے مگر جو حصہ دوسرے کو نظر آ رہا ہے وہ بھی واقعی وہی ہے جو دوسرا کہہ رہا ہے۔ پس ہر ایک چیز کی ایک بیک گراؤنڈ (Back Ground) ہوتی

ہے جس کو پسِ پردہ بھی کہا جا سکتا ہے جب تک اسے مدنظر نہ رکھا جائے انسان اصل حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ منیر الحصنی صاحب شام سے آئے ہوئے ہیں اور اِس وقت شام اور لبنان میں ایک تحریک پیدا ہو رہی ہے جس سے وہ متأثر ہیں اور اسی سے متأثر ہو کر انہوں نے یہ مضمون بیان کیا ہے لیکن اِس امر کو میں بعد میں کسی وقت بیان کروں گا پہلے میں پس پردہ والے حصہ کو لیتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عرب میں کچھ عیسائی آباد ہیں اور کچھ مسلمان، عیسائی کم ہیں اور مسلمان زیادہ ہیں۔ جب عربوں کا ترکوں کے ساتھ اختلاف ہوا اور عربوں نے دیکھا کہ ترک ہمیشہ ہم پر مظالم کرتے آئے ہیں اور انہوں نے ہماری آزادی کی راہ میں رُکاوٹیں ڈالی ہیں تو ان کے اندر حریت اور آزادی کی روح بیدار ہوئی۔ سیاسی طور پر جب کسی ملک میں آزادی کی روح پیدا ہو تو وہ ساری قوموں کے اتحاد کی خواہاں ہوتی ہے۔ جب عربوں کے اندر آزادی کی روح پیدا ہوئی اور اُنہوں نے بلا لحاظ مذہب وملت ایک ہونا چاہا تو جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف مستقبل کے حالات پر نظر کر کے قومیں ایک نہیں ہوسکتیں بلکہ اتحاد کے لئے ماضی کی روایات پر بھی حصر کیا جاتا ہے اور پُرانی باتوں کو تاریخوں سے نکال نکال کر کہا جاتا ہے کہ ہم ایک ہیں اس لئے ہمیں دشمن کے مقابلہ میں متحد ہو جانا چاہئے۔ یہی تحریک ہندوستان کے لوگوں میں بھی پیدا ہوئی اور انہوں نے انگریزوں کے خلاف متحد ہونا چاہا اور اتحاد کی کوشش کی گئی۔ مگر بجائے اس کے کہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ رواداری سے پیش آتے اور ایک قوم بننے کی کوشش کرتے انہوں نے مسلمانوں کے بزرگوں کی عیب چینی شروع کر دی اور ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے اس لئے اتحاد نہ ہوسکا کیونکہ کسی قوم کے بزرگوں کی عیب چینی کرنے سے کب اتحاد ہوسکتا ہے۔ جو جڑ ماضی میں اکٹھی رہی ہو اُس کی شاخیں بھی اکٹھی رہ سکتی ہیں اور اگر جڑ ہی علیحدہ ہو تو شاخیں کس طرح اکٹھی ہوسکتی ہیں۔ اگر ایک قوم اپنے آپ کو الگ قرار دے دے اور دوسری الگ تو اتحاد کس طرح ہوسکتا ہے۔ عرب کے متعصّب عیسائی پادریوں نے جب دیکھا کہ اتحاد کی کوششیں ہو رہی ہیں تو انہوں نے اس سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہا اور انہوں نے یہ

کوششیں شروع کر دیں کہ عرب چاہے متحد ہو جائے لیکن عیسائیت کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اِسی قسم کے متعدد پادریوں کی بعض کتابیں پڑھی ہیں جن میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عربی زبان اصل میں اریمک یعنی آرامی زبان ہے اور اسی زبان کی مدد سے عربی زبان نے ترقی اور ارتقاء حاصل کیا ہے۔ ان عیسائی مصنفین نے عربی الفاظ اریمک زبان کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً **اِستفعال** کا لفظ ہے، انہوں نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ **است اریمک** لفظ ہے اور اسی سے عربوں نے **اِستفعال** بنالیا ہے یا **ان اریمک** لفظ ہے اور اسی سے عربوں نے اِنفعال بنا لیا ہے حالانکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس موضوع پر بحث فرمائی ہے حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان اپنے اندر بہت بڑا فلسفہ رکھتی ہے اور یہ فلسفہ کسی اور زبان میں نہیں پایا جاتا۔ مثلاً دوسری زبانوں میں الفاظ زبان کی اصل ہیں لیکن عربی زبان میں الفاظ نہیں بلکہ حروف زبان کی اصل ہیں۔ شرب عربی زبان میں پینے کو کہتے ہیں[4] مگر یہ معنی **شرب** کے نہیں بلکہ ش ر ب کے ہیں چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ش ر ب کسی ترتیب سے عربی میں آجاویں ان کے مرکزی معنی قائم رہیں گے خواہ ش رب ہو، خواہ ش ب رہو، خواہ رب ش ہو۔ غرض ہر حالت میں مرکزی معنی قائم رہیں گے گویا عربی زبان میں حروف، ترتیب حروف اور حرکاتِ حروف کے مجموعہ سے لفظ کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ قاعدہ ایسا ہے کہ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے جب قدیم ترین زبانوں کو دیکھا جائے تو قاعدہ ابدال کے مطابق تغیرات کے ساتھ ہزاروں ایسے الفاظ ان میں پائے جاتے ہیں جو اصل میں عربی ہیں اور چونکہ ان لفظوں کو نکال کر وہ زبانیں بالکل بے کار ہو جاتی ہیں اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ وہ زبانیں مستقل نہیں بلکہ عربی سے ہی متغیر ہو کر بنی ہیں لیکن انہوں نے اریمک زبان کو عربی زبان پر فضلیت دینے کے لئے یہ کہہ دیا کہ عربی زبان نقل ہے اریمک زبان کی، جو درحقیقت یہودیوں کی زبان تھی۔ دوسری تدبیر انہوں نے یہ کی کہ یہ کہنا شروع کر دیا کہ عرب کے مشہور اور اعلیٰ درجہ کے تمام شعراء عیسائی تھے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں انہوں نے قیس اور **اخطل** اور دوسرے شعراء کے نام پیش کر دیئے اور کہا کہ عرب کے اعلیٰ درجہ کے شاعر سب عیسائی تھے اور انہوں نے ہی عربی زبان کو معراجِ کمال تک پہنچایا ہے۔ گویا اس وجہ سے کہ مسلمان چاہتے

تھے ہم ترکوں کے مقابلہ میں متحد ہو جائیں عیسائی پادریوں نے جو سخت متعصّب تھے سمجھا کہ اس سے زیادہ اچھا موقع عیسائیت کے غلبہ کا اور کوئی ہاتھ نہ آئے گا اور یہ ایسا وقت ہے کہ ہم جو کچھ بھی کہیں گے مسلمان قبول کرتے جائیں گے اور ہماری کسی بات کی تردید نہیں کریں گے۔ اُس وقت حالت بالکل ایسی ہی تھی کہ اگر مسلمان عیسائیوں کی ان باتوں کی تردید کرتے اور کہتے کہ شعراء تمہارے نہیں بلکہ ہمارے اچھے ہیں تو آپس میں اُلجھ کر رہ جاتے اس لئے مسلمانوں نے اِسی میں اپنی بھلائی سمجھی کہ ان کی کسی بات کی نفی نہ کی جائے تا کہ یہ ہم سے خوش ہو جائیں۔ پس مسلمانوں کی اِس مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے متعصب عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں بے حد مبالغہ سے کام لیا اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ عربی لغت اریمک کی ممنونِ احسان ہے اور عربی زبان میں جس قدر ترقی ہوئی ہے وہ عیسائی شعراء کے ذریعہ ہوئی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابتدائی زمانہ میں شاعری ابھی پورے طور پر مدون نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے عرب شعراء کے کلام میں بعض اوقات وزن کے لحاظ سے اس قسم کی غلطیاں ہو جاتی تھیں جیسے اردو میں کوئی شخص جمال اور جلال کہتے کہتے چنار کہہ جائے مگر بعد کا ارتقاء یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ اس ارتقاء میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں۔

اگر غور سے کام لیا جائے تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ مسلمانوں نے زبان کو اعلیٰ درجہ کے نقطۂ کمال تک پہنچایا ہے چنانچہ اسی وجہ سے متعصب عیسائیوں کے مقابلہ میں خود عیسائیوں اور مسلمانوں کے اندر ایک اور طبقہ پیدا ہو گیا۔ متعصب عیسائی تو یہ کہتے تھے کہ ترقی اور ارتقاء ختم ہو گیا ہے عیسائی شعراء پر۔ مگر درمیانی طبقہ کے عیسائی کہتے تھے کہ ترقی اور ارتقاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جاری رہا۔ اسی طرح مسلمانوں کا طبقہ تو کہتا تھا کہ ترقی اور ارتقاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی تھا اور عربوں میں بھی یہ خوبیاں پائی جاتی تھیں گو یہ ارتقاء بعد میں بھی جاری رہا چنانچہ بعض عیسائیوں نے اس کے متعلق کتابیں بھی لکھی ہیں کہ ارتقاء اسلامی تمدن کے وقت بھی جاری رہا، یہ درست نہیں کہ مسلمانوں نے زبان میں کوئی اصلاح اور تجدید نہیں کی۔ غرض ایک حصہ عیسائیوں کا اور ایک حصہ مسلمانوں کا اس نقطۂ نگاہ پر متفق ہو گیا کہ اسلام سے پہلے بھی عربوں میں خوبیاں پائی جاتی تھیں اور بعد میں بھی یہ خوبیاں جاری رہیں اور

اس کی وجہ خالص سیاسی اتحاد تھا۔ عیسائیوں نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ اسلام کے آنے پر بھی ترقی اور ارتقاء جاری رہا اور مسلمانوں نے تسلیم کر لیا کہ اسلام سے پیشتر بھی عربوں میں خوبیاں موجود تھیں پس یہ ہے اس موضوع کا پس منظر۔ باقی رہا اصل سوال تو وہ یہ ہے کہ اگر اسلام سے پیشتر بھی عربوں کے اندر خوبیاں پائی جاتی تھیں تو اسلام کی فوقیت اور اُس کا مَابِهِ الْاِمتیاز طُرّہ کیا ہوا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ کسی قوم کے اندر بعض خوبیاں چاہے وہ قومی ہوں یا انفرادی پایا جانا اور بات ہے اور ایک ایسی خوبی اس کے اندر ہونا جو اُسے تمام دنیا کا اُستاد بنا دے اور بات ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ عربوں کے اندر پہلے کوئی خوبی نہ تھی اور نہ ہی ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ کا یہ مفہوم ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں میں کوئی خوبی نہ تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ خوبیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک تو ہوتا ہے ذاتی کیریکٹر یعنی ہر قوم اپنے حالات کے لحاظ سے ایک چیز کو لے لیتی ہے اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیتی ہے۔ مثلاً حدیثوں اور تاریخوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب قوم اسلام سے پہلے بھی مہمان نواز تھی مگر ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نزول ہوا اور آپ گھبرائے ہوئے گھر پہنچے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ تو حضرت خدیجہؓ نے کہا كَلَّا اَبْشِرْ فَوَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَداً اِنَّكَ لَتصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ [۵] یعنی آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپ میں کئی خوبیاں پائی جاتی ہیں چنانچہ منجملہ اور خوبیوں کے حضرت خدیجہؓ نے یہ بھی کہا کہ خدا آپ کو اِس لئے نہیں چھوڑے گا کہ آپ مہمان نواز ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اِدھر حدیثوں سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عرب آپ کی بعثت سے پہلے بھی مہمان نواز تھے اُدھر حضرت خدیجہؓ نے آپ کی یہ خوبی بیان کی ہے کہ آپ مہمان نواز ہیں جب سارا عرب مہمان نوازی کرتا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے امتیازی رنگ میں آپ کی مہمان نوازی کا ذکر کیوں کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کی یہ خوبی اسی لئے بیان کی کہ یہ آپ کو دوسرے عربوں پر ممتاز کر دیتی تھی۔ یوں تو مہمان نوازی عربوں میں عام پائی جاتی تھی اور حاتم طائی کے متعلق بھی بہت سی باتیں مشہور ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس کے پاس

ایسی حالت میں پہنچا جبکہ وہ ایک سفر میں تھا جب اُس نے دیکھا کہ میرے پاس اور کوئی چیز مہمان کو کھلانے کے لئے نہیں ہے تو اس نے اپنی اونٹی ذبح کر دی جس پر وہ سفر کر رہا تھا۔ پس جب عربوں میں بھی مہمان نوازی پائی جاتی تھی تو اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ عربوں کی مہمان نوازی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی میں کیا فرق ہوا۔ عربوں کے اندر یہ خوبی پائے جانے کے باوجود حضرت خدیجہؓ آپ سے کہتی ہیں کہ آپ کے اندر مہمان نوازی کی خوبی بھی پائی جاتی ہے جو عربوں میں نہیں ہے حالانکہ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے عربوں کی مہمان نوازی کا ذکر فرمایا ہے فرماتا ہے یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا [۶] یعنی وہ فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں نے اپنی قوم کے لئے ڈھیروں ڈھیر روپیہ خرچ کیا ہے۔

پس عرب لوگ فخر کیا کرتے تھے کہ ہم مہمان نواز ہیں مگر ان کی مہمان نوازی کے پیچھے جو روح کام کرتی تھی اگر اس کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مہمان نوازی بعض حالات کے ماتحت تھی وہ بدوی لوگ تھے اور سفر کرتے رہتے تھے اس لئے وہ اپنے حالات کے ماتحت مجبور تھے کہ یہ خوبی اپنے اندر پیدا کرتے ان کی اس خوبی کے پیچھے یہ روح کام نہ کر رہی تھی کہ ان کو بنی نوع انسان کی خدمت کا خیال تھا یا بھوکے اور فاقہ مستوں کا پیٹ بھرنے کا خیال تھا اور نہ ہی ان کے دلوں کے اندر یہ جذبہ پایا جاتا تھا کہ وہ خدا کے بندوں کو رزق کھلا رہے ہیں بلکہ ان کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ ہم کھلائیں گے تو کوئی دوسرا ہمیں بھی کھلائے گا اور وہ کھلائیں گے تو ہم بھی کھلائیں گے۔ ہمارے مولوی سید سرور شاہ صاحب یہاں بیٹھے ہیں یہ ہزارہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کے ہم وطن جلسہ پر آتے ہیں تو واپس جاتے ہوئے کہتے ہیں کہ لائیے ہمارا کرایہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے علاقہ میں ریل نہیں اور لوگ جنگلوں میں سفر کرتے ہیں اور چونکہ جنگلوں میں ڈاکے اور لُوٹ مار کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے لوگ سفر پر جاتے وقت اپنے ساتھ بستر یا نقدی وغیرہ نہیں لے جاتے اور جہاں ان کو شام ہو جاتی ہے وہیں کوئی نزدیک گاؤں دیکھ کر کسی کے گھر چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاؤ روٹی اور پھر چلتے ہوئے اُس سے اپنی ضرورت کے لئے روپیہ بھی لے لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علاقہ میں ہر شخص کے گھر میں بیسوں بستر اور چارپائیاں موجود ہوتی ہیں اور ہر شخص سمجھتا ہے کہ خواہ کتنے بھی مہمان آ جائیں اُن کو روٹی

اور بستر دینا میرا فرض ہے۔ ان لوگوں نے اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے آپس میں یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ سفر کی حالت میں زید مجھ سے روپیہ لے جائے گا تو میں اس سے روپیہ لے آؤں گا اپنے گھر سے ساتھ کچھ نہیں لے جائیں گے۔ اب اگر کوئی شخص ان باتوں کو مناقب ہزارہ کے طور پر بیان کرنے لگ جائے تو کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔ یہ تو ان کا قومی کیریکٹر ہے جو مخصوص حالات نے پیدا کیا ہے اور وہ اس کے لئے مجبور ہیں کیونکہ اس کے سِوا ان کا کام چل ہی نہیں سکتا ان کا یہ خُلق طبعی اور اقتصادی حالات سے پیدا ہوا ہے مگر ہم اسلامی تعلیم کی روشنی میں اس کا نام خُلق نہیں رکھ سکتے زیادہ سے زیادہ اس فعل کو حسین کہہ سکتے ہیں مگر خُلق فاضل نہیں کہہ سکتے۔ خُلق وہ ہوتا ہے جو الٰہی حکم کے ماتحت ہو اور اعلیٰ مقاصد کو اپنے اندر لئے ہوئے ہو۔

پس بے شک عربوں کے اندر مہمان نوازی تھی مگر وہ اسی قسم کے اقتصادی حالات کے ماتحت تھی اور وہ مجبور تھے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل چونکہ وہ اعلیٰ مقاصد اپنے اندر لئے ہوئے تھا اس لئے آپ کا یہ فعل ایک نئی چیز بن گئی اور یہ فعل خُلق کہلایا۔ بعض اوقات انسان کسی چیز کی شکل اور اس کے بیرونی حصہ کو دیکھ کر اس کی خوبیوں کے متعلق غلط اندازہ لگا لیتا ہے اور بعض دفعہ ایک چیز کو وہ اعلیٰ سمجھتا ہے لیکن وہ نہایت ناقص ہوتی ہے۔ میرے پاس حال ہی میں ایک رسالہ امریکہ سے آنا شروع ہوا ہے جو کسی دوست نے میرا نام لکھوا دیا ہے اس میں تین تصویریں دکھائی گئی ہیں اور ساتھ لکھا ہوا ہے کہ ان کی شکلیں دیکھ کر بتایا جائے کہ ان میں سے اچھا کون ہے اور بُرا کون۔ اور دوسرے صفحہ پر ان کی اصل حقیقت کو پیش کیا گیا ہے۔ میں نے بھی ان تصویروں کو دیکھ کر اندازہ لگانا شروع کیا تو جس تصویر کے متعلق میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ نہایت شریف ہے اس کے متعلق دوسری طرف پڑھا تو لکھا تھا کہ یہ مشہور ڈاکو ہے اور جس کے متعلق میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ ڈاکو ہے اس کے متعلق لکھا تھا کہ یہ پرلے درجہ کا شریف انسان ہے۔ عام طور پر خونریزی اور فساد کرنے والے لوگوں کے چہرے خراب ہو جاتے ہیں مگر بعض لوگوں نے فن بنایا ہوتا ہے کہ باوجود اس قسم کے افعالِ قبیحہ کے ان کے چہرے خراب نہیں ہوتے۔ اس رسالہ والوں نے بھی لاکھوں ڈاکوؤں میں سے ایک کو چن کر دِکھا دیا جس کا چہرہ شریفوں والا نظر آتا تھا اور لاکھوں شریفوں میں سے ایک کو چن لیا جس کا چہرہ باوجود شرافت کے

شرارت ظاہر کرے چنانچہ میں نے ان تصاویر کے متعلق جس قدر اندازے لگائے ان میں سے اکثر غلط نکلے۔ اب دیکھو تصویر کو دیکھ کر انسان اندازہ لگاتا ہے کہ شکل تو اچھی ہے مگر حقیقت یہ ہوتی ہے کہ شکل والا خود اچھا نہیں ہوتا۔ پس فعل حسن اور چیز ہے اور اخلاق اور چیز ہے۔ کوئی فعل اپنی ذات میں اچھا ہو اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا گیا ہو تم ہم اس کو تو خُلق کہیں گے لیکن جو فعل اپنی ذات میں تو اچھا ہو لیکن مجبوری کے ماتحت ہو تو گو وہ فعل حسن کہلائے گا لیکن خُلق نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح بعض افعال بظاہر بُرے نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ اچھے ہوتے ہیں۔ مثلاً میں نے پہلے بھی بارہا بیان کیا ہے کہ باپ کے سر پر جُوتی مارنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن اگر کوئی شخص دیکھے کہ باپ کے سر پر سانپ چڑھ رہا ہے اور اُس کے پاس اُس وقت سوائے جوتی کے اور کوئی چیز موجود نہ ہو جو سانپ کو ماری جائے اور وہ جُوتی ہی اُٹھا کر باپ کے سر پر مار دے تو اس کا یہ فعل بُرا نہ ہوگا بلکہ اچھا ہوگا کیونکہ اگر وہ جُوتی نہ مارتا تو سانپ اس کے باپ کو ڈس لیتا اور وہ ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح ہمیں عربوں کی مہمان نوازی کے متعلق یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کن حالات کے ماتحت تھی آیا وہ کسی قسم کے طبعی یا اقتصادی فوائد کے پیش نظر تھی یا وہ خدا کے حکم کے ماتحت ایسا کرتے تھے اور وہ خدا کے بندوں کو مستحق سمجھ کر رزق کھلاتے تھے اور ان کے پیش نظر اعلیٰ درجہ کے مقاصد تھے۔ ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ وہ اس مہمان نوازی کے لئے مجبور تھے اور ان کے پیش نظر بنی نوع انسان کی خدمت ہرگز نہ تھی۔ اسی طرح اور بھی بہت سی باتیں ایسی ہیں جو بظاہر اچھی نظر آتی ہیں مگر درحقیقت وہ بُری ہوتی ہیں یا بظاہر بُری معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت وہ اچھی ہوتی ہیں مگر یہ ایک لمبا مضمون ہے جو ایک دن میں ختم نہیں ہو سکتا اس لئے میں پھر کسی وقت اِس کے متعلق بیان کروں گا۔

۲۷ رمئی ۱۹۴۷ء

حضور نے فرمایا:۔

میں کل یہ بیان کر رہا تھا کہ جہاں تک بعض اچھے کاموں کا یا بظاہر اچھے نظر آنے والے کاموں کا سوال ہے عربوں کے اندر بعض خوبیاں ضرور پائی جاتی تھیں مثلاً میں یہ مضمون بیان کر رہا تھا کہ عربوں کے اندر اکرامِ ضیف کی صفت تھی یعنی وہ مہمان نوازی کرتے تھے اور یہ

صفت ان کے اندر انفرادی نہ تھی بلکہ قومی تھی۔ میں نے کل کے مضمون میں بتایا تھا کہ منیر الحصنی صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بیان کیا تھا کہ بعض مناقب عربوں کے اندر پائے جاتے تھے اور معترض نے سوال کیا تھا کہ آیا وہ مناقب عربوں کے اندر شخصی تھے یا قومی اگر تو وہ شخصی تھے تو اس قسم کے مناقب ہر قوم میں پائے جاتے ہیں اور اگر وہ قومی تھے تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ اس پر حرف آتا ہے میں نے بتایا تھا کہ کسی اچھی یا بظاہر اچھی نظر آنے والی صفت کے متعلق یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ شخصی ہے یا قومی بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کے پس پردہ اس شخص یا قوم کے اندر کون سے جذبات کام کر رہے ہیں۔ مثلاً ہم دیکھیں گے کہ قرآن کریم نے جو نقطہ نگاہ کسی کام کی اچھائی یا بُرائی معلوم کرنے کے لئے پیش کیا ہے اس کے معیار کے مطابق وہ فعل اچھا ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس فعل کا کسی قوم کے اندر پایا جانا اخلاقِ فاضلہ نہیں کہلا سکتا اس کا نام زیادہ سے زیادہ ہم فعلِ حسن رکھ سکتے ہیں اور فعلِ حسن کا پایا جانا جس کے پیچھے بعض اغراض کام کر رہی ہوں قرآن کریم اور اسلام کے دعویٰ کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ میں نے اکرامِ ضیف کی مثال دی تھی کہ یہ خوبی عربوں کے اندر عام پائی جاتی تھی اور اس کثرت کے ساتھ تھی کہ گویا یہ صفت ان کے ساتھ وابستہ ہو چکی تھی اور وہ غیر ارادی طور پر اس کے لئے مجبور ہو چکے تھے۔ لیکن میں نے بتایا تھا کہ فعلِ حسن اور اخلاقِ فاضلہ میں فرق کیا ہے کسی قوم کے اندر کسی ایسی صفت کا پایا جانا جس کے پیچھے ان کے سیاسی اغراض اور مفاد کام کر رہے ہوں فعلِ حسن تو کہلائے گا لیکن اخلاقِ فاضلہ نہیں کہلا سکتا۔ عربوں کا یہ فعل اس لئے نہ تھا کہ وہ خلقِ خدا کی خدمت کرتے تھے بلکہ وہ اپنے مخصوص حالات کے ماتحت اپنے اقتصادی فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مجبور تھے کہ وہ مہمان نوازی کرتے۔ عرب لوگ چونکہ خانہ بدوش تھے اور خانہ بدوشوں کے پاس ہوٹل اور ریسٹورنٹ تو ہوتے نہیں کہ اگر سفر در پیش ہو تو ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں قیام کر لیا جائے ان کی تو یہ حالت تھی کہ آج یہاں اور کل وہاں ایسے علاقہ میں جب سفر کرنا پڑ جائے تو سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ کسی قبیلہ کے پاس قیام کیا جائے اور جب کسی قبیلہ کے پاس قیام کیا جائے گا تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ اپنے مہمانوں

کے لئے سامان خورد ونوش مہیا کرے۔ ایسے علاقہ کے لوگ اگر مہمان نوازی نہیں کریں گے تو ان کے لئے بھی سفر کرنا مشکل ہو جائے گا۔فرض کرو ایک قبیلہ یا خاندان کے الف ب، ج د، ہ و افراد سَو میل کے اندر پھیلے ہوئے ہیں ان کو کبھی نہ کبھی سفر ضرور کرنا پڑے گا۔کسی کا بیٹا کہیں بیاہا ہوگا اور وہ اس کو ملنے جائے گا،کوئی تجارت کے لئے سفر کرے گا،کوئی سیر کی غرض سے سفر اختیار کرے گا اور کوئی کسی اورغرض کے ماتحت۔ یہی حالت عربوں کی تھی وہ جب ایسے سفر کے لئے نکلتے تھے تو ان کے ساتھ سامانِ خورونوش تو ہوتا نہیں تھا اور نہ ہی کسی جگہ ہوٹل یا ریسٹورنٹ ہوتے تھے کہ ان میں قیام کرلیا جائے ایسی صورت میں یہی ہوسکتا تھا کہ جو قبیلہ رستہ میں آئے اس کے پاس ٹھہر جاتے اور وہ ان کے لئے سامانِ خورونوش مہیا کرتا، ان حالات میں اگر وہ قبیلہ کہہ دیتا کہ ہم کیوں کسی کو روٹی دیں یا بستر دیں تو کل کو اسے بھی سفر کرنا پڑتا اور تکلیف کا سامنا ہوتا۔ پس جو مشکلات سفر کے لئے الف کو تھیں وہی ب کو بھی تھیں اسی طرح وہی مشکلات ج، د، ہ اور و کو بھی تھیں اگر الف اپنے مہمانوں کو کھانا کھلانے سے انکار کردے مثلاً وہ ب کو کھانا نہ کھلائے تو اس سے صرف ب کو ہی تکلیف نہ ہوگی بلکہ کل کو الف کو بھی ہوگی پس ان حالات میں لازمی طور پر الف مجبور ہے کہ ب ج د ہ اور و کے آدمیوں کی مہمان نوازی کرے ب مجبور ہے الف ج د ہ اور و کے آدمیوں کی مہمان نوازی کرے ج مجبور ہے الف ب ہ اور و کے آدمیوں کی مہمان نوازی کرے اسی طرح د ہ اور و مجبور ہیں کہ وہ اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی کریں۔ اگر الف ب کی مہمان نوازی نہ کرے تو کل ب الف کی نہیں کرے گا پس ان کا یہ فعل فورسز آف ایونٹس (Forces of Events) کی وجہ سے تھا ان کے حالات ہی اس قسم کے تھے کہ وہ اس فعل کے لئے مجبور تھے۔ اگر وہ مہمان نوازی نہ کرتے تو ان کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا۔ سامانِ خورد ونوش کوئی شخص اپنے ساتھ لے کر چلتا نہ تھا، ہوٹل اور ریسٹورنٹ ہوتے نہ تھے ایسی صورت میں اگر مہمان نوازی نہ کی جائے تو بہت زیادہ دِقّت پیش آتی ہے۔ پس کسی قوم کا ایسے حالات کے ماتحت کوئی صفت اپنے اندر پیدا کرنا کہ وہ اس کے لئے مجبور ہو اُسے ہم جبری تو کہیں گے بِالا رادہ نہیں کہیں گے اور یہ فعلِ حسن تو کہلائے گا لیکن خُلقِ فاضل نہ ہوگا اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کفار کے ایک قول کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ [۵] کہ یہ کس طرح کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں ڈھیر مال خرچ کیا ہے کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا اس نے اگر مال خرچ کیا ہے اور مہمان نوازی کی ہے تو اپنے مفاد کے پیش نظر اور سیاسی اغراض کے ماتحت اس کو کیا حق ہے کہ ہمارے سامنے کہے کہ میں نے اتنا مال تقسیم کیا ہے اگر اس نے مال تقسیم کیا تو کیا کسی پر احسان کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر اس نے احسان کیا ہے تو اپنے اوپر نہ کہ کسی دوسرے کے اوپر جیسے ہمارے ملک میں اگر کوئی شخص کشمیر کی سیر کا ارادہ کرے اور اسے کوئی کشمیری مل جائے تو واقفیت پیدا کرنے کے لے کہہ دے گا آیئے بھائی صاحب یا اگر افغانستان جارہا ہو اور کوئی پٹھان مل جائے تو کہے گا آیئے خان صاحب! لیکن اگر اس کا کشمیر یا افغانستان جانے کا ارادہ نہ ہو تو کشمیری یا پٹھان کا واقف بھی نہ بنے گا لیکن جب اسے ضرورت درپیش ہوگی تو وہ بھائی صاحب اور خان صاحب کہتا پھرے گا تا کہ اُسے سفر میں سہولت حاصل ہو اور ہمارے ملک میں تو سفر کی تکلیفیں بھی نہیں ہیں ریل کا سفر ہوتا ہے اور جگہ جگہ ہوٹل اور ریسٹورنٹ ہیں اگر کسی سے واقفیت نہ بھی ہو تو بھی سفر آسانی کے ساتھ طے ہوسکتا ہے مگر کوئی مجبوری نہ ہونے کی صورت میں بھی جب کوئی کشمیر وغیرہ سیر کے لئے جاتا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ وہاں کے کسی آدمی سے واقفیت نکل آئے بلکہ یہاں تک کہ بعض لوگ تو یہاں سے کسی دوست کے ذریعہ چٹھیاں لے جاتے ہیں تا کہ منزلِ مقصود پر پہنچ کر کوئی تکلیف نہ ہو پس جہاں ان حالات میں کہ ہمارے ہاں سفر کرنے میں دشواریاں بھی نہیں ہیں یہ ضرورت پیش آجاتی ہے کہ کسی کے ساتھ واقفیت پیدا کی جائے تو عرب کے لوگ جن کے نہ مکان تھے اور نہ ان کے پاس سامانِ خورونوش ہوتا تھا ان کو تو بدرجہ اَولیٰ یہ ضرورت پیش آنی چاہئے تھی۔ ان کو تو پانی بھی آسانی کے ساتھ میسر نہ آتا تھا اور دور دور سے جا کر پانی لانا پڑتا تھا یہ حالات تھے جن کی وجہ سے وہ قدرتی طور پر مجبور تھے اس بات کے لئے کہ وہ مہمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور یہ ایک قومی لین دین تھا۔ آج الف۔ ب کے ہاں مہمان ہوتا تھا تو کل ب۔ الف کے ہاں اس لئے اگر ب الف کی مہمان نوازی میں پس وپیش کرتا تو خود اسے بھی تکلیف ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا وہ کہتا ہے میں نے ڈھیروں ڈھیر مال خرچ کیا ہے

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ فرماتا ہے ہم یہ تو نہیں کہتے کہ تم نے مال خرچ نہیں کیا سوال تو یہ ہے کہ تم نے جو مال خرچ کیا ہے وہ کس نیت اور ارادہ کے ساتھ کیا ہے۔

دوسری مثال میں نے کل بھی بیان کی تھی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی بار وحی کا نزول ہوا تو آپ گھبرائے ہوئے گھر پہنچے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰی نَفْسِیْ یعنی میں اپنے نفس کے متعلق ڈرتا ہوں کہ جو بوجھ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ڈالا ہے اس میں میرا نفس کہیں کمزوری نہ دکھا جائے اور میں اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داری کو ادا کرنے سے قاصر نہ رہ جاؤں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد نہ بن جاؤں۔ اس کے جواب میں حضرت خدیجہؓ نے منجملہ آپ کی اور صفات اور اخلاقِ فاضلہ بیان کرنے کے ایک خُلقِ فاضل یہ بھی بیان کیا کہ اِنَّکَ تَقْرِی الضَّیْفَ آپ مہمان نواز ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رُسوا نہیں کرے گا۔ حالانکہ حضرت خدیجہؓ جانتی تھیں کہ عربوں کے اندر مہمان نوازی پائی جاتی ہے لیکن پھر بھی کہا کہ کَلَّا اَبْشِرْ فَوَاللّٰہِ لَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَداً اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِیْثَ وَ تَحْمِلُ الْکَلَّ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تَقْرِی الضَّیْفَ یعنی خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپ کے اندر مہمان نوازی کی صفت پائی جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ اس بات کو سمجھتی تھیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی اور عربوں کی مہمان نوازی میں فرق ہے۔ مکہ والے اگر مہمان نوازی کرتے تھے تو وہ نذروں اور نیازوں کے لئے کرتے تھے اب بھی چلے جاؤ اور دیکھ لو وہ اس طرح مہمان کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ جب کوئی جاتا ہے تو اس کو کہتے ہیں آیئے ہمارے ہاں تشریف لایئے یہ آپ ہی کا مکان ہے اور ہمارے ہاں آپ کو ہر قسم کی سہولتیں میسر ہوں گی۔ ایک پنجابی تو ان کی باتوں سے یہ خیال کرے گا کہ یہ کہاں سے ہمارے رشتہ دار نکل آئے کہ اس طرح کھینچ کھینچ کر اپنے گھر لئے جاتے ہیں مگر وہ مہمان کو ساتھ لے جائیں گے اور کھانا وغیرہ کھلانے کے بعد کہیں گے میں مطوف ہوں لایئے میری فیس تب جا کر آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو اپنی فیس کے لئے ایسا کر رہے تھے ورنہ اس سے پہلے وہ یہی سمجھتا ہے کہ یہ میرے حقیقی رشتہ دار معلوم ہوتے ہیں۔ پُرانے زمانہ میں وہ خود نہ مانگتے تھے بلکہ لوگ ان کو نذریں اور

نیازیں دے جاتے تھے مگر اب چونکہ حالات بدل گئے ہیں اس لئے ان کو مانگنا پڑتا ہے۔ اُس زمانہ میں تو مکہ کے ایک حصہ کا گزارہ ہی نذروں اور نیازوں پر تھا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نذروں اور نیازوں سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے سفر کرتے تھے کہ آپ کو مجبوراً مہمان نوازی کرنی پڑتی ، نہ ہی آپ کو کسی کے ساتھ کوئی سیاسی یا اقتصادی غرض تھی۔ ادھر مکہ والوں کی مہمان نوازی اس غرض کے ماتحت ہوتی تھی کہ اب ہم مہمان نوازی کرتے ہیں جب ہم ان کے پاس جائیں گے تو یہ ہماری مہمان نوازی کریں گے۔ مگر آپ نے تو اس قسم کا سفر ہی کبھی نہ کیا تھا آپ تو غار حرا میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے آپ کا تعلق نہ نذر و نیاز سے تھا نہ کسی اور غرض کے ساتھ پس آپ کی مہمان نوازی اور مکہ والوں کی مہمان نوازی میں نمایاں فرق تھا۔ آپ کا یہ فعل صرف خدا تعالیٰ کے لئے تھا اور مکہ والوں کا یا دوسرے عربوں کا یہ فعل اپنے نفس کے لئے اور اپنے حالات سے پیدا شدہ مجبوری کے ماتحت تھا۔ پس اس طرح کسی کو کھانا کھلانا یا مہمان نوازی کرنا کہ کل جب میں اس کے پاس جاؤں گا تو یہ میری مہمان نوازی کرے گا اس کو فعل حسن تو کہا جا سکتا ہے خُلقِ فاضل نہیں کہا جا سکتا خلق فاضل وہ ہے جس میں اپنے نفس کا خیال نہ ہو بلکہ وہ فعل صرف خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کیا جا رہا ہو۔ پس عربوں کی مہمان نوازی Forces of Events کی وجہ سے تھی ورنہ ان کے مدنظر خدمت خلق یا خدا تعالیٰ کی خوشنودی نہ تھی وہ اپنے حالات گردوپیش سے ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ خانہ بدوش قومیں جن میں شہریت نہیں ہوتی لازمی طور پر مہمان نوازی کے لئے مجبور ہوتی ہیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کے حالات تباہ ہو جائیں۔ عرب لوگ جہاں مہمان نواز ہیں وہاں اگر کوئی شخص ان کے منشاء کے خلاف کچھ کر گزرے تو سخت گیر بھی ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ کوئی ہندوستانی حج کرنے جا رہا تھا کہ راستہ میں ایسی حالت میں کہ اس کے پاس نہ پیسہ تھا اور نہ سامانِ خورونوش اپنے قافلہ سے بچھڑ گیا وہ اِدھر اُدھر کھانے کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ اسے ایک عرب کی جھونپڑی نظر آئی وہ اس طرف چلا گیا اور کہا میں بھوک سے نڈھال ہو رہا ہوں اور میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں مجھے کھانا دو وہ عرب غریب آدمی تھا اس کے پاس اور تو کچھ نہ تھا، عرب کے جنگلوں اور صحراؤں میں ایسا ہوتا

ہے کہ پانی کی دھاریں زمین کے نیچے بہتی ہیں اور کہیں کہیں زمین کے اوپر آ جاتی ہیں اور پھر غائب ہو جاتی ہیں اسی طرح اس عرب کی جھونپڑی کے پاس پانی کی دھار زمین کے اوپر تھی اور اس نے کنال دو کنال ٹکڑے میں تربوز بوئے ہوئے تھے، عرب نے اس میں سے تربوز توڑ کر مہمان کو دینے شروع کئے جو کچا تربوز ہوتا وہ پھینک دیتا اور جو پکا ہوتا وہ مہمان کو دے دیتا۔ جب مہمان کا پیٹ بھر گیا تو عرب تلوار لے کر اس کے سر پر کھڑا ہو گیا اور کہا کھڑے ہو جاؤ وہ ہندوستانی بیان کرتا تھا کہ میں عرب کے اس فعل سے سخت متعجب ہوا کہ پہلے تو اس نے مجھے تربوز توڑ توڑ کر کھلائے اور اب یہ تلوار سونت کر میرے سر پر آن کھڑا ہوا ہے۔ چنانچہ ہندوستانی نے پوچھا کیا بات ہے؟ عرب نے کہا بات کیا ہے کھڑے ہو جاؤ۔ وہ کھڑا ہوا تو عرب نے اس کی اچھی طرح سے تلاشی لی اور یہ دیکھ کر کہ اس کے پاس سے کچھ نہیں نکلا چھوڑ دیا اور کہنے لگا میں نے تمہاری مہمان نوازی کے لئے اپنا سارا کھیت تباہ کر دیا تھا مگر میں نے مہمان نوازی کا حق تو ادا کر دیا اب میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم نے جو کہا تھا کہ میرے پاس کچھ نہیں آیا تم نے یہ سچ کہا یا جھوٹ؟ اگر تمہارے پاس سے کچھ نکل آتا تو میں تمہیں ضرور مار دیتا کیونکہ یہی ایک کھیت تھا جس پر میرا اور میرے بیوی بچوں کا گزارہ تھا اور یہ میں نے تمہاری مہمان نوازی کے لئے تباہ کر دیا گویا میں نے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ اسی طرح وزیرستان وغیرہ کے پٹھان سڑک پر سے گزرتے ہوئے لوگوں کو مار دیتے ہیں اور ان کے مال چھین کر لے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص سڑک سے ہٹ کر ان کے گھر میں پہنچ جائے تو وہ اس کی بڑی آؤ بھگت کرتے ہیں اور مہمان نوازی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے۔ یہ مہمان نوازی تو ہے لیکن مہمان نوازی کی غرض کیا ہے؟ اگر ان کی یہ مہمان نوازی خدا کے لئے ہو تو سڑک پر جانے والوں کے لئے بھی ہو۔ مگر نہیں سڑک پر جانے والوں کے وہ کپڑے بھی اُتار لیتے ہیں۔ پس یہ فرق ہے فعلِ حسن اور خُلقِ فاضل میں۔ اسلام جب کہتا ہے کہ عربوں کے اندر کوئی خوبی نہ تھی تو وہ اس نقطۂ نگاہ سے کہتا ہے کہ ان کے اس قسم کے افعال اخلاقِ فاضلہ نہ تھے یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص کہہ دے کہ اسلام کا نقطۂ نگاہ غلط ہے۔ ایسی صورت میں اس بات پر بحث ہوگی کہ یہ نقطۂ نگاہ غلط ہے یا صحیح لیکن اسلام کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ جو فعل اپنی اغراض کے پیشِ نظر سیاسی یا

اقتصادی مفاد کیلئے کیا جائے اور وہ بظاہر حسین نظر آتا ہو تو وہ فعلِ حسن تو ضرور کہلائے گا لیکن اخلاقِ فاضلہ نہیں کہلا سکتا۔ پس عربوں کے اندر مہمان نوازی کا پایا جانا خدا کے لئے یا خلقِ خدا کی خدمت کیلئے نہ تھا بلکہ وہ ان کے مخصوص حالات کے ماتحت تھا اور وہ اس کے لئے مجبور تھے۔ بے شک ان کا یہ فعل خوبصورت نظر آتا ہے اور ہے بھی خوبصورت لیکن اس کے اندر نیکی کا پہلو نہیں ہے اسی طرح عربوں کے اندر پناہ دینے کا رواج تھا مگر وہ بھی کسی دباؤ کے ماتحت اور مختلف اغراض کو اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ ہمارے ملک کے اندر جنگلات پائے جاتے ہیں چور یا ڈاکو پناہ لینے کے لئے اور پولیس کی نظروں سے بچنے کے لئے جنگلات میں چلے جاتے ہیں یا بڑے بڑے شہروں میں چھپ جاتے ہیں جہاں کئی کئی ماہ تک پولیس ان کا سراغ لگاتی رہے تو بھی ناکام رہتی ہے لیکن عرب کی یہ حالت تھی کہ ہر قبیلہ الگ الگ رہتا تھا۔ ہمارے ملک میں تو یہ حالت ہے کہ جس بڑے شہر میں چلے جاؤ وہاں یہی نظر آئے گا کہ ایک گھر گجرات کے کسی شخص کا ہے، دوسرا سیالکوٹ سے آ کر رہ رہا ہے، تیسرا مدراس کا آدمی بسلسلہ ملازمت رہتا ہے، چوتھا بمبئی کا آدمی تجارت کی غرض سے آیا ہوا ہے، پانچوں کلکتہ کا ہے گویا ہمارے شہروں کی آبادی اس طرح مخلوط ہوتی ہے کہ اگر کوئی اجنبی کسی کے پاس آ کر ٹھہر جائے تو پتہ ہی نہیں لگ سکتا۔ لیکن عربوں کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی وہ قبیلہ وار رہتے تھے اور جب کوئی غیر شخص آ جاتا تھا تو وہ کہتے تھے یہ غیر ہے ان لوگوں میں چونکہ لوٹ مار اور جھگڑے ہوتے رہتے تھے اس لئے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ جب کوئی جُرم کر کے کسی کے پاس پہنچ جائے تو وہ اسے پناہ دے تا کہ کل کو ہم اس کے ہاں پناہ لے سکیں۔

عرب کی لڑائیاں تو مشہور ہیں اور معمولی معمولی باتوں پر قبائل آپس میں اُلجھ جاتے تھے اور کئی کئی سال تک آپس میں جنگیں ہوتی رہتی تھیں اسی طرح عرب کی ایک مشہور جنگ جو عرصۂ دراز تک جاری رہی اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ کسی شخص کے کھیت میں ایک کتیا نے بچے دیئے اور کسی دوسرے کی اونٹی چرتے چراتے اِدھر سے گزری اور اس کے پاؤں کے نیچے آ کر کتیا کا ایک بچہ مارا گیا۔ کھیت والے نے یہ سمجھ کر کہ یہ کتیا میری پناہ میں تھی جھٹ اونٹنی پر حملہ کر کے اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ اونٹنی کے مالک نے جب دیکھا کہ میری اونٹنی کو مارا گیا ہے تو اس

نے جا کر اُس مارنے والے کو قتل کر دیا اِس پر طرفین کے قبیلے آ گئے اور جنگ شروع ہو گئی اور تاریخوں میں آتا ہے کہ وہ جنگ تیس سال تک جاری رہی۔ اب یہ بھی کوئی عقل کی بات تھی کہ کتیا کا بچہ اونٹنی کے پاؤں کے نیچے آ کر مر جانے سے تیس سال تک جنگ لڑی جاتی۔ یہ پناہ دینے کا انتہائی جذبہ تھا جو ان لوگوں میں پایا جاتا تھا مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ اس بات کا محرک کیا تھا۔ اس بات کا محرک خدا تعالیٰ کی خوشنودی نہ تھی، دین کی پیروی نہ تھی، اگلے جہان کی بہبودی مدنظر نہ تھی، کوئی نیکی کرنا مقصود نہ تھا اس کی محرک صرف قبائلی زندگی اور ان کا رسم ورواج تھا اور وہ صرف ایسے کاموں سے اپنی عزت بڑھانا چاہتے تھے اور یہ دکھانا مقصود تھا کہ ہم اتنے بہادر ہیں۔

ہمیں ان کے اس رواج میں بعض خوبصورت کام بھی نظر آتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے ایک دفعہ فائدہ اُٹھایا تھا۔ آپ جب سفر طائف سے واپس تشریف لائے تو چونکہ عرب دستور کے مطابق مکہ چھوڑ دینے کے بعد اب آپ مکہ کے باشندے نہیں تھے بلکہ اب مکہ والوں کا اختیار تھا کہ وہ آپ کو مکہ میں آنے دیں یا نہ آنے دیں اس لئے آپ نے مکہ کے ایک رئیس مطعم بن عدی کو کہلا بھیجا کہ میں مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں کیا تم عرب دستور کے مطابق مجھے داخلہ کی اجازت دیتے ہو۔ مطعم بن عدی اسلام کا سخت دشمن تھا لیکن ایسے حالات میں انکار کرنا بھی بہادر عربوں کی شان اور شرافت کے خلاف تھا اس لئے جب یہ پیغام اس کے پاس پہنچا اور پیغامبر نے اسے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام تمہاری طرف بھیجا ہے تو وہ اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا جب محمد (ﷺ) نے کہا ہے تو میرا فرض ہے کہ میں اُن کو پناہ دوں یہ کہہ کر اس نے اپنے پانچوں بیٹوں کو بلایا اور کہا آج میری اور میرے خاندان کی عزت کا سوال ہے تم اپنی اپنی تلواریں نکال لو کیونکہ ہم نے محمد (ﷺ) کو اپنی پناہ میں لے کر شہر میں داخل کرنا ہے اور یاد رکھو کہ تم خود ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ مگر محمد (ﷺ) کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ وہ خود اور اس کے پانچوں بیٹے تلواریں ننگی کر کے گئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت میں مکہ میں داخل کیا اور آپ نے اسی حالت میں کعبہ کا طواف بھی کیا[۸] اس کے بعد وہ لوگ آپ کو گھر پہنچا کر واپس چلے گئے اور پھر آپ کی

مخالفت میں سرگرم ہو گئے۔ پس یہ خوبی تو عربوں کے اندر تھی مگر عزتِ نفس کے لئے تھی خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نہ تھی مگر اسلام دنیا میں اخلاقِ فاضلہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کہتا ہے میں تمہیں اس لئے اچھے کاموں کا حکم دیتا ہوں کہ تم نیک ہو جاؤ اسلام کہتا ہے میں تمہیں اس لئے اچھے کاموں کا حکم دیتا ہوں تا تمہاری روحانیت بلند ہو جائے اور اسلام کہتا ہے میں تمہیں اس لئے اچھے کاموں کا حکم دیتا ہوں کہ تم اخلاقِ فاضلہ کے حامل ہو جاؤ۔ مگر عربوں میں یہ بات نہ تھی وہ اس لئے مہمان نوازی کرتے تھے کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ وہ اس لئے پناہ دیتے تھے کہ ہم معزز قرار پائیں پھر عربوں کے اندر بعض برائیاں بھی پائی جاتی تھیں اور میں نے اپنی بعض کتابوں میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ عربوں میں اپنی لڑکیاں مار دینے کا رواج تھا اور قرآن کریم میں بھی اس بات کا ذکر آتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سارے عربوں میں یہ رواج تھا اگر سب میں یہ رواج ہوتا تو نسل کیسے چلتی اور بچے کس طرح پیدا ہوتے اور وہ شادیاں کس طرح کرتے، اگر سارے ہی اپنی لڑکیوں کو مار دیتے تو کچھ عرصہ کے بعد یقیناً ان کی نسل ختم ہو جاتی۔ پس سارے عربوں میں یہ رواج نہ تھا بلکہ صرف دو تین قبیلوں میں یہ بات پائی جاتی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے اور اس کا محرک یہ امر ہوتا تھا کہ ہم اتنے بڑے آدمی ہیں یا اتنی وجاہت رکھتے ہیں کہ ہم اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے ہم کسی ایسے شخص کو رشتہ دیں جو ہم سے کم وجاہت رکھتا ہو۔ یہ جذبہ تھا جس کے ماتحت وہ بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے اور یہ کام صرف وہی لوگ کرتے تھے جو اپنے آپ کو بہت بڑا امیر کبیر یا خاندانی لحاظ سے رُعب اور دبدبے والا یا اثر و رسوخ کے لحاظ سے بڑا آدمی یا سیاست اور تدبیر کے لحاظ سے سیاستدان اور مدبّر سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ کسی کا ہماری بیٹیوں کا خاوند بننا ہماری ہتک ہے۔ مگر وہ رواج ان میں شاذ تھا عام نہ تھا اور جب یہ شاذ تھا تو ساری قوم کی طرف یہ فعل کس طرح منسوب ہوسکتا ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ باقی عرب جو یہ فعل نہیں کرتے تھے وہ ان کے اس فعل کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے اگر باقی عرب یہ کہتے کہ یہ فعل بُرا ہے تو واقعی ساری قوم کی طرف یہ بات منسوب نہیں ہوسکتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جو عرب اس پر عامل نہ تھے وہ بھی دوسروں کے اس فعل کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور وہ بُرا نہیں مناتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ یہ بہت اچھا فعل ہے

اس لئے چاہے وہ خود نہ کرتے تھے مگر ان کی پسندیدگی کی وجہ سے یہ فعل ساری قوم کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ جیسے کسی قوم کا کوئی ایک شخص چوری کر کے واپس پہنچے اور ساری قوم اس کو شاباش کہے تو گو شاباش کہنے والوں نے خود چوری نہ کی ہوگی مگر شاباش کہنے کی وجہ سے اور چوری کے فعل پر پسندیدگی کا اظہار کرنے کی وجہ سے وہ سب چور کہلائیں گے۔ اسی طرح یہ عیب عربوں میں شاذ تو تھا لیکن اس پر عامل نہ ہونے والوں کی پسندیدگی کی وجہ سے یہ فعل ساری قوم کی طرف منسوب ہوگا۔ پس عربوں میں بعض مناقب بے شک پائے جاتے تھے گو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس لفظ کے لغةً کیا معنے ہیں اور عربی زبان میں اسے کن معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں نقب کے معنی ہوتے ہیں گہرا چلا جانا اور مناقب کے معنے ہیں ایسی رسوم جو کسی قوم کے اندر گھر کر جائیں اور ان کی روزمرہ زندگی کا جزو بن جائیں۔ بہر حال اگر تو مناقب کے معنی افعالِ حسنہ کے ہیں تو افعالِ حسنہ عربوں کے اندر ضرور پائے جاتے تھے لیکن قرآن کریم کے نقطۂ نگاہ سے جن اَفعال کو اخلاقِ فاضلہ کہا گیا ہے وہ ان میں نہ تھے جیسے قرآن کریم میں آتا ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم عیسائی تھے لیکن جب حضرت ابراہیم یہودیوں اور عیسائیوں کے پیدا ہونے سے بھی بہت پہلے تھے تو وہ یہودی یا عیسائی کس طرح ہو سکتے تھے، یہ قومیں تو آپ کی وفات کے ایک لمبا عرصہ بعد پیدا ہوئیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوگی جیسے آج کوئی شخص کہہ دے کہ میرے پڑدادا نے آج سے ایک ہزار سال پہلے ریل بنائی تھی یہ سُن کر ہر شخص اس کی بیوقوفی پر ہنس دے گا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم تو یہودیت سے پانچ چھ سَو سال پہلے اور نصرانیت سے قریباً بیس سَو سال پہلے تھے پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آپ یہودی تھے یا نصرانی تھے ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کریم اخلاقِ فاضلہ کی وہ تعریف کرتا ہے جو تعریف اس سے پہلے کسی مذہب نے نہیں کی اور جب اخلاقِ فاضلہ کی صحیح تعریف سب سے پہلے اسلام نے ہی پیش کی ہے تو عربوں میں اسلام سے قبل اخلاقِ فاضلہ پیدا ہی کس طرح ہو سکتے تھے۔ پس جہاں تک قرآن کی تعریف کا سوال ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عربوں کے اندر کوئی مناقب نہ تھے لیکن اگر مناقب کے معنی افعالِ حسنہ کیلئے جائیں تو یہ عربوں میں ضرور پائے جاتے تھے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اسلام لانے سے پیشتر سَو اونٹ ذبح کر کے غریبوں کو کھلائے تھے آپ نے فرمایا تمہاری اسی نیکی کی وجہ سے تمہیں ہدایت نصیب ہوئی ہے[9] پس جو فعل اچھا ہوا ُسے اچھا ہی کہنا پڑے گا۔

حاتم طائی گو مسلمان نہ تھا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی سخاوت کی وجہ سے اس کا اتنا خیال تھا کہ جب ایک دفعہ قیدی آئے تو ان میں ایک عورت بھی تھی اس عورت کے متعلق جب معلوم ہوا کہ وہ حاتم طائی کی بیٹی ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ جو شخص غیروں کے ساتھ اتنا حُسن سلوک کرتا تھا اس کی بیٹی کو قید رکھوں یہ کہہ کر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ حاتم طائی کی بیٹی بھی آپ کی صداقت اور شرافت کی قائل ہو چکی تھی اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰه ! مجھے بھی شرم آتی ہے کہ میرے باقی ساتھی قید رہیں اور میں رہا ہو جاؤں۔ یہ سُن کر آپ نے باقی قیدیوں کو بھی رہا کرنے کا حکم دے دیا۔[10] پس حاتم طائی کی نیکی ہی تھی جس کی وجہ سے آپ نے اس کی لڑکی اور اس کی قوم کو رہا کر دیا۔ حکیم بن حزام کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستی تھی گو ابتداء میں وہ آپ پر ایمان نہ لایا تھا مگر آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ حکیم بن حزام جیسا غریبوں سے ہمدردی کرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ آپ کے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد وہ ایک دفعہ تجارت کے لئے شام کی طرف گیا تو وہاں اس نے ایک نہایت خوبصورت جبّہ دیکھا، اُسے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی اور آپ کا اس کے دل میں بڑا احترام تھا اس لئے باوجود کافر ہونے کے اور باوجود کفار کا سردار ہونے کے اس نے وہ جُبّہ آپ کے لئے خرید لیا اور واپس مکہ پہنچا اور پھر مکہ سے اونٹ پر سوار ہو کر آپ کے پاس مدینہ پہنچا اور وہ جُبّہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ میں نے جب یہ جُبّہ دیکھا اور مجھے خوبصورت معلوم ہوا تو میں نے سمجھا کہ یہ جُبّہ میرے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو نہیں سجے گا۔ مگر آپ نے فرمایا میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کر سکتا۔ وہ کہنے لگا میں نے آپ کو یہ جُبّہ پہنچانے کے لئے کتنا لمبا سفر اختیار کیا ہے اور میرے یہاں آنے کی سوائے اس کے اور کوئی غرض نہ تھی کہ میں آپ کو یہ جُبّہ پہنچاؤں جو مجھے

نہایت خوبصورت نظر آیا تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر تم یہ جُبّہ مجھے دینا ہی چاہتے ہو تو مجھ سے اس کی قیمت لے لو۔ اس نے کہا میں لایا تو آپ کو مفت دینے کے لئے تھا لیکن اگر آپ مفت نہیں لینا چاہتے اور قیمت ادا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی۔ چنانچہ آپ نے قیمت دے کر وہ جُبّہ اُس سے لے لیا۔[11] حکیم بن حزام کی یہ کتنی دوست پروری تھی کہ وہ شام سے ایک تحفہ آپ کے لئے لایا پہلے مکہ پہنچا اور پھر مکہ سے صرف اس غرض کے ماتحت کہ وہ جُبّہ آپ تک پہنچائے اس نے تین سَو میل کا سفر طے کیا صرف اس وجہ سے کہ یہ جُبّہ میرے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی سجے گا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس فعل کے پیچھے کونسا جذبہ کارفرما تھا۔ اس کے پیچھے یہ جذبہ تھا کہ وہ خدا کے ایک بندے کی خدمت کرنا چاہتا تھا تو یہ بڑے اعلیٰ درجہ کا خُلق ہے لیکن اگر اس کے پیچھے یہ جذبہ تھا کہ میں معزز کہلاؤں تو یہ فعل حسنہ تھا اخلاقِ فاضلہ اس کا نام نہیں رکھ جا سکتا۔

قرآن کریم کہتا ہے خُلقِ فاضل صرف وہی فعل ہو سکتا ہے جس کے پیچھے کوئی طبعی جذبہ نہ ہو، کوئی سیاسی غرض نہ ہو، کوئی اقتصادی مفاد مدنظر نہ ہوں بلکہ صرف خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کوئی کام کیا جائے۔ ایک ماں جب اپنے بچے سے محبت کرتی ہے تو وہ طبعی جذبہ کے ماتحت کرتی ہے اور اپنے بچے سے محبت کرنے کے لئے مجبور ہوتی ہے وہ جب بیمار ہوتا ہے اور اس کا دودھ نہیں پیتا تو وہ ڈاکٹروں، حکیموں اور ویدوں کے پاس ماری ماری پھرتی ہے کہ میرا بچہ کیوں میرا خون نہیں چوستا اور کہتی ہے خدا کے لئے اس کا علاج کرو۔ کیا ہم اس کو اخلاقِ فاضلہ کا نام دے سکتے ہیں ہرگز نہیں وہ عورت مجبور ہوتی ہے اپنی محبت کی وجہ سے اسی لئے وہ چاہتی ہے کہ وہ اس کا خون چوستا رہے۔ قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ اخلاقِ فاضلہ اختیار کرنے سے آخر انسان اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اخلاق اس کے طبعی جذبات کی طرح ہو جاتے ہیں اور وہ اخلاق فاضلہ پر بالکل اسی طرح مجبور ہو جاتا ہے جیسے ماں اپنے بچے کو دودھ دینے کے لئے۔ اور مؤمن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر اس کے اخلاق فاضلہ کے رستہ میں کوئی رُکاوٹ واقع ہو جائے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے جو شخص اس حالت کو پہنچ جائے کہ اخلاق فاضلہ اس کے طبعی جذبات کے ماتحت عمل میں آنے لگ جائیں تو باوجود طبعی ہونے کے اس کی نیکی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اُس وقت یہ کہا جائے گا کہ یہ شخص مجسم اخلاق بن گیا ہے۔ غرض عربوں کے اندر اس

قسم کے افعالِ حسنہ کا پایا جانا طبعی جذبات تھے جن کے پیچھے نیکی کا جذبہ نہ تھا بلکہ وہ عزتِ نفس کے لئے ایسا کرتے تھے اور اپنے گردو پیش کے حالات سے مجبور تھے کہ وہ ایسا کریں اور اس قوم کے بعض افراد یا بعض قبائل میں جو عیوب پائے جاتے تھے ان میں نہ کرنے والے بھی شریک تھے کیونکہ وہ ان کے عیوب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ ان کی تعریف کرتے تھے۔ بے شک بعض لوگ خود عفت پسند بھی ہوتے تھے مگر جب ایک شاعر کسی مجلس میں کھڑے ہو کر اپنے شعر سناتا تھا جن میں اس نے یہ بیان کیا ہوتا تھا کہ میں نے فلاں کی عورت کو اغوا کر لیا یا فلاں عورت کے ساتھ میں نے یہ کیا تو چاہے مجلس میں ایک شخص خود عفیف ہوتا تھا وہ شاعر کے فعل کو کھیل سمجھتا تھا اور اس پر حیرت اور استعجاب کا اظہار نہ کرتا تھا بلکہ سن کر مسکرا دیتا تھا۔ اس طرح گو وہ خود ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرتا تھا مگر پسندیدگی کا اظہار کر کے وہ بھی ایسا کرنے والے کے ساتھ شامل ہو جاتا تھا۔

سید منیر الحصنی صاحب نے جو آیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کی ہے کہ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ [۱۲] مفسرین نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ آپ کے آباؤ اجداد نیک تھے حالانکہ ایک مشرک کو ہم عفیف تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے ساجد نہیں کہہ سکتے۔ یوں تو زبان کے لحاظ سے ہم بتوں کو سجدہ کرنے والوں کو بھی ساجد کہہ سکتے ہیں لیکن قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس معنوں میں ہوا ہے کہ موحد، ساجد اور راکع یعنی خدا کو سجدہ کرنے والے۔ پس اس آیت میں ساجدین کے یہ معنی نہیں کہ ہم نے تجھے موحد ساجدین میں سے گزارا اگر یہ معنی کئے جائیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد خدا رسیدہ تھے تو یہ صحیح نہیں تاریخ اس کے خلاف ہے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے والدین مشرک تھے اور ابو طالب جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت تھی جب وہ مرنے لگے تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ بھتیجے! تیری باتیں تو سچی معلوم ہوتی ہیں لیکن بات یہ ہے کہ میں اپنی قوم کو نہیں چھوڑ سکتا۔ پس ایک طرف ساجد کے معنی موحد کے اور دوسری طرف تواریخ اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دادا پڑدادا موحد نہیں تھے اس لئے وہ معنی جو مفسرین کی طرف سے کئے جاتے ہیں صحیح نہیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ میں یہ فرمایا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے گرد وپیش سب موحد ہی موحد ہیں اور تُو موحدین میں پھرتا ہے اور یہ ہمارا کتنا بڑا احسان ہے کہ مکہ جیسی شرک کی سرزمین میں ہم نے موحد ہی موحد پیدا کر دیئے ہیں اور ان لوگوں کو توحید پر عامل کر دیا ہے جو ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ تُو دائیں جاتا ہے تو تجھے موحد نظر آتے ہیں، تُو بائیں جاتا ہے تو تجھے موحد ملتے ہیں، تُو اِدھر جاتا ہے تو تجھے موحد ملتے ہیں اور تو اُدھر جاتا ہے تو تجھے موحد ملتے ہیں۔ غرض تُو جس طرف بھی جاتا ہے تجھے موحد نظر آتے ہیں اور مکہ جیسی شرک کی بستی میں ہم نے تیرے ساتھ موحدین پیدا کر دیئے ہیں۔ تَقَلُّب کے معنی ہیں اِدھر جانا اور اُدھر جانا۔ آپ جب خود اپنے والدین کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ مشرک تھے اور گو وہ رواجاً شرک کرتے تھے مگر کرتے ضرور تھے پھر یہ کہنا کہ آپ کے والدین موحد تھے یہ ایک ایسی بات ہے جس کے متعلق کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی نہیں ملتی نہ قرآن کریم سے نہ حدیثوں سے اور نہ تاریخ سے۔ پس تَقَلُّب کا مفہوم یہ نہیں تھا جو عوام نے سمجھ لیا ہے بلکہ یہ لفظ صحابہؓ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بعض انبیاء کی بیویاں ان پر ایمان نہ لائی تھیں، بعض کی اولاد نے ان کی نبوت کا انکار کر دیا تھا۔ حضرت لوطؑ کی بیوی آخر تک ایمان نہ لائی تھی گو بیویوں یا اولاد کے انکار سے نبی کی شان میں تو فرق نہیں آتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں تو خدا تعالیٰ کے دین پر فدا، آپ کی اولاد تھی تو وہ دین پر قربان، آپ کے ساتھی تھے تو وہ اسلام کے سچے عاشق، یہاں تک کہ سب تعلق والوں کو اللہ تعالیٰ نے ساجد بنا دیا اور یہ ایسی بات ہے کہ اور کسی نبی کو نصیب نہیں ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تُو جہاں کہیں جاتا ہے موحدین اور ساجدین میں پھرتا ہے، تیرے گھر میں توحید، تیرے دوستوں میں توحید اور تُو جدھر جاتا ہے توحید کا بیج بویا جاتا ہے اور تُو نے ہزاروں مشرکین کو ساجدین بنا دیا ہے۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ایک نیکی ہوتی ہے بِالفعل اور ایک بِالقوۃ۔ جہاں تک قابلیت اور ترقی کا سوال ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بِالفعل ان میں کوئی قابلیت اور ترقی نہیں تھی مگر جہاں تک بالقوۃ قابلیت اور ترقی کا سوال ہے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے

کہ اہلِ عرب میں یہ قابلیت اور ترقی پائی جاتی تھی بلکہ اس حد تک پائی جاتی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی تدبیر کے عین مطابق ہے اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ [۱۳] پس اللہ تعالیٰ بھی تدبیریں کرتا ہے جو اس کی حکمت پر مبنی ہوتی ہیں اور یہ بھی اس کی تدبیر ہی تھی کہ اس نے اپنا پیغام دنیا تک پہنچانے کے لئے عربوں میں اتنی قابلیت رکھ دی تھی کہ وہ اس بوجھ کو اُٹھا سکتے۔ ایک عقلمند انسان کسی بچہ پر اتنا بوجھ نہیں ڈالتا جو اُس کی طاقت سے بالا ہو پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے انسان پر اپنا پیغام پہنچانے کا بوجھ ڈال دے جو اس کام کی اہلیت نہ رکھتا ہو یا وہ اپنے نبی کو کسی ایسی قوم میں بھیج دے جس میں ترقی کی قابلیت بالقوہ بھی نہ پائی جاتی ہو۔ بے شک عربوں کے اندر اخلاق فاضلہ نہ تھے لیکن اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں افعال حسنہ ضرور تھے جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ عربوں کے اندر اتنی قابلیت تھی یا نہ تھی کہ وہ اعلیٰ ترقیات کو حاصل کرسکیں ہم کہیں گے کہ اگر ان میں اعلیٰ قابلیت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قوم کے اندر کیوں بھیجتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے اس مقام پر کھڑا کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہترین انسان تھے جو اس عظیم الشان بوجھ کو اُٹھا سکتے اور عربوں کو اس لئے چنا کہ عرب ہی دنیا میں وہ بہترین قوم تھے جو اعلیٰ ترقیات حاصل کر سکتے تھے۔ بے شک ابوبکرؓ اسلام سے پیشتر صرف ابوبکر تھے لیکن ان کے اندر بِالقوۃ نیکی موجود تھی اللہ تعالیٰ نے عربوں کو چُنا ہی اس لئے تھا کہ ان میں قابلیت پائی جاتی تھی۔

کسی کا یہ کہنا کہ عرب اسلام سے پیشتر اسلام کی تعلیم پر کیوں نہ عمل کرتے تھے یہ محض حماقت ہوگی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قابل تو رومی بھی تھے، ایرانی بھی تھے یا ہندوستانی بھی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر رومی قابل ہوتے تو اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اندر بھیجتا، اگر ایرانی قابل ہوتے تو اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اندر مبعوث فرماتا، اگر ہندوستانی قابل ہوتے تو اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اندر بھیجتا اور اگر افریقی اِس قابل ہوتے تو اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے اندر بھیجتا لیکن اللہ تعالیٰ

آپ کو نہ رومیوں میں بھیجتا ہے، نہ ایرانیوں میں اور نہ ہندوستانیوں میں بھیجتا ہے اور نہ افریقیوں میں بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو عربوں میں بھیجتا ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنے دین کو تباہ کرنا چاہتا تھا کہ اس نے آپ کو عربوں میں مبعوث فرما دیا؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربوں میں بھیجا ہی اس لئے تھا کہ وہ جانتا تھا کہ اِس وقت عرب ہی ایک ایسی قوم ہے جو دنیا کی ساری قوموں سے بڑھ کر اپنے اندر قابلیت رکھتی ہے اور اس میں شک وشبہ کی ذرہ بھر گنجائش نہیں ہوسکتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک ایسے انسان تھے جو اس بوجھ کو اُٹھا سکتے تھے۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ عرب ہی ایک ایسی قوم تھی جو مستحق تھی اس بات کی کہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجتا اور ان کو فضیلت اسی بات میں ہے کہ ان کے اندر بِالقوہ نیکی پائی جاتی تھی۔ بِالقوہ اسے کہتے ہیں جو کسی کی ذاتی استعداد ہو اور بِالفعل وہ خوبی ہوتی ہے جو ظاہر ہو رہی ہو۔ پس جہاں تک ذاتی استعداد کا سوال ہے اگر کوئی کہے کہ ذاتی استعداد عربوں کے سوا اور قوموں میں بھی تھی تو یہ بالکل غلط بات ہوگی۔ کوئی شخص کہہ دے کہ اگر اسلام ایرانیوں میں جاتا یا رومیوں میں جاتا تو اور بھی ترقیات حاصل کرتا تو یہ بھی قلتِ تدبر کا نتیجہ ہوگا خدا تعالیٰ نے عربوں کو چنا ہی اس لئے تھا کہ وہ دین الٰہی کو انتہائی بلندی پر پہنچا سکتے تھے۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمکی عرب میں پیدائش اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے ماتحت تھی خدا تعالیٰ نے اچھی طرح اس بات کو دیکھ لیا تھا کہ عرب ہی دنیا میں ایک ایسی قوم ہے جو اس بوجھ کے اُٹھانے کے قابل ہے ورنہ خدا تعالیٰ کو یہ بھی طاقت تھی کہ آپ کو ایران یا روم یا ہندوستان یا افریقہ میں پیدا فرماتا۔ پس جہاں تک اُس زمانہ میں بِالقوہ نیکی کا سوال ہے اگر کوئی کہے کہ عربوں سے بڑھ کر کسی اور قوم میں بِالقوۃ موجود تھی تو یہ بالکل غلط بات ہے۔ اسی طرح اِس زمانہ میں سب سے بڑھ کر قربانی کرنے کا مادہ پنجاب کے لوگوں میں پایا جاتا ہے بعض بنگالی کہہ دیتے ہیں آپ پنجابیوں کو کیوں افضل قرار دیتے ہیں؟ تو میں کہتا ہوں یہ تمہاری قلت تدبر کا نتیجہ ہے جو شخص اس پر اعتراض کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پنجاب میں مبعوث فرما کر یہ بتا دیا کہ جو استعداد اور قربانی کا مادہ پنجابیوں کے اندر ہے وہ کسی اور علاقہ کے لوگوں میں نہیں پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

بعثت بنگال یا پشاور یا دکن میں ہونی چاہئے تھی تو یہ اُس کی حماقت ہوگی اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر انتخاب کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو فرسٹ (FIRST) قرار دینا تھا دے دیا اور اس کی نظر نے دیکھ لیا کہ اس وقت پنجاب ہی اِس قابل ہے کہ اس میں مَیں اپنا مامور بھیجوں۔ وہ اچھی طرح اس بات کو جانتا تھا کہ ان کے اندر چھپی ہوئی فضیلت ہے اور ان میں بِالقوہ ترقی کی قابلیت موجود ہے۔

پس جہاں تک اخلاقِ فاضلہ کا تعلق ہے بے شک عربوں میں اسلام سے پہلے نہ تھے لیکن ان کے اندر بِالقوہ نیکی کی استعداد موجود تھی اور ان میں بعض چھپی ہوئی خوبیاں پائی جاتی تھیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض زمینیں بظاہر یکساں نظر آتی ہیں لیکن ایک زمین ایسی ہوتی ہے کہ اگر اس پر شبنم بھی پڑ جائے تو وہ غلّہ اُگاتی ہے اور دوسری ایسی ہوتی ہے کہ اگر اس پر متعدد دفعہ بارشیں بھی ہوتی رہیں تو اس میں روئیدگی کی طاقت نہیں آتی۔

پس اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس لئے اپنے دین کیلئے چنا کہ ان میں اس بوجھ کے برداشت کرنے کے لئے قوت موجود تھی اور وہ جانتا تھا کہ جب اس قوم پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چھینٹا پڑے گا ان میں روئیدگی کی وہ طاقت پیدا ہو جائے گی جو کسی اور قوم میں نہیں ہو سکتی۔ پس عربوں کی اس فضیلت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔اور انکار کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ جان بوجھ کر انکار کیا جا رہا ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی جولاہا فوج میں بھرتی ہو گیا جب وہ میدانِ جنگ میں پہنچا تو تیر لگنے سے زخمی ہو گیا اور اُس کا خون بہنے لگا۔ وہ خون کو دیکھتا اور بھاگتا جاتا اور کہتا جاتا یا اللہ! ایہہ خواب ہی ہووے۔ یا اللہ! ایہہ خواب ہی ہووے۔ پس عربوں کی فضیلت کا انکار کرنا اس جولاہے کی پیروی کے مترادف ہوگا۔عربوں نے اس طرح اسلام کو قبول کیا اور پھر ساری دنیا میں پھیلایا کہ دنیا حیران رہ گئی اور وہ ایک قلیل عرصہ میں دنیا کے معتد بہ حصہ پر اسلام پھیلانے کا موجب ہوئے۔ پس عربوں کا بِالقوہ نیکی کا انکار کوئی اندھا ہی کرے تو کر سکتا ہے لیکن عقل اور دماغ رکھنے والا انسان کبھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ عربوں کے اندر جو بِالقوہ نیکی موجود تھی وہ اور کسی قوم کے اندر نہ تھی۔

(الفضل ۳، ۵، ۷، ۸، ۹، ۱۲؍ستمبر ۱۹۶۱ء)

۱؎ الروم: ۴۲
۲؎ داکھ: انگور کی ایک قسم
۳؎ عِنَب: انگور
۴؎ المنجد صفحہ ۵۱۸، ۵۱۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ء
۵؎ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ
۶؎ البلد: ۷ ۷؎ البلد: ۷، ۸
۸؎ طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء
۹؎ بخاری کتاب العتق۔ باب عتق الشرک
۱۰؎
۱۱؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۰۲، ۴۰۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء
۱۲؎ الشعراء: ۲۲۰ ۱۳؎ اٰل عمران: ۵۵

خوف اور امید کا درمیانی راستہ

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خوف اور امید کا درمیانی راستہ

(فرمودہ ۲۹ رمئی ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب)

ان ایام میں مسلمان ایک نہایت ہی نازک دَور میں سے گزر رہے ہیں اور ان کے اندر موجودہ حالات کی نزاکت کا اتنا احساس نہیں پایا جاتا جتنا کہ پایا جانا چاہئے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن خوف اور رجاء کے درمیان درمیان ہوتا ہے نہ تو اس پر خوف ہی غالب آتا ہے اور نہ اس پر امید غالب آتی ہے بلکہ یہ دونوں حالتیں اس کے اندر بہ یک وقت پائی جانی ضروری ہیں جہاں اس کے اندر خوف کا پایا جانا ضروری ہے وہاں اس کے اندر امید کا پایا جانا بھی ضروری ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ نہ تو وہ خوف کی حدود کو پار کر جائے اور نہ امید کی حدود سے تجاوز کر جائے اور یہی وہ اصل مقام ہے جو ایمان کی علامت ہے یا خوش بختی کی علامت ہے اور اس میں مؤمن ہونے کی بھی شرط نہیں اگر کوئی مسلمان نہ بھی ہو اور وہ اس اصل پر عمل کرے اور وہ خوف و رجاء کے درمیانی راستہ پر قدم زن ہو تو یہ اس کی خوش بختی کی علامت ہوگی ورنہ وہ تباہی کا منہ دیکھے گا۔ یہی خوف و رجاء کے الفاظ جو قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں بعینہٖ اسی قسم کے اور انہی معنوں میں انگریزی دان مدبرین نے بھی الفاظ چنے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ وہی انسان اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے جو نہ OPTIMIST ہو یعنی ہر چیز کو امید کی نگاہ سے دیکھنے والا ہو اور نہ PESSIMIST یعنی ہر چیز میں ناامیدی کا پہلو نکالنے والا ہو بلکہ ان دونوں کے درمیانی راستہ پر چلے۔ اگر وہ ہر چیز کا روشن پہلو دیکھتا رہے گا اور بُرے پہلو کو نظر انداز کر دے گا تو وہ بھی ناکامی کا منہ دیکھے گا اور اگر وہ کُلّی طور پر ناامیدی کا پہلو دیکھتا رہے گا اور امید کے پہلو کو نظر انداز کر دے تو بھی اس کی یہ

حالت نقصان دِہ ہوگی صرف وہی شخص کامیاب ہوسکتا ہے جو ان دونوں کا درمیانی راستہ اختیار کرے یہی تعریف قرآن کریم میں بھی مؤمن کی بیان ہوئی ہے کہ نہ تو وہ کُلّی طور پر خوف کی طرف اور نہ ہی کُلّی طور پر رجاء کی طرف جھک جاتا ہے بلکہ ان دونوں حالتوں کو اپنے اندر رکھتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کرتا ہے۔

ان ایام میں ہم دیکھتے ہیں کہ چاہے مسلمان پنجاب اور بنگال میں اکثریت رکھتے ہیں مگر جب کبھی حقوق کا سوال اُٹھتا ہے یورپین قومیں دشمن کے حق میں اور ان کے خلاف رائے رکھتی ہیں اور انگلستان اور امریکہ وغیرہ سے بھی جو آواز اٹھتی ہے وہ عام طور پر مسلمانوں کے خلاف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ انگلستان کے وہ اخبارات جو پہلے مسلمانوں کی تائید کیا کرتے تھے انہوں نے بھی اب تائید کرنی چھوڑ دی ہے اور پھر تائید میں لکھنا تو الگ بات ہے انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ گزشتہ فسادات کے دوران میں جب دشمن کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف غلط پروپیگنڈا کیا جارہا تھا اُن کا جواب دیتے لیکن جواب دینا تو درکنار جب کبھی ایسا مضمون نکلتا اور مسلمانوں کی طرف سے اس کا جواب بھیجا جاتا تو وہ اخبار اسے شائع نہیں کرتے رہے۔ گزشتہ ایام میں میں نے انگلستان میں اپنے مبلغین کو لکھا کہ تم لوگ وہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو اور تم کیوں مسلمانوں کی حمایت میں مضمون نہیں لکھتے یا ہندوؤں کے غلط پروپیگنڈا کی تردید نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو سب کچھ کرتے ہیں اور مضامین بھی لکھتے ہیں لیکن یہاں کے اخبارات ہمارے مضامین چھاپتے نہیں۔ پس عام طور پر انگلستان کے اخبارات مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں کے حق میں مضامین چھاپتے رہتے ہیں اور ہمیشہ انہی کی تائید کرتے ہیں سوائے اس کے کہ کسی بڑے افسر نے تائید میں کوئی مضمون لکھا تو اسے چھاپ دیا مگر شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اِس وقت انگلستان کے لوگوں کے مدنظر کوئی مصلحت ہے یا حکومت کی طرف سے انہیں ایسا کرنے کے لئے کوئی اشارہ ہے بہرحال وہ جو آواز اُٹھاتے ہیں مسلمانوں کے خلاف اُٹھاتے ہیں۔ وہ لوگ چونکہ سیاسی ہیں اس لئے وہ اپنی حکومت سے حتّی الوسع تعاون کرتے ہیں یہاں کے اخباروں والے تو چونکہ سمجھتے ہیں کہ حکومت غیر ملکی ہے اس لئے اگر حکومت کے منشاء کے خلاف بھی کوئی قدم اُٹھایا تو کوئی بُری بات نہیں ہے

مگر وہاں کی حکومت چونکہ غیر ملکی نہیں بلکہ ان کی اپنی ہے اس لئے وہ سیاست کے ماتحت حکومت کے ساتھ حتّی الامکان تعاون سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ جب میں ولایت گیا تو ہمارے وہاں جانے پر تمام انگریزی اخبارات نے بڑے لمبے چوڑے مضامین لکھے اور قریباً تمام اخبارات نے ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ گویا وہ ہمیں خوش کرنا چاہتے تھے۔ ابھی میں وہاں ہی تھا کہ مجھے خبر پہنچی کہ امان اللہ خاں والیٔ کابل نے ہمارے مبلغ مولوی نعمت اللہ صاحب کو سنگسار کر دیا ہے ہم نے وہاں جلسہ کیا اور بڑے ریزولیوشن پاس کئے اور اخبارات کو بھجوائے لیکن ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہی اخبارات جنہوں نے ہمارے جانے پر بڑے لمبے چوڑے مضامین لکھے تھے اور کئی دن تک صفحوں کے صفحے سیاہ کرتے رہے انہوں نے سوائے اِس کے کہ اپنے اخباروں کے کسی گوشے میں اس خبر کو جگہ دے دی نمایاں طور پر کسی نے بھی شائع نہ کیا۔ ہمیں اس بات پر سخت تعجب ہوا اور ہم نے مختلف اخبار والوں کے پاس اپنا آدمی بھیجا تو انہوں نے آگے سے یہ بہانہ کر کے ٹال دیا کہ چونکہ آجکل سیاسی معاملات بہت زیادہ ہیں اور ہمیں ان پر مضامین شائع کرنے پڑتے ہیں اور چونکہ پبلک کو ان سیاسی مسائل سے زیادہ دلچسپی ہے اس لئے افسوس ہے کہ ہم اس خبر کو نمایاں طور پر شائع نہیں کر سکے مگر ایک دو اخبارات ایسے بھی تھے جن کا تعلق ہمارے ساتھ دوستانہ تھا انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہمیں تو گورنمنٹ کی طرف سے اِس قسم کا اشارہ پہنچا ہے کہ یہ خبر شائع نہ کی جائے کیونکہ اس طرح افغانستان کی حکومت سے ہمارے تعلقات خراب ہو جائیں گے ہم یہ تو جانتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں لیکن ملکی حکومت کے ساتھ تعاون کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اس لئے ہم ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ پس یہ بھی ممکن ہے کہ انگلستان کی حکومت نے ہی وہاں کے اخبارات کو مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں کے حق میں آواز اُٹھانے کے لئے اشارہ کر دیا ہو۔ بہرحال اِس وقت انگلستان والوں کی رائے عامہ مسلمانوں کے خلاف ہے امریکہ جو پہلے ہندوؤں کی بہت زیادہ تائید کیا کرتا تھا بلکہ مسلمانوں کے حقوق کے متعلق کچھ کہنا سننا بھی گوارا نہ کرتا تھا اب اس کے اندر تھوڑی بہت تبدیلی ہو رہی ہے اور اب جو مضامین وہاں کے اخبارات میں چھپتے ہیں ان سے پتہ لگتا ہے کہ گو وہ مسلمانوں کے حق اور تائید میں آواز نہیں اُٹھاتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس نے پہلے جیسی مخالفت چھوڑ دی ہے۔ اِدھر

ہندوستان کے اندر انگریز افسر عام طور پر ہندوؤں اور سکھوں کی تائید کرتے ہیں مسلمانوں کی نہیں کرتے۔ جہاں تک زیادتی اور ظلم کا سوال ہے اس کا دونوں قوموں نے ارتکاب کیا ہے کسی جگہ ہندوؤں نے اور کسی جگہ مسلمانوں نے جن جن جگہوں میں مسلمانوں نے ظلم کیا ہے ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے ظلم کیا ہے ہم بُرے فعل کو ضرور بُرا کہیں گے مگر ہم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ جہاں مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے اس کے خلاف بھی آواز اُٹھنی چاہئے نہ کہ اسی ظلم کے خلاف جو مسلمانوں نے کیا ہے۔ لاہور اور امرتسر میں جو فسادات ہوئے ہیں ان میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر ظلم کیا ہے اور ہندوؤں نے ہی فسادات کی ابتداء بھی کی ہے۔ بے شک راولپنڈی اور ملتان وغیرہ میں مسلمانوں نے بھی ظلم کیا اور اگر انہوں نے ظلم کیا ہے تو ہماری جماعت یہ نہیں کہے گی کہ وہاں مسلمانوں نے ظلم نہیں کیا لیکن ہم یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ جہاں ہر وقت یہ شور مچایا جا رہا ہے کہ راولپنڈی اور ملتان میں مسلمانوں نے ظلم کیا وہاں یہ آواز بھی تو اُٹھنی چاہئے کہ لاہور اور امرتسر میں ہندوؤں نے ظلم کیا۔ امرتسر کے اندر مسلمان اقلیت میں ہیں اور ہندوؤں نے جی بھر کر ان پر مظالم توڑے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ وہاں ہندوؤں کے مکانات بھی جلے ہیں اور ان کو نقصان پہنچا ہے لیکن ابتداء ہندوؤں ہی کی طرف سے ہوئی اور یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایک کا مکان جلے اور وہ دوسرے کا مکان نہ جلائے۔ جب ہندوؤں نے ظلم کرنے میں پہل کی تھی تو مسلمانوں میں جوش کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا ہاں ملتان والوں کا یہ حق نہ تھا کہ وہ امرتسر کا بدلہ وہاں کے ہندوؤں سے لیتے۔ ان کو چاہئے تھا کہ وہ جتھے بنا کر امرتسر پہنچتے اور ظالموں کا مقابلہ کرتے۔ اسی طرح راولپنڈی والوں کا یہ حق نہ تھا کہ وہ امرتسر کا بدلہ وہاں کے ہندوؤں سے لیتے بلکہ ان کا حق یہ تھا کہ وہ جتھا در جتھا امرتسر میں پہنچ جاتے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کرتے۔ جہاں تک امرتسر کے نقصانات کا سوال ہے اس میں شبہ نہیں کہ وہاں کے ہندوؤں کو بھی نقصان پہنچا ہے لیکن ہندوؤں نے بلیک مارکیٹ میں سے اربوں روپیہ کمایا ہوا تھا اگر ان کا دس کروڑ کا نقصان بھی ہوگیا تو کیا ہوا ایک فی صدی نقصان کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا مگر دوسری طرف امرتسر کے مسلمان بالکل تباہ ہوگئے ہیں ان کی ساری کی ساری جائدادیں فسادات کی نذر ہوگئی ہیں اور وہ نانِ شبینہ کے بھی محتاج ہو چکے

ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی تائید میں کوئی آواز نہیں اُٹھتی۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں طرف کو یکساں دیکھا جائے جہاں راولپنڈی اور ملتان کے ظلم کو دیکھا جائے وہاں لاہور اور امرتسر کے ظلم کو بھی دیکھا جائے، لاہور اور امرتسر کے مسلمانوں نے جو دفاعی اقدام کیا وہ حالات سے مجبور ہو کر کیا اور جب حالات اس قسم کے ہو جاتے ہیں تو یہ بات کسی کے اپنے بس میں نہیں رہتی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چیز کو تو انتہائی طور پر اُبھارا جارہا ہے لیکن دوسری کا ذکر بھی نہیں کیا جاتا اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ خاص طور پر رعایت سے کام لیا جارہا ہے۔ جو اُٹھتا ہے وہ کہتا ہے نوا کھلی کے مظالم کو دیکھو، راولپنڈی اور ملتان کے مظالم کو دیکھو مگر یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ بمبئی، بہار، گڑھ مکتیسر، احمد آباد، امرتسر اور لاہور کے مظالم کو بھی دیکھو۔ تمام اخبارات راولپنڈی اور ملتان کا ذکر الاپتے ہیں مگر انصاف کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اس طرف کا ذکر نہیں کرتے جس سے ان کے اپنے گھر پر زد پڑتی ہے۔ کانگرس کے اخبارات تو ایسا کریں گے ہی کیونکہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں لیکن دوسرے اخبارات کا بھی یہی وطیرہ ہے یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں اور وہ مسلمانوں کو اِس خطرہ اور مصیبت سے آگاہ کر رہی ہیں جو ان پر آنے والا ہے مگر مسلمان ہیں کہ خواب خرگوش سے بیدار ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔ زمانہ ان کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہا ہے لیکن وہ جاگنے کا نام نہیں لیتے، مصائب کے سیاہ بادل اُمڈے چلے آتے ہیں لیکن مسلمان اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں، مخالفت کے طوفان ان کے سفینے پر بار بار تباہ کر دینے والی لہریں اُچھالتے ہیں لیکن وہ ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ سب کچھ خواب ہے اور باقی تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ دعوے پر دعوے کرتے چلے جاتے ہیں کہ ہم ایک ایک انچ کے لئے یوں کر دیں گے اور ہم یہ کر کے دکھا دیں گے لیکن ان کا عملی پہلو اتنا کمزور ہے کہ اس کو دیکھ کر کوئی عقلمند ان کے دعوؤں کو لفاظی سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا۔ جہاں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایک ایک انچ کے لئے اپنی جانیں لڑا دیں گے وہاں وہ یہ بھی شور مچاتے ہیں کہ فلاں D.S.P یا S.P یا فلاں تھانیدار کو بدل دیا جائے۔ گویا ایک طرف تو ان کے دعوے اتنے بلند ہیں کہ سننے والا یہ اندازہ لگاتا ہے کہ شاید یہی لوگ اپنے علاقہ کے کرتا دھرتا ہیں اور دوسری طرف وہ تھانیداروں کی تبدیلی کے لئے شور

مچاتے ہیں۔ وہ اپنے دعووں کی کامیابی کی ایک جھوٹی امید لگائے بیٹھے ہیں اور جب انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ اِس وقت مسلمانوں کو سخت خطرہ درپیش ہے تو کہیں گے نہ نہ نہ اِس بات کا نام نہ لینا ورنہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور ان کی دلیری جاتی رہے گی۔

میں نے ایک مسلمان لیڈر کو کہا کہ آپ مسلمانوں کو سمجھائیں کہ کسی قسم کی زیادتی نہ کریں بلکہ وہ جہاں تک ہو سکے مظلوم بننے کی کوشش کریں تا کہ دنیا کی آواز ان کے حق میں اُٹھے لیکن انہوں نے کہا نہ نہ یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر مسلمان زیادہ مارے گئے تو باقی لوگ ہمت ہار جائیں گے۔ غرض میری اس نصیحت کے جواب میں کہ کچھ دن مرو اور صبر کرو تا کہ ساری دنیا تمہاری تائید کرے انہوں نے مجبوری ظاہر کی کہ اس طرح کرنے سے مسلمانوں کے دل بیٹھ جائیں گے۔ یہ سب باتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ مسلمانوں نے ابھی تک حقیقی تیاری نہیں کی اگر انہوں نے کوئی تیاری کی ہوتی تو ان کے اندر قربانی کے جذبات ہوتے اور اعلیٰ درجہ کی تنظیم ہوتی۔ مثلاً امرتسر میں جب ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا تو ان بے چاروں کو سوائے اس کے اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ وہ حملے کا جواب دیتے اور یہ ان کا حق بھی تھا مگر سوال تو یہ ہے کہ باقی پنجاب کے مسلمانوں نے کیا تیاری کی۔ ان کے لئے یہ بات ہرگز جائز نہ تھی کہ وہ امرتسر کا بدلہ راولپنڈی یا ملتان کے ہندوؤں سے لیتے۔ ظلم کرنے والے تو امرتسر میں بیٹھے تھے راولپنڈی یا ملتان کے ہندوؤں کا اس میں کیا حصہ تھا ان کا یہ فعل سراسر ظلم ہے اور شریعت اسلام نے کسی صورت میں بھی اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ تیاری کا مطلب تو یہ تھا کہ وہ امرتسر کے مصیبت زدگان کی امداد کرتے ان کا ایک کروڑ کے قریب نقصان ہوا تھا مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ لوگوں میں چندہ کی تحریک کرتے اور ایک کروڑ نہ سہی کم از کم پچیس لاکھ روپیہ جمع کر کے ان کو وقتی گزارہ کے لئے دے دیا جاتا۔ اگر ایسا کیا جاتا تو ان کے حوصلے بلند ہو جاتے اور ان کو دلیری ہوتی کہ ہمارے بھی بھائی ہیں اور ہمارے بھی خیر خواہ موجود ہیں جو ہم پر مصیبت آنے کے وقت ہماری امداد کر سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اس کام کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی نہ ہی ان کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے کوئی جدوجہد کی گئی ہے۔ بروقت امداد ایک ایسی چیز ہے جو ایک طرف حوصلے کو بلند کرتی ہے اور دوسری طرف محبت کے جذبات کو اُبھارتی ہے۔

میں نے کئی دفعہ ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ عرب کی مشہور شاعرہ خنساء کے باپ نے اُس کی شادی ایک رئیس کے لڑکے سے کر دی۔ وہ لڑکا نہایت عیاش تھا اور اس کے اندر ہر قسم کے بُرے افعال کی عادات پائی جاتی تھیں۔ چنانچہ اس لڑکے نے شراب اور جوئے میں اپنے باپ کی ساری جائیداد تباہ کر دی اور جو کچھ بیوی کا مال واسباب تھا وہ بھی اُڑا دیا اور آخر جب وہ سب کچھ پھونک چکا تو ایک دن نہایت افسردہ ہو کر بیٹھا ہوا تھا کہ بیوی نے پوچھا کیا بات ہے تم اتنے دلگیر کیوں ہو؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں سب جائداد تباہ کر چکا ہوں اور اِس وقت ہمارے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ بیوی نے اسے تسلی دی اور کہا یہ کوئی مایوسی کی بات نہیں میرا بھائی بڑا امیر کبیر ہے اور جب تک وہ زندہ ہے مجھے اُس کی امداد پر پورا بھروسہ ہے اس کی موجودگی میں ہم کیوں اتنا غم کریں۔ چلو اُس کے پاس چلتے ہیں وہ ہماری اس حالت کو دیکھ کر ضرور ہماری امداد کرے گا۔ چنانچہ وہ اسے ساتھ لے کر اپنے بھائی کے پاس گئی اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے بہنوئی کو کسی قسم کی ملامت کرتا کہ تم نے اپنی جائداد کو تباہ کر دیا ہے یا تم نالائق ہو اُس نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ اُن کا استقبال کیا اور اپنے دوستوں اور بڑے بڑے رؤساء کو اپنی بہن اور بہنوئی کی آمد کی خوشی میں دعوتیں دی اور متواتر چالیس دن تک دعوتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ چالیس دن کے بعد اس نے چند رؤساء کو بلایا اور کہا دیکھو! میری بہن اِس وقت غربت کی حالت میں ہے اس لئے میری جائداد میں اس کا حق ہے (حالانکہ باپ کی جائداد سے وہ اپنا الگ حصہ لے چکی تھی) اس لئے آپ انصاف کے ساتھ میری جائداد کو آدھا آدھا تقسیم کر دیں آدھا مجھے دے دیں اور آدھا میری بہن کو دے دیں کیونکہ یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ میری بہن غریب ہو جائے اور اس کی مدد نہ کروں۔ اُس زمانہ میں روپے تو ہوتے نہ تھے بھیڑیں بکریاں اونٹنیاں ہوتی تھیں یا تھوڑا بہت سونا چاندی ہوتا تھا اور ایک ایک امیر آدمی کے پاس سینکڑوں اور ہزاروں جانور ہوتے تھے۔ رؤساء نے اس کے مال کا اندازہ لگا کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور بہن اپنا آدھا حصہ لے کر اپنے خاوند کے ساتھ واپس گھر آ ئی۔ کچھ دنوں تک تو اُس کا خاوند بدعادات سے رُکا رہا لیکن بدعادتیں پھر عَود آئیں اور اس نے پھر وہی شراب اور جُوئے کا شُغل شروع کر دیا چنانچہ وہ مال جو اس کی بیوی اپنے بھائی سے

لائی تھی چند دنوں میں ختم ہو گیا اور پھر وہ کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا ایک دن پھر اسی طرح وہ مغموم شکل بنائے بیٹھا تھا کہ بیوی نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا سارا مال ختم ہو گیا ہے اب کیسے گذر ہوگی۔ خنساء نے کہا جب تک میرا بھائی زندہ ہے تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں وہ پھر اسے ساتھ لیکر اپنے بھائی کے پاس پہنچی اور بھائی نے اِس دفعہ پہلے کی نسبت بھی زیادہ شاندار استقبال کیا اور زیادہ شاندار دعوتیں کیں اور چالیس دن دعوتیں کرنے کے بعد اس نے رؤساء کو بلایا اور کہا میری دولت کو ہم دونوں بھائی بہن میں برابر برابر تقسیم کردو۔ وہ پھر آدھی دولت بھائی سے لیکر اپنے خاوند کے ساتھ گھر واپس آئی کچھ عرصہ تک تو خاوند نے شراب اور جُوئے سے پرہیز کیا۔ لیکن شراب اور جُوئے کی لت ایسی بُری ہوتی ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہوتا ہے چنانچہ اُس نے پھر وہی کام شروع کر دیئے اور اس دولت کو بھی اُڑا دیا۔ اس دفعہ اس کے دل میں سخت ندامت پیدا ہوئی کہ اب تو میں خودکشی کرلوں گا لیکن کچھ مانگنے کے لئے نہیں جاؤں گا۔ خنساء کو جب اپنے خاوند کا یہ ارادہ معلوم ہوا تو اس نے کہا میرا بھائی زندہ ہے تو تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ اب مجھے تمہارے بھائی کے پاس جاتے شرم محسوس ہوتی ہے مگر وہ اسے مجبور کر کے پھر اپنے بھائی کے پاس لے گئی اور بھائی نے پہلے سے بھی زیادہ شاندار استقبال کیا اور کوئی کسر اُن کی خدمت میں اُٹھا نہ رکھی۔ اس نے چالیس دن کے بعد پھر رؤساء کو بلایا اور کہا میری بہن پر پھر غربت کی حالت ہے اس لئے میری جائداد کو تقسیم کر کے نصف اسے دے دو۔ اس دفعہ اس کی بیوی جو یہ بات سن رہی تھے اس نے اُسے اندر بلایا اور کہا کچھ خدا کا خوف کرو آخر تمہارے بھی بیوی بچے ہیں ان کا کیا بنے گا وہ تو جواری اور شرابی ہے کیا تم اسی طرح اپنی تمام دولت لُٹا دو گے؟ خاوند نے کہا تم خاموش رہو میں اگر مر گیا تو تم اور خاوند کرلو گی لیکن میری بہن ہی ہے جو مجھے ساری عمر روئے گی۔ غرض بھائی نے پھر اپنی آدھی دولت بہن کو دے کر رُخصت کر دیا۔ خنساء گھر پہنچیں تو کچھ عرصہ تک خاوند نے صبر کیئے رکھا لیکن اپنی بدعادتوں سے مجبور ہو کر پھر وہی چال اختیار کی اور ساری دولت اُڑا دی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ مر گیا اور اُس کی وفات کے کچھ عرصہ بعد خنساء کا بھائی بھی مر گیا اس محبت کرنے والے بھائی کی موت نے خنساء کے دل پر ایسا گہرا زخم لگایا کہ اس نے اپنے

بھائی کی یاد میں مرثیے کہنے شروع کر دیئے اور درد اور محبت کی وجہ سے اس کے خیالات ایسا رنگ اختیار کر گئے کہ عرب کے چوٹی کے شاعروں میں شمار ہونے لگی اور اس نے بھائی کی محبت کے جوش میں اتنے اعلیٰ پایہ کے مرثیے کہے کہ آج تک عرب کے تمام شاعروں میں اعلیٰ درجہ کی شاعرہ شمار کی جاتی ہے۔ اس کے شعروں میں اتنا درد پایا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے جب اس کے شعر سُنے تو آپ رو پڑے اور کہنے لگے خنساء اگر مجھے بھی شعر کہنے آتے تو میں بھی اپنے بھائی کا ایسا ہی مرثیہ کہتا۔ خنساء نے کہا آپ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ کا بھائی خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو کر مرا ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا ہے خدا کی قسم! اگر میرا بھائی شہادت پاتا تو میں کبھی اس کا مرثیہ نہ پڑھتی اور کبھی اُس کی وفات پر افسوس کا اظہار نہ کرتی۔ اس پر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ اب دیکھو بھائی کی قربانی نے کتنا درد پیدا کر دیا تھا کہ ایک عامی عورت کو عظیم الشان شاعرہ بنا دیا اور ایسا کہ آج چودہ سَو سال گذرنے کے بعد بھی وہ عرب کی چوٹی کے شاعروں میں شمار کی جاتی ہے۔

پس مسلمان بجائے اس کے کہ امرتسر کے ہندوؤں اور سکھوں کا بدلہ راولپنڈی اور ملتان کے ہندوؤں سکھوں سے لیتے انہیں چاہئے تھا کہ وہ اپنے مال لا کر امرتسر کے مظلوم اور مصیبت زدہ مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیتے وہ خود تنگی سے گذراہ کر لیتے اور زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کر کے ان کی مدد کرتے اگر وہ ایسا کرتے تو امرتسر کے مسلمانوں کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی اور ان کو اپنے بھائیوں سے محبت ہوتی اور وہ یہ یقین کر لیتے کہ بے شک ہمیں تکلیف پہنچی ہے لیکن ہماری تکلیف میں حصہ لینے والے ہمارے بھائی موجود ہیں اور وہ اس بات کو محسوس کرتے کہ بے شک ہمیں دُکھ پہنچا ہے مگر ہمارے دکھ بانٹنے والے ہمارے بھائی موجود ہیں ان کے اندر دلیری، جرأت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بجائے اس احسن اقدام کے راولپنڈی اور ملتان کے ناکردہ گناہ ہندوؤں اور سکھوں سے امرتسر کا بدلہ لینا شروع کر دیا جو سراسر ناجائز تھا اور وہ اپنے فاقہ مست بھائیوں کو بالکل بھول گئے۔ ان کو یہ احساس تک نہ آیا کہ ہمارے مظلوم بھائی نانِ شبینہ کے محتاج ہو چکے ہیں، انہیں ذرا خیال نہ آیا کہ ہمارے مصیبت زدہ بھائی ہمارے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہے ہیں، انہوں نے اپنے اس

فرض کو بالکل نہ پہچانا کہ یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنا ان کے لئے ضروری ہے۔ وہ بھول گئے اس بات کو کہ ہمارے بیسیوں بھائی بے یار و مددگار زخموں سے نڈھال پڑے ہیں، انہوں نے نظر انداز کر دیا اس بات کو کہ ان کے سینکڑوں بھائی اپنے جلے ہوئے اور بے چھت مکانوں کے اندر درد و کرب سے کراہ رہے ہیں اور وہ نہ سوچ سکے اس بات کو کہ ان کے سینکڑوں بھائی دشمن کے ظلم واستبداد کا شکار ہونے کی وجہ سے ان کی امداد کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے صحیح اور سیدھے راستہ پر گامزن ہونے کی بجائے ٹیڑھی راہ کو اختیار کیا اور ایک کے ظلم کا بدلہ دوسرے ناکردہ گناہ سے لینا چاہا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امرتسر کے ستم رسیدہ مسلمان یہ سمجھنے لگ گئے کہ ہمارا کوئی نہیں ہے اگر کوئی ہوتا تو ہماری خبر گیری نہ کرتا اور ہماری دادرسی نہ کرتا۔

پچھلے دنوں مجھے ایک آدمی نے ایک واقعہ سنایا کہ امرتسر سے بھاگ کر آئے ہوئے دو مسلمانوں نے کسی سے کہا کہ ہم مرنے سے نہیں ڈرتے ہاں ہم اس بات سے ضرور ڈرتے ہیں کہ اگر ہم مارے گئے تو ہمارے بیوی بچے تباہ ہو جائیں گے اور ان کی رکھوالی کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ اگر پنجاب کے مسلمان امرتسر کے مظلوموں کی مدد کو پہنچتے تو ان کو یہ خیال کبھی نہ آ سکتا تھا کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بیوی بچوں کا کیا ہوگا۔ مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ وہ بجائے امرتسر کا بدلہ کسی اور جگہ کے ہندوؤں سے لینے کے جتھا در جتھا امرتسر پہنچتے اور اپنے بھائیوں کی خدمت کرتے اور ان کے مالی نقصان کو پورا کرنے کی کوشش کرتے اور انہیں تسلی دیتے تا کہ ان کے اندر قربانی کا جوش اور بھی زیادہ ہوتا اور وہ دشمن کے مقابلہ میں زیادہ دلیر اور زیادہ بہادر بن جاتے اور دنیا میں قدر ہمیشہ اُسی کی ہوتی ہے جو دشمن کا دلیری اور جرأت کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوا مارا جائے۔ بزدلی سے مرنے والے پر لوگ لعنت بھیجتے ہیں اگر مسلمان راولپنڈی اور ملتان میں امرتسر کا بدلہ لینے کی بجائے خود چل کر امرتسر پہنچتے اور جتھوں کی صورت میں آتے، سیالکوٹ سے آتے، گجرات سے آتے، جہلم سے آتے، لائل پور سے آتے اور دوسرے تمام اضلاع سے جوق در جوق امرتسر میں پہنچ جاتے اور کہتے جنہوں نے ہمارے بھائیوں پر ظلم کیا ہے وہ آئیں اور ہمیں بھی ماریں ساتھ ہی وہ اپنے بھائیوں کی اپنے مالوں سے امداد کرتے اور ان سے کہتے یہ

ہم تم پر احسان نہیں کر رہے بلکہ چونکہ تم نے ہماری قومیت میں شریک ہونے کی وجہ سے دُکھ اُٹھایا ہے اس لئے ہم تمہاری مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اِس قسم کا نظارہ پیش کرنے سے ایک طرف تو مسلمانوں کے حوصلے بڑھ جاتے اور دوسری طرف دشمن مرعوب ہو جاتا اور وہ سمجھ لیتا کہ اگر امرتسر کے مسلمانوں پر کوئی ظلم ہوا تو پنجاب کے لاکھوں کروڑوں مسلمان اس کا بدلہ لینے کا عزم کر چکے ہیں دشمن کے حوصلہ پست ہو جاتے اور وہ کبھی دوسری بار مسلمانوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اِس طرف تو کچھ بھی دھیان نہ کیا اور صرف بڑیں ہانکنی شروع کر دیں کہ ہم مٹا کر رکھ دیں گے یا ہم تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ جیسے آجکل کے گداگر فقیر جہلاء کے سامنے دعوئے کرتے پھرتے ہیں کہ ہم چودہ طبقوں کو اُلٹا کر رکھ دیں گے حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ سر سے ننگے، پاؤں سے ننگے، روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کیلئے در بدر مارے مارے پھرتے ہیں مگر دعویٰ وہ یہ کرتے ہیں کہ ہم زمین و آسمان کو درہم برہم کر سکتے ہیں اگر وہ اتنے ہی اپنے دعوؤں میں سچے ہوتے تو در بدر کی خاک کیوں چھانتے پھرتے۔

ایک دوست جو مریض تھے میری ملاقات کے لئے آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب ہیں جو بڑے عالم فاضل ہیں میرے باپ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ حج کے لئے گئے تو میں آپ کو پانچ سَو روپیہ دوں گا مگر جب وہ حج کو گئے تو والد صاحب نے کسی وجہ سے وعدہ پورا نہ کیا اور وہ مولوی صاحب سخت ناراض ہو گئے اس کے بعد والد صاحب نے میرے لئے تجارت کا انتظام کیا جب میرے پاس مال ہوا تو میں نے اپنے باپ کے وعدے کو پورا کرنے کے لئے مولوی صاحب کو پانچ سَو روپے دیتے ہوئے کہا لیجئے میرے والد صاحب تو اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے تھے اب میں آپ کو وہ روپیہ دیتا ہوں۔ مولوی صاحب نے روپے لے لئے اور صدری میں رکھے جس میں اُن کی ایک گھڑی بھی تھی مگر اتفاق ایسا ہوا کہ وہ صدری چوری ہوگئی اور نہ صرف میرا دیا ہوا پانچ سَو روپیہ ضائع چلا گیا بلکہ ان کا اپنا کچھ روپیہ اور گھڑی بھی چوری ہوگئی۔ اس پر مولوی صاحب نے مجھے کہا تم نے کیسا منحوس روپیہ دیا تھا کہ وہ میرا بھی کچھ روپیہ ساتھ لے کر جاتا رہا۔ اب ان مولوی صاحب نے خدا جانے کیا

وظیفہ پڑھ کر مجھ پر پھونک دیا ہے کہ میں ایک مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں ۔ یہ سن کر میں نے کہا مولوی صاحب نے اگر کسی قسم کا وظیفہ پڑھ کر آپ کو مریض بنا دیا ہے تو انہوں نے یہ کیوں نہ کیا کہ اُسی قسم کا وظیفہ پڑھ کر چور کو پکڑ لیتے اور روپیہ اُس سے واپس لے لیتے ۔ مولوی صاحب کو انسانی زندگی میں جو اتنی قیمتی ہے کہ لاکھوں روپیہ سے بھی نہیں مل سکتی تغیر پیدا کرنے والا وظیفہ آتا تھا تو ان کے لئے یہ کونسا مشکل کام تھا کہ وہ چور کو بھی پکڑواتے اس سے اپنا روپیہ بھی لے لیتے اور ساتھ ہی کچھ ہرجانہ بھی لیتے ۔ اسی طرح انہوں نے اور بھی اپنے بعض لطائف سنائے جو الف لیلیٰ کے قصوں کی طرح تھے ۔ یہ سب خیالی باتیں ہیں ۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان اپنے اندر ایک دوسرے کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتے اور جہاں کہیں کسی مسلمان کو دُکھ پہنچتا وہ جتھوں کی صورت میں اس کے پاس پہنچتے ، اس کے نقصان کی تلافی کرتے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے تو دشمن کبھی بھی ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکتا مگر افسوس کہ وہ اپنی اصلاح کی طرف سے بالکل غافل بیٹھے ہیں اور دعوؤں پر دعوے کرتے جا رہے ہیں کہ ہم یوں کر دیں گے اور یوں کر دیں گے اور ان کے یہ دعوے بالکل اسی قسم کے ہیں جیسے جادو یا ٹونا کرنے والوں کے ہوتے ہیں ۔ وہ اس راستہ کو بھول چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تجویز کیا تھا یعنی خوف اور رجاء کے درمیان والا راستہ ۔ وہ ایک ہی راستے پر چل رہے ہیں یعنی اُمید کے راستہ پر اور اس کو بھی عبور کرنے کی کوشش میں ہیں یہ تو حالت ہے اُمید کی ۔

اب دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان ایسے ہیں جن پر کُلّی طور پر خوف کی حالت طاری ہے اور وہ امید کے راستہ سے بھٹک چکے ہیں وہ لوگ کانگرس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہے ہیں اس ڈر سے کہ اگر کانگرس ہم سے ناراض ہوگئی تو خدا جانے ہم پر کون سی آفت ٹوٹ پڑے گی اور کانگرس کی مخالفت سے ہمیں کیا کیا نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے ۔ پس ایک طبقہ مسلمانوں کا ایسا ہے جو غلط خوف کی طرف جھکا ہوا ہے اور دوسرا طبقہ ایسا ہے جو غلط امیدیں لگائے بیٹھا ہے حالانکہ مومن کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو راستہ تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر بہ یک وقت خوف و رجاء کی حالت طاری رہے ۔ ایک طرف اس کے دل میں دشمن کی طرف سے یہ

خدشہ رہے کہ کب وہ اچانک اس پر حملہ کر دیتا ہے اور وہ اس کے لئے تدبیریں سوچتا رہے، دوسری طرف وہ اپنی طرف سے تمام تدبیریں کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہو جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت کی تو رات کے وقت کی اور آپ دشمنوں کی نظروں سے بالکل چھپ کر نکلے حالانکہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آپ کو دشمن کے منصوبوں سے بچانے کے بے شمار وعدے تھے اور آپ کو ان وعدوں پر یقین کامل تھا مگر آپ نے اس یقین کے ہوتے ہوئے بھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور دشمنوں سے محفوظ و مصئون رکھے گا حتَّی الامکان دشمن کی نظروں سے بچ کر نکلنے کی کوشش کی۔ یہ نہیں کہا کہ آ جاؤ مکے والو! مجھے پکڑ لو۔ مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آپ ڈرتے تھے بلکہ آپ نے صرف احتیاطی پہلو اختیار کیا تھا ورنہ آپ کی دلیری کا یہ عالَم تھا کہ جب آپ اپنے رفیق حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ غار ثور کے اندر تھے تو دشمن عین غار کے منہ پر پہنچ گیا اور اس کے ساتھ کھوجی بھی تھے جو پاؤں کے نشانوں کا کھوج نکالتے وہاں تک پہنچے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت جب آپ غار کے اندر داخل ہو گئے تو ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جھٹ جالا تن دیا۔ دشمنوں نے یہ دیکھ کر کہ غار کے منہ پر تو مکڑی کا جالا ہے اس میں سے کسی آدمی کے گذرنے کا امکان نہیں ہوسکتا یہ خیال کر لیا کہ آپ کسی اور طرف چلے گئے ہیں حالانکہ مکڑی دو یا چار منٹ کے اندر نہایت تیزی کے ساتھ اپنا جالا تیار کر لیتی ہے اور میں نے خود مکڑی کو جالا تنتے دیکھا ہے مگر چونکہ خدا تعالیٰ پردہ ڈالنا چاہتا تھا اس لئے دشمن کی سمجھ میں ہی یہ بات نہ آ سکی اور انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو وہ غار کے اندر ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں کیونکہ پاؤں کے نشانات غار تک پہنچ کر ختم ہو جاتے تھے اُس وقت جب کہ دشمن یہ کہہ رہے تھے کہ یا تو محمد ﷺ اور اس کا ساتھی غار کے اندر ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں حضرت ابوبکرؓ اندر ان کی باتیں سُن رہے تھے ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور آہستہ سے آپ کی خدمت میں عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰه! دشمن تو سر پر آن پہنچا ہے۔[1] اس واقعہ کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا آپ نے فرمایا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا[2] ابوبکرؓ ڈرتے کیوں ہو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پس ایک طرف تو آپ نے اتنی احتیاط کی کہ

آپ مکہ سے چُھپ کر نکلے اور دوسری طرف آپ کی اُمید کا یہ عالم تھا کہ باوجود اس کے کہ دشمن ہتھیاروں سے مسلح تھا اور اگر وہ لوگ ذرا بھی جھک کر غار کے اندر دیکھتے تو وہ آپ کو دیکھ سکتے تھے کیونکہ غارِ ثور کا منہ بڑا چوڑا ہے اور وہ تین گز کے قریب ہے آپ نہایت دلیری اور حوصلہ کے ساتھ فرماتے ہیں ابوبکر! ڈرتے کیوں ہو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جب خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں کس بات کا ڈر ہے۔ اِدھر حضرت ابوبکرؓ کے اخلاص کی یہ حالت تھی کہ انہوں نے عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں اپنے لئے تو نہیں ڈر رہا میں تو اس لئے ڈر رہا ہوں کہ اگر آپ خدانخواستہ مارے گئے تو خدا تعالیٰ کا دین تباہ ہو جائے گا۔

اسی طرح جب مدینہ میں منافقوں کی شرارت حد سے بڑھ گئی تو آپ کئی رات متواتر نہ سوئے جب آپ کی یہ تکلیف بڑھ گئی تو آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کاش! خدا تعالیٰ کسی مخلص مسلمان کے دل میں ڈالتا کہ وہ میرا پہرہ دیتا اور میں سو لیتا۔ آپ کو یہ بات کہے دو تین منٹ ہی ہوئے تھے کہ آپ کو ہتھیاروں کے چھنکار کی آواز آئی۔ آپ نے فرمایا کون ہے؟ آنے والے نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں فلاں ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ ہتھیار کیسے ہیں؟ اس نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کا پہرہ دوں آپ آرام فرمائیں[۳] ایک طرف تو آپ کی احتیاط کی یہ حالت تھی مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ جب رومیوں کے حملہ کا ڈر تھا اور مدینہ میں یہ خبر عام تھی کہ آج یا کل ہی حملہ ہونے والا ہے اس لئے لوگوں کو نیند بھی نہ آتی تھی۔ ایک رات جب کچھ شور سا ہوا اور صحابہ شور سن کر جمع ہونے لگے اور مسجد میں بیٹھ گئے اِس انتظار میں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہوں گے آپ کو خبر کی جائے کہ اِس قسم کا شور ہوا ہے وہ اس قسم کی باتیں کر ہی رہے تھے کہ باہر سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ جب وہ سوار ان کے پاس پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ وہ آنے والا سوار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے آتے ہی فرمایا خطرہ کی کوئی بات نہیں میں دیکھ کر آیا ہوں۔ آپ جس گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے وہ گھوڑا بھی کسی دوسرے کا تھا آپ نے جب شور سنا تو پہلے جا کر گھوڑا لیا اور پھر پیشتر اس کے کہ سارے صحابہ جمع ہو جاتے آپ میلوں میل تک دیکھ کر واپس بھی تشریف لے آئے۔[۴] اب دیکھو ایک طرف تو خوف کی وہ حالت تھی اور ایک طرف امید کی یہ

حالت تھی۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ غزوہ حنین میں جب مسلمانوں کا لشکر پیچھے ہٹا کیونکہ دشمن کے تیروں کے حملہ نے شدت اختیار کر لی تھی آپ صرف چند صحابہؓ کو ساتھ لے کر دشمن کی طرف آگے بڑھے حضرت ابوبکرؓ نے یہ دیکھ کر کہ دشمن کا حملہ شدید ہے آپ کو روکنا چاہا اور آگے بڑھ کر آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی مگر آپ نے فرمایا چھوڑ دو میرے گھوڑے کی باگ کو۔ اس کے بعد آپ یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

اَنَـــــا الـــــنَّبِـــــــيُّ لَا كَــــذِب

اَنَـــــا ابْـــــنُ عَبْـــدِ الْـــمُـــطَّـــلِـــب [۵]

یعنی میں خدا تعالیٰ کا نبی ہوں اور جھوٹا نہیں ہوں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ آپ کا یہ فرمانا کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اِس کا یہ مطلب تھا کہ اِس وقت دشمن کا حملہ اِس قدر شدید ہے کہ دشمن کے چار ہزار تیر انداز تیروں کی بارش برسا رہے ہیں اِس حالت میں میرا آگے بڑھنا انسانیت کی شان سے بہت بلند اور بالا نظر آتا ہے اس سے کوئی دھوکا نہ کھائے اور یہ نہ سمجھے کہ مجھ میں خدائی طاقتیں ہیں میں تو عبدالمطلب کا بیٹا ہی ہوں اور ایک بشر ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی مدد میرے نبی ہونے کی وجہ سے میرے ساتھ ہے۔

جنگ بدر کے موقع پر صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک اونچی جگہ بنا دی اور عرض کیا یَـارَسُـوْلَ اللّٰـه ﷺ آپ یہاں تشریف رکھیں۔ چنانچہ آپ وہیں بیٹھ گئے اور خدا تعالیٰ کے حضور نہایت عجز اور رقت سے دعائیں کرنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰه ﷺ کیا اللہ تعالیٰ کے آپ کے ساتھ وعدے نہیں ہیں آپ نے فرمایا وعدے تو ہیں مگر وہ غنی بھی تو ہے اور مؤمن کا کام ہے کہ اس کی غناء کو کبھی نہ بھولے۔[۶]

پس آپ کو ایک طرف تو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا اور کامل یقین تھا اور دوسری طرف یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ غنی بھی ہے آپ کو خوف بھی تھا مگر اِس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ احتیاط کی طرف سے کُلّی طور پر پہلو تہی کرتے ہوئے صرف امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں مؤمن کو امید کی بھی اور

احتیاط کی بھی سخت ضرورت ہے مگر مسلمان کہتے ہیں دیکھا جائے گا۔ آجکل کے مسلمان دونوں حدود کے سر پر پہنچے ہوئے ہیں حالانکہ اصل طریق جو اِن کو اختیار کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ خوف اور امید کی درمیانی راہ تلاش کریں اور خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستوں اور محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تجویزوں پر عمل کریں۔ ایک طرف انہیں انتہا درجہ کی تنظیم کرنی چاہئے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ پر کامل یقین رکھنا چاہئے کیونکہ مؤمن وہی ہوتا ہے جو ایک طرف تدبیر بھی کرتا ہے اور دوسری طرف تقدیر پر بھی ایمان رکھتا ہے جب یہ دونوں حالتیں اس کے اندر بہ یک وقت جمع ہو جاتی ہیں تو خدا تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور اس وقت خدا تعالیٰ کہتا ہے میں نے اپنے بندے کو دو حکم دیئے تھے اور میرے بندے نے دونوں حکم مانے ہیں میں نے اس کو تدبیر کرنے کا حکم دیا تھا اس پر اس نے عمل کیا ہے اور میں نے اس کو تقدیر پر ایمان لانے کو کہا تھا اس پر بھی اس نے عمل کیا ہے اس لئے اب میں نے بھی اپنے اوپر فرض کر لیا ہے کہ میں اپنے فرمانبردار بندے کی اعانت کروں اور اس کے دشمن کے منصوبوں کو خاک میں ملا کر رکھ دوں۔ اور اگر مسلمان ان باتوں پر عمل پیرا نہیں ہوں گے تو خدا تعالیٰ کہے گا تم نے اپنے نفس کا حکم مانا ہے اگر تم میرے متبعین میں سے ہوتے تو کسی دوسرے کی بات کیوں مانتے اس لئے جاؤ میں تمہاری کوئی امداد نہیں کروں گا۔

(الفضل قادیان ۱۷؍جون ۱۹۴۷ء)

---

۱ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب المهاجرين و فضلهم

۲ التوبة: ۴۰

۳ بخاری کتاب الجهاد باب الحراسة فی الغزو

۴ بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق و السخاء (الخ)

۵ مسلم کتاب الجهاد باب غزوة حنين

۶ سیرت ابن هشام جلد۲ صفحہ ۹۷ ۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

مصائب کے نیچے برکتوں کے خزانے مخفی ہوتے ہیں

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مصائب کے نیچے برکتوں کے خزانے مخفی ہوتے ہیں

(فرمودہ ۳۰ مئی ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب بمقام قادیان)

مثنوی رومی والوں نے ایک نہایت ہی لطیف بات لکھی ہے وہ کہتے ہیں۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است

یعنی خدا تعالیٰ کی ایک یہ بھی سنت ہے کہ جب کسی قسم کی کوئی بلاء مسلمانوں پر آتی ہے اور مسلمانوں سے ہی مخصوص نہیں بلکہ جب بھی کوئی بلاء اِس کی طرف سے کسی قوم پر آتی ہے تو

زیر آں گنج کرم بنہادہ است

اس کے نیچے برکتوں کا ایک مخفی خزانہ ہوتا ہے۔ یعنی اس بلاء کے آچکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی برکات ظاہر ہوتی ہیں جو اس قوم کے لئے تقویت کا موجب ہوتی ہیں۔ یہ ایک نہایت سچی بات ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب کبھی مؤمنوں کو مشکلات اور مصائب و آلام کا سامنا ہوتا ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی باتیں ضرور ظاہر ہوتی ہیں جو ان کے ایمان میں اِزدیاد کا موجب ہوتی ہیں اور صداقت اور شوکت کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مصیبت اور مشکل جو آپ کو پہنچی اپنے بعد بے شمار معجزات چھوڑ کر گئی اور اس کے ذریعہ سے مؤمنوں کے ایمان تازہ ہوئے اور وہ قیامت تک کی نسلوں کیلئے برکت اور رحمت کا موجب ہوں گے۔ ہمیں جتنے واقعات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مصائب، مشکلات اور تکالیف کے نظر آتے ہیں ان میں سے ہر ایک اپنے اندر لاتعداد نشانات لئے ہوئے ہے۔ جب بعض صحابہؓ کفار مکہ کی بڑھتی ہوئی

شرارتوں اور دُکھوں کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تو اس میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں۔ جب کفارِ مکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا اور آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو متواتر تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا تو اس میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں، سفر طائف میں جب آپ کو کفار نے تکالیف پہنچائیں تو اس میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں، جب آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے لئے گئے تو اس میں بھی ہمیں نشانات نظر آتے ہیں، اسی طرح بدر کی جنگ میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں، اُحد کی جنگ میں بھی جس میں مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصانات اُٹھانے پڑے اور کئی اکابر صحابہؓ شہید ہو گئے اللہ تعالیٰ کے بہت سے نشانات ہیں، احزاب کی جنگ میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں، صلح حدیبیہ اور غزوہ حنین میں بھی بہت سے نشانات ہیں پھر غزوۂ تبوک جو مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا ابتلاء تھا اس میں بھی بہت سے نشانات ہیں، سب سے بڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اُمت کے لئے بہت ہی بڑا ابتلاء تھا مگر اس میں بھی ہمیں بہت سے نشانات نظر آتے ہیں۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو بھی دُکھ آپ کو پہنچا، جو بھی تکالیف آپ کو پہنچی، جو بھی رنج آپ کو پہنچا، جو بھی مصیبت آپ پر آئی اور جس دقّت کا بھی آپ کو سامنا ہوا ان میں سے ہر ایک کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانات مخفی تھے اور ان میں سے ہر واقعہ اپنے اندر مؤمنوں کی ترقیوں اور کامیابیوں کے سامان لئے ہوئے تھا۔

اِس وقت میں غزوۂ اُحد کو لیتا ہوں غزوۂ اُحد مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا ابتلاء تھا اور ساتھ ہی یہ مصیبت پیش آئی کہ جنگ کے شروع ہونے سے پیشتر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ لیا کہ ہمیں مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کرنی چاہیئے یا باہر نکل کر؟ تو اُس وقت تو منافقین نے یہ کہا کہ ہمیں باہر جا کر ہی لڑنا چاہیئے مگر بعد میں انہوں نے آپ سے غداری کی اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر جانے کے لئے تیار ہوئے تو منافقین نے جانے سے انکار کر دیا اور انہوں نے کہہ دیا کہ یہ بھی کوئی لڑائی ہے یہ تو خواہ مخواہ ہلاکت کے منہ میں جانے والی بات ہے۔ اس جنگ میں آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو بہت زیادہ تکالیف پہنچیں اور بہت

زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا۔ستّر صحابہؓ شہید ہوگئے جن میں سے پانچ مہاجرین میں سے تھے اور باقی پینسٹھ انصار میں سے تھے اور شہید ہونے والے صحابہؓ تھے بھی چوٹی کے صحابہؓ جن کی موت کی وجہ سے یوں کہنا چاہئے کہ سارا مدینہ ہل گیا تھا پھر یہ جنگ اس لئے بھی اسلام کی شدید ترین جنگوں میں شمار کی جاتی ہے کہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوگئے آپ کے دندانِ مبارک ٹوٹ گئے [1] اور بعض صحابہؓ جو آپ کے دائیں بائیں کھڑے آپ کی حفاظت کے لئے لڑ رہے تھے اور دشمن کے واروں کو اپنے اوپر لے رہے تھے ان میں سے بھی بعض مارے گئے اور ان کی لاشیں آپ پر گر گئیں گویا یہ تمام سامان موت کے ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا۔آپ جب زخمی ہوکر اور بے ہوش ہوکر گر پڑے تو یہ وقت صحابہؓ کے لئے ایک بہت ہی بڑے ابتلاء اور امتحان کا وقت تھا ان میں لڑنے کی سکت نہ رہی تھی اور جب تک آپ ہوش میں آ کر نہ اُٹھے اُس وقت تک صحابہؓ یہی سمجھتے رہے کہ اب ہمارے لئے دنیا تاریک ہو چکی ہے کیونکہ جب آپ شہید ہو چکے ہیں تو ہمارا لڑنا اب بالکل بے کار ہے۔اِس چیز کا نتیجہ ان کے لئے ٹھوکر اور ابتلاء کا باعث ہوسکتا تھا لیکن اس کے اندر بھی ہمیں اللہ تعالیٰ کے بہت سے نشانات نظر آتے ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ابتلاؤں میں اعلیٰ نشانات ظاہر کرتا ہے۔مثلاً ابتلاؤں، دکھوں اور مصیبتوں کے وقت انسان کے اخلاق کا پتہ لگتا ہے اگر انسان پر کوئی مصیبت نہ آئے تو اُس کے اخلاق کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ہم دیکھتے ہیں کہ انسان جو اخلاق خوشی، راحت اور آرام کے وقت دِکھاتا ہے وہ مصیبت دکھ اور رنج پہنچنے پر سب بھول جاتا ہے۔جب کبھی اس کی حالت سکون سے بے چینی میں تبدیل ہوتی ہے تو اس کے سب اخلاق دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور وہ بداخلاقی پر اُتر آتا ہے۔ہمارے ملک میں دہلی اور لکھنؤ کے امراء کے اخلاق مشہور ہیں اور ان دونوں جگہوں کے امراء ایک دوسرے پر فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔دہلی والے کہتے ہیں کہ ہم زیادہ بااخلاق اور متمدن ہیں۔لکھنؤ میں سادات کی بادشاہت تھی اس لئے عام طور پر وہاں کے امراء کو میر صاحب کہا جاتا ہے اور دہلی میں چونکہ مغل بادشاہت رہی ہے اس لئے وہاں کے امراء کو مرزا صاحب کہا جاتا ہے اب تو دہلی وہ نہیں رہی جو آج سے پچاس سال پیشتر تھی مگر آج سے

چالیس پچاس سال پہلے دہلی کا کوئی آدمی ملنے پر اُس کو مرزا صاحب کہا جاتا تھا اور لکھنؤ کے کسی شخص کے متعلق صرف یہ معلوم ہونے پر کہ یہ صاحب لکھنؤ کے رہنے والے ہیں انہیں میر صاحب کہا جاتا تھا۔

ایک لطیفہ مشہور ہے کہ دو شخص کسی سٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں کھڑے تھے ان میں سے ایک دلی کا تھا اور دوسرا لکھنؤ کا۔ گاڑی کے آنے میں کچھ دیر تھی ان دونوں نے رسمی علیک سلیک کے بعد جب ایک دوسرے کے متعلق یہ معلوم کیا کہ آپ دہلی کے ہیں اور آپ لکھنؤ کے ہیں تو ان دونوں نے یہ کوشش شروع کر دی کہ اخلاق دکھانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں اور دونوں نے چاہا کہ ایک دوسرے پر اپنے اخلاق کا اثر ڈالیں چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے مخصوص طریق پر ایک دوسرے سے گفتگو شروع کر دی اور بات بات پر قبلہ میر صاحب اور قبلہ مرزا صاحب کہا جانے لگا۔ ایک کہتا قبلہ میر صاحب فلاں بات یوں ہوئی اور دوسرا جھک کر کہتا قبلہ مرزا صاحب فلاں بات یوں ہے۔ غرض دونوں نے اپنے اخلاق دکھانے کی کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر کھڑی ہوگئی تو لکھنؤ والے نے کہا قبلہ مرزا صاحب پہلے آپ چڑھیئے۔ دلّی والے نے کہا قبلہ میر صاحب! پہلے آپ۔ لکھنؤ والے نے پھر کہا قبلہ! بھلا میں یہ گستاخی کر سکتا ہوں پہلے آپ ہی کو چڑھنا ہوگا آپ مجھے کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں۔ چنانچہ وہ کافی دیر تک اسی طرح کرتے رہے۔ لکھنؤ والا فرشی سلام کرتا اور کہتا قبلہ مرزا صاحب پہلے آپ ہی چڑھیں گے اور دلی والا نہایت آداب بجالا کر کہتا قبلہ میر صاحب پہلے آپ۔ وہ اسی طرح کر رہے تھے کہ گاڑی نے سیٹی دی یہ دیکھ کو وہ دونوں ایک ڈبے کی طرف لپکے اور ڈنڈے پکڑ کر بمشکل دروازے میں پہنچے اب صورت یہ تھی کہ دروازہ چھوٹا تھا اور وہ دونوں دروازے کے اندر پھنس گئے نہ وہ اندر جا سکتا تھا اور نہ یہ۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دھکے دینے شروع کئے اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ سخت کلامی پر اُتر آئے اور ایک کہتا خبیث! اندر جاؤ یا مجھے گذرنے دو۔ دوسرا کہتا مجھے اندر جانے دو اور پھر کمینے اور پاجی کے الفاظ شروع ہو گئے۔

پس جب انسان پر مصیبت آتی ہے اور تھوڑی بہت تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اخلاق فاضلہ کو یکسر بھول جاتا ہے۔ اب کہاں وہ حالت کہ قبلہ میر صاحب اور قبلہ مرزا صاحب کہ القاب جھک جھک کر ادا ہو رہے تھے اور کہاں یہ حالت کہ خبیث، کمینے اور پاجی کے الفاظ پر اُتر آئے۔ پس

جب سہولت اور آرام ہو تو لوگ اخلاق دکھاتے ہیں لیکن جب مقابلہ اور مشکلات پیش آئیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجھے لکھنؤ والوں کے اخلاق کے متعلق اپنا ایک لطیفہ یاد ہے میری شادی چھوٹی عمر میں ہی ہوگئی تھی اُس وقت میری عمر چودہ اور پندرہ سال کے درمیان تھی اور یہ عمر بچپن کی عمر میں ہی شمار ہوتی ہے۔اس وقت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب آگرہ میں تھے ہم یو پی میں گئے تو کئی دفعہ تھے مگر وہاں کے مخصوص اخلاق سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا ہم اپنے قریبی رشتہ داروں کے ہاں جا کر ٹھہرا کرتے تھے اور وہاں اپنے بزرگوں سے ڈانٹ ڈپٹ ہی سننے میں آتی تھی۔ قبلہ اور حضرت کبھی سنا نہ تھا۔غرض جب شادی کے وقت میں آگرہ میں گیا تو ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے میرے اعزاز میں وہاں کے رؤساء کو دعوت دی ان میں ایک شہر کے مجسٹریٹ صاحب بھی تھے جب کھانا کھا چکے اور وہ رؤساء واپس ہونے لگے تو وہ مجسٹریٹ صاحب میرے پاس آئے اور بڑی تعظیم کے ساتھ جھک جھک کر سلام کرنے لگے۔ میں نے اپنی یہاں کی عادت کے مطابق ان کی تعظیم کی مجھے تو جھکنا آتا نہ تھا مگر مَیں ان کے جھکنے پر دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں میں ان کی تعظیمی حرکات پر بڑی مشکل سے ہنسی کو ضبط کر سکا۔اُس وقت جو مجھ سے ایک حرکت سرزد ہوئی اُس کو یاد کر کے اب بھی بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ وہ یوں ہوا کہ مجھ سے ملنے کے بعد جونہی ان مجسٹریٹ صاحب نے منہ موڑا میں نے اُن کی نقل اُتارنی شروع کر دی اور اتفاق ایسا ہوا کہ دروازہ تک پہنچ کر اُن کو کوئی کام یاد آ گیا اور وہ واپس مُڑ آئے۔ میں ان کے واپس مُڑنے سے بے خبر رہا اور اسی طرح اُن کی نقل اُتارتا رہا۔ میں نے جو آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے کھڑے تھے یہ دیکھ کر مجھے سخت شرمندگی اُٹھانی پڑی کہ یہ اپنے دل میں کیا سمجھتے ہوں گے۔غرض ان کے تکلفات اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ جس کی حد ہی نہیں مگر اخلاق فاضلہ کا پتہ درحقیقت مشکل اور مصیبت کے وقت لگتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اُحد کی جنگ ایک نہایت صبر آزما جنگ تھی اس سے پہلے کبھی آپ پر قاتلانہ حملہ نہ ہوا تھا اور نہ صرف یہ کہ جنگ احد میں آپ پر حملہ ہی ہوا اور نہ صرف یہ کہ آپ کے بعض دانت بھی ٹوٹ گئے اور نہ صرف یہ کہ آپ زخمی ہو گئے بلکہ دشمن آپ

کی بے ہوشی کی حالت میں آپ کے اوپر سے اور آپ کے ساتھیوں کے اوپر سے ان کے جسموں کو روندتا ہوا گزرا اور یہ آپ کی زندگی میں اپنی قسم کی پہلی مثال تھی مگر اس جنگ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح بلند حوصلگی اور اپنے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ پیش کیا اور لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور دل جوئی کی۔ اس جنگ کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اخلاق کے کتنے بلند ترین مقام پر کھڑے تھے اور اس جنگ میں صحابہؓ کی عدیم المثال قربانیوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ میں اُس وقت کی بات کر رہا ہوں جب آپ جنگ ختم ہونے پر مدینہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ مدینہ کی عورتیں جو آپ کی شہادت کی خبر سن کر سخت بے قرار تھیں اب وہ آپ کی آمد کی خبر سُن کر آپ کے استقبال کے لئے مدینہ سے باہر کچھ فاصلہ پر پہنچ گئی تھیں ان میں آپ کی ایک سالی زینب بنت جحش [۲] بھی تھیں ان کے تین نہایت قریبی رشتہ دار جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا اپنے مُردے کا افسوس کرو (یہ عربی زبان کا ایک محاورہ ہے۔ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ تمہارا اعزیز مارا گیا ہے) زینبؓ بنت جحش نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ کس مُردے کا افسوس کروں؟ آپ نے فرمایا تمہارا ماموں حمزہؓ شہید ہو گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت زینبؓ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور پھر کہا اللہ تعالیٰ ان کے مدارج بلند کرے وہ کیسی اچھی موت مرے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا اپنے ایک اور مرنے والے کا افسوس کرلو۔ زینب نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ کس کا؟ آپ نے فرمایا تمہارا بھائی عبداللہ بن جحش بھی شہید ہو گیا ہے زینبؓ نے پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وہ تو بڑی ہی اچھی موت مرے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا زینبؓ! اپنے ایک اور مُردے کا افسوس کرو۔ اُس نے پوچھا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ کس کا؟ آپ نے فرمایا تیرا خاوند بھی شہید ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر زینبؓ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور اُس نے کہا ہائے افسوس!! یہ دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو! عورت کو اپنے خاوند کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ جب میں نے زینبؓ کو اُس کے ماموں کے شہید ہونے کی خبر دی تو اُس نے پڑھا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، جب میں نے اُسے اس کے بھائی کے شہید ہونے

کی خبر دی تو اس نے پھر بھی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہی پڑھا لیکن جب میں نے اس کے خاوند کے شہید ہونے کی خبر دی تو اس نے ایک آہ بھر کر کہا ہائے افسوس! اور وہ اپنے آنسوؤں کو روک نہ سکی اور گھبرا گئی۔ پھر آپ نے فرمایا عورت کو ایسے وقت میں اپنے عزیز ترین رشتہ داروں اور خونی رشتہ دار بھول جاتے ہیں لیکن اُسے محبت کرنے والا خاوند یاد رہتا ہے اس کے بعد آپ نے زینبؓ سے پوچھا۔تم نے اپنے خاوند کی وفات کی خبر سن کر ہائے افسوس کیوں کہا تھا؟ زینبؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! مجھے اس کے بیٹے یاد آ گئے تھے کہ ان کی کون رکھوالی کرے گا؟ آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کی تمہارے خاوند سے بہتر خبر گیری کرنے والا کوئی شخص پیدا کر دے۔[۳] چنانچہ اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ زینبؓ کی شادی حضرت طلحہؓ کے ساتھ ہوئی اور ان کے ہاں محمد بن طلحہ پیدا ہوا۔مگر تاریخوں میں ذکر آتا ہے حضرت طلحہؓ اپنے بیٹے محمد کے ساتھ اتنی محبت اور شفقت نہیں کرتے تھے جتنی کہ زینبؓ کے پہلے بچوں کے ساتھ۔اور لوگ یہ کہتے تھے کہ کسی کے بچوں کو اتنی محبت سے پالنے والا طلحہؓ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں اور یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھا۔

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اُس وقت سعد بن معاذ آپ کی سواری کی باگ پکڑے ہوئے آپ کے آگے آگے خوشی کے ساتھ چل رہے تھے اور ان کو خوشی یہ تھی کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ واپس مدینہ میں لا رہے۔ ہیں حضرت سعد بن معاذ کی بوڑھی اور کمزور نظر والدہ بھی مدینہ کی عورتوں کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے باہر آ رہی تھیں اور چونکہ اس سے پیشتر مدینہ میں آپ کی وفات کی خبر مشہور ہو چکی تھی اس لئے وہ سُن کر کہ آپ صحیح سلامت تشریف لا رہے ہیں وفورِ محبت سے آپ کی زیارت کے لئے باہر آ گئی تھیں حضرت سعدؓ نے جب اپنی والدہ کو دیکھا تو شاید اس خیال سے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاؤں کہ میری بوڑھی والدہ کے دل میں بھی آپ کے لئے کتنی محبت ہے کہ وہ باوجود نظر کی کمزوری اور ضعیفی کے لڑکھڑاتی ہوئی چل رہی ہیں اور وہ آپ کی زیارت کیلئے بے تاب ہیں عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰه! میری ماں۔ یَارَسُوْلَ اللّٰه! میری ماں۔آپ نے فرمایا سواری کو روک لو۔سواری جب بڑھیا کے قریب پہنچ کر رُکی تو آپ نے اُس بڑھیا کو فرمایا بی بی! مجھے

افسوس ہے کہ تمہارا جوان بیٹا عمرو بن معاذؓ لڑائی میں شہید ہو گیا ہے۔ وہ بڑھیا جو آپ کی شکل دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی اُس نے اپنا منہ اوپر اٹھایا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے آپ کے چہرے کو دیکھا اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! جانے بھی دیجئے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جب آپ سلامت ہیں تو باقی ساری مصیبتیں میں نے بھون کر کھالی ہیں۔[۴]

ان واقعات پر غور کرو اور دیکھو کہ آپ کو کتنا زیادہ احساس تھا کہ جس کسی کو تکلیف پہنچتی ہے اس کے ساتھ ہمدردی کی جائے اس کے بعد آپ نے اس بڑھیا سے فرمایا تم بھی خوش ہو اور دوسری تمام بہنوں کو بھی جن کے رشتہ دار لڑائی میں شہید ہو گئے ہیں یہ خوشخبری سنا دو کہ ہمارے جتنے آدمی آج شہید ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے سب کو جنت میں اکٹھا رکھا ہے اور سب نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے خدا! ہمارے پسماندگان کی خبر گیری رکھیو۔ اس کے بعد آپ نے دعا کی کہ اے خدا! اُحد کے شہیدوں کے پسماندگان کے لئے اچھے خبر گیر پیدا فرما۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کس طرح آپ نے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی اُحد کے شہیدوں کے پسماندگان کی دلجوئی فرمائی اور ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور باوجود اس کے کہ آپ زخمی ہو چکے تھے، آپ کے عزیز ترین رشتہ دار شہید ہو گئے تھے اور آپ کے عزیز ترین صحابہؓ فوت ہو گئے تھے آپ برابر قدم بقدم مدینہ کے لوگوں کی دلجوئی فرما رہے تھے آپ کو اپنی تکلیف کا ذرہ بھی احساس نہ تھا آپ کے سوا ایسا کوئی شخص نہیں ہوسکتا جو اتنی تکلیفوں، اتنے دکھوں اور اتنی مصیبت کے وقت دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرے۔ ایسے وقت میں تو لوگ کسی کے ساتھ بات کرنے کے بھی روا دار نہیں ہوتے چہ جائیکہ وہ کسی کے ساتھ ہمدردی کی باتیں کریں۔ جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو چونکہ زخموں کی وجہ سے آپ کو نقاہت زیادہ تھی اس لئے صحابہؓ نے سہارا دے کر آپ کو سواری سے اُتارا۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا آپ نے نماز پڑھی اور گھر تشریف لے گئے۔ مدینہ کی ان عورتوں کو جن کے رشتہ دار جنگ میں شہید ہو گئے تھے اُن کی خبریں پہنچ چکی تھیں انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ آپ نے جب عورتوں کے رونے کی آوازیں سنیں تو آپ کو مسلمانوں کی تکلیف کا خیال آیا اور آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں پھر آپ نے فرمایا لٰکِنْ حَمْزَۃَ فَلَا بَوَاکِیَ لَہٗ ہمارے چچا اور رضائی بھائی حمزہ بھی شہید ہوئے

ہیں لیکن اُن کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ سن کر صحابہؓ جن کو آپ کے جذبات اور احساسات کو پورا کرنے کی اتنی تڑپ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ آپ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا جذبہ اور چھوٹے سے چھوٹا احساس بھی ایسا نہ رہ جائے جو پورا نہ ہو وہ اپنے گھروں کی طرف دَوڑے اور اپنی عورتوں سے جا کر کہا بس اب تم اپنے عزیزوں کو رونا بند کردو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر جا کر حمزہؓ کا ماتم کرو۔ اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تھکے ہوئے تشریف لائے تھے آپ آرام فرمانے لگے۔ حضرت بلالؓ نے عشاء کی اذان دی مگر یہ خیال کر کے کہ آپ تھکے ہوئے آئے ہیں آپ کو نہ جگایا جب ثلث رات گذر گئی تو انہوں نے آپ کو نماز کے لئے جگایا۔ آپ جب بیدار ہوئے تو اُس وقت عورتیں ابھی تک آپ کے مکان پر حضرت حمزہؓ کا نوحہ کر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے؟ عرض کیا گیا یَـا رَسُـوْلَ اللّٰـه ﷺ مدینہ کی عورتیں حضرت حمزہؓ کی وفات پر رو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مدینہ کی عورتوں پر رحم کرے انہوں نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ پھر فرمایا مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ انصار کو مجھ سے بہت زیادہ محبت ہے۔ ساتھ ہی فرمایا اس طرح نوحہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ امر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰه ہماری قوم کی یہ عادت ہے اور اگر ہم اس طرح نہ روئیں تو ہمارے جذبات سرد نہیں ہو سکتے آپ نے فرمایا میں رونے سے منع نہیں کرتا ہاں عورتوں سے کہہ دیا جائے کہ وہ منہ پر تھپڑ نہ ماریں اپنے بال نہ نوچیں اور کپڑوں کو نہ پھاڑیں اور اگر یوں رقّت کے ساتھ رونا آئے تو بے شک روئیں۔[۵] ان باتوں سے آپ کی اخلاقی حالت کا پتہ چلتا ہے کہ باوجود زخمی اور تکلیف میں ہونے کے آپ کو دوسروں کے احساسات اور جذبات کا کتنا احترام تھا۔

پھر تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اُحد سے واپس آ کر حضرت فاطمہؓ کو اپنی تلوار دی اور کہا اِس کو دھو دو آج اِس تلوار نے بڑا کام کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی یہ بات سن رہے تھے آپ نے فرمایا علیؓ! تمہاری ہی تلوار نے کام نہیں کیا اور بھی بہت سے تمہارے بھائی ہیں جن کی تلواروں نے جوہر دکھائے ہیں۔ آپ نے چھ سات صحابہؓ کے نام لیتے ہوئے فرمایا ان کی تلواریں تمہاری تلوار سے کم تو نہ تھیں۔[۶] غرض آپ نے یہ بھی برداشت

نہ کیا کہ آپ کا داماد کوئی ایسی بات کرے جس سے دوسرے صحابہؓ کے دلوں کو ٹھیس پہنچے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نظر چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی پہنچتی تھی اور باوجودیکہ جنگِ اُحد کا واقعہ مستقل اثرات کے لحاظ سے اتنا بڑا واقعہ تھا کہ لوگوں کو اس واقعہ کے بعد سخت فکر تھی کہ دشمن اب دلیر ہو جائے گا یا آئندہ کیا ہوگا اور انسان ایسے اوقات میں چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا مگر آپ نے ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور سب کی دلجوئی کی۔ آپ نے جب زینب بنت جحش کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور پھر فرمایا دیکھو ایک عورت کا اپنے محبت کرنے والے خاوند کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہوتا ہے تو اِس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کریں اور معمولی معمولی باتوں پر اُن کو مارنے اور کوٹنے نہ لگ جایا کریں۔ جب ان کی عورتیں اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو کر ان کے پاس رہتی ہیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا اعزاز کیا جائے نہ کہ بات بات میں ان کے ساتھ جھگڑا فساد کیا جائے۔ آپ کے یہ فرمانے سے ایک طرف تو زینبؓ بنت جحش کی دلجوئی ہوگئی اور دوسری طرف آپ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تلقین فرما دی۔ اسی طرح جب آپ نے یہ دیکھا کہ مدینہ کی عورتیں اپنے مرنے والوں کا نوحہ اور ماتم کر رہی ہیں تو آپ نے اس خیال سے کہ مہاجرین اور حضرت حمزہؓ کے رشتہ دار یہ خیال نہ کریں کہ ہمارا یہاں کوئی نہیں ہے اس لئے ان کے جذبات کا احساس کرتے ہوئے آپ نے فرمایا آج حمزہؓ کو رونے والا کوئی نہیں۔ اور پھر جب مدینہ کی عورتیں حضرت حمزہؓ کا ماتم کرنے لگ گئیں تو آپ نے منع فرما دیا کہ اس طرح ماتم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقعہ میں آپ کا یہی خیال ہوتا کہ حضرت حمزہؓ کا ضرور ماتم کیا جائے تو آپ بعد میں منع نہ فرماتے۔ آپ نے جب حضرت حمزہؓ کی وفات پر کسی کے نہ رونے پر افسوس کا اظہار فرمایا اُس وقت بھی آپ کا جذبہ صرف دلجوئی کا تھا۔ اور جب آپ نے رونے والوں کو منع فرمایا اُس وقت بھی آپ کا جذبہ دلجوئی کا ہی تھا کیونکہ آپ نے ان عورتوں کو رونے سے روکا بھی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ انہوں نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے اور یہ پھر فرمایا مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ انصار کو مجھ سے زیادہ ہمدردی ہے اور یہ کہنے سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ وہ رونے سے منع کرنے پر بُرا نہ

منائیں۔ آپ نے منع بھی کر دیا اور ان کا شکریہ بھی ادا کر دیا۔ ہمیں یہ کتنا شاندار اور عظیم الشان طریق نظر آتا ہے جو اتنے نازک وقت میں آپ نے اختیار کیا حالانکہ ایسے وقت میں جبکہ عزیز اور قریبی رشتہ دار مارے جا چکے ہوں خود کوئی شخص زخمی ہو اور مستقبل قریب کے ایام میں خطرہ محسوس ہو رہا ہو تو کوئی شخص اس قسم کا نمونہ پیش نہیں کر سکتا جو آپ نے کیا۔ پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد میں زخمی ہو گئے اور آپ بے ہوش ہو کر گر گئے یہاں تک کہ آپ کی وفات کی خبر مشہور ہو گئی۔ آپ نے ہوش آنے پر اخلاق فاضلہ کا جو مظاہرہ کیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کے ان اخلاق فاضلہ کا ذکر جو آپ نے جنگ احد میں بے ہوشی کے بعد ہوش آنے پر دکھائے حضرت عمرؓ نے آپ کی وفات کے بعد ان الفاظ میں کیا تھا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کفار نے آپ کے دانت شہید کر دیئے، انہوں نے آپ کے منہ کو زخمی کر دیا، آپ کے اوپر سے پیر رکھتے ہوئے گزر رے گئے اور آپ کو اور آپ کے عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں اور آپ کے دوستوں کو انہوں نے انتہائی تکالیف پہنچائیں مگر یَا رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ان کی ان ساری باتوں کے جواب میں صرف یہی فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ [۲] کہ اے خدا! میری قوم کو بخش دے کیونکہ یہ مجھے پہچان نہیں سکی۔ گویا ان دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں جبکہ آپ بے ہوشی سے ہوش میں آ رہے تھے آپ کے منہ سے دشمنوں کے حق میں دعا نکل رہی تھی کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے خدا! ان کو میرے مقام کا پتہ نہیں ہے اور یہ مجھے شناخت نہیں کر سکے اس لئے تو ان کو بخش دے۔ اگر یہ مجھے پہچان لیتے تو کیوں اس طرح کرتے۔ یہ کیسے اعلیٰ اخلاق تھے جو آپ نے دکھائے اور کس طرح قدم قدم پر آپ نے وہ نمونہ پیش کیا جو بنی نوع انسان میں سے نہ کوئی پیش کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک ٹوٹ جانا یا آپ کو دوسری تکالیف کا پہنچنا ایک وقتی بات تھی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقرہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ قیامت تک یادگار رہے گا اور قیامت تک مسلمان اپنے پیارے اور محبوب کے اس فقرہ کے ساتھ آپ کو بُرا کہنے والے دشمن پر اتمامِ حجت کرتے رہیں گے اور کہیں گے کہ کچھ تو خیال کرو آخر تم کس کو بُرا کہہ رہے ہو؟ کیا تم اُس کو بُرا کہہ رہے ہو جس

کو مکہ میں متواتر تیرہ سال تک صرف یہ کہنے پر کہ ایک خدا کی پرستش کرو انتہائی دکھوں میں مبتلا رکھا گیا، جس کو اپنے پیارے وطن سے نکلنے پر مجبور کیا گیا، جس کو مارا اور پیٹا گیا، جس کے دانت توڑ دیئے گئے، جس کے عزیز ترین دوستوں کو شہید کر دیا گیا اور جس کے قریبی رشتہ داروں کو نہایت بے رحمی کے ساتھ شہید کر دیا گیا مگر اس کے دشمن کے ان مظالم کے باوجود کہا تو یہ کہا کہ **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ** اب تم ہی کہو کہ کیا ایسے باکمال انسان کو بُرا کہنا انصاف اور شرافت پر مبنی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر جب کس شخص کو دشمن کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ سخت سے سخت گالیاں دیتا ہے۔ اس کے دل میں دشمن کے خلاف انتہائی غصہ اور جوش ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے خدا اس کا بیڑا غرق کرے۔ خدا اسے غارت کرے حالانکہ دوسرے کسی شخص کو اپنے دشمن کی طرف سے اتنی تکلیف پہنچنے کا امکان ہی نہیں جتنی کہ آپ کے دشمنوں نے آپ کو پہنچائی تھیں پھر بھی دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر لوگ اپنے دشمن کے خلاف انتقامی جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں مگر آپ نے انتہائی دُکھوں کے وقت میں جو نمونہ اخلاقِ فاضلہ کا پیش کیا اس کی نظیر لانے سے دنیا تا قیامت قاصر رہے گی۔ یہ وہی دشمن تھے جو رات دن آپ کے قتل کے منصوبے کیا کرتے تھے، یہ وہی دشمن تھے جنہوں نے آپ کے رشتہ داروں اور آپ کے صحابہؓ کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائی تھیں، یہ وہی دشمن تھے جنہوں نے آپ کو اپنے عزیز وطن سے ہجرت کرنے کے لئے مجبور کر دیا تھا اور یہ وہی دشمن تھے جو آپ کے ہجرت کر کے مدینے پہنچ جانے کے بعد بھی آپ کو اور دوسرے مسلمانوں کو مٹا دینا چاہتے تھے۔ مگر آپ فرماتے ہیں **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ** آپ بھول جاتے ہیں اس بات کو کہ یہ وہی دشمن ہیں جنہوں نے اسلام لانے والوں کو دوپہر کی تپتی ہوئی ریت پر لٹایا تھا، آپ بھول جاتے ہیں اس بات کو کہ یہ وہی دشمن ہیں جنہوں نے آپ پر ایمان لانے والوں کو آہنی سلاخیں آگ میں سرخ کر کر کے داغ دیا تھا، آپ بھول جاتے ہیں اس بات کو کہ یہ وہی دشمن ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو تین سال کے لمبے عرصہ تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا تھا اور آپ بھول جاتے ہیں ان تمام مظالم کو جو ان دشمنوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً آپ پر ہوتے رہے اور آپ نہایت

درد کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے خدا! یہ مجھے پہچان نہیں سکے ورنہ یہ میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ جنگ اُحد کا ایک یہی واقعہ ایسا ہے جو سنگ دل سے سنگ دل دشمن کی چیخیں نکال دینے کیلئے کافی ہے اور بڑے سے بڑا دشمن اسلام اس واقعہ کو سن کر یہ پکار اُٹھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا با اخلاق انسان نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ انگریزی ترجمۃ القرآن کے دیباچہ میں اور مضامین کے علاوہ میں نے مختصراً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری بھی لکھی ہے جس کا انگریزی اور گورمکھی کے علاوہ ہندی میں بھی ترجمہ کیا جا رہا ہے وہ ترجمہ اصلاح کے لئے پٹنہ بھیجا گیا تو ایک ہندو پروفیسر جن کے ذریعہ وہ دیباچہ بھیجا گیا تھا ان کی چٹھی آئی کہ اسے پڑھ کر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور چونکہ ہمیں اس سے قبل ان واقعات کا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی کا علم نہ تھا اس لئے ہم اندھیرے میں رہے۔ اگر کتاب چھپنے میں دیر ہو تو یہ مسودہ پہلے مجھے بھجوا دیا جائے۔

پس یہ واقعہ تو گزر گیا اور اس کو گزرے سینکڑوں سال ہو گئے مگر اس کی یاد رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ یہ کتنا شاندار نشان ہے جو جنگ اُحد میں اللہ تعالیٰ نے دکھایا۔ غرض

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است

کتنی صحیح بات ہے۔ یہ اتنا بڑا نشان ہے کہ ہم اس کو پیش کر کے دشمن کو منوا سکتے ہیں کہ اس واقعہ کے ساتھ تعلق رکھنے والا اخلاق فاضلہ کے کتنے اعلیٰ معیار پر قائم تھا اور اس سے دشمنی کرنا اس سے نہیں بلکہ خدا سے دشمنی کرنا ہے۔

عشاء کی اذان کے بعد حضور کچھ دیر تک السید منیر الحصنی صاحب سے عربی میں گفتگو فرماتے رہے اس کے بعد فرمایا:

منیر الحصنی صاحب یہ ذکر کر رہے تھے کہ احمدیت کی وجہ سے مخالفت کے باوجود ان کے خاندان والے اہم کاموں کیلئے انہی کو اپنا نمائندہ منتخب کرتے ہیں اور ان کے قبیلے کے لوگ ہر کام میں انہی کو آگے کرتے ہیں۔ سید منیر الحصنی صاحب تو تعلیم یافتہ آدمی ہیں ہماری جماعت

میں ایک میاں مغلا ہیں جو بالکل اَن پڑھ ہیں ان کے بچے آج کل مدرسہ احمدیہ میں پڑھتے ہیں اور وہ جھنگ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے کہیں سے احمدیت کا نام سن لیا اور چونکہ فطرت میں نیکی تھی وہ قادیان تحقیق کیلئے آئے اور بیعت کر کے واپس گھر چلے گئے۔ جب ان کے گھر والوں کو ان کی احمدیت کے متعلق علم ہوا تو ان کو خوب مارا پیٹا گیا اور بہت سی تکلیفیں دی گئیں۔ ان کے کھانے پینے کے برتن الگ کر دیئے گئے وہ علاقہ جس میں وہ رہتے ہیں چوروں کا ہے اور وہاں کے لوگوں میں چوری کا اتنا رواج ہے کہ وہ اس کو شرعاً یا اخلاقاً بُرا فعل نہیں کہتے۔ گوجرانوالہ، شیخوپورہ، جھنگ اور لائکپور وغیرہ کے علاقوں میں چوری کا اتنا رواج تھا کہ ایک ڈپٹی کمشنر نے ان اضلاع کے متعلق ایک رپورٹ تیار کی تھی جس میں اس نے لکھا تھا کہ ان لوگوں کے اندر چوری کی عادت اتنی زیادہ ہے کہ یہ ان کا ویسا ہی پیشہ ہو گیا ہے جیسے کہ زمینداری کا اور یہ لوگ اس کے بغیر گزارہ کر ہی نہیں سکتے اس لئے ان علاقوں میں چوری کو جرم قرار نہیں دینا چاہئے۔ یہ فن اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اس پیشہ میں بھی بڑے بڑے رؤساء اور سردار ہوتے ہیں جن کا لوہا چوری پیشہ لوگوں میں مانا جاتا ہے کسی کو شاہ چور کا خطاب دیا جاتا ہے اور کسی کو شہنشاہ چور کا۔ اور جو چھوٹے چور ہوتے ہیں وہ اپنی چوریوں میں سے ان رؤساء کا حصہ مقرر کرتے ہیں اور جب کوئی چوری کرتے ہیں تو ان کا حصہ ان کے گھروں میں پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے فلاں کی بھینس چرائی تھی اس میں سے آپ کا اتنا حصہ ہے۔ ہماری جماعت کے ایک دوست بھی احمدیت سے پہلے شاہ چور تھے وہ بھی اپنے واقعات سنایا کرتے تھے کہ جب میں نے چوری چھوڑ دی تو بھی یہ حالت تھی کہ میرے گھر پر مجھے دوسرے چوروں سے حصہ ملتا رہا اور چور آ کر مجھے کہتے تھے آپ ہمارے سردار ہیں۔ وہ دوست ۱۹۱۸ء میں احمدی ہوئے تھے اور اس کے بعد انہوں نے اس پیشہ کو چھوڑ کر توبہ کر لی۔ غرض میاں مغلا نے سنایا کہ ان کے بھائیوں نے کسی کے ہاں چوری کی اور کچھ جانور چرا لائے۔ جانوروں کے مالک کھوج نکالتے ان کے گھر پہنچے اور ان کے باپ کو کہا کہ تمہارے بیٹوں نے ہمارے جانور چرائے ہیں۔ ان کے باپ نے انکار کر دیا تو انہوں نے کہا ہمیں تمہاری بات کا یقین نہیں آتا۔ ہاں اگر میاں مغلا کہہ دے کہ تیرے بیٹوں نے چوری نہیں کی تو ہم مان جائیں گے۔ چنانچہ میاں مغلا کا باپ ان

کے پاس آیا اور کہا اب تمہارے ہی ذریعہ اس جرم سے ہم بچ سکتے ہیں اس لئے تم ان سے جا کر کہہ دو کہ میرے بھائیوں نے تمہارے جانور نہیں چرائے۔ انہوں نے کہا میں تو جھوٹ نہیں بول سکتا، جب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ چوری کر کے لائے ہیں تو اب میں کس طرح جھوٹ بول سکتا ہوں۔ اس پر باپ اور بھائیوں نے ان کو خوب مارا اور کہا خبردار اگر سچ بولا کیا تم اپنے بھائیوں کے ساتھ اتنی بھی ہمدردی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا تم ان سے جا کر کہہ دو کہ مغلا تو کافر ہے، اس کی گواہی تم کیوں مانتے ہو۔ چنانچہ مغلا کا باپ اور بھائی جانوروں کے مالکوں کے پاس گئے اور کہا مغلا تو کافر ہو گیا ہے اس کی گواہی سے تم کس طرح اطمینان حاصل کر سکتے ہو۔ انہوں نے کہا، ہے تو وہ کافر مگر وہ جھوٹ کبھی نہیں بولتا اس لئے ہم اسی کی گواہی لیں گے اور کسی کی گواہی پر ہمیں اعتبار نہیں ہے۔ باپ اور بھائی پھر ان کے پاس آئے اور کہا وہ تو تمہاری گواہی مانگتے ہیں اس لئے ہمارے ساتھ چلو اور صفائی پیش کرو یہ ان کے ساتھ چلے گئے اور بھری مجلس میں کہہ دیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے بھائیوں کو جانور لاتے دیکھا ہے۔ اس پر ان کے باپ اور بھائیوں نے انہیں خوب مارا۔ پس لوگ احمدیت کی کتنی بھی مخالفت کریں جہاں کہیں کوئی خاص ذمہ داری کا کام ہوتا ہے انہی کو آگے کیا جاتا ہے۔

یہ بھی سلسلہ کی سچائی کا کتنا بڑا ثبوت ہے کہ مخالف بھی اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ لوگ سچ بولتے ہیں۔ اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

(الفضل ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۲۱ ستمبر ۱۹۶۱ء)

۱؎　سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۸۴، ۸۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۲؎　اسد الغابة جلد ۵ صفحہ ۴۲۸ میں زینب کی بجائے حمنہ کا ذکر ہے۔

۳؎　تاریخ ابن تاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۴؎　السیرة الحلبیة جلد ۲ صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۵؎　سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۶؎　سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۷؎　بخاری کتاب الانبیاء باب ۵۷ حدیث ۳۴۷۷

قومی ترقی کے دو اہم اصول

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قومی ترقی کے دو اہم اصول

(فرمودہ ۵؍جون ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب بمقام قادیان)

کچھ دن ہوئے مَیں نے یہ ذکر کیا تھا کہ جو جماعتیں اپنے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونا چاہیں ان کے لئے کچھ اصول مقرر ہوتے ہیں اور مَیں نے کہا تھا کہ میں ان اصول کے متعلق کسی مجلس میں کچھ باتیں بیان کروں گا مگر اس کے بعد چونکہ بعض اور مضامین شروع ہوتے گئے اس لئے یہ مضمون بیان نہ ہوسکا۔ آج میں اسی مضمون کا کچھ حصہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ کسی مقصد میں کامیابی کے لئے سب سے پہلی بڑی اور ضروری بات یہ ہوتی ہے کہ جماعت کو اپنے مقصد کے متعلق یقین ہو۔ یعنی ایک مقصدِ عالیہ جو اس کے سامنے ہو اس کے متعلق اسے کامل یقین ہو کہ یہ مقصد ٹھیک ہے، صحیح ہے اور مفید ہے۔ دینی اور دُنیوی جماعتوں کے الگ الگ مقاصد ہوتے ہیں کوئی ایک مقصد انسان اپنے سامنے رکھ لیتا ہے اور اس کی کامیابی کے لئے کوشش شروع کر دیتا ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا [1] یعنی ہر شخص کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے جس کی طرف وہ اپنی پوری توجہ مبذول کر دیتا ہے اس جگہ وِجْهَةٌ سے مراد وہ مطمح نظر یا مقاصد عالیہ ہیں جو مفید اور بابرکت ہوں چاہے وہ دینی ہوں یا دُنیوی، دینی جماعتوں کے سامنے بھی ایک مفید مقصد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور دُنیوی جماعتوں کے پیش نظر بھی ایک مفید اور بابرکت مقصد کا ہونا ضروری ہوتا ہے، جب تک ان دونوں قسم کی جماعتوں کے سامنے کوئی مفید اور بابرکت مقصد نہ ہو ان کے اندر بیداری پیدا نہیں ہوسکتی مثلاً مسلمانوں کو دیکھ لو آج سے تھوڑا عرصہ پیشتر ان کے اندر کوئی انجمنیں نہ تھیں اور یہ لوگ کانگرس کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے لیکن جب

انہوں نے کانگرس کی خود غرضانہ چالوں کو بھانپا اور اپنی الگ سیاسی پارٹی بنانا چاہی تو عام مسلمانوں نے یہ خیال کیا کہ کانگرس کی موجودگی میں الگ سیاسی پارٹی بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ مسلمان لیڈروں نے یہ دیکھ کر کہ قوم کے نوجوان ان کا پوری طرح ساتھ دینے کو تیار نہیں ہیں اخبارات میں بیان دینے شروع کئے۔ اس وقت یہ حالت تھی کہ اخبار صرف اس وجہ سے ان کے بیان چھاپ دیتے تھے کہ یہ بڑے بڑے لوگ ہیں ان کے ناموں سے بیان چھپنے سے ہمارے اخبارات کی خوب اشاعت ہوگی اور لیڈر اس وجہ سے بیان دیتے تھے کہ ہمارا نام روشن ہو جائے گا مگر اس کا نتیجہ کچھ بھی نہ نکلتا تھا اور عوام الناس کانگرس کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے مگر اب چار پانچ سال سے جب مسلمانوں کے سامنے ایک مقصد رکھا گیا اور ان کو سمجھایا گیا کہ یہ مقصد ہمارے لئے مفید اور بابرکت ہے تو ان کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے کہا ہم اپنی الگ حکومت چاہتے ہیں اور جب انہوں نے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا کہ اس مقصد کے حصول کے لئے کانگرس یا انگریز ہماری مدد نہیں کریں گے تو وہ سمجھ گئے کہ یہ کام اب ہم نے ہی کرنا ہے اور جب ایک مقصد ان کے سامنے آ گیا تو ان کے اندر بیداری پیدا ہوگئی اور وہ اس قسم کے نعرے لگانے لگ گئے کہ لے کے رہیں گے پاکستان۔ مسلمانوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو سیاست سے بالکل بے بہرہ تھے اور وہ پاکستان کے معنے بھی نہ جانتے تھے لیکن یہ مقصد سامنے آنے پر وہ اس کے حصول کے لئے تُل گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ کام ہم نے ہی کرنا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ یہی سمجھتے تھے کہ جب کانگرس آزادی کے لئے لڑ رہی ہے تو ہمارے الگ ہو کر لڑنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ کہتے تھے کہ جب کانگرس آزادی حاصل کر لے گی تو ہمیں خود بخود آزادی مل جائے گی لیکن جونہی پاکستان کا سوال اٹھا مسلمانوں کا بچہ بچہ بیدار ہو گیا اور انہوں نے کہا ہمارے اس مقصد کے حصول میں ہندو ہماری مدد نہیں کریں گے، سکھ ہماری مدد نہیں کریں گے، انگریز ہماری مدد نہیں کریں گے بلکہ یہ مقصد اگر حاصل ہو سکتا ہے تو ہماری اپنی قربانیوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان میں بیداری پیدا ہوتی گئی اور آخر وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔

مذہبی جماعتوں کا مقصد اس سے بالکل جُداگانہ ہوتا ہے ایک مذہبی جماعت دُنیوی

بادشاہت کے پیچھے نہیں پڑتی بلکہ وہ اپنے سامنے یہ مقصد رکھتی ہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا ہے اور جب مؤمن اس مقصد کو اپنے سامنے رکھ لیتے ہیں تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کام ہم ہی نے کرنا ہے کسی اور نے نہیں کرنا۔ دنیا اور کاموں میں لگی رہتی ہے مگر وہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت کی بنیادیں رکھ رہے ہوتے ہیں پس کامیابیوں اور ترقیات کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ قوم کے سامنے ایک مقصد عالی ہو کیونکہ جب تک مقصد عالی نہ ہوگا بیداری پیدا نہیں ہو سکے گی اور اس مقصد کے متعلق اس قوم یا جماعت کے اندر یہ احساس پایا جائے کہ یہ کام ہم نے ہی کرنا ہے اور کسی نے نہیں کرنا۔ جب یہ روح اس کے اندر پیدا ہو جائے گی تو اس مقصد کے حصول میں کوئی روک نہیں رہے گی۔ کامیابیاں اور کامرانیاں اس کے قدم چومیں گی اور ہر میدان میں فتح کا سہرا اس کے سر پر ہوگا مگر اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ مذہبی جماعتیں زمین کی بادشاہت کے لئے جدوجہد نہیں کرتیں بلکہ وہ آسمانی بادشاہت کے لئے کوشاں رہتی ہیں جیسے حضرت مسیحؑ نے بھی فرمایا ہے کہ اے خدا! تیری بادشاہت جیسے آسمان پر ہے ویسی ہی زمین پر بھی ہو[۲] یہی وجہ تھی کہ یہودیوں کے اندر غلط فہمی سے یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ مسیح زمین کی بادشاہت چاہتا ہے حالانکہ وہ آسمانی بادشاہت چاہتا تھا اور عیسائیوں کے دلوں میں اس مقصد کے حصول کے لئے جوش پیدا ہو گیا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ کام ہم نے ہی کرنا ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر ان میں سے ہر ایک قربانی کرتا تھا اور ان میں یک جہتی اور یکسوئی پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ جماعت طاقت پکڑ گئی۔

پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے بتایا کہ مسیحؑ جو کہتا تھا کہ میں کچھ مدت کے بعد آسمان پر چلا جاؤں گا یہ دراصل پیشگوئی تھی کہ ایک مدت تک میری بادشاہت قائم رہے گی پھر خدا کسی اور کو بھیج دے گا جس کی حکومت دائمی ہوگی۔ پس جب مسیح کی بادشاہت آسمان پر چلی گئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا۔ شروع شروع میں آپ کے ساتھ دس بیس صحابہؓ تھے لیکن ان میں سے ہر شخص یہ سمجھے ہوئے تھا کہ میں نے ہی خدا تعالیٰ کے دین کو دنیا میں قائم کرنا ہے اور وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ کام صرف اور صرف ہمارا ہی ہے اور اس کو ہم نے ہی سرانجام دینا ہے۔ عتبہ، شیبہ، ولید اور ابوجہل وغیرہ

نے سرانجام نہیں دینا۔ پس وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے دین اور اس کی بادشاہت کے قیام کے لئے لگے رہے اور آخر کامیاب ہو گئے۔ اس وقت ہر شخص جو اسلام کے اندر داخل ہوتا تھا وہ اس ارادہ سے آتا تھا کہ میں نے اپنی جان کو ہلاک کر دینا ہے مگر خدا تعالیٰ کی بادشاہت کو قائم کر کے چھوڑنا ہے اور ان میں سے ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ یہ کام میں نے ہی کرنا ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کے متعلق یہ سمجھ لے کہ یہ میں نے ہی کرنا ہے تو اس کے اندر بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ عام طور پر ہماری جماعت کے لوگوں کا طریق ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دعا کے لئے کہتے رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو سنجیدگی کے ساتھ اور ضرورتاً کہتے ہیں اور بعض عادتاً کہہ جاتے ہیں اور پھر جن کو دعا کے لئے کہا جاتا ہے وہ بھی ان دونوں پہلوؤں کو لیتے ہیں جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو جو دعا کے لئے کہا گیا یہ ضرورتاً اور سنجیدگی کے ساتھ نہیں کہا گیا تو وہ دعا نہیں کرتا اور بھول جاتا ہے لیکن جو شخص دعا کی درخواست کرنے والے کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ اس کو واقعی کوئی مصیبت درپیش تھی اور اس نے مجھ سے دعا کی قبولیت پر یقین رکھتے ہوئے دعا کی درخواست کی ہے وہ ضرور دعا کرتا ہے اور ایسی دعا ہی اللہ تعالیٰ کے حضور قبول ہوتی ہے۔ مثلاً مجھے اپنا ایک واقعہ یاد ہے کہ ۱۸۔۱۹۱۷ء میں ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر بغداد گئے۔ ان کے بھائی نذیر احمد صاحب یہاں تھے۔ وہ ہمارے چھوٹے بھائی میاں شریف احمد صاحب کے ساتھ پڑھتے رہے تھے۔ اُن دنوں ہمارا طریق تھا کہ ہم حضرت اماں جان مدظلہا العالی کے ساتھ شام کا کھانا کھایا کرتے تھے ایک دن ہم کھانا کھا رہے تھے تو عزیزم میاں شریف احمد صاحب نے مجھے بتایا کہ انہیں نذیر احمد صاحب نے بتایا ہے کہ ان کے بھائی ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب مارے گئے ہیں اور یہ خبر ان کو گورنمنٹ کی طرف سے ملی ہے۔ اس سے کچھ دن پیشتر انہی ڈاکٹر صاحب کی والدہ اور والد صاحب یہاں آئے تھے اور میں نے ان دونوں کو دیکھا تھا وہ دونوں بہت ضعیف تھے اور عجیب بات یہ ہے کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ان کے اکلوتے بیٹے ہیں حالانکہ وہ سات بھائی تھے۔ جب میں نے ان کے مارے جانے کی خبر سنی تو مجھے ان کے بوڑھے والدین کا خیال کر کے بہت صدمہ ہوا اور مَیں نے خیال کیا کہ ان بے چاروں کا وہی ایک بیٹا بڑھاپے کا سہارا تھا اب ان کا کیا حال ہوگا۔ چنانچہ

جب میں عشاء کی نماز کے بعد بیت الدعا میں سنتیں پڑھنے کے لئے گیا تو نہایت جوش اور رقت کے ساتھ میرے منہ سے بار بار یہ الفاظ نکلنے لگے کہ الٰہی ! ڈاکٹر مطلوب خاں زندہ ہو جائیں مگر پھر میرے دل میں خیال آتا کہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہی نہیں کہ کوئی شخص ایک دفعہ مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے مگر اس خیال کے آنے کے بعد بھی میرے منہ سے بے اختیار یہ دعا نکل جاتی کہ الٰہی ! ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب زندہ ہو جائیں اور یہ دعا برابر میرے منہ سے نکلتی رہی۔ رات کو جب میں سویا تو میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب مجھے ملے ہیں اور انہوں نے تین چار دن پہلے کی تاریخ بتا کر کہا کہ میں زندہ ہوں۔ میں نے دوسرے دن کھانا کھاتے وقت یہ خواب میاں شریف احمد صاحب کو سنائی اور ساتھ ہی کہا یہ خواب ہے تو سچی کیونکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ خواب سچی ہے مگر میں واقعات کو کیا کروں مرے ہوئے آدمی تو زندہ نہیں ہو سکتے اور اِس کی کوئی اور تعبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ میاں شریف احمد صاحب نے میری یہ خواب نذیر احمد صاحب کو سنائی وہ بھی اس پر حیران ہوئے لیکن دوسرے ہی دن نذیر احمد صاحب نے بتایا کہ ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب کی تار آئی ہے کہ میں صحیح سلامت ہوں۔ یہ سن کر سب حیران رہ گئے کہ گورنمنٹ تو اطلاع دے رہی ہے کہ مطلوب خاں فوت ہو چکا ہے اور خود مطلوب خاں صاحب تار دیتے ہیں کہ میں زندہ ہوں۔ اصل بات یہ تھی کہ ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب ایک لڑائی میں شامل ہوئے اور اسی حملہ میں ایک ڈاکٹر کی لاش ملی وہ ڈاکٹر تو سکھ تھا مگر اس کی داڑھی کی وجہ سے انہوں نے سمجھا کہ یہ ڈاکٹر مطلوب خاں کی لاش ہے اور چونکہ لاش کا چہرہ بالکل پہچاننے کے قابل نہ رہ گیا تھا اور پھر وہاں ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب ہی معروف تھے اس لئے سمجھ لیا گیا کہ وہ مارے گئے ہیں اور گورنمنٹ نے ان کے مرنے کی خبر بھی دے دی۔ درحقیقت مطلوب خاں صاحب کو دشمن قید کر کے لے گئے تھے اور جب اتحادیوں کے ہوائی جہازوں نے دشمن پر بمباری کی تو دشمن میں افراتفری پھیل گئی اور یہ کسی طرح بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ پس دعا کے لئے دردِ دل کا ہونا ضروری ہے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے دل میں سب سے بڑھ کر کس شخص کے لئے دعا کرنے کے لئے جوش پیدا ہوتا ہے انہوں نے فرمایا جو شخص میرے پاس

آ کر یہ کہے کہ میرا آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اس کے لئے میرے دل میں بہت جوش پیدا ہوتا ہے۔ پس جو آ کر کہتا ہے کہ میرا تمہارے سوا اور کوئی نہیں اس کے لئے دل میں درد پیدا ہو جاتا ہے مثلاً جب میں نے ڈاکٹر صاحب کی وفات کی خبر سنی تو مجھے ان کے بوڑھے والدین کا خیال کر کے سخت صدمہ ہوا اور میں نے خیال کیا کہ ان کا میرے سِوا کوئی نہیں رہا اس لئے اس قدر درد اور سوز کے ساتھ میرے دل سے دعائیں نکلیں کہ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو صحیح سلامت رکھ لیا۔ پس کسی مقصد کے لئے یہ جان لینا ضروری ہوتا ہے کہ یہ کام صرف میں نے ہی سرانجام دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مرسل جب آتے ہیں اُس وقت ہر شخص جوان کی جماعت میں داخل ہوتا ہے یہ سمجھتا ہے کہ دین کا کام میرے سوا اور کسی نے نہیں کرنا جب وہ یہ سمجھ لے تو وہ اس کی انجام دہی کے لئے اپنی ساری قوتیں صرف کر دیتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ مجنوں بن جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فوت ہوئے تو میں نے اس قسم کی آوازیں سنیں کہ آپ کی وفات بے وقت ہوئی ہے ایسا کہنے والے یہ تو نہیں کہتے تھے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ آپ جھوٹے ہیں مگر یہ کہتے تھے کہ آپ کی وفات ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغام اچھی طرح نہیں پہنچایا اور پھر آپ کی بعض پیشگوئیاں بھی پوری نہیں ہوئیں۔ میری عمر اُس وقت اُنیس سال کی تھی۔ میں نے جب اِس قسم کے فقرات سنے تو میں آپ کی لاش کے سرہانے جا کر کھڑا ہو گیا اور مَیں نے خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے دعا کی کہ اے خدا! یہ تیرا محبوب تھا جب تک یہ زندہ رہا اس نے تیرے دین کے قیام کے لئے بے انتہاء قربانیاں کیں اب جبکہ اس کو تُو نے اپنے پاس بلا لیا ہے لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس کی وفات بے وقت ہوئی ہے ممکن ہے ایسا کہنے والوں یا ان کے باقی ساتھیوں کے لئے اس قسم کی باتیں ٹھوکر کا موجب ہوں اور جماعت کا شیرازہ بکھر جائے اس لئے اے خدا! میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر ساری جماعت بھی تیرے دین سے پھر جائے تو میں اس کے لئے اپنی جان لڑا دوں گا۔ اُس وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ کام میں نے ہی کرنا ہے اور یہی ایک چیز تھی جس نے ۱۹ سال کی عمر میں ہی میرے دل کے اندر ایک ایسی آگ بھر دی کہ میں نے اپنی ساری زندگی دین کی خدمت پر لگا دی اور باقی تمام

مقاصد کو چھوڑ کر صرف یہی ایک مقصد اپنے سامنے رکھ لیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کام کے لئے تشریف لائے تھے وہ اب میں نے ہی کرنا ہے۔ وہ عزم جو اُس وقت میرے دل کے اندر پیدا ہوا تھا آج تک میں اُس کو نت نئی چاشنی کے ساتھ اپنے اندر پاتا ہوں اور وہ عہد جو اُس وقت میں نے آپ کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر کیا تھا وہ خضر راہ بن کر مجھے ساتھ لئے جاتا ہے۔ میرا وہی عہد تھا جس نے آج تک مجھے اس مضبوطی کے ساتھ اپنے ارادہ پر قائم رکھا کہ مخالفت کے سینکڑوں طوفان میرے خلاف اُٹھے مگر وہ اس چٹان کے ساتھ ٹکرا کر اپنا ہی سر پھوڑ گئے جس پر خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا تھا اور مخالفین کی ہر کوشش، ہر منصوبہ اور ہر شرارت جو انہوں نے میرے خلاف کی وہ خود انہیں کے آگے آتی گئی اور خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل کے ساتھ مجھے ہر موقع پر کامیابیوں کا منہ دکھایا یہاں تک کہ وہی لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے وقت یہ کہتے تھے کہ آپ کی وفات بے وقت ہوئی ہے آپ کے مشن کی کامیابیوں کو دیکھ کر انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ پس جو شخص یہ عہد کر لیتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ کام میں نے ہی سرانجام دینا ہے اُس کے رستہ میں ہزاروں مشکلات پیدا ہوں، ہزاروں روکیں واقع ہوں اور ہزاروں بند اُس کے رستہ میں حائل ہوں وہ ان سب کو عبور کرتا ہوا اس میدان میں جا پہنچتا ہے جہاں کامیابی اس کے استقبال کے لئے کھڑی ہوتی ہے۔ پس ہماری جماعت کے ہر شخص کو یہ عہد کر لینا چاہئے کہ دین کا کام میں نے ہی کرنا ہے اس عہد کے بعد ان کے اندر بیداری پیدا ہو جائے گی اور ہر مشکل ان پر آسان ہوتی جائے گی اور ہر عسر ان کے لئے یسر بن جائے گی ان کو بے شک بعض تکالیف اور مصائب اور آلام سے بھی دو چار ہونا پڑے گا مگر وہ اس میں عین راحت محسوس کریں گے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ دین کی تکمیل کے لئے صرف تم ہی میرے مخاطب ہو تمہارے صحابہ اس کام میں حصہ لیں یا نہ لیں لیکن تم سے بہر حال میں نے کام لینا ہے[۳] یہی وجہ تھی کہ آپ رات دن اسی کام میں لگے رہتے تھے اور آپ کی ہر حرکت اور آپ کا ہر سکون اور آپ کا ہر قول اور ہر فعل اِس بات کے لئے وقف تھا کہ خدا تعالیٰ کے دین کو دنیا میں قائم کیا جائے اور آپ اس بات کو سمجھتے تھے کہ یہ اصل میں میرا ہی کام ہے کسی اور کا نہیں۔ جب آپ فوت ہوئے تو بہت

سے نادان مسلمان مرتد ہو گئے تاریخوں میں آتا ہے کہ صرف تین جگہیں ایسی رہ گئی تھیں جہاں مسجدوں میں باجماعت نماز ہوتی تھی۔ اسی طرح ملک کے اکثر لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا کیا حق ہے کہ وہ ہم سے زکوٰۃ مانگے۔ جب یہ رَو سارے عرب میں پھیل گئی اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسے لوگوں پر سختی کرنی چاہی تو حضرت عمرؓ اور بعض اور صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور انہوں نے عرض کیا کہ یہ وقت سخت نازک ہے اِس وقت کی ذرا سی غفلت بہت بڑے نقصان کا موجب ہو سکتی ہے اس لئے ہماری تجویز یہ ہے کہ اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ نہ کیا جائے اور جو زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ تم میں سے جو شخص ڈرتا ہو وہ جہاں چاہے جائے خدا کی قسم! اگر تم میں سے ایک شخص بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو بھی میں اکیلا دشمن کا مقابلہ کروں گا اور اگر دشمن مدینہ کے اندر گھس آئے اور میرے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو قتل کر دے اور عورتوں کی لاشیں مدینہ کی گلیوں میں کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں ان سے جنگ کروں گا اور اُس وقت تک نہیں رُکوں گا جب تک یہ لوگ اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی وہ رسّی بھی جو پہلے زکوٰۃ میں دیا کرتے تھے نہ دینے لگ جائیں۔[۱۴] چنانچہ انہوں نے دشمن کی شرارت کا دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا اور آخر کامیاب ہوئے صرف اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ کام میں نے ہی کرنا ہے اسی لئے انہوں نے مشورہ دینے والے صحابہؓ کو کہہ دیا کہ تم میں سے کوئی شخص میرا ساتھ دے یا نہ دے میں اکیلا دشمن کا مقابلہ کروں گا یہاں تک کہ میری جان خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو جائے۔ پس جس قوم کے اندر یہ عزم پیدا ہو جائے وہ ہر میدان میں جیت جاتی ہے اور دشمن کبھی اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ اپنے مقصد کی کامیابی پر یقین ہی ایک ایسی چیز ہے جو کسی قوم کو بامِ رفعت پر پہنچا سکتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہماری جماعت کے لوگوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے۔ انہیں جان لینا چاہئے کہ جو مقصدِ عالی ان کے سامنے ہے اسے ہمارے سوا کسی اور نے نہیں کرنا اور یہ کام چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے اس لئے کس قدر بھی زیادہ قربانیاں ہمیں اس کے لئے کیوں نہ کرنی پڑیں ہم ان سے دریغ نہیں کریں گے۔ ہمارے سامنے تاریخ میں ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ لوگوں نے اپنے آقاؤں کے

لئے اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔

ایک بادشاہ اور اس کا نوکر کہیں جا رہے تھے کہ دشمن نے ان کو پکڑ لیا اور بادشاہ کو پھانسی کی سزا مل گئی مگر نوکر نے بادشاہ کو پھانسی سے بچانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور کہا بادشاہ یہ نہیں بلکہ میں ہوں اس لئے مجھے پھانسی پر چڑھایا جائے۔

اسی طرح ایک مشہور واقعہ ہے کہ خانخاناں جو بہرام کے بیٹے تھے اور فوج میں جرنیل تھے شاہجہان کے وقت جب بغاوت ہوئی اور باشاہ کے داماد نے یہ شرارت اُٹھائی تو اس میں خانخاناں کو بھی مورِدِ الزام ٹھہرایا گیا۔ اُن کا نوکر جو نَومُسلم تھا ان کا بہت منہ چڑھا تھا انہوں نے اس کو داروغہ بنا دیا تھا اور لوگ اس نوکر کو جانجاناں کے نام سے پکارتے تھے۔ خانخاناں بہت سخی واقع ہوئے تھے مگر جانجاناں ان سے بھی زیادہ سخی تھا اور ان کا بہت سامال تقسیم کر دیا کرتا تھا اور لوگ اس پر ہمیشہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ خانخاناں نے اس کو کیوں اتنا منہ چڑھایا ہوا ہے۔ خانخاناں کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ وہ کھانا کھانے بیٹھے اور ان کا ایک نوکر چوکری [۵] جَھل رہا تھا کہ وہ رو پڑا انہوں نے جب اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو اس سے پوچھا تمہارے رونے کی کیا وجہ ہے کیا تمہیں میرے پاس رہنے میں کوئی تکلیف ہے؟ نوکر نے کہا تکلیف تو کوئی نہیں صرف یہ بات ہے کہ میں ایک بہت بڑے رئیس کا بیٹا ہوں اور میرا باپ بھی آپ ہی کی طرح کا رئیس تھا اور بالکل اسی طرح اُس کے سامنے کھانے چنے جاتے تھے اور مہمان پاس بیٹھ کر کھاتے تھے جب میں نے آپ کے دسترخوان پر یہ کھانے دیکھے اور اتنے لوگوں کو کھاتے دیکھا تو مجھے اپنا باپ یاد آ گیا اور میں بے اختیار رو پڑا۔ عبدالرحیم خانخاناں نے کہا اچھا ایک بات تو بتاؤ کبوتر کے گوشت کا سب سے زیادہ، اچھا اور لذیذ کونسا حصہ ہوتا ہے؟ جو لوگ کبوتر کا گوشت استعمال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کا سب سے لذیذ حصہ اس کی کھال ہوتی ہے۔ نوکر نے کہا کبوتر کی کھال سب سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے، یہ سن کر خانخاناں سمجھ گئے کہ یہ واقعی کسی رئیس کا لڑکا ہے۔ انہوں نے فوراً حکم دیا کہ اِس نوکر کو حمام میں لے جا کر اسے غسل دیا جائے اور اسے اعلیٰ قسم کا لباس پہنایا جائے اور دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلایا جائے۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا جب دوسرے نوکروں نے یہ واقعہ سنا تو ان میں سے بھی ایک نوکر کا جی

للچایا اور اُس نے ارادہ کیا کہ میں بھی اسی قسم کا پارٹ ادا کروں گا چنانچہ دوسرے دن جب وہ لڑکا کھانے کے وقت چوکری جھل رہا تھا اس نے بھی رونا شروع کر دیا۔ خانخاناں نے اس سے پوچھا کہ تم کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میرا باپ بھی آپ ہی کی طرح کا ایک رئیس تھا اور اسی طرح اس کے سامنے کھانے رکھے جاتے تھے اور نوکر چاکر اور خدمت گذار ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے میں نے جب آپ کے سامنے دسترخوان دیکھا تو مجھے اپنا باپ یاد آ گیا۔ خانخاناں نے بے ساختہ اُس سے پوچھا بتاؤ بکرے کے گوشت کا سب سے لذیذ حصہ کونسا ہوتا ہے؟ نوکر نے بِلا سوچے سمجھے کہہ دیا کہ کھال۔ خانخاناں نے نوکروں کو حکم دیا کہ نکال دو اِس بدتمیز کو اس نے جھوٹ بولا ہے۔

خانخاناں کے متعلق ایک اور لطیفہ بھی مشہور ہے۔ کہتے ہیں وہ بہت زیادہ خوبصورت تھے ایک امیر عورت اُن پر فریفتہ ہوگئی اور اُس نے اُن سے کہا میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں تا کہ میرا بیٹا آپ ہی کی طرح کا خوبصورت ہو۔ وہ ہر روز اُن کو شادی کا پیغام بھیجتی تھی مگر وہ انکار کر دیتے تھے۔ ایک دن تنگ آ کر اُنہوں نے اُس عورت کو لکھا کہ بچہ ہونا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور فرض کرو میرے ساتھ شادی کر کے بھی تمہارے ہاں کوئی لڑکا نہ پیدا ہو تو تمہاری ساری محنت ضائع جائے گی اس لئے بہتر ہے کہ تم مجھی کو اپنا بیٹا سمجھ لو جس طرح میں اپنی والدہ کی خدمت کیا کرتا ہوں اسی طرح تمہاری بھی خدمت کیا کروں گا۔

غرض میں بیان کر رہا تھا کہ خانخاناں بھی سخی تھے ان کا نوکر جانجاناں ان سے بھی زیادہ سخی تھا اور وہ ان کا بہت سا مال لٹا دیتا تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر ناراض ہوتے اور کہتے آپ نے اس نوکر کو اتنا کیوں سر چڑھا رکھا ہے۔ خانخاناں ہمیشہ یہ جواب دیا کرتے کہ جب کبھی مجھ پر کوئی مصیبت کا وقت آیا اُس وقت اِس نوکر کی وفاداری دیکھ لینا۔ چنانچہ جب بغاوت کے زمانہ میں ان پر بھی بغاوت کا الزام لگایا گیا اور اُن کو پھانسی کا حکم ہوا اور سپاہی ان کو پکڑنے کے لئے آئے تو باقی تمام نوکر تو بھاگ گئے لیکن جانجاناں اکیلا اُن کے مقابلہ میں سینہ تان کر کھڑا ہو گیا اور مقابلہ کرتے کرتے اُس نے جان دے دی چنانچہ اب تک اُس کا مقبرہ موجود ہے ایک طرف خانخاناں کا مقبرہ ہے اور دوسری طرف چھوٹا سا جانجاناں کا مزار ہے۔

اب دیکھو دنیا میں چھوٹے چھوٹے محسنوں کے لئے لوگ کتنی قربانیاں کرتے ہیں پھر جب وہ فانی دنیا کے فانی محسنوں کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں یا یوں سمجھ لو کہ جب وہ کوئلوں کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں تو تم روحانی موتیوں اور ہیروں کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کو کیوں قربان نہیں کر سکتے۔ اگر تم ایسا کرو اور اپنی جانیں خدا تعالیٰ کے سپرد کر دو تو اللہ تعالیٰ تمہیں غیر معمولی ترقی عطا فرمائے گا اور تمہارا قدم ہمیشہ ترقی کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔ قرآن کریم نے نہایت واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان کی حقیر قربانی پیش کرتا ہے اُسے ابدی حیات عطا کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ [٦] یعنی جو لوگ میری راہ میں اپنی جان دیتے ہیں تم انہیں مُردہ مت کہو وہ لوگ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں گویا خدا ان کے لئے مُردہ کا لفظ بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ اس کی غیرت کہتی ہے کہ جن لوگوں نے میرے راستہ میں جان دی ہے ان کو مُردہ کہنا بھی گناہ کی بات ہے مُردہ وہ ہیں جو دنیا کے لئے مرے نہ وہ جو خدا کے لئے مرے اور انہوں نے ابدی حیات پائی۔ اب دیکھو یہ خدا تعالیٰ کی کتنی غیرت ہے کہ وہ ان کے لئے مُردہ کا لفظ بھی برداشت نہیں کرسکتا وہ کہتا ہے میرا بندہ کمزور تھا اور اسے صرف مرنا آتا تھا اُس نے مر کر دکھا دیا مگر مجھے زندہ کرنا آتا ہے اس لئے اب میرا فرض ہے کہ میں اسے ابدالآباد کے لئے زندہ رکھوں۔

پس ہماری جماعت کے ہر چھوٹے اور بڑے، نوجوان اور بوڑھے کو اس مقام پر کھڑا ہو جانا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنا ہی سب سے بڑی سعادت ہے۔ جب کوئی شخص اس یقین سے لبریز ہو جاتا ہے تو اس کی ساری کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں اور اس کے اندر اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں سے بھی ٹکر لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

پس سب سے پہلی چیز جو دینی جماعتوں کی ترقی کے لئے ضروری ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں اپنے مقصد عالی کے متعلق پورا پورا یقین ہو جب کسی قوم کو یہ یقین حاصل ہو جائے اُس کا رُعب دوسروں پر چھا جاتا ہے اور وہ اس سے ڈرنے لگ جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے صحابہؓ کی

ایک مثال موجود ہے ایک دفعہ ایک یہودی جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرض لیا تھا اور پھر آپ نے اسے ادا بھی کر دیا تھا آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ نے مجھ سے کچھ قرض لیا تھا جو ابھی تک ادا نہیں کیا آپ نے فرمایا وہ تو میں نے ادا کر دیا ہوا ہے۔ یہودی کو تو یہ خیال تھا کہ خواہ میں اپنا قرض واپس لے چکا ہوں مگر جب میں لوگوں کے سامنے آپ سے پھر مانگوں گا تو اِس وجہ سے کہ قرض کی واپسی کے وقت کوئی گواہ موجود نہ تھا آپ گھبرا کر دوبارہ مجھے روپیہ دے دیں گے مگر آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارا قرض واپس کر دیا تھا۔ اُس نے پھر اصرار کیا اور کہا کہ آپ کو یاد نہیں رہا میرا قرض آپ نے ابھی تک واپس نہیں کیا۔ اس پر ایک صحابی کھڑے ہو گئے انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے قرض ادا کر دیا ہوا ہے۔ اس سے یہودی ڈر گیا اور کہنے لگا ہاں اب مجھے یاد آ گیا ہے کہ آپ نے قرض واپس کر دیا تھا جب یہودی چلا گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابیؓ سے فرمایا مجھے تو یہی یاد پڑتا ہے کہ جب میں نے اُس کا قرض واپس کیا تھا تو ہم دونوں کے سوا اور کوئی آدمی پاس نہ تھا تم نے کیسے گواہی دے دی؟ اس صحابیؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ ہر روز ہمیں فرماتے ہیں کہ آج خدا تعالیٰ نے مجھے یہ کہا اور آج یہ کہا اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی ہر بات سچی ہوتی ہے۔ تو جب آپ یہ فرما رہے تھے کہ میں نے قرض ادا کر دیا ہے تو میں اس بات کو کیوں سچ یقین نہ کرتا۔ پس جب صحابہؓ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا یقین تھا جو ایک بشر تھے تو جب خدا تعالیٰ ہم سے کہتا ہے کہ تم مرو گے تو ہمیں کیوں نہ یقین آئے گا ہمیں تو خدا تعالیٰ پر بہت زیادہ یقین ہونا چاہئے اور ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ جس دن ہم اس رنگ میں اپنی قربانیاں خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر دیں گے ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگ جائے گی۔

پس یقین کر لو کہ اس مقصد سے بڑھ کر اور کوئی مقصد نہیں جو ہمارے سامنے رکھا گیا ہے جب ہم اس مقصد پر قائم ہو جائیں گے تو ہم کبھی ناکام نہیں رہ سکتے کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے کہہ دیا ہے کہ تم نے کامیاب ہو جانا ہے تو اس میں شبہ کرنے والا مؤمن نہیں کہلا سکتا یہ یقین قوم کے اندر ایسا جوش، جذبہ اور ولولہ پیدا کر دیتا ہے کہ دوسرے لوگ مؤمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر ہی بھانپ جاتے ہیں کہ ان کے پیچھے کوئی بالا طاقت ہے اور وہ اپنی آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں۔ انسان کی سمجھ جانوروں سے تو بہرحال زیادہ ہوتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دو کتے جب ایک دوسرے کو غراتے ہیں تو ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو کر غوں غوں کرتے ہیں کچھ دیر اسی طرح کرنے کے بعد ایک کتا دُم دَبا کر بھاگ جاتا ہے اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس کی غوں میں طاقت ہے۔ اسی طرح جب مؤمن یقین کے ساتھ پُر ہو کر مقابلہ کے لئے نکلتا ہے تو کوئی اس کے مقابلہ میں ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

مجھے یاد ہے میں ایک دفعہ شملہ گیا وہاں ایک گریجوایٹ ہندو تھے میں نے ان کے سامنے مثال پیش کی کہ ہمیں اپنے مذہب کی سچائی پر اتنا کامل یقین ہے کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ انہوں نے کہا آپ یہ کس طرح کہتے ہیں اپنے اپنے مذہب کی سچائی پر ہر شخص کو کامل یقین ہوتا ہے۔ مَیں نے کہا آپ کو وہ یقین حاصل نہیں جو مجھے ہے۔ انہوں نے کہا اس بات کا کیا ثبوت آپ کے پاس ہے؟ میں نے کہا کہ جس طرح میں خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اسلام سچا مذہب ہے اور قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب ہے اس طرح کی قسم آپ نہیں کھا سکتے۔ انہوں نے کہا میں بھی یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ اگر میرا مذہب جھوٹا ہے تو مجھ پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ میں نے کہا یہ قسم تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتی قسم اِس طرح ہونی چاہئے کہ اے خدا! اگر میرا مذہب سچا نہیں ہے تو تُو مجھ پر، میرے بیوی بچوں پر، میرے خاندان پر اور میری تمام نسلوں پر عذاب نازل کر اور میں ایسی قسم اُٹھانے کے لئے تیار ہوں آپ بھی ایسی ہی قسم اُٹھائیں۔ اس پر وہ کہنے لگے آپ میرے بیوی بچوں کو درمیان میں کیوں لاتے ہیں؟ میں نے کہا اگر آپ کو اپنے مذہب کی سچائی پر کامل یقین ہے تو پھر آپ بیوی بچوں کو بیچ میں لانے سے گھبراتے کیوں ہیں۔ جس کو کامل یقین ہو اس کے لئے تو گھبرانے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی اور اسی لئے تو میں نے کہا تھا کہ آپ کو وہ یقین اپنے مذہب کی سچائی پر نہیں جو مجھ کو اپنے مذہب کی سچائی پر ہے۔

غرض ہماری جماعت کو یقین کامل رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے ''نیمے دروں نیمے بروں''[۸] والا ایمان کسی کام کا نہیں ہوتا۔ ایسا ایمان تو دنیا کی دوسری قوموں مثلاً یہودیوں اور عیسائیوں کے اندر بھی پایا جاتا ہے۔ تمہیں اس بات پر کامل

یقین ہونا چاہئے کہ ہم جس مقصد کو لے کر کھڑے ہوئے ہیں وہ مقصد نہایت اعلیٰ ہے اور وہ وہی ہے جس کا ہمارے خدا نے ہمیں حکم دیا ہے اور تم سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے جو امانت ہمارے سپرد کی ہے اس میں خیانت کرنا مؤمنانہ شان کے خلاف ہے اور ہم نے جو کچھ کرنا ہے محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے کرنا ہے۔ جب ہم میں سے ہر شخص اس راز کو اچھی طرح سمجھ لے گا اور اپنے اندر ایک نمایاں تبدیلی پیدا کرے گا تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آپ کے رنگ میں رنگیں ہو کر کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کرتا چلا جائے گا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی صحابہؓ کو اس لئے کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی کہ ان میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، اور علیؓ تھے بلکہ اس لئے کامیابی حاصل ہوئی تھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سب کے سب آپ کے رنگ میں رنگیں ہو گئے تھے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ دین کی ساری ذمہ داری ہم پر ہی ہے۔ جب انہوں نے اپنے آپ کو اِس مقام پر کھڑا کر لیا تو اُن کو ہر مشکل آسان نظر آنے لگ گئی اور انہوں نے دین کے لئے وہ قربانیاں پیش کیں جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آ گئی اور اُس نے اپنے فرشتوں کی فوجیں ان کی مدد کے لئے اُتار دیں اور وہ جہاں بھی گئے کامیاب و بامراد ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ اس وقت کی تمام معلومہ دنیا پر چھا گئے اور انہوں نے دنیا کے کونے کونے میں خدا اور اس کے رسول کے نام کو بلند کر دیا۔ آج ہماری جماعت بھی صحابہؓ کے نقش قدم پر چل رہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے بھی اُنہی قربانیوں کا مطالبہ کرے جن کا اس نے صحابہؓ سے مطالبہ کیا تھا جب تم وہ قربانیاں پیش کر دو گے تو خدا تعالیٰ کے فضل تم پر بھی اسی طرح نازل ہونے شروع ہو جائیں گے جس طرح صحابہؓ پر نازل ہوئے تھے۔

فرمودہ ۶ رجون ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب

میں نے کل بتایا تھا کہ کسی قوم کی کامیابی کے لئے سب سے پہلی چیز جو ضروری ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے سامنے کوئی مقصدِ عالی ہو اور پھر اس مقصد کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہو اور اس کے مفید ہونے پر اسے کامل یقین ہو، ایسا کامل یقین کہ کبھی اس کے متعلق قوم کے اندر یہ شبہ ہی پیدا نہ ہو کہ یہ مفید اور بابرکت نہیں ہے اور سب سے بہترین مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ انسان یا قوم

اپنے پیدا کرنے والے خدا کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے سپرد کوئی کام کیا جائے جس میں غلطی کا امکان ہی نہ ہوسکتا ہو۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی انسان اپنے لئے خود کوئی مقصد تلاش کرتا ہے تو اُس کے متعلق اُس کے دل میں بسا اوقات شبہات اور وساوس پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ نہ معلوم یہ مقصد صحیح اور مفید اور بابرکت ہے یا نہیں ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ شاید میں غلطی کر رہا ہوں۔ دنیا میں بیسیوں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کئی لوگوں نے اپنے لئے ایک مقصد تلاش کیا اور کچھ عرصہ تک اُس کو اپنائے رکھا لیکن یکدم ان کی حالت میں تبدیلی پیدا ہوگئی اور انہوں نے اس مقصد کو ترک کر دیا اور جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنے سامنے اتنے عرصہ تک ایک مقصد رکھا تھا اور اب تم اسے چھوڑ رہے ہو اِس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے کہہ دیا کہ وہ مقصد چونکہ ہمارے لئے مفید نہ تھا اِس لئے اس کا چھوڑنا ہی ضروری تھا۔ بعض لوگ دیکھے گئے ہیں کہ پہلے تو وہ اپنی تمام تر توجہ تعلیم کی طرف مرکوز کر دیتے ہیں لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرتا ہے کہ ان کی حالت میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ تعلیم کے ارادہ کو ترک کر کے بلکہ بسا اوقات اسے اپنے حالات کے لئے نقصان دہ قرار دیتے ہوئے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیتے ہیں اور جب ان سے پوچھا جائے کہ یہ تم نے کیا کیا کہ تعلیم کو چھوڑ سیاست میں آ گئے تو وہ کہتے ہیں کہ اب ہمارے لئے تعلیم کا چھوڑنا اور سیاست میں حصہ لینا ہی مفید تھا لیکن جو شخص یا قوم ایک ایسا مقصد سامنے رکھے جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے اسے کہا ہو اور اس کو اپنی کامیابی پر کامل یقین ہو تو وہ کبھی اس کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مقصد غلط ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ نے اس کے لئے وہ مقصد قرار دیا ہوگا تو وہ ہر قسم کی غلطیوں سے پاک ہوگا اور اگر خدا نے تو اُس کو نہیں کہا بلکہ اس نے اپنے آپ ایک مقصد کو اپنا لیا ہے تو اس کے متعلق اُس کے دل میں شبہات بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور وساوس بھی ہو سکتے ہیں۔ یا پھر یوں کہنا چاہئے کہ جس مقصد کو خدا کی رضا کے لئے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے اختیار کیا گیا ہو اس میں تبدیلی کا ہر وقت امکان ہوسکتا ہے۔ پس جب ایک دفعہ انسان کسی مقصد کو یہ کہہ کر اختیار کرتا ہے کہ اس کے متعلق خدا نے مجھے حکم دیا ہے تو وہ کبھی اس کے غیر مفید ہونے کے متعلق شکوک میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص پہلے تو یہ کہے کہ اس مقصد کا خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے اور بعد میں کہنے

لگ جائے کہ اس کا حکم تو خدا نے دیا ہے مگر یہ میرے لئے مفید نہیں ہے تو ایسے شخص کو ہر کوئی پاگل سمجھے گا کیونکہ اُس کا یہ کہنا تو درست ہوسکتا ہے کہ میں خدا کو نہیں مانتا یا خدا نے یہ حکم مجھے نہیں دیا تھا بلکہ میں نے اپنے ارادہ سے اس مقصد کو اپنے سامنے رکھا تھا اور اب اسے چھوڑ رہا ہوں لیکن خدا تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہوئے اور کچھ عرصہ پہلے یہ کہتے ہوئے کہ اس مقصد کے لئے خدا نے مجھے حکم دیا ہے بعد میں کہہ دینا کہ یہ میرے لئے مفید نہیں ہے بالکل پاگل پن کی بات ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف کسی مقصد کو منسوب نہ کرتے ہوئے بلکہ اپنے ارادہ کی طرف منسوب کر کے اسے چھوڑ دینے والے کو غلطی خوردہ تو کہہ سکتے ہیں پاگل نہیں کہیں گے لیکن جو شخص کہے کہ ہے تو خدا ہی کی طرف سے لیکن یہ غلط ہے اُس کو ہر کوئی پاگل سمجھے گا اور اِس بات کو کوئی شخص درست تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوگا کہ وہ خدا کی طرف سے بھی ہو اور غلط بھی ہو۔ خدا تعالیٰ کو کامل علیم و خبیر اور مقتدر ہستی تسلیم کرتے ہوئے اور اُس کی ذات کو محیطِ کُل مانتے ہوئے یہ کہنا کہ اُس نے غلط بات کہہ دی ہے سوائے کسی پاگل اور مجنون کے اور کسی انسان کا کام نہیں۔ پس جو لوگ خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں مقصد کے لئے خدا نے ہمیں حکم دیا ان کے متعلق اس امر کا امکان ہی نہیں ہوسکتا کہ بعد میں وہ کہہ دیں کہ یہ ہے تو خدا کی طرف سے مگر ہے غلط لیکن جو لوگ خود اپنے لئے کوئی مقصد تلاش کر لیتے ہیں اور اس کو خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے اور بعد میں اسے چھوڑنا چاہیں یا بدلنا چاہیں تو وہ چھوڑ بھی سکتے ہیں اور بدل بھی سکتے ہیں۔ ایسے لوگ تعلیم حاصل کرتے کرتے یکدم چھوڑ دیتے ہیں اور سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیتے ہیں یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سیاسیات میں حصہ لیتے لیتے یکدم اسے چھوڑ دیتا ہے۔ جیسے گاندھی جی کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ سیاست کرتے کرتے انہوں نے یکدم پہلو بدلا اور کہا میں تو اب چرخہ ہی کاتوں گا سیاست سے میں نے کنارہ کشی کر لی ہے اور چاہے وہ سنجیدگی کے ساتھ کہتے ہیں یا بناوٹ کے ساتھ وہ فخر کے ساتھ کہا کرتے ہیں کہ میں تو کانگرس کا چار آنے کا ممبر بھی نہیں ہوں۔ اسی قسم کی اور بھی ہزاروں مثالیں دنیا میں پائی جاتی ہیں کہ لوگوں نے ایک کام کرتے کرتے دوسرا اختیار کر لیا اور اس کی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ ان کو وہ مقصد اس ہستی کی طرف سے نہیں دیا گیا ہوتا جس کے متعلق غلطی کا امکان نہیں صرف ان کی اپنی عقل نے ان کو

پہلے اِدھر لگا یا اور پھر اُدھر لگا دیا۔
مسز اینی بسنٹ ایک بڑی لیڈر عورت تھی اور وہ یہ دعویٰ کرتی تھی کہ مجھے الہام ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا وجود نہ مانتی تھی بلکہ کہتی تھی کہ انسانوں سے اوپر ایک بالا ہستی ہے جو ایک قسم کا مرکزی نقطہ ہے وہ ارواح کو باتیں بتاتی ہے اور ارواح آگے انسانوں تک ان باتوں کو پہنچاتی ہیں۔ مسز اینی بسنٹ نے مدراس کے دو لڑکوں میں سے ایک کے متعلق کہا کہ اس پر خدا کا کلام نازل ہوگا اور یہ دنیا کی اصلاح کرے گا اور مسیح سے بھی بڑا ہوگا اور کہا میری شان یہ ہے کہ میں صرف اس اوتار کو تیار کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہوں۔ چنانچہ اس نے کچھ روپیہ اُن دونوں لڑکوں کے والدین کو دے کر وہ لڑکے لے لئے اور اُن کو اپنی نگرانی میں اعلیٰ تعلیم دینی شروع کی اور ان کی ہر وقت کی نگرانی کے لئے اُس نے مسمریزم کے ماہرین مقرر کئے اور اُن کی اتنی نگرانی کی جاتی کہ جب وہ لڑکے قضائے حاجت کے لئے جاتے تو مسمریزم کے ماہرین باہر کھڑے رہتے اور ان پر توجہ ڈالتے تا کہ ان کے اندر بُرے خیالات نہ آنے پائیں۔ جب میں ولایت سے واپس آ رہا تھا تو اسی جہاز میں وہ دونوں لڑکے بھی تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ لڑکے جدھر جاتے اُن کی سخت نگرانی کی جاتی۔ ان میں سے جو بڑا لڑکا تھا وہ چھپ چھپا کر بعض دفعہ اِدھر اُدھر نکل جایا کرتا تھا۔ اُس سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ تمہارا ان باتوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ اس نے کہا یہ سب باتیں بالکل لغو ہیں میں ان کو نہیں مانتا۔ مگر چھوٹا لڑکا جس کے متعلق مسز اینی بسنٹ نے کہا تھا کہ یہ بڑا ہو کر دنیا کی اصلاح کرے گا اور فلاں سنہ میں اپنا دعویٰ پیش کرے گا وہ اپنے آپ کو بالکل الگ تھلگ رکھتا تھا اور ایسی شکل بنائے رکھتا تھا جیسے کسی گہری سوچ میں ہو اور کسی بڑی مہم کے متعلق غور و فکر کر رہا ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد جب وہ سنہ اور وہ تاریخ آ گئی جو مسز اینی بسنٹ نے اُس لڑکے کے دعویٰ کے لئے بیان کی تھی تو اُن دنوں سارے ہندوستان میں اُس کے دعویٰ کے متعلق بڑا شور مچا اور جلسے منعقد کئے گئے۔ ایک جلسہ لاہور میں بھی ہوا تھا لیکن اُس جلسہ میں اُس لڑکے نے جو تقریر کی اُس کو سن کر دنیا حیران رہ گئی۔ اُس نے اپنی تقریر میں کہا خدا کا وجود صرف ایک ڈھکوسلہ ہے نہ الہام ہوتا ہے نہ کچھ اور۔ غرض جو مقصد اس کا مسز اینی بسنٹ نے بتایا تھا وہ سب غلط ہو گیا اور وہ خدا تعالیٰ کے وجود کا ہی منکر ہو گیا چہ جائیکہ وہ دنیا کی اصلاح

کا کام کرتا اور حضرت مسیحؑ سے بھی بڑا اوتار ہوتا۔ یہ اس لئے ہوا کہ یہ مقصد ایک انسان کا تھا خدا کا نہ تھا۔ مسز اینی بسنٹ نے اُس کو کافی روپیہ دیکر خریدا، اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلائی، اُس کی دن رات نگرانی کی، اُس کے لئے چیدہ چیدہ معلمین مقرر کئے، بڑے بڑے ماہرین مسمریزم اُس کے لئے بہت بڑی تنخواہوں پر رکھے، اُس کی ہر حرکت اور اُس کے ہر سکون کی نگرانی کی گئی حتیٰ کہ پاخانہ کے وقت بھی مسمریزم کے ماہرین اُس پر توجہ ڈالتے رہے تا کہ اس کے اندر بدخیالات نہ آنے پائیں۔ غرض اس کی تعلیم، اس کی نگہداشت اور اُس کے لئے ہر قسم کے اعلیٰ سامان مہیا کئے گئے صرف اِس لئے کہ یہ لڑکا جب بڑا ہوگا تو دنیا میں ایک نیا مشن قائم کرے گا اور دنیا کی اصلاح کرے گا اور مسیحؑ سے بھی بڑھ کر ہوگا کوئی دقیقہ اُس کے لئے علمی ماحول پیدا کرنے کا اُٹھا نہ رکھا گیا، کوئی کسر اُس کی تعلیم میں باقی نہ رہی، کوئی کمی اُس کی نگرانی میں نہ کی گئی، لیکن وہ لڑکا جب بڑا ہوتا ہے تو کہتا ہے خدا تو ہے ہی نہیں۔ دنیا کی اصلاح کرنا تو درکنار، مسیحؑ سے بڑا ہونا تو ایک طرف وہ سرے سے خدا ہی کا انکار کر دیتا ہے اور مسز اینی بسنٹ نے اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ سَو فیصدی اُس کے اُلٹ نکلتا ہے۔

لیکن آج سے چودہ سَو سال پہلے خدا تعالیٰ کے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ سے خبر پا کر فرماتے ہیں کہ آج سے تیرہ سَو سال کے بعد ایک انسان پیدا ہوگا جو میرا مثیل ہوگا اور وہ میرے لائے ہوئے مشن کو دوبارہ دنیا میں قائم کر دے گا اور میری باتیں لوگوں تک پہنچائے گا۔ وہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام پہنچائے گا اور ساری دنیا میں کیا شمال اور کیا جنوب، کیا مشرق اور کیا مغرب خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرے گا۔ جس انسان کے متعلق پیشگوئی کی جارہی ہے نہ اُس کا باپ اُس وقت موجود ہے، نہ اُس کے باپ کا باپ موجود ہے، نہ اُس کے دادا کا دادا موجود ہے اور نہ اُس کے دادا کا پردادا موجود ہے مگر اس کی ساری نشانیاں بتائی جاتی ہیں کہ وہ فلاں علاقہ میں آئے گا، فلاں سنہ میں آئے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فلاں خاندان میں آئے گا۔ پھر یہ پیشگوئی کرنے والے اور جس کے متعلق پیشگوئی کی جارہی ہے دونوں کے زمانوں میں سینکڑوں سالوں کا فاصلہ ہے، پیشگوئی کرنے والے کی زبان اور ہے اور جس کے متعلق پیشگوئی کی جارہی ہے اُس کی زبان اور ہے، پیشگوئی کرنے والے کی قوم اور ہے

اور اس کی قوم اور، پیشگوئی کرنے والے کا ملک اور ہے اور اس کا ملک اور، پیشگوئی کرنے والے کا خاندان اور ہے اور اس کا خاندان اور، پیشگوئی ہو جاتی ہے مگر پیشگوئی کے پورا ہونے کے کوئی بھی آثار نہیں ہیں۔ ایک قوم چین کے ملک سے اُٹھتی ہے اور اُس کے افراد کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم تمام دنیا پر پھیل جائیں وہ لوگ خدا کے منکر ہیں اور انبیاء کے منکر ہیں اور وہ سفید بھیڑیئے کی پرستش کرتے ہیں وہ لوگ جنگلوں میں رہتے تھے اور ان کے بچوں کو بھیڑیئے اُٹھا کر لے جاتے تھے اِس لئے وہ ان کو بہت زیادہ طاقت ور سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے مگر ان کے اندر بیداری پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دندناتے ہوئے اپنے ملک سے نکل کھڑے ہوتے ہیں، وہ لوٹ اور تباہی مچاتے ہوئے ایک طرف یورپ تک پہنچ جاتے ہیں اور دوسری طرف بغداد تک۔ بغداد کے گرد و پیش وہ اتنی تباہی مچاتے ہیں کہ اٹھارہ لاکھ انسانوں کو تہہ تیغ کر دیتے ہیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں اس قوم میں سے ایک شخص ہوگا جو میرا مثیل ہوگا جو اسلام کے ایک دفعہ کمزور ہو جانے کے بعد دوبارہ اُس کو دنیا میں قائم کرے گا، جو توحید کا علمبردار ہوگا اور دنیا کے کونے کونے اور گوشے گوشے میں خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرے گا اور میرے لائے ہوئے مشن کو دوبارہ قائم کر دے گا۔ پھر وہ قوم جو چین سے اُٹھی تھی بغداد میں بادشاہ ہو جاتی ہے اور مسلمانوں پر چالیس پچاس سال تک جابرانہ حکومت کرتی ہے اُس وقت وہ قوم خدا سے ناآشنا ہے، مذہب سے ناآشنا ہے اور اخلاق سے بے بہرہ ہے مگر آخر وہ قوم اسلام قبول کرتی ہے۔ مگر دُنیوی طور پر اِسی قوم سے ایک بادشاہ تیمور نامی اُٹھتا ہے اور دنیا میں تباہی اور خونریزی مچا دیتا ہے وہ آندھی کی طرح اُٹھتا ہے اور بگولے کی طرح مُلکوں کے مُلک اپنے ظلم وستم کی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور پھر فتح وظفر کے پرچم اُڑاتا ہوا تیزی کے ساتھ بڑھتا ہے اور ہندوستان میں پہنچ جاتا ہے۔ مگر اُس وقت تک بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے پورا ہونے کے کوئی نشانات ظاہر نہیں ہوتے۔ پھر اسی خاندان کا ایک حصہ قادیان میں آکر رہائش پذیر ہوتا ہے جو دُنیوی لحاظ سے بے شک وجاہت رکھتا ہے لیکن دینی لحاظ سے نہیں اور وہ خاندان ایسا ہی ہے جیسے عوام شرفاء ہوتے ہیں۔ پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت نزدیک ہے لیکن اس کے پورا ہونے کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔ اس دوران

میں قادیان میں ایک شخص غلام مرتضٰی کے گھر اولاد ہوتی ہے اور وہ اپنی اولاد پر زور دیتا ہے کہ وہ دین کی طرف نہ جائے بلکہ دنیا کمائے بلکہ وہ اپنے ایک بیٹے کا تو لوگوں کے سامنے شکوہ بھی کرتا ہے کہ یہ تو مُلّاں بن گیا ہے اور اِس کو روزی کمانے کی ذرا بھی فکر نہیں۔ اب عین وہ موقع آجاتا ہے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی نے پورا ہونا ہے لیکن ابھی تک کوئی آثار اس کے پورا ہونے کے نہیں پائے جاتے۔ ایک لڑکا ایسے گھر میں پرورش پا رہا ہے جس میں دنیاداری ہی دنیاداری ہے، باپ اِس کشمکش میں پڑا ہے کہ اس کے بیٹے نوکریاں کریں اور دنیا کمائیں لیکن اسی گھر میں ایک شخص کو یک لخت آواز آتی ہے کہ تُو ہی وہ آدمی ہے جس کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، تُو ہی وہ موعود مسیح ہے جس کی خبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، تُو ہی وہ مہدی ہے جس کے ذریعہ دنیا کی ہدایت مقدر ہے، تُو ہی وہ فارسی النسل ہے جس کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی تھی کہ اگر دین اسلام ثریا تک بھی پہنچ جائے گا تو وہ واپس لے آئیگا[9] تُو ہی وہ موعود اقوامِ عالم ہے جس کے متعلق ہر نبی نے خبر دی تھی۔ اُٹھ اور توحید کا علم بلند کر۔

اب دیکھو ان دونوں باتوں میں کتنا فرق ہے ایک طرف تو یہ حالت ہے کہ مسز اینی بسنٹ اس لڑکے کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلاتی، اس کے اتالیق مقرر کرتی ہے، اُس پر نگران رکھتی ہے اور اُس پر ہزاروں روپیہ خرچ کرتی ہے اور کہتی ہے یہ دنیا کی اصلاح کرے گا اور اس کے لئے خالص علمی ماحول پیدا کرتی ہے مگر جب وہ بڑا ہوتا ہے تو وہ سرے سے خدا کا ہی انکار کر دیتا ہے۔ دوسری طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عربوں سے باہر غیر قوم میں سے خدا تعالیٰ ایک شخص کو دین کی تجدید اور اس کے احیاء کے لئے چُنے گا اور دین اور ایمان خواہ آسمان پر اُڑ جائے وہ آسمان پر پہنچے گا اور پھر اُس کو لا کر دنیا میں قائم کر دے گا آپ اس خاندان کے متعلق پیشگوئی فرماتے ہیں جو اس وقت مسلمان ہی نہیں اور وہ خدا اور مذہب کا بھی منکر ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ خاندان مسلمان ہوتا ہے مگر دُنیوی فوائد کے پیشِ نظر۔ اور متواتر تیرہ سَو سال تک اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے مگر عین اُس وقت جب پیشگوئی کے پورا ہونے کا زمانہ آتا ہے ایک کوردیہہ[10] میں ایک چھوٹی سی غیر معروف بستی میں

ایک ایسی بستی میں جس کو دس پندرہ میل دُور کے لوگ بھی نہیں جانتے، ایک ایسے خاندان میں جس کی حیثیت کمزور ہو چکی تھی ایک شخص کو خدا تعالیٰ چنتا ہے اور کہتا ہے اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے اُٹھ اور کھڑا ہو جا اور اپنا کام شروع کر دے۔ اب دیکھو کجا یہ کہ ایک شخص کی نگرانی کرنا، اُس کو تعلیم دلانا اور اُس پر ہزاروں روپیہ خرچ کر دینا مگر بالآخر اُس کا خدا سے منکر ہو جانا اور کجا یہ کہ مخالف حالات کی موجودگی میں ایک رات خدا تعالیٰ ایک شخص کو پکڑتا ہے اور فرماتا ہے اُٹھ کہ تُو ہی وہ موعود ہے جس کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔

پس انسانی مقصد خدائی مقصد کے سامنے بالکل ہیچ ہوتا ہے۔ انسانوں کے مقاصد بدل جاتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے مقاصد نہیں بدلتے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے لوگ سب کے سب یکساں نہیں ہوتے بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ہر جہت سے ہر قول اور ہر فعل سے خدا نما، رسول نما، اور حقائق نما ہوتے ہیں اور وہ خدا اور رسول اور حقائق میں بالکل محو ہو جاتے ہیں اور اُن کا قدم صرف ایک ہی طرف اُٹھتا ہے لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو دلائل کے ساتھ سچائی کو مان جاتے ہیں حالانکہ سچ کا ماننا اور چیز ہے اور سچ کا جذب ہو جانا اور چیز ہے۔ مؤمن کے اندر سچ جذب ہو جاتا ہے اور غیر مؤمن کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے کہ سچ اس پر سے ایسے گذر جاتا ہے جیسے ہندو سخت سردی میں غسل کیا کرتے ہیں۔ ہم نے خود کئی بار ہندوؤں کو غسل کرتے دیکھا ہے کہ وہ گڑوی سے اپنے اوپر پانی ڈالتے ہیں اور خود کود کر آگے ہو جاتے ہیں اور پانی پیچھے جا گرتا ہے دو چار چھینٹے ان کے بدن پر پانی کے پڑ گئے اور ان کا غسل ہو گیا۔

ایک لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی ہندو سردی کے ایام میں دریا پر کانپتا اور ٹھٹھرتا ہوا جا رہا تھا ایک طرف تو اُس کو غسل کی خواہش تھی اور دوسری طرف وہ سردی سے بھی ڈر رہا تھا۔ رستہ میں اس کو ایک اور پنڈت ملا جو دریا پر سے نہا کر واپس آ رہا تھا اُس نے پنڈت جی سے پوچھا سنایئے کیسے نہائے؟ اُس نے کہا کیا بتاؤں سخت سردی تھی اور پانی برف سے بھی ٹھنڈا تھا اس لئے میں نے یہ کیا کہ ایک کنکر اُٹھا کر دریا میں پھینکا اور کہا ''تو را شنان سو مورا شنان'' اُس نے سن کر کہا اچھا یہ

بات ہے تو ’’تو را شنان سوموراشنان‘‘ یہ کہہ کر وہ اس کے ساتھ ہی واپس لوٹ آیا۔

اب دیکھو ایک دریا پر گیا بھی تھا اور کنکر پھینک کر واپس آ گیا مگر دوسرے نے وہیں کہہ دیا کہ ’’تو را شنان سوموراشنان‘‘۔ پس یہ انسانی فطرت ہوتی ہے کہ بعض لوگ سچائی کو اپنے اندر جذب نہیں کرتے۔ جو لوگ سچ کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اور اپنی تمام تر توجہ سچ پر مرکوز کر دیتے ہیں وہ ایسے نتائج پیدا کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص ان کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا۔ درحقیت اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں دو طاقتیں کام کر رہی ہیں ایک وِلز پاور (will power) یعنی افکار اور ایک تھنکنگ پاور (Thinking power) یعنی خیالات۔ اور یہ دونوں چیزیں آپس میں بالکل مختلف اور متباین ہیں۔ ایک فلسفی پہلے ایک چیز کو مانتا ہے مگر بعد میں اس کا انکار کر دیتا ہے اور اس کے خلاف چلتا ہے اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ اس کو خیالات کی وجہ سے مانتا ہے افکار کی بناء پر نہیں مانتا گویا سچ اس کے اندر جذب نہیں ہوتا۔

ہم ولایت جا رہے تھے حافظ روشن علی صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے جہاز میں ایک ہندو بھی ولایت جا رہا تھا ہم لوگ جب کھانے پر بیٹھتے تو ہم دیکھتے کہ وہ ہندوؤ کباب اور گوشت خوب کھاتا مگر اِدھر آ کر وہ ہم سے بحث کیا کرتا کہ گوشت خوری جیو ہتیا[۱۱] ہے تمہارا اسلام گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہے اور یہ سراسر ظلم ہے۔ پھر جب وہ کھانے کے لئے پہنچتا تو خوب کباب کھاتا۔ ایک دن ہم میں سے بعض دوستوں نے کہا کہ یہ ہندو عجیب آدمی ہے کہ ایک طرف تو وہ بڑے مزے لے لے کر گوشت کھاتا ہے اور دوسری طرف بحث کرتا ہے کہ اسلام نے جو گوشت خوری کی اجازت دی ہے یہ جیو ہتیا ہے۔ حافظ روشن علی صاحب مرحوم نے کہا اچھا میں اس کا بندوبست کرتا ہوں اب یا تو وہ گوشت نہیں کھائے گا اور اگر گوشت کھائے گا تو بحث نہیں کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایک اٹالین بہرہ کو بُلایا اور اُسے اشارہ سے کہا کہ وہ دیکھو جو فلاں آدمی بیٹھا ہے وہ گوشت خوری کے سخت خلاف ہے اِس لئے اُس کے سامنے کبھی گوشت نہ رکھنا ورنہ کسی وقت وہ تمہیں سخت مارے گا۔ بہرے نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ جب کھانے کا وقت آیا تو بہرے نے اُس ہندو کے سامنے گوشت یا کباب وغیرہ کی کوئی پلیٹ نہ رکھی بلکہ دو تین قسم کی ترکاریاں رکھ دیں۔ اُس نے زہر مار کر کے روٹی کھالی مگر دل ہی دل میں پیچ و تاب

کھاتا رہا۔ دوسرے دن پھر یہی حال ہوا۔ دو دن تو اُس نے اِس بات کو برداشت کر لیا مگر آخر اُس سے نہ رہا گیا اُس نے بہرے سے پوچھا کہ تم میرے سامنے گوشت کیوں نہیں رکھتے اس نے اسے بتایا کہ فلاں شخص نے مجھے کہا تھا کہ یہ صاحب گوشت کے سخت خلاف ہیں۔ وہ حافظ صاحب مرحوم کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ نے بہرے کو کوئی بات کہی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا کیا بات کہی تھی؟ انہوں نے کہا میں نے اسے بتایا تھا کہ یہ صاحب گوشت خوری کے سخت خلاف ہیں ان کے سامنے کبھی گوشت نہ رکھنا ورنہ یہ تجھے ماریں گے۔ یہ سن کر وہ ہندو کہنے لگا گوشت کھانا الگ بات ہے اور بحث الگ بات۔ میرے کھانے میں آپ کسی قسم کا دخل نہیں دے سکتے۔ حافظ صاحب مرحوم نے مسکرا کر کہا اچھا میں اِس بات کو نہیں سمجھا تھا کہ آپ کی بحث اور آپ کے عمل میں تضاد ہے۔

اب دیکھو اس ہندو کا فکر تو صحیح تھا کہ گوشت کھانا چاہئے مگر یہ فکر چونکہ اس کے اندر جذب نہ ہوا تھا اِس لئے اُس کے جذبات اور طرف جا رہے تھے اور ارادہ اور طرف۔ پس جب تک سچائی انسان کے اندر جذب نہ ہو جائے تب تک وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتا۔ مسمریزم اور ہپناٹزم والے جب یہ علم کسی کو سکھاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ تمہارے دل میں صرف خیال کا ہی پیدا ہونا کافی نہیں کہ یہ طاقت میرے اندر آ جائے گی بلکہ تمہیں اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ یہ قوت تمہارے اندر آ گئی ہے اور تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ تم اب اس کو استعمال کر سکتے ہو۔ وہ لوگ خدا کے تو قائل نہیں ہوتے مگر وہ کہتے ہیں کہ ایک محیطِ کُل ہستی ہے وہ جب یہ علم سیکھتے ہیں تو سانس کھینچتے ہوئے کہتے ہیں اے محیطِ کُل طاقت؟ ہم تجھے اپنے اندر جذب کر رہے ہیں اور وہ سیکھنے والوں سے بھی کہتے ہیں کہ صرف اتنا ہی ضروری نہیں کہ تم یہ خیال کر لو کہ محیطِ کُل کی طاقت تمہارے اندر جذب ہو رہی ہے بلکہ ضروری چیز یہ ہے کہ تم محسوس کرو کہ یہ طاقت تمہارے اندر جذب ہو رہی ہے اور جب تم محسوس کر لو گے تو وہ طاقت تمہارے اندر آ جائے گی۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ جب تم کسی پر عمل کرو اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر توجہ ڈالو یا اس کے کانوں میں آواز دو تو اسے یہ نہ کہو کہ محیطِ کُل کی طاقت تمہارے اندر آئے بلکہ یہ کہو کہ محیطِ کُل کی طاقت تمہارے اندر آ گئی ہے اور یہ صحیح بات ہے میں نے خود بھی اس کے متعلق

تجربہ کیا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل کے خسر منشی احمد جان صاحب مرحوم کو اس علم کی بڑی مشق تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ لدھیانہ میں ایک دعوت سے واپس تشریف لا رہے تھے اور منشی احمد جان صاحب بھی ساتھ تھے کہ آپ نے ان سے پوچھا کہ رتر چھتر والوں کی مریدی میں بارہ سال رہ کر اور مختلف قسم کی ریاضات کر کے آپ نے کیا حاصل کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اب مجھ میں اتنی طاقت آ گئی ہے کہ فلاں آدمی جو آ رہا ہے اگر میں اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالوں اور توجہ کروں تو وہ وہیں تڑپ کر گر جائے۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور اپنی سوٹی کو دو چار دفعہ زمین پر آہستہ آہستہ مارا (آپ ہمیشہ اپنے ہاتھ میں سوٹی رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ سر پر پگڑی باندھنا اور ہاتھ میں سوٹی رکھنا یہ ہماری خاندانی عادت ہے ہم نے بھی جب سے یہ بات سنی اُسی دن سے سوٹی ہاتھ میں رکھنی شروع کر دی مگر اب ہمارے بچے اِس پر عمل نہیں کرتے معلوم نہیں کیا وجہ ہے میں نے تو جس دن یہ بات سُنی تھی اُسی دن اِس پر عمل شروع کر دیا تھا) آپ نے جوش کے ساتھ دو چار دفعہ سوٹی کے ذریعہ زمین کو کریدا اور پھر فرمایا میاں صاحب! اگر وہ شخص آپ کی توجہ سے گر گیا تو اُس کو یا دین کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ کیونکہ کسی کام کی دو ہی غرضیں ہوتی ہیں یا تو یہ غرض ہوتی ہے کہ اُس کو فائدہ پہنچے جس کے لئے وہ کام کیا جائے اور یا پھر دین کو فائدہ پہنچے۔ یہ سننا تھا کہ میاں احمد جان صاحب کی یہ حالت ہوئی کہ جیسے کسی پر بجلی گر پڑتی ہے اور انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے کہا حضور! میں آج سے توبہ کرتا ہوں کہ کبھی یہ کام نہیں کروں گا۔ انہوں نے بارہ سال کی متواتر محنت کے بعد یہ علم حاصل کیا تھا مگر یکدم اس سے توبہ کر لی۔ میں نے خود اس علم کے تجارب کئے ہیں۔ خلافت کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے کہ مجھے اس کے تجربہ کا شوق ہوا۔ چنانچہ میں نے صرف ایک یا دو دن کی پریکٹس سے اسے سیکھ لیا۔

پس دوسری چیز جو قومی ترقی کے لئے ضروری ہوتی ہے وہ قوتِ ارادی ہے اور قوتِ ارادی وہ نہیں جو مسمریزم والوں کی ہوتی ہے بلکہ ایمان کی قوتِ ارادی۔ مسمریزم والوں کی قوتِ ارادی ایمان کی قوتِ ارادی کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔ مسمریزم کی قوتِ ارادی ایمان کی قوتِ ارادی کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی قوتِ ارادی اور انسان

کی قوتِ ارادی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اسی مسجد مبارک میں نچلی چھت پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجلس میں بیٹھا کرتے تھے ایک دفعہ آپ مجلس میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک ہندو جو لاہور کے کسی دفتر میں اکاونٹنٹ تھا اور مسمریزم کا بڑا ماہر تھا وہ کسی برات کے ساتھ قادیان اس ارادہ سے آیا کہ میں مرزا صاحب پر مسمریزم کروں گا اور وہ مجلس میں بیٹھے ناچنے لگ جائیں گے اور لوگوں کے سامنے اُن کی سُبکی ہوگی یہ واقعہ اس ہندو نے خود ایک احمدی دوست کو سنایا تھا وہ اس طرح کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لاہور کے اس احمدی کے ہاتھ اپنی ایک کتاب روانہ فرمائی اور کہا یہ کتاب فلاں ہندو کو دے دینا۔ اس احمدی دوست نے اس کو کتاب پہنچائی اور اس سے پوچھا کہ حضرت صاحب نے آپ کو اپنی یہ کتاب کیوں بھجوائی ہے اور آپ کا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اِس پر اُس ہندو نے اپنا واقعہ بتایا کہ مجھے مسمریزم کے علم میں اتنی مہارت ہے کہ اگر میں تانگہ میں بیٹھے ہوئے کسی شخص پر توجہ ڈالوں تو وہ شخص جس پر میں نے توجہ ڈالی ہوگی وہ بھی ٹانگہ کے پیچھے بھاگا آئے گا حالانکہ نہ وہ میرا واقف ہوگا اور نہ میں اُس کو جانتا ہوں گا۔ میں نے آریوں اور ہندوؤں سے مرزا صاحب کی باتیں سنی تھیں کہ انہوں نے آریہ مت کے خلاف بہت سی کتابیں لکھی ہیں میں نے ارادہ کیا کہ میں مرزا صاحب پر مسمریزم کے ذریعہ اثر ڈالوں گا اور جب وہ مجلس میں بیٹھے ہوں گے تو ان پر توجہ ڈال کر ان کے مریدوں کے سامنے ان کی سُبکی کروں گا۔ چنانچہ میں ایک شادی کے موقع پر قادیان گیا مجلس منعقد تھی اور میں نے دروازے میں بیٹھ کر مرزا صاحب پر توجہ ڈالنی شروع کی۔ وہ کچھ وعظ و نصیحت کی باتیں کر رہے تھے میں نے توجہ ڈالی تو اُن پر کچھ بھی اثر نہ ہوا میں نے سمجھا ان کی قوتِ ارادی ذرا قوی ہے اس لئے میں نے پہلے سے زیادہ توجہ ڈالنی شروع کی مگر پھر بھی ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اسی طرح باتوں میں مشغول رہے۔ میں نے سمجھا کہ ان کی قوتِ ارادی اور بھی مضبوط ہے اس لئے میں نے جو کچھ میرے علم میں تھا اُس سے کام لیا اور اپنی ساری قوت صَرف کر دی لیکن جب میں ساری قوت لگا بیٹھا تو میں نے دیکھا کہ ایک شیر میرے سامنے بیٹھا ہے اور وہ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے میں ڈر کر اور اپنی جوتی اُٹھا کر بھاگا۔ جب میں دروازے میں پہنچا تو مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے کہا دیکھنا یہ کون شخص ہے۔ چنانچہ ایک شخص میرے

پیچھے سیڑھیوں سے نیچے اُترا اور اُس نے مسجد کے ساتھ والے چوک میں مجھے پکڑ لیا۔ میں چونکہ اُس وقت سخت حواس باختہ تھا اِس لئے میں نے پکڑنے والے سے کہا اِس وقت مجھے چھوڑ دو میرے حواس درست نہیں ہیں میں بعد میں یہ سارا واقعہ مرزا صاحب کو لکھ دوں گا چنانچہ اُسے چھوڑ دیا گیا اور بعد میں اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ تمام واقعہ لکھا اور کہا کہ مجھ سے گستاخی ہوگئی ہے میں آپ کے مرتبہ کو پہچان نہ سکا اس لئے آپ مجھے معاف فرما دیں۔ میاں عبدالعزیز صاحب مغل لاہور والے سنایا کرتے تھے کہ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں نہ سمجھا کہ مرزا صاحب مسمریزم جانتے ہیں اور اس علم میں تم سے بڑھ کر ہیں۔ اس نے کہا یہ بات نہیں ہوسکتی کیونکہ مسمریزم کے لئے توجہ کا ہونا ضروری ہے اور یہ عمل کامل سکون اور خاموشی چاہتا ہے مگر مرزا صاحب تو باتوں میں لگے ہوئے تھے اِس لئے میں نے سمجھ لیا کہ ان کی قوتِ ارادی زمینی نہیں بلکہ آسمانی ہے۔

پس جو قوتِ ارادی خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان کو دی جاتی ہے اور جو کامل ایمان کے بعد پیدا ہوتی ہے اس میں اور انسانی قوتِ ارادی میں بُعدَ المشرقین ہوتا ہے جس شخص کو خدا تعالیٰ قوت ارادی عطا فرماتا ہے اس کے سامنے انسانی قوتِ ارادی تو بچوں کا سا کھیل ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے سامنے جادوگروں کے سانپ مات ہوگئے تھے اسی طرح جب خدا تعالیٰ کے پیاروں کی قوتِ ارادی ظاہر ہوتی ہے تو اس قسم کی قوتِ ارادی رکھنے والے لوگ ہیچ ہو جاتے ہیں۔ پس دوسری چیز قومی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام سچائیوں کو اپنے اندر جذب کر لیا جائے یہ نہیں کہ صرف وفاتِ مسیح کو مان لیا جائے اور کہہ دیا کہ بس ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے بلکہ وفاتِ مسیح کے مسئلہ کو سامنے رکھ کر اس کے چاروں پہلوؤں پر غور کیا جائے کہ وفاتِ مسیح کا ماننا کیوں ضروری ہے ہمیں جو چیز حیاتِ مسیح کے عقیدہ سے چبھتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک تو حیاتِ مسیح کے عقیدہ سے حضرت عیسیٰ کی فضیلت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت ہوتی ہے حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا کوئی نبی ہوا ہے نہ ہو گا اور حیاتِ مسیح ماننے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے ساری دنیا کی حقیقی اصلاح کی مسیحؑ کی فوقیت ثابت ہوتی ہے اور یہ اسلامی عقائد کے خلاف ہے ہم تو ایک لحظہ کے لئے یہ

خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتے کہ مسیحؑ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے اور یہ ماننے سے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو زیر زمین مدفون ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر بیٹھے ہیں اسلام کی سخت توہین ہوتی ہے دوسری بات جو اس حیاتِ مسیح کے عقیدہ کے ماننے سے ہمیں چبھتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے توحید الٰہی میں فرق آتا ہے۔ یہ دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ہمیں وفات مسیح کے مسئلہ پر زور دینا پڑتا ہے اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو مسیح خواہ آسمان پر ہوتے یا زمین پر ہمیں اس سے کیا واسطہ تھا مگر جب ان کا آسمان پر چڑھنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی توہین کا موجب بنتا ہے اور توحید کے منافی ہے تو ہم اس عقیدہ کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ ہم تو یہ بات سننا بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ مسیح، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے کُجا یہ کہ اس عقیدہ کو مان لیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عام احمدی جب وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر بحث کر رہے ہوتے ہیں اور اپنے دلائل پیش کر رہے ہوتے ہیں تو اُن کے اندر جوش پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ اس طرح اس مسئلہ کو بیان کرتے ہیں جس طرح عام گفتگو کی جاتی ہے مگر ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا ہے کہ جب آپ وفاتِ مسیح کا مسئلہ چھیڑتے تھے تو اُس وقت آپ جوش کی وجہ سے کانپ رہے ہوتے تھے اور آپ کی آواز میں اتنا جلال ہوتا تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کا قیمہ کر رہے ہیں۔ آپ کی حالت اُس وقت بالکل متغیر ہو جایا کرتی تھی اور آپ نہایت جوش کے ساتھ یہ بات پیش کرتے تھے کہ دنیا کی ترقی کے راستہ میں ایک بڑا بھاری پتھر پڑا تھا جس کو اُٹھا کر میں دور پھینک رہا ہوں، دنیا تاریکی کے گڑھے میں گر رہی تھی مگر میں اس کو نور کے میدان کی طرف لئے جا رہا ہوں۔ آپ جس وقت یہ تقریر کر رہے ہوتے تھے آپ کی آواز میں ایک خاص جوش نظر آتا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت پر مسیح بیٹھ گئے ہیں جس نے ان کی عزت اور آبرو چھین لی ہے اور آپ اُس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تخت واپس لینا چاہتے ہیں۔

پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی خودساختہ متخیّلہ کو چھوڑ دو اور اپنی قوتِ ارادی کو مضبوط بناؤ تم یہ سمجھ لو کہ تمام دنیا کی روحانی خرابی اور تباہی دور کرنے کی ذمہ داری تمہارے

سر پر ہے اور اِس قسم کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے یہ سمجھ لو کہ یہ حملہ ماضی یا مستقبل کا نہیں بلکہ حال کا ہے اور تم پر اور تمہارے عزیزوں اور رشتہ داروں پر ہو رہا ہے اور تم سمجھ لو کہ اگر تم نے اس حملے کا دفاع نہ کیا تو وہ سب تباہ ہو جائیں گے۔ اگر تم ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مخالفت کی باتوں کا جواب دو گے تو سننے والے اور دیکھنے والے کہیں گے کہ یہ شخص سچا پیغامبر ہے لیکن اگر تم روحانیت سے خالی بحث کرو گے تو تم صرف مولوی کہلا سکتے ہو۔ مگر یاد رکھو مولوی کبھی نہیں جیتا کرتے انبیاء جیتتے ہیں اور انبیاء قوتِ متخیّلہ نہیں رکھتے بلکہ قوتِ ارادی رکھتے ہیں ایسی قوتِ ارادی جو عظیم الشان نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہے۔

(الفضل ۵ تا ۸، ۱۰، ۱۳، ۱۴/ اکتوبر ۱۹۶۱ء)

---

۱ البقرة: ۱۴۹

۲ متی باب ۶ آیت ۹، ۱۰ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور ۱۸۷۰ء (مفہوماً)

۳ لاتکلف الا نفسک۔ (النساء: ۸۵)

۴ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۵۔ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء

۵ چوری۔ مورچھل۔ چنور: بالوں کا گچھا جس سے مکھیاں اُڑاتے ہیں۔

۶ البقرة: ۱۵۵

۷ ابوداؤد کتاب القضاء باب اذا علم الحاکم صدق شھادۃ الواحد...... الخ

۸ ''نیمے دروں نیمے بروں'' یعنی آدھا اندر آدھا باہر

۹ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الجمعۃ باب قولہ و اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم

۱۰ کوردیہہ: (کوردہ)۔ جاہلوں کی بستی

۱۱ جیو ہتیا: جیو: زندگی۔ روح۔ جاندار۔ ہتیا: قتل۔ خون۔ گناہ۔ جرم۔ دکھ۔ عذاب

سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ هُوَ النَّاصِرُ

سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل

پنجاب کے بٹوارے کا برطانوی فیصلہ ہو چکا ہے اب خود اہل پنجاب نے اس کے متعلق اپنی آخری منظوری دینی ہے یا اس سے انکار کرنا ہے پیشتر اس کے کہ اس کے متعلق کوئی قدم اُٹھایا جائے مناسب ہے کہ ہم اس کے متعلق پوری طرح سوچ لیں۔ ایک دفعہ نہیں دس دفعہ کیونکہ تقسیم کا معاملہ معمولی نہیں بہت اہم ہے۔

اِس وقت تک جو تقسیم کا اعلان ہوا ہے اس کا حسب ذیل نتیجہ نکلا ہے۔ ہندو (انگریزی علاقہ کے) ۲۱ کروڑ میں سے ساڑھے انیس کروڑ ایک مرکز میں جمع ہو گئے ہیں اور صرف ڈیڑھ کروڑ مشرقی اور مغربی اسلامی علاقوں میں گئے ہیں گویا اپنی قوم سے جُدا ہونے والے ہندوؤں کی تعداد صرف سات فیصد ہے باقی ترانوے فیصدی ہندو ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے ہیں۔ مسلمان (انگریزی علاقہ کے) آٹھ کروڑ میں سے پانچ کروڑ دو اسلامی مرکزوں میں جمع ہو گئے ہیں اور تین کروڑ ہندو اکثریت کے علاقوں میں چلے گئے ہیں گویا اپنی قوم سے جُدا ہونے والے مسلمان ۳۷ فیصدی ہیں۔ سکھ (انگریزی علاقہ میں رہنے والے) ۲۱ لاکھ مشرقی پنجاب میں چلے گئے ہیں اور ۱۷ لاکھ مغربی پنجاب میں رہ گئے ہیں گویا ۴۵ فیصدی سکھ مغربی پنجاب میں چلے گئے ہیں اور ۵۵ فیصدی مشرقی پنجاب میں اور تینوں قوموں کی موجودہ حالت یہ ہو گئی ہے۔ ہندو ننانوے فیصدی اپنے مرکز میں جمع ہو گئے ہیں، مسلمان چونسٹھ فیصدی اپنے دو مرکزوں میں جمع ہو گئے ہیں، سکھ پچپن فیصدی اور پینتالیس فیصدی ایسے دو مرکزوں میں جمع ہو گئے ہیں جہاں انہیں اکثریت کا حاصل ہونا تو الگ رہا ۲۵ فیصدی تعداد بھی انہیں حاصل نہیں۔ کیا اس

صورتِ حالات پر سکھ خوش ہو سکتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ اس بٹوارے سے ہندوؤں کو بے انتہا فائدہ پہنچا ہے مسلمانوں کو اخلاقی طور پر فتح حاصل ہے لیکن مادی طور پر نقصان، سکھوں کو مادی طور پر بھی اور اخلاقی طور پر بھی نقصان پہنچا ہے گویا سب سے زیادہ گھاٹا سکھوں کو ہوا ہے اور اس سے کم مسلمانوں کو۔ ہندوؤں کو کسی قسم کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوا صرف اس غنیمت میں کمی آئی ہے جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن ابھی وقت ہے کہ ہم اس صورت حالات میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں ۲۳ / مارچ کے بعد پھر یہ سوال آسانی سے حل نہ ہو سکے گا۔

سکھ صاحبان جانتے ہیں کہ احمدیہ جماعت کو کوئی سیاسی اور مادی فائدہ اس یا اُس سکیم سے حاصل نہیں ہوتا۔ احمدیہ جماعت کو ہر طرف سے خطرات نظر آ رہے ہیں ایک پہلو سے ایک خطرہ ہے تو دوسرے پہلو سے دوسرا۔ پس میں جو کچھ کہہ رہا ہوں عام سیاسی نظریہ اور سکھوں کی خیر خواہی کے لئے کہہ رہا ہوں۔ میں جس علاقہ میں رہتا ہوں گو اس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن سکھ اس علاقے میں کافی ہیں اور ہمارے ہمسائے ہیں اور ان کی نسبت آبادی کوئی ۳۳ فیصدی تک ہے اس لئے سکھوں سے ہمارے تعلقات بہت ہیں بعض سکھ رؤساء سے ہمارا خاندانی طور پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ سے بھائی چارہ اب تک چلا آتا ہے اس لئے میری رائے محض خیر خواہی کی بناء پر ہے میرا دل نہیں چاہتا کہ سکھ صاحبان اس طرح کٹ کر رہ جائیں۔ اگر تو کوئی خاص فائدہ سکھوں کو پہنچتا تو میں اِس تجویز کو معقول سمجھتا مگر اب تو صرف اس قدر فرق پڑا ہے کہ سارے پنجاب میں مسلمان تعداد میں اوّل تھے، ہندو دوم اور سکھ سوم اور اب مشرقی پنجاب میں ہندو اوّل مسلمان دوم اور سکھ سوم ہیں۔ سکھ اگر اس بٹوارے سے دوم ہو جاتے تو کچھ معقول بات بھی تھی مگر صرف مسلمان اوّل سے دوم ہو گئے ہیں اور ہندو دوم سے اوّل، سکھوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ پُرانے پنجاب میں مسلمانوں نے اپنے حق سے ساڑھے پانچ فیصدی سکھوں کو دیدیا تھا اب تک ہندوؤں کی طرف سے کوئی اعلان نہیں ہوا کہ وہ کتنا حصہ اپنے حصہ میں سے سکھوں کو دینے کو تیار ہیں۔ پُرانے پنجاب میں چودہ فیصدی سکھوں کو اکیس فیصدی حصہ ملا ہوا تھا اب اٹھارہ فیصدی سکھ مشرقی پنجاب میں ہو گئے ہیں اگر ہندو جو تعداد میں اوّل نمبر پر ہیں مسلمانوں کی طرح اپنے حق سے سکھوں کو دیں تو سکھوں کو نئے صوبہ میں چھبیس

فیصدی حق ملنا چاہئے۔ گو سکھ پُرانے انتظام پر خوش نہ تھے اسی وجہ سے انہوں نے صوبہ تقسیم کروایا ہے اس لئے انہیں ہندوؤں سے تیس فیصدی ملے تو وہ تب دنیا کو کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو پرانے پنجاب سے ہم زیادہ فائدہ میں رہے ہیں۔ مسلمانوں نے ہمیں ڈیوڑھا حق دیا تھا اب ہندوؤں نے اپنے حق سے کاٹ کر ہمیں پونے دوگنا دے دیا ہے اس لئے ہمارا بٹوارہ پر زور دینا درست تھا لیکن اگر ایسا نہ ہوا اور ہندوؤں نے اپنے حصہ سے اُس نسبت سے بھی سکھوں کو نہ دیا جس نسبت سے پُرانے پنجاب میں مسلمانوں نے سکھوں کو دیا تھا تو سکھ قوم لازماً گھاٹے میں رہے گی۔ نئے صوبہ میں اٹھارہ فیصدی سکھ ہوں گے، بتیس فیصدی مسلمان اور پچاس فیصدی ہندو۔ اگر ہندو اسی نسبت سے اپنا حق سکھوں کو دیں جس طرح مسلمانوں نے پنجاب میں دیا تھا تو سکھوں کو چھبیس فیصدی اور حق مل جائے گا اور نمائندگی کی یہ شکل ہوگی کہ بتیس فیصدی مسلمان اور چھبیس فیصدی سکھ اور بیالیس فیصدی ہندو۔ لیکن اوّل تو ایسا کوئی وعدہ ہندوؤں نے سکھوں سے اب تک نہیں کیا وہ غالبًا یہ کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کے حق سے سکھوں کو دینا چاہیں لیکن سکھوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلے گا۔ جب مسلمان زیادہ تھے انہوں نے اپنے حصہ سے سکھوں کو دیا، اب ہندوؤ زیادہ ہیں اب انہیں اپنے حصہ سے سکھوں کو دینا چاہئے ورنہ تعلقات ناخوشگوار ہو جائیں گے۔

فرض کرو کہ ہندو سکھوں کو اپنی نیابت کے حق سے دے بھی دیں جتنا انہیں مسلمانوں نے اپنے حق سے دیا ہوا تھا تو پھر بھی سکھ صاحبان کو ان امور پر غور کرنا چاہئے:۔

۱۔ تمام سکھ امراء منٹگمری، لائل پور اور لاہور میں بستے ہیں اور اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ لائل پور، منٹگمری اور لاہور کے سکھ زمیندارہ کو ملا کر فی سکھ آٹھ ایکڑ کی ملکیت بنتی ہے لیکن لدھیانہ ہوشیار پور، فیروز پور، امرتسر کی سکھ ملکیت کے لحاظ سے ایک ایکڑ فی سکھ ملکیت ہوتی ہے کیونکہ لدھیانہ اور جالندھر میں سکھوں کی ملکیت بہت کم ہے اور اسی وجہ سے وہ زیادہ تر مزدوری پیشہ اور فوجی ملازم ہیں یا ملک سے باہر جا کر غیر ممالک میں کمائی کرتے ہیں اس وجہ سے اگر یہ تقسیم قائم رہی تو اس کا ایک نتیجہ یہ نکلے گا کہ مالدار سکھ مغربی پنجاب سے جا ملیں گے اور اگر مسلمانوں کا رویہ ان سے اچھا رہا اور خدا کرے اچھا رہے تو ان کی ہمدردی مشرقی سکھ سے

بالکل جاتی رہے گی اور کوئی مالی امداد وہ اسے نہ دیں گے اور مشرقی علاقہ کا سکھ جو پہلے ہی بہت غریب ہے اپنی تعلیمی اور تہذیبی انجمنوں کو چلا نہ سکے گا۔

دوسرے اسے یہ نقصان ہوگا کہ سکھ قوم مشرقی حصہ میں اقتصادی طور پر اپنا سر اونچا نہ رکھ سکے گی۔

تیسرے اس سے یہ نقص پیدا ہوگا کہ ہوشیار پور، فیروز پور، جالندھر اور لدھیانہ کے سکھ پہلے سے بھی زیادہ غیر ملکوں کی طرف جانے کے لئے مجبور ہوں گے اور مشرقی پنجاب کے سکھوں کی آبادی روز بروز گرتی چلی جائے گی اور شاید چند سال میں ہی مشرقی پنجاب میں بھی سکھ چودہ فیصدی پر ہی آ جائیں۔

پانچویں اس امر کا بھی خطرہ ہے کہ اس بٹوارے کی وجہ سے مغربی پنجاب کی حکومت یہ فیصلہ کرے کہ وہ زمین جو مشرقی پنجاب کے لوگوں کو مغربی پنجاب میں جنگی خدمات کی وجہ سے دی گئی ہے وہ اس بناء پر ضبط کر لی جائے کہ اب ان خدمات کا صلہ دینا نئے ہندو مرکز کے ذمہ ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ جب وہ لوگ الگ ہوگئے ہیں تو اس خدمت کا صلہ جو درحقیقت مرکزی خدمت تھی وہ صوبہ دے جس کا وہ شخص سیاسی باشندہ بھی نہیں ہے۔

زمیندار نقصان کے علاوہ کہ سکھوں کی دو تہائی جائیداد مغربی پنجاب میں رہ جائے گی ایک اور بہت بڑا خطرہ بھی ہے اور وہ یہ کہ جو سکھ تجارت کرتے ہیں ان میں سے اکثر حصہ کی تجارت مغربی پنجاب سے وابستہ ہے سوائے سردار بلدیو سنگھ صاحب کے کہ جن کی تجارت ہندو علاقہ سے وابستہ ہے باقی سب سکھ تجارت مسلمان علاقہ سے وابستہ ہے۔ سکھوں کی تجارت جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں پنجاب میں راولپنڈی، کوئٹہ، جہلم اور بلوچستان سے وابستہ ہے اور تجارت کی ترقی کے لئے آبادی کی مدد بھی ضروری ہوتی ہے۔ جب سکھوں کی دلچسپی مغربی پنجاب اور اسلامی علاقوں سے کم ہوگی تو لازماً اس تجارت کو بھی نقصان پہنچے گا سوائے سردار بلدیو سنگھ صاحب کے جن کی تجارت بہار سے وابستہ ہے اور کونسا بڑا سکھ تاجر ہے جو مشرقی پنجاب یا ہندوستان میں وسیع تجارت رکھتا ہو۔ ساری کشمیر کی تجارت جو راولپنڈی کے راستہ سے ہوتی ہے یا جہلم کے ذریعہ سے ہوتی ہے سکھوں کے پاس ہے۔ ایران سے آنے والا مال اکثر سکھوں کے

ہاتھ سے ہندوستان کی طرف آتا ہے اور اس تجارت کی قیمت کروڑوں تک پہنچتی ہے اگر یہ تاجر موجودہ افراتفری میں اپنی تجارتوں کو بند کریں گے تو نئی جگہ کا پیدا کرنا ان کے لئے آسان نہ ہوگا اور اگر وہ اپنی جگہ پر رہیں گے تو اسلامی حصہ ملک میں ان کی آبادی کے کم ہو جانے کی وجہ سے وہ اس سیاسی اثر سے محروم ہو جائیں گے جو اَب ان کی تائید میں ہے اور پھر اگر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے پہلے علاقہ میں ہی رہیں تو آہستہ آہستہ ان کی ہمدردی اپنے مشرقی بھائیوں سے کم ہو جائے گی اور سکھ انجمنیں ان کی امداد سے محروم رہ جائیں گی۔

یہ امر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ مشرقی صوبہ کا دارالحکومت لازماً دہلی کے پاس بنایا جائے گا اور اس طرح امرتسر اپنی موجودہ حیثیت کو کھو بیٹھے گا اِس وقت تو لاہور کے قرب کی وجہ سے جہاں کافی سکھ آبادی ہے امرتسر تجارتی طور پر ترقی کر رہا ہے لیکن اگر دارالحکومت مثلاً انبالہ چلا گیا تو انبالہ بوجہ امرتسر سے دور ہونے کے قدرتی طور پر اپنی تجارتی ضرورتوں کے لئے امرتسر کی جگہ دہلی کی طرف دیکھے گا اور لاہور حکومت کے اختلاف کی وجہ سے امرتسر سے پہلے ہی جُدا ہو چکا ہوگا، پھر امرتسر کی تجارت کا ۱/۳ حصہ اُس مال کی وجہ سے ہے جو افغانستان، بخارا اور کشمیر سے آتا ہے یہ مال بھی اپنے لئے نئے راستے تلاش کرے گا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امرتسر کی تجارتی حیثیت بہت گر جائے گی اور یہ شاندار شہر جلد ہی ایک تیسرے درجہ کا شہر بن جائے گا۔ اگر مغربی پنجاب نے مشرقی پنجاب کی ڈگریوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو وہ اٹھارہ لاکھ سکھ جو مغربی پنجاب میں بستے ہیں ایک بڑا کالج مغربی پنجاب میں بنانے پر مجبور ہوں گے اور چونکہ بڑے زمیندار اور بڑے تاجر سکھ مغربی پنجاب میں ہیں ان کے لئے ایک بہت بڑا کالج بنانا مشکل نہ ہوگا اِس طرح خالصہ کالج امرتسر بھی اپنی شان کھو بیٹھے گا اور سکھوں کے اندر دو متوازی سکول اقتصادی اور سیاسی اور تمدنی فلسفوں کے پیدا ہو جائیں گے۔ بے شک ساری قوموں کو ہی اس بٹوارہ سے نقصان ہوگا لیکن چونکہ ہندوؤں کی اکثریت ایک جگہ اور مسلمانوں کی اکثریت ایک جگہ جمع ہو جائے گی انہیں یہ نقصان نہ پہنچے گا یہ نقصان صرف سکھوں کو پہنچے گا جو قریباً برابر تعداد میں دونوں علاقوں میں بٹ جائیں گے اور دونوں میں سے کوئی حصہ اپنی بڑائی کو دوسرے حصہ پر قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ کہا جاتا کہ آبادی کے تبادلہ سے یہ مشکل حل کی جا سکے

گی لیکن یہ درست نہیں لائل پور، لاہورر، منٹگمری، شیخوپورہ، گوجرانولہ اور سرگودھا کے سکھ اپنی نہری زمینوں کو چھوڑ کر بارانی زمینوں کو لینے کے لئے کب تیار ہوں گے اور اگر وہ اس پر راضی ہو گئے تو مالی لحاظ سے یہ ان کیلئے بڑا اقتصادی دھکّا ہوگا جس کی وجہ سے قومی انحطاط شروع ہو جائے گا پس پیشتر اس کے سکھ صاحبان پنجاب کے بٹوارے کے متعلق کوئی فیصلہ کریں انہیں ان سب امور پر غور کر لینا چاہئے تا ایسا نہ ہو کہ بعد میں اس مشکل کا حل نہ نکل سکے اور پچھتانا پڑے۔

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اگر مشکلات پیدا ہوئیں اور ان کا کوئی علاج نہ نکلا تو اس وقت پھر سکھ صاحبان مغربی پنجاب میں آ سکتے ہیں لیکن یہ خیال درست نہیں اس لئے کہ اگر اب سکھ صاحبان پنجاب کے بٹوارے کے خلاف رائے دیں تو ان کے ووٹ مسلمان کے ووٹوں سے مل کر بٹوارے کو روک سکتے ہیں لیکن اگر بعد میں انہوں نے ایسا فیصلہ کیا تو یہ صاف بات ہے کہ انبالہ ڈویژن ان کے ساتھ شامل نہ ہوگا اور اگر مغربی پنجاب سے ملا تو صرف جالندھر ڈویژن ملے گا اور اُس وقت پنجاب کی یہ حالت ہوگی کہ اس میں پندرہ فیصدی سکھ ہوں گے اور پندرہ فیصدی ہندو اور ۷۰ فیصدی مسلمان حالانکہ متحدہ پنجاب کی صورت میں بیالیس فیصدی ہندو اور سکھ ہوں گے اور چھپن فیصدی مسلمان اور دو فیصدی دوسرے لوگ۔ ظاہر ہے کہ چونتالیس فیصدی لوگ حکومت میں جو آواز اور اثر رکھتے ہیں وہ تیس فیصدی لوگ کسی صورت میں نہیں رکھ سکتے۔ پس بعد کی تبدیلی کسی صورت میں سکھوں کو وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی جو اِس وقت کی تبدیلی پہنچا سکتی ہے کیونکہ ایک دفعہ پنجاب بانٹا گیا تو پھر انبالہ ڈویژن کو واپس لانا سکھوں کے اختیار سے باہر ہو جائے گا۔

سکھ صاحبان کو یہ امر بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ابھی سے ہندوؤں کی طرف سے آواز اُٹھائی جا رہی ہے کہ یو پی کے چند اضلاع ملا کر مشرقی پنجاب کا ایک بڑا صوبہ بنا دیا جائے اگر ایسا ہو گیا تو اس نئے صوبہ میں ہندو ساٹھ فیصدی، مسلمان تیس فیصدی اور سکھ صرف دس فیصدی رہ جائیں گے۔

بعض سکھ صاحبان یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ جالندھر ڈویژن کی ایک سکھ ریاست بنا دی جائے گی بے شک اس صورت میں سکھوں کی آبادی کی نسبت اس علاقہ میں بڑھ جائے گی مگر

اس صورت میں بھی مختلف قوموں کی نسبت آبادی یوں ہوگی ۶۰ء۲۵ سکھ ۵۰ء۳۴ مسلمان اور قریباً چالیس فیصدی ہندو۔ اس صورتِ حالات میں بھی سکھوں کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا پرانے پنجاب میں بھی تو سکھوں کو بائیس فیصدی نمائندگی ملی ہوئی تھی۔ پس اگر جالندھر ڈویژن کا الگ صوبہ بھی بنا دیا گیا تو اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچے گا کیونکہ انبالہ ڈویژن کے الگ ہو جانے کی وجہ سے انبالہ صوبہ پر کُلّی طور پر ہندوؤں کا قبضہ ہو جائے گا اور جالندھر ڈویژن میں بوجہ چالیس فیصدی رہ جانے کے سکھ اُن سے اپنے لئے زیادہ نمائندگی کا مطالبہ نہیں کر سکیں گے اور توازن بہت مضبوطی سے ہندوؤں کے ہاتھ میں چلا جائے گا اور وہ انبالہ کے صوبہ میں بغیر کسی سے سمجھوتہ کرنے کے حکومت کر سکیں گے اور جالندھر میں کچھ سکھوں یا مسلمانوں کو ملا کر حکومت کر سکیں گے۔

ایک اور سخت نقصان سکھوں کو اس صورت میں یہ پہنچے گا کہ جالندھر ڈویژن کے سکھوں میں کمیونزم زیادہ زور پکڑ رہی ہے۔ فیروز پور، لدھیانہ اور ہوشیار پور اِس کے گڑھ ہیں اس علیحدگی کی وجہ سے ان لوگوں کی آواز بہت طاقت پکڑ جائے گی۔ اور اکالی پارٹی چند سالوں میں ہی اس خطرناک بلاء کا مقابلہ کرنے سے اپنے آپ کو بے بس پائے گی خصوصاً جب کہ سیاسی چالوں کی وجہ سے بعض خود غرض پارٹیاں کمیونسٹوں کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی جیسا کہ گذشتہ الیکشن پر سکھ صاحبان کو تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ میں نے کافی روشنی ان خطرات پر ڈال دی ہے جو سکھوں کو پیش آنے والے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ ۲۳ رجون کو ہونے والی اسمبلی کی میٹنگ میں وہ ان امور کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کریں گے۔ اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ سب سے زیادہ اثر عوام سکھوں پر پڑنے والا ہے وہ بھی اپنے لیڈروں پر زور دیں گے کہ اس خودکشی کی پالیسی سے ان کو بچایا جائے۔ میں لکھ چکا ہوں کہ میں بوجہ ایک چھوٹی سی جماعت کا امام ہونے کے کوئی سیاسی غرض اِس مشورہ میں نہیں رکھتا اس لئے سکھ صاحبان کو سمجھ لینا چاہئے کہ میرا مشورہ بالکل مخلصانہ اور محض ان کی ہمدردی کی وجہ سے ہے۔ اگر سیاست میرے اختیار میں ہوتی تو میں انہیں ایسے حقوق دے کر بھی جن سے ان کی تسلی ہو جاتی انہیں اس نقصان سے بچاتا مگر سیاست کی طاقت میرے

ہاتھ میں نہیں اس لئے میں صرف نیک مشورہ ہی دے سکتا ہوں ہاں مجھے امید ہے کہ اگر سکھ صاحبان مسٹر جناح سے بات کریں تو یقیناً انہیں سکھوں کا خیر خواہ پائیں گے مگر انہیں بات کرتے وقت یہ ضرور مدنظر رکھ لینا چاہئے کہ ہندو صاحبان انہیں کیا کچھ دینے کو تیار ہیں کیونکہ خود کچھ نہ دینا اور دوسروں سے لینے کے مشورے دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اس میں مشورہ دینے والے کا کچھ حرج نہیں ہوتا پس اچھی طرح اونچ نیچ کو دیکھ کر وہ اگر مسلم لیگ کے لیڈروں سے ملیں تو مجھے امید ہے کہ مسلم لیگ کے لیڈر انہیں ناامید نہیں کریں گے۔ اگر مجھ سے بھی اس بارہ میں کوئی خدمت ہو سکے تو مجھے اس سے بے انتہا خوشی ہوگی۔

آخر میں میں سکھ صاحبان کو مشورہ دیتا ہوں کہ سب کاموں کی کنجی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ گورونانک دیو جی اور دوسرے گوروؤں کے طریق کو دیکھیں وہ ہر مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے اِس وقت ان کو بھی اپنی عقل پر سارا انحصار رکھنے کی بجائے خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہئیں تا اللہ تعالیٰ انہیں وہ راستہ دکھادے جس میں ان کی قوم کی بھی بھلائی ہو اور دوسری قوموں کی بھی بھلائی ہو۔ یہ دن گذر جائیں گے، یہ باتیں بھول جائیں گی لیکن محبت اور پریم کے کئے ہوئے کام کبھی نہیں بھولیں گے اگر بٹوارہ بھی ہونا ہے تو وہ بھی اسی طرح ہونا چاہئے کہ ایک قوم کا گاؤں دوسری قوم کے گاؤں میں اس طرح نہ گھسا ہوا ہو کہ جس طرح دو کنگھیوں کے دندانے ملا دیئے جاتے ہیں اگر ایسا ہوا تو سرحد میں چھاؤنیاں بن جائیں گی اور سینکڑوں میل کے بسنے والے لوگ قیدیوں کی طرح ہو جائیں گے اور علاقے اُجڑ جائیں گے۔ یہ میری نصیحت سکھوں ہی کو نہیں مسلمانوں کو بھی ہے۔ میرے نزدیک تحصیلوں کو تقسیم کا یونٹ تسلیم کر لینے سے اس فتنہ کا ازالہ ہو سکتا ہے اگر اس سے چھوٹا یونٹ بنایا گیا تو جتنا جتنا چھوٹا وہ ہوتا جائے گا اُتنا اُتنا نقصان زیادہ ہوگا۔ ایک عرب شاعر اپنی معشوقہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ ع

فَاِنْ کُنْتِ قَدْ اَزْمَعْتِ صَرْمًا فَاَجْمِلِیْ

یعنی اے میری محبوبہ! اگر تُو نے جُدا ہونے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے تو کسی پسندیدہ طریق سے جُدا ہو۔ میں بھی ہندو، مسلمان، سکھ سے کہتا ہوں کہ اگر جُدا ہونا ہی ہے تو اس طرح جُدا ہو کہ

سرحدوں کے لاکھوں غریب باشندے ایک لمبی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

شاید کسی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ میں نے ہندوؤں کو کیوں مخاطب نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ہمدردی کا سوال ہے ہندو بھی ہمارے بھائی ہیں اور میں ان کا کم ہمدرد نہیں مگر ہندو چونکہ اپنے مرکز کی طرف گئے ہیں ان کا فوری نقصان تو ہوگا مگر بوجہ اس کے کہ وہ اکثر تاجر پیشہ ہیں وہ جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے۔ اس لئے انہیں یہ کہنا کہ اس تقسیم سے آپ کا دائمی نقصان ہوگا جھوٹ بن جاتا ہے۔ اس لئے میں نے انہیں مخاطب نہیں کیا ورنہ ان سے مجھے کم ہمدردی نہیں۔

آخر میں مَیں دعا کرتا ہوں کہ اے میرے ربّ! میرے اہلِ مُلک کو سمجھ دے اور اوّل تو یہ ملک بٹے نہیں اور اگر بٹے تو اس طرح بٹے کہ پھر مل جانے کے راستے کھلے رہیں۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ

خاکسار

مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ قادیان

۱۷/ جون ۱۹۴۷ء

(الفضل ۱۹/ جون ۱۹۴۷ء)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام اہم واقعات اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت پیش کرتے ہیں

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام اہم واقعات کہ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت پیش کرتے ہیں

(فرمودہ ۱۷ رجون ۱۹۴۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

ہمارے سلسلہ میں اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ[1] والی آیت جو سورۂ زمر میں آتی ہے اور جس کے اوّلین مخاطب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایک بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اُس وقت نازل ہوا جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے والد ماجد کی وفات کی خبر ملی اور آپ کے دل میں خیال گزرا کہ ان کی وفات کے بعد آپ کے گذارہ کی کیا صورت ہوگی۔ آپ فرماتے تھے کہ اس خیال کے آتے ہی یہ الہام ہوا کہ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ یعنی کیا خدا اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟ آپ نے اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے کہ اس الہام کے بعد اللہ تعالیٰ میرا ایسا متکفل ہوا کہ کہیں کسی کا باپ بھی ایسا متکفل نہیں ہوسکتا اور اُس نے مجھ پر وہ احسانات فرمائے جن کا میں شمار تک نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد آپ نے اُنہی دنوں اِس الہام کو ایک نگینہ میں کھدوا کر اُس کی انگوٹھی بنوائی جو اَب تک ہمارے خاندان میں محفوظ چلی آرہی ہے۔ پس چونکہ یہ آیت ہمارے سلسلہ کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتی ہے اِس لئے ہماری جماعت کا قریباً ہر فرد

اس سے واقف ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ عَبۡدَ کے ساتھ ہٗ کی اضافت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ اس جگہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد بن جائے اور یہ ایک حقیقت ہے جس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ علیٰ قدرِ مراتب اپنے ہر عبد کی خبر گیری کرتا اور اس کی ضروریات کو پورا فرماتا ہے۔ پس یہ ایک ایسا وعدہ ہے جو غیر معیّن ہے اور جس کے معنی یہ ہیں کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کا عَبۡد ہوگا وہی اِس آیت کا مخاطب ہوگا چاہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان سے اُتر کر صدیقین، شہدا، اور صالحین وغیرہ ہوں یعنی جو بھی خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والا عَبۡد ہو وہی اِس آیت کا مخاطب ہوگا اور اللہ تعالیٰ علیٰ قدرِ مراتب اپنے سارے عِبَاد سے حسن سلوک فرماتا رہے گا۔ جتنا اعلیٰ عبد ہوگا اُتنا ہی اعلیٰ خدا تعالیٰ بھی اُس سے حسن سلوک کرے گا اور جتنا ادنیٰ عبد ہوگا اتنا ہی کم اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

میں نے دیکھا ہے بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اتنے چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی اپنے بندے کی خبر گیری کرتا ہے کہ دیکھ کر حیرت آتی ہے کہ اتنی خبر گیری تو قریبی سے قریبی رشتہ دار بھی ضرورت پڑنے پر نہیں کیا کرتے۔ ادھر منہ سے ایک چھوٹی سے بات نکلتی ہے اور ادھر پوری ہو جاتی ہے، بعض دفعہ کسی آدمی کے متعلق خیال کیا جاتا ہے تو وہ جھٹ آ پہنچتا ہے اور بعض دفعہ کسی چیز کے متعلق خیال کیا جاتا ہے تو وہ جھٹ مل جاتی ہے۔ ابھی اترسوں کا ذکر ہے کہ ایک ایسی بات ہوئی جس کو میرے چھوٹے بچے نے بھی محسوس کیا حالانکہ چھوٹے بچوں میں کسی اہم بات کے احساس کا شعور نہیں ہوتا وہ بات یہ تھی کہ میں نے کہا کہ اِس دفعہ آم ابھی تک نہیں آئے اِس پر ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک آدمی سندھ سے آ پہنچا اور اُس کے پاس ہمارے لئے آم تھے۔ میری بیوی نے مجھ سے ذکر کیا کہ بچہ کہہ رہا ہے کہ لو ابھی ابھی ابّا جان نے کہا تھا کہ اِس دفعہ آم نہیں آئے اور وہ آ بھی گئے ہیں۔ یہ بات اگر ایک دفعہ ہوتی تو اِس کو اتفاقی کہہ سکتے تھے لیکن اِس قسم کی ہزاروں باتیں اتنے تواتر کے ساتھ ہوتی ہیں اور ان کو اتفاقی نہیں کہا جا سکتا۔ پس یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، یا کسی اور نبی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سارے بندوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے سارے بندوں کے

ساتھ ہی علیٰ قدرِ مراتب حسن سلوک کرتا ہے مگر ہاں یہ آیت اپنی اس شکل میں چونکہ سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس لئے اس کا سب سے اعلیٰ اور ارفع ظہور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ہی ہوا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیت تو آپ پر بعد میں اُتری مگر آپ کی ساری زندگی ہی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا نمونہ نظر آتی ہے۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا صرف ایک ہی پہلو نہیں بلکہ دو پہلو ہیں اور اس کے اندر دو نہایت عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کو بہت زیادہ خطرات پیش آئیں گے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر خطرہ کے وقت آپ کی حفاظت کرے گا کیونکہ حفاظت کی ضرورت تبھی ہوتی ہے جب کوئی خطرہ درپیش ہو۔ اگر کوئی خطرہ نہ ہوتو حفاظت اور مدد کے معنی ہی کچھ نہیں ہوتے۔ پس اللہ تعالیٰ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ میں فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی خطرات سے پُر ہوگی مگر ہر خطرہ کے موقع پر میں اس کی حفاظت کروں گا اور یہ دونوں چیزیں متوازی ہوں گی۔ ایک شخص جس کے پاس بچپن میں ہی بے شمار مال و دولت آ جائے، طاقت آ جائے، اُس کے نوکر چاکر موجود ہوں، اُس کو پڑھانے والے بڑے بڑے عالم موجود ہوں، اُس کی عالیشان کوٹھیاں ہوں، موٹر کاریں ہوں، اُس کی عمارات اور ساز و سامان کو دیکھ کر لوگ اُسے لڑکیاں دینے کے لئے تیار ہوں، اس کی مجلس میں بیٹھنے والے دوست موجود ہوں اور ہر وقت اُس کے پاس عیش و عشرت کی محفلیں منعقد ہوں اُس کو خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور انعامات کی قدر نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دولت مند کو مکان، گھوڑے اور ہاتھی وغیرہ سب کچھ خدا تعالیٰ ہی دیتا ہے مگر ایسے لوگوں کے پاس چونکہ یہ سب کچھ ماں باپ کی طرف سے پہنچتا ہے اِس لئے یہ بات کہ خدا دیتا ہے ان کی نظر میں نہیں آ سکتی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں تو ہمیں ماں باپ سے بطور ورثہ ملی ہیں ایسے لوگوں کی زندگی خدا تعالیٰ کے فضل کو ظاہر کرنے والی نہیں ہوتی ان کی نظر صرف مادیات میں پھرتی ہے خدا تعالیٰ کی طرف نہیں جاتی۔

غرض اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ سے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کی ساری زندگی خطرات سے پُر ہوگی لیکن ہر خطرہ کے وقت میں اس کی مدد کروں گا۔ پس یہ ایک پیشگوئی نہیں بلکہ دو پیشگوئیاں ہیں ایک طرف تو آپ کے متواتر خطرات سے دوچار ہونے کی پیشگوئی ہے اور دوسری طرف متواتر ان خطرات کو دور کرنے اور آپ کی مدد کرنے کی پیشگوئی ہے۔ سب سے پہلا خطرہ جو آپ کو اپنی زندگی میں پیش آیا وہ یہ تھا کہ ابھی آپ اپنی والدہ کے پیٹ میں ہی تھے کہ آپ کے والد کی وفات ہوگئی۔ اُس وقت قدرتاً یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ اس بچہ کو جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے پالے گا کون؟ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اِدھر آپ پیدا ہوئے اور اُدھر آپ دادا عبدالمطلب کی گود میں پہنچ گئے۔ انہوں نے بچے کو دیکھتے ہی کہا یہ تو چاند سا مُکھڑا ہے اور پھر فرطِ محبت سے بچے کو گود میں اُٹھا کر بیت اللہ میں لے گئے اور وہاں جا کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا گویا باپ کی موت کے بعد یکدم خدا تعالیٰ نے باپ کی جگہ آپ کے دادا کے دل میں باپ جیسی شفقت بھر دی اور اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی پیشگوئی پہلی بار پوری ہوئی۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کا فضل اور اُس کی مدد ہی تھی ورنہ ہم روزانہ کئی واقعات دیکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کا کوئی ایسا لڑکا فوت ہو جائے جس کی اولاد ہو تو وہ اپنے پوتے کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے اور اُسے پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس کا پوتا ہے اسی طرح اس کے دوسرے لواحقین بھی اپنی توجہ اس کی طرف سے پھیر لیتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اس بچہ کے ساتھ دُور کا بھی رشتہ نہیں۔ لیکن آپ کے والد کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ نے آپ کے دادا کے دل میں آپ کے لئے بے انتہا محبت بھر دی اور اس نے کہا یہ تو ہمارا بیٹا ہے اور چاند کا ٹکڑا ہے یہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ والی پیشگوئی کا ہی ظہور تھا کہ باپ نہ تھا تو دادا کے دل میں اللہ تعالیٰ نے محبت اور اُلفت پیدا کر دی۔ پس اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ ! اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ جب تمہارا باپ نہ تھا تو کیا ہم تمہارے باپ بنے تھے یا نہ؟

پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ نے جو کام آپ سے لینے تھے وہ تقاضا کرتے تھے کہ آپ کی صحت اعلیٰ درجہ کی ہو اور آپ کے قویٰ نہایت مضبوط ہوں کیونکہ آپ نے ایک طرف تمام انبیاء سے افضل نبی بننا تھا اور دوسری طرف اعلیٰ درجہ کا جرنیل بھی بننا تھا مگر مکہ میں پھلوں کی بھی کمی تھی،

پانی کی بھی کمی تھی اور سبزیوں وغیرہ کی بھی کمی تھی اور جب تک مکہ کے لوگ بیرونجات میں جا کر نہ رہیں ان کی صحت اچھی نہیں رہ سکتی۔ بیرونجات سے مکہ میں پھل اور سبزیاں وغیرہ تو پہنچ جاتی تھیں لیکن اگر باہر سے چیزیں چلی بھی جاتیں تو بھی تازہ بتازہ پھلوں اور سبزیوں کا مل جانا جو اثر رکھتا ہے وہ باہر سے آئی ہوئی چیزوں میں کہاں ہوتا ہے۔ مکہ کے لوگوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو باہر کے گاؤں میں ۵ یا ۶ ماہ کی عمر میں بھجوا دیتے تھے اور جب وہ ۸۔۹ سال کی عمر کے ہوتے تھے تو انہیں واپس لے آتے تھے اور بعض لوگ تو سال دو سال کے بعد ہی واپس لے آتے تھے اور بعض ۸۔۹ سال کا ہو چکنے پر لے آتے۔ اِس سے یہ فائدہ ہوتا کہ ان کی صحت بھی اچھی ہو جاتی اور ان بچوں کی زبان بھی شہر والوں کی نسبت زیادہ صاف ہو جاتی کیونکہ بدویوں کی زبان شہر والوں کی نسبت زیادہ صاف تھی اور شہریوں کی زبان باہر سے قبائل آتے رہنے کی وجہ سے مخلوط سی ہو جاتی تھی۔ غرض مکہ میں ہر چھٹے مہینے باہر کے گاؤں کی عورتیں آتیں اور دودھ پیتے بچوں کو پالنے کے لئے ساتھ لے جاتیں وہ شہر میں چکر لگاتی تھیں اور جس کسی نے اپنا بچہ ان کے حوالہ کرنا ہوتا کر دیتا تھا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد آس پاس کے دیہات کی عورتیں شہر میں آئیں حضرت عبدالمطلب کا گھر بہت مشہور تھا اور ایک قبیلہ کا سردار ہونے کی وجہ سے ان کی بہت زیادہ شہرت تھی اس لئے دیہات سے آنے والی ان دایہ عورتوں میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ عبدالمطلب کے پوتے کو وہ اپنے ساتھ لے جائے مگر جب انہوں نے سنا کہ بچہ کا والد فوت ہو چکا ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ اس یتیم بچہ کو پالنے کے بدلہ میں ہمیں کون انعام دے گا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے کئی عورتیں آپ کی والدہ کے گھر میں آئیں مگر یہ معلوم ہونے پر کہ اِس بچے کا والد فوت ہو چکا ہے واپس چلی گئیں اور کسی نے اس یتیم بچہ کو اپنے ساتھ لے جانا نہ چاہا۔ پانچویں چھٹے نمبر پر حلیمہ آئی مگر اس نے بھی جب بچہ کے یتیم ہونے کے متعلق سنا تو اس بہانہ سے کہ میں پھر آتی ہوں چلی گئی مگر جس طرح اس بچہ کا گھر غریب تھا اسی طرح حلیمہ بھی غریب تھی وہ سارا دن مکہ کے شہر میں بچوں والوں کے گھروں میں پھری لیکن کسی نے اُس کو منہ نہ لگایا گویا ایک طرف ان ساری دایہ عورتوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ردّ کر دیا اور دوسری طرف سارے بچوں والوں نے حلیمہ کو ردّ کر دیا اور جس طرح یسعیا نے

کہا تھا ویسا ہی ہوا کہ ’’وہ پتھر جسے معماروں نے ردّ کیا کونے کا سرا ہوگیا‘‘[۳۲] آخر حلیمہ کو خیال آیا کہ میں صبح اس بچے کو اس لئے چھوڑ آئی تھی کہ وہ یتیم ہے اور پھر سارے شہر میں سے کسی نے اپنا بچہ مجھے نہ دیا اگر میں اب پھر اسی یتیم بچہ کے گھر جاؤں گی تو اس گھر والے کہیں گے تم ہمارے بچے کو چھوڑ کر گئی تھیں تمہیں بھی سارے شہر سے کوئی بچہ نہ ملا اس لئے وہ کچھ شرمائی ہوئی آمنہ کے گھر آئی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے گئی مگر اس طرح کہ اِدھر آپ کو حلیمہ کے ساتھ بھیجتے وقت آپ کی والدہ کو بھی خیال آیا کہ حلیمہ غریب عورت ہے اور اس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے اُدھر حلیمہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ بچہ تو میں لے ہی چلی ہوں مگر مجھے اس کے پالنے کا انعام کہاں مل سکتا ہے لیکن حلیمہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں اِس بچے کو لے کر گھر پہنچی تو خدا کی قسم! ہماری وہ بکریاں جن کا دودھ سُوکھ چکا تھا اِس بچے کی برکت سے ان بکریوں کے سُوکھے ہوئے تھنوں میں دودھ بھر گیا اور خدا تعالیٰ نے میرے گھر میں برکت بھر دی۔[۳۳] برکت کا مطلب یہ تو نہیں کہ آسمان سے کوئی چیز گرتی ہے ہاں خدا تعالیٰ نے ان بکریوں کے معدے تیز کر دیئے اور وہ گھاس اچھا کھا لیتی تھیں اور دودھ زیادہ دینے لگ گئیں۔

پس اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کہ جب تمہیں پالنے کا زمانہ آیا تو ایک طرف دیہات کی دایہ عورتوں نے تمہیں رد کر دیا دوسری طرف تمہاری ماں نے دکھتے ہوئے دل کے ساتھ تمہیں ایک غریب دایہ کے سپرد کیا مگر دیکھو ہم نے تمہارے لئے انتظام کیا یا نہ کیا؟ دو سال کے بعد جب رضاعت کی مدّت پوری ہوئی تو دستور کے مطابق حلیمہ آپ کو لے کر مکہ میں آئی اور آمنہ سے جو کچھ ہوسکتا تھا انہوں نے حلیمہ کو دے دیا مگر حلیمہ کے دل میں آپ کے لئے اتنی محبت پیدا ہو چکی تھی کہ اس نے بہ اصرار آپ کی والدہ سے کہا کہ اس بچہ کو کچھ عرصہ اور میرے پاس رہنے دو چنانچہ وہ پھر آپ کو ساتھ لے کر خوش خوش واپس گھر چلی گئی۔ جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو حلیمہ آپ کو لے کر مکہ میں آئی اور آپ کی والدہ کے سپرد کر گئی والدہ سے جو کچھ ہوسکتا تھا انہوں نے حلیمہ کو دیا اور جو کچھ اسے ملا وہ لے کر چلی گئی۔ یوں تو حضرت عبدالمطلب بڑے قبیلہ کے آدمی تھے اور ان کا شمار بہت بڑے سرداروں میں ہوتا تھا مگر وہ اتنے زیادہ امیر

نہ تھے صرف کھاتے پیتے لوگوں سے تھے ان کی اولاد بہت زیادہ تھی اس لئے اخراجات بھی زیادہ تھے اس لئے وہ حلیمہ کو کچھ زیادہ نہ دے سکے مگر وہی حلیمہ جس کو وہ چھوٹا بچہ لے جاتے وقت یہ خیال تھا کہ اس کو پالنے کے بدلہ میں مجھے کیا ملنا ہے یہ بچہ تو یتیم ہے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور اس کے بعد جنگ حنین میں حلیمہ کی ساری قوم قید ہو کر آ گئی تو آپ نے یہ خیال کیا کہ یہ لوگ جب سفارش لے کر میرے پاس آئیں گے تو ان سب قیدیوں کو میں چھوڑ دوں گا مگر وہ لوگ (جو قبیلہ ہوازن کے تھے) اِس شرم سے آپ کے پاس سفارش کے لئے نہ آئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارا بچہ تھا اور ہم نے اس کے ساتھ جنگ کی ہے ہم کس طرح اس کے پاس جا کر سفارش کریں۔ آخر آپ کی رضائی بہن یعنی حلیمہ کی بیٹی آپ کے پاس آئی اور آپ نے اس کی ساری قوم کو آزاد کر دیا۔[۵]

اب دیکھو یہ اتنا بڑا بدلہ تھا کہ سارے عرب میں سے کسی بڑے سے بڑے سردار کی طرف سے بھی کسی بچہ کو پالنے کا نہ ملا ہوگا۔ آپ نے اپنی رضائی بہن کی سفارش پر ان کی قوم کے تین ہزار قیدی بِلا فدیہ رہا کر دیئے۔ اگر ایک قیدی کا فدیہ پانچ سَو بھی شمار کیا جائے تو یہ رقم پندرہ لاکھ بنتی ہے مگر آپ نے صرف حلیمہ کی خدمت کے بدلہ میں ان سب قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اب دیکھو یہ کتنا بڑا انعام تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حلیمہ کو ملا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اے محمد ﷺ! تجھے گاؤں کی ساری عورتیں رد کر گئی تھیں اور حلیمہ بھی تجھے ایک دفعہ ردّ کر کے چلی گئی تھی اس خیال سے کہ تم غریب تھے مگر کیا میں نے تیری غربت کو دور کیا یا نہ کیا؟ اور تجھ سے حلیمہ کو وہ انعام دلوایا جو سارے عرب میں سے کبھی کسی نے نہ دیا تھا اور نہ دے سکتا تھا۔

اس کے بعد آپ کو یہ صدمہ پہنچا کہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب فوت ہو گئے۔ یہ حادثہ بھی آپ کے لئے نہایت تکلیف دِہ تھا مگر حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو بُلایا اور اُن کو وصیت کی کہ دیکھو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میری امانت سمجھنا اور ہر چیز سے اِس کو زیادہ عزیز رکھنا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کہنے کو تو سب لوگ کہہ جاتے ہیں مگر خیال رکھنے والے بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ بیویاں

مرنے لگتی ہیں تو اپنے خاوندوں سے کہہ جاتی ہیں میرے بچوں کا خاص خیال رکھنا۔ مگر خاوند جب دوسری شادیاں کرتے ہیں تو پہلی بیوی کی اولاد کو کوئی پوچھتا تک نہیں اور وہ اولاد دھکے کھاتی پھرتی ہے۔ خاوند مرتے ہیں تو وہ بھی اپنی اولاد کے متعلق کسی کو خاص خیال رکھنے کے لئے کہہ جاتے ہیں مگر ہم نے دیکھا ہے کہ ان کے بچے بھی در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور بعض نظارے تو نہایت دردناک دکھائی دیتے ہیں۔ پس ہوسکتا تھا کہ ابو طالب بھی اپنے باپ کی وفات کے وقت کی وصیت کا کوئی خیال نہ رکھتے مگر وہ کس طرح نہ رکھتے جبکہ خدا تعالیٰ عرش سے اُن کو وصیت کر رہا تھا اور اُن کے دل میں محمد ﷺ کے لئے بے انتہا محبت پیدا کر رہا تھا۔ پس جب آپ ابو طالب کی کفالت میں آئے تو باوجود یکہ ابو طالب کی بہت سی اولاد تھی اور وہ تھے بھی غریب آدمی مگر وہ آپ کے ساتھ اپنے بچوں سے بڑھ کر محبت کرتے تھے اور وہ آپ کو اتنا عزیز رکھتے تھے کہ ہر وقت آپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے تھے یہاں تک کہ رات کو بھی اپنے پاس ہی سُلاتے تھے۔ ابو طالب کی بیوی یعنی آپ کی چچی کے دل میں وہ محبت آپ کے لئے نہ تھی وہ بعض دفعہ کوئی چیز اپنے بچوں میں تقسیم کر دیتی تھی اور آپ کو نہ دیتی تھی مگر آپ کے وقار کا بچپن میں ہی یہ عالم تھا کہ باوجود آٹھ نو سال کی عمر کے آپ نے کبھی ایسی باتوں کا شکوہ نہ کیا اور کبھی اپنے منہ سے کوئی چیز نہ مانگی۔ ابو طالب جب آپ کو ایک طرف بیٹھے دیکھتے تو سمجھ جاتے کہ کوئی بات ہے وہ دیکھتے کہ ان کی بیوی اپنے بچوں میں کوئی چیز تقسیم کر رہی ہے تو وہ پیار سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں اُٹھا لیتے اور یہ نہیں کہتے کہ یہ میرا بھتیجا ہے بلکہ بیوی سے کہتے تُو نے میرے بیٹے کو تو دیا ہی نہیں یعنی وہ اپنے بیٹوں کو بیٹے نہیں سمجھتے تھے بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حقیقی بیٹا سمجھتے تھے اور وہ بار بار دُہراتے جاتے تھے کہ تُو نے میرے بیٹے کو تو دیا ہی نہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب ماں باپ کی اپنی اولاد زیادہ ہوتی ہے تو دوسروں کی اولاد اُن کی نظر میں ہی نہیں جچتی مگر خدا تعالیٰ نے ابو طالب کے دل میں آپ کے لئے اتنی محبت پیدا کر دی تھی کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں اپنے بیٹوں کو بیٹے ہی نہیں سمجھتے تھے۔ یہ بھی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا ہی نمونہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کہ

اے محمد رسول اللہ ﷺ! تُو یتیم تھا مگر میں نے تیری کفالت کی یا نہ کی اور تیرے یُتم کو دُور کیا یا نہ کیا؟

پھر آپ بڑے ہوئے اُس وقت یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آپ کونسا کاروبار کریں۔ آپ کے پاس کوئی جائداد نہ تھی جس سے کوئی کاروبار شروع کرتے ، نہ ہی آپ جس چچا کی کفالت میں تھے ان کے پاس کوئی مال و دولت تھا کہ وہ آپ کو کاروبار کے لئے کچھ رقم دے دیتے۔ ان کی تو یہ حالت تھی کہ باہر سے آنے والے لوگ کچھ خدمت کر جاتے تھے اوران کا گذارہ ہو جاتا تھا اس لئے وہ آپ کی کچھ مدد نہ کر سکتے تھے۔ غرض باوجود اس کے کہ آپ کے پاس کاروبار کے لئے کوئی سامان نہ تھا اور آپ کو کوئی فن بھی نہ آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور وہ اس طرح کہ ایک قافلہ تجارت کے لئے شام کی طرف جا رہا تھا ایک دولت مند عورت نے آپ کو دیانتدار سمجھتے ہوئے (کیونکہ آپ امین کے نام سے مشہور تھے) آپ کو بُلایا اور کہا میں آپ کے سپرد اپنے اموال کرتی ہوں آپ قافلہ کے ساتھ شام کو جائیں اور تجارت کر کے واپس آئیں میں آپ کو اِس اِس قدر حصہ دوں گی۔ لوگ تو دَوڑتے پھرتے ہیں اور کبھی کسی کے پاس جاتے ہیں اور کبھی کسی کے دروازہ پر پہنچتے ہیں کہ نوکری مل جائے لیکن اِس دولت مند عورت نے خود بُلا کر آپ کو نوکری دی۔ اب دیکھو جب آپ کی کمائی کا زمانہ آیا تو کُجا یہ حالت کہ لوگ نوکریوں کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں اور کُجا یہ حالت کہ وہ دولت مند عورت آپ کو بُلا کر خود اپنی بہت سی دولت آپ کر سپرد کرتی ہے اور کہتی ہے آپ قافلہ کے ساتھ تجارت کے لئے جائیں چنانچہ آپ قافلہ کے ساتھ شام کو گئے اور آپ نے ایسی دیانت داری اور محنت سے کام کیا اور اتنا نفع ہوا کہ پہلے اس عورت کو تجارت میں کبھی اتنا نفع نہ ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے وہ اپنے نوکروں کے سپرد سارا کاروبار کرتی تھی اور وہ لوگ دیانت داری سے کام نہ کرتے تھے مگر آپ نے ایسا انتظام کیا کہ کسی کو نفع کی رقم سے چھونے تک نہ دیا۔ غرض آپ بہت زیادہ نفع کے ساتھ تجارت کر کے واپس آئے۔ اُس وقت آپ کی عمر شادی کے قابل تھی مگر آپ غریب آدمی تھے اور غریبوں کو لڑکیاں کون دیتا ہے، غریبوں کو تو غریب گھرانوں سے بھی لڑکیاں نہیں ملتیں مگر جب آپ تجارت کر کے واپس مکہ پہنچے اور آپ نے تجارت کا سارا نفع اُس عورت کے

سامنے پیش کیا تو وہ اتنا نفع دیکھ کر حیران رہ گئی اور اُس نے نوکروں سے پوچھا اتنی دولت کس طرح نفع میں آ گئی؟ اُنہوں نے کہا بات یہ ہے کہ آپ جب ہمیں تجارت کے لئے بھیجتی تھیں تو ہم اس میں سے خود بھی کھاتے پیتے تھے مگر محمد (ﷺ) نے تو کسی کو ہاتھ بھی لگانے نہیں دیا نفع نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ غرض آپ نے تجارت کا کام اس خوش اسلوبی سے کیا کہ وہ دولت مند عورت آپ کی ایمانداری کی قائل ہوگئی۔ وہ بیوہ عورت تھی اور بہت بڑے مال کی مالک تھی، اُس کے بہت سے غلام تھے اور نوکر چاکر تھے اِسی لئے اُس کے قافلے دوسرے مُلکوں میں جا کر تجارت کرتے تھے ورنہ دوسرے ملکوں میں قافلہ بھیجنا معمولی بات نہیں وہ اپنی ایک سہیلی کے ساتھ بات چیت کر رہی تھی کہ سہیلی نے اسے کہا بی بی! تم ابھی جوان ہو اور بیوہ ہو چکی ہو اور پھر تمہیں ایسا اچھا دیانت دار اور ایماندار خاوند مل سکتا ہے جس کی دیانتداری اور ایمانداری کی مثال سارے شہر میں نہیں مل سکتی اس لئے تمہیں چاہئے کہ اس کے ساتھ شادی کرلو۔ اس دولت مند عورت نے اپنی سہیلی کو جواب دیا کہ ہے تو تمہاری بات ٹھیک لیکن اگر یہ بات میرے باپ نے سن لی تو وہ مجھے جان سے مار ڈالے گا۔ سہیلی نے کہا تم اس بات کی فکر نہ کرو یہ سب انتظام میں خود کرلوں گی۔ چنانچہ اُس نے اِدھر اس کے باپ کو راضی کرلیا اور اُدھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا اگر آپ کی شادی ایک دولت مند عورت سے ہو جائے تو کیا آپ پسند کریں گے؟ آپ نے فرمایا میرے پاس تو کچھ ہے نہیں اس لئے کوئی دولت مند عورت میرے ساتھ کس طرح شادی کرنے پر رضامند ہوسکتی ہے۔ اُس نے کہا آپ کے پاس جو چیز ہے اُس کو ہر عورت ہی پسند کرتی ہے اور وہ ہے آپ کی دیانت امانت اور شرافت اس لئے آپ اس بات کا فکر نہ کریں کہ آپ کے پاس مال و دولت نہیں ہے آپ کے پاس جو چیز ہے اس کے مقابلہ میں مال و دولت کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے چچا کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کرسکتا۔ اُس نے کہا اچھا میں آپ کے چچا سے بھی پوچھ لیتی ہوں چنانچہ وہ ابو طالب کے پاس گئی انہوں نے رضامندی کا اظہار کیا اور آپ کی شادی ہوگئی۔[٦] پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کہ اے محمد ﷺ! تیرے پاس کاروبار کے لئے کچھ نہ تھا مگر ہم نے انتظام کیا یا نہ کیا؟ اور جب تیری شادی کا موقع آیا تو باوجود اس کے کہ تُو غریب تھا

بتا ہم نے تیری شادی کا انتظام کیا یا نہ کیا؟

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اگر مرد غریب ہو اور عورت امیر ہو تو مرد کو بسا اوقات ذلّت اُٹھانی پڑتی ہے۔ ہمارے ایک نانا تھے جن کے گھر نواب لوہارو کی بیٹی تھیں اور وہاں سے ہی اُن کو اخراجات کے لئے کچھ رقم آ جاتی تھی۔ ہمارے نانا کام تو کرتے تھے اور بیس پچیس روپیہ ماہوار آمدن بھی ہو جاتی تھی مگر اُن کا دستور تھا کہ سارا دن کام کرتے اور جو رقم آتی اس میں سے صرف ایک روپیہ ماہوار اپنے اوپر خرچ کرتے تھے، اُسی میں سے کپڑے کی دھلائی اور باقی ضرورتیں پوری کر لیا کرتے تھے، کھانے کے لئے اُن کو ایک چپاتی کافی تھی باقی رقم وہ ساری جمع رکھتے تھے اُن کو اِس بات کا بہت زیادہ احساس تھا گھر میں جو کچھ خرچ ہونا ہے یہ بیوی کا مال ہے مجھے اپنی ضروریات پر یہ روپیہ صَرف نہیں کرنا چاہئے۔ اُن کو چائے پینے کا بہت شوق تھا مگر چائے میں چھوٹا سا ایک بتاشہ ڈال کر پی جاتی تھے گویا انہوں نے اپنے نفس کو مارا ہوا تھا صرف اِس لئے کہ گھر میں جو کچھ خرچ ہوتا تھا وہ بیوی کا مال تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اُن کی بیوی کے والد یعنی اُن کے سسر فوت ہو گئے اور بھائیوں نے روپیہ بھجوانا بند کر دیا اِس پر انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے والد نے جو رقم مجھے اتنا عرصہ بھیجی تھی اب میں تم کو با قاعدہ دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے وہ جمع شدہ رقم ساری کی ساری بیوی کو دے دی۔ اب دیکھو یہ بات طبیعت پر کتنی گراں گزرتی ہے کہ خاوند غریب ہو اور بیوی امیر ہو اور خاوند بیوی کا مال کھاتا رہے۔ مگر جہاں خدا تعالیٰ نے یہ انتظام کیا کہ آپ کی شادی حضرت خدیجہؓ جیسی امیر عورت سے ہو گئی وہاں ایک ابتلاء آپ کے لئے یہ بھی تھا کہ حضرت خدیجہؓ بہت زیادہ امیر تھیں اور آپ غریب تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اس ابتلاء کو اِس طرح دُور کیا کہ کچھ عرصہ کے بعد حضرت خدیجہؓ کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اتنا خوددار اور نیک خاوند میرے مال کو برداشت نہ کر سکے گا اس لئے اس نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ اپنا سارا مال آپ کے حوالے کر دے یہ سوچ کر حضرت خدیجہؓ نے ایک دن آپ سے کہا میں ایک عرض کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا خدیجہ! کیا بات ہے؟ حضرت خدیجہؓ نے کہا میں چاہتی ہوں کہ اپنا سارا مال و متاع اور غلام آپ کے سپرد کر دوں۔ آپ نے فرمایا خدیجہ! کیا تم نے اس بات کو اچھی طرح سوچ سمجھ لیا

ہے ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتاؤ۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا میں نے اچھی طرح اِس معاملہ پر غور کر لیا ہے چاہے کچھ ہو جائے میں اپنا سارا مال آپ کے سپرد کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو پہلا کام میں یہ کرتا ہوں کہ اِن سارے غلاموں کو آزاد کرتا ہوں۔ حضرت خدیجہؓ نے خندہ پیشانی سے اِس بات کو برداشت کر لیا مگر چونکہ آپ کو تجارت وغیرہ کے معاملہ میں ایک ساتھی کی بھی ضرورت تھی اِس لئے آپ نے جن غلاموں کو آزاد کیا اُن میں سے ایک غلام زید نے تو کہا آپ نے مجھے آزاد کر دیا ہے مگر آپ کے اخلاق اِس قسم کے ہیں کہ میں آپ سے جُدا نہیں ہونا چاہتا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ** اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اِس بات کو برداشت نہ کر سکتے تھے کہ تم اپنی بیوی کے مال پر گذارہ کرو اس لئے ہم نے تمہارے لئے یہ انتظام کر دیا کہ تمہاری بیوی نے اپنا سارا مال تمہارے قدموں میں لا کر پھینک دیا۔ پھر آپ کو غلام آزاد کرنے کے بعد ایک ساتھی کی ضرورت تھی اس کے لئے ہم نے یہ انتظام کیا کہ تم نے جن غلاموں کو آزاد کیا تھا ان میں سے ایک نے کہہ دیا کہ آپ بے شک مجھے آزاد کر دیں مگر چونکہ آپ کے اخلاق نہایت اعلیٰ درجہ کے ہیں اس لئے میں آپ سے جُدا ہونا نہیں چاہتا۔ اس طرح ہم نے تمہارے ساتھی کی ضرورت بھی پوری کر دی۔ غرض ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح قدم بقدم ہر ضرورت کے وقت، ہر مصیبت کے وقت، ہر خطرہ کے وقت اور ہر تکلیف کے وقت اللہ تعالیٰ نے **اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ** کا نمونہ آپ کی ذات سے اعلیٰ اور ارفع طور پر وابستہ کر کے دکھا دیا **فَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ**۔

فرمودہ ۲۵ جون ۱۹۴۷ء

آج مَیں پھر اسی مضمون کو لیتا ہوں جو کچھ دن ہوئے میں نے شروع کیا تھا وہ مضمون تو ایسا ہے جس کے بیان کرنے کے لئے صحت کاملہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ مضمون بہت زیادہ تشریح چاہتا ہے اور مجھے چار پانچ دن سے کان میں تکلیف رہی ہے اب کچھ افاقہ ہے اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ آج اس مضمون کا کچھ حصہ بیان کر دوں۔ وہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی میں **اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ** کے نظاروں کے متعلق

ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نازک موقع پر، ہر دکھ اور ہر پریشانی کے وقت آپ کے ساتھ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کا ثبوت دیا۔ ویسے تو یہ ایک ہی آیت ہے مگر یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہزاروں واقعات اور ہزاروں ایمان افروز نظاروں کا مجموعہ ہے۔ آپ کے سوانح کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر ہر مصیبت کے وقت آپ کے ساتھ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کا معاملہ کیا۔

قبل ازیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شادی تک کے واقعات بیان کئے تھے آج میں اس سے آگے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جب آپ کی شادی ہو چکی اور کچھ عرصہ کے بعد آپ کی عمر ایسی حالت کو پہنچ گئی جو روحانی بلوغت کی عمر کہلاتی ہے تو اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ہی آسمان سے آپ کی مدد کی اور آپ کی روحانی پیاس کو بجھانے کا سامان پیدا کیا۔

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ بلوغت دو قسم کی ہوتی ہے ایک بلوغت جسمانی ہوتی ہے جو اٹھارہ سے اکیس سال کی عمر تک ہوتی ہے اور ایک بلوغت عقلی ہوتی ہے جو اٹھارہ سے پچیس سال کی عمر تک ہوتی ہے لیکن ان دونوں قسموں کے علاوہ بلوغت کی ایک قسم روحانی بھی ہے جس میں انسان کے تقاضائے طبعی بالغ ہو جاتے ہیں اور انسان اپنے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے لئے ایک خاص لائحہ عمل تجویز کرتا ہے۔ روحانی بلوغت کی عمر کے متعلق قرآن کریم سے اور بزرگوں کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ چالیس سال کی عمر ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ [۷] یعنی جب اپنی بلوغت روحانیہ کو پہنچ گئے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ مکمل جوانی یا بلوغت روحانیہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً [۸] یعنی جب انسان کامل جوانی کو پہنچ گیا اور اُس کی عمر چالیس سال کی ہو گئی۔

پس بلوغت روحانی چالیس سال کی عمر سے شروع ہوتی ہے وہاں بعض اوقات اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت اور مصلحت کے ماتحت ایسے انبیاء کو بھی مبعوث فرمایا ہے جن کی عمر چالیس سال سے کم تھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یحییٰ کو مبعوث فرمایا اُس وقت ان کی عمر چھبیس سال تھی اسی طرح حضرت عیسیٰ کی عمر بعثت کے وقت تیس سال تھی لیکن ان دونوں انبیاء کی بعثت

چالیس سال سے کم عمر میں ضرورت اور حکمت کے ماتحت ہوئی۔ حضرت یحییٰ کے متعلق خدا تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ ان کو جلدی ہی اُٹھا لیا جائے ان کی بعثت چھبیس سال کی عمر میں ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چونکہ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں نکلنا تھا جو ان سے پہلے کسی زمانہ میں ملک بدر کر دی گئی تھیں اور خدا تعالیٰ نے ان کو افغانستان اور کشمیر وغیرہ کے علاقوں میں پھیلا دیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو چالیس سال سے کم عمر میں ہی مبعوث فرمایا تاکہ آپ پہلے اپنی قوم کے ایک حصہ کو ہدایت دے لیں اور بلوغت حقیقی سے پہلے پہلے بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش کر لیں۔ اُس زمانہ میں چونکہ سفر کرنا مشکل تھا نہ ریل تھی، نہ تاریں تھیں اور نہ ڈاکخانے تھے اس لئے بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش ایک لمبے وقت کی متقاضی تھی۔ اُس زمانہ میں تیز رَو سواریاں نہ ہونے کی وجہ سے ایک مُلک سے دوسرے مُلک تک پہنچنے میں بعض اوقات سال بلکہ دو دو سال لگ جاتے تھے کیونکہ سمندر کے رستے سے جانا بھی مشکل تھا اور پہاڑوں کو عبور کرنا بھی مشکل تھا اُس وقت راستے نہایت دشوار گزار ہوتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں ہی مبعوث فرما دیا تا کہ آپ پہلے اپنی قوم کی راہنمائی فرمالیں اور جب آپ بلوغت حقیقی کو پہنچیں تو بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو تلاش کر چکے ہوں۔ مگر عام طور پر اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ وہ چالیس سال کی عمر میں ہی انبیاء کو مبعوث فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں ہی مبعوث ہوئے تھے۔ بہرحال جب آپ اس عمر کے قریب پہنچے تو گرد و پیش کے ماحول نے جو کفر و اِلحاد سے بھرا پڑا تھا آپ کے دل پر گہرا اثر ڈالا اور آپ کی طبیعت اس سے سخت متنفر اور بیزار ہوئی۔ آپ نے جیسا کہ ہر نبی ہی شرک سے پاک ہوتا ہے کبھی شرک نہیں کیا تھا بلکہ مشرکانہ خیالات بھی آپ کے قریب تک نہ پھٹکے تھے مگر وہ توحید کامل جو شریعت الٰہیہ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی آپ ابھی اُس سے ناواقف تھے اس لئے طبعی طور پر آپ کے دل میں توحید کامل کی جستجو پیدا ہوئی اور معرفت حقّہ اور عرفانِ تامّ کی تڑپ آپ کو ستانے لگی۔ گرد و پیش کے حالات نے آپ کو اور بھی ابھارا اور آپ ہمہ تن یادِ خدا میں مصروف رہنے کیلئے خویش و اقارب کو ترک کر کے شہر سے باہر ایک غار میں جسے غار حرا کہتے ہیں تشریف لے جاتے اور کئی

کئی دن وہاں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے ۔ جب آپ کا زاد ختم ہو جاتا تو آپ واپس مکہ میں تشریف لاتے اور پھر کچھ ستّو اور کھجوریں یا سوکھا گوشت وغیرہ ساتھ لے کر عبادتِ الٰہی کے لئے غارِ حرا میں چلے جاتے ۔آپ کو اس ریاضت شاقہ سے صرف ایک ہی غرض تھی اور وہ یہ کہ آپ کو وہ حقیقی راستہ مل جائے جو انسان کو خدا تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے ۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُس وقت آپ کی ایک جاں نثار بیوی موجود تھی مگر وہ اس معاملہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی ، آپ کے گہرے اور وفادار دوست موجود تھے مگر وہ بھی اس معاملہ میں آپ کی کوئی مدد کرنے سے قاصر تھے ، آپ کے زمانہ میں بعض مذاہب بھی موجود تھے مگر ان کے پیرو بھی روحانی سرچشمہ سے دور ہو جانے کی وجہ سے قسم قسم کے مشرکانہ خیالات میں ملوث ہو چکے تھے ۔ کفار مکہ نے تو خانہ کعبہ میں بھی ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے اور یہودی حضرت عزیر کو ابن اللہ قرار دے کر مشرک بن رہے تھے اور عیسائی باپ بیٹا اور روح القدس کی خدائی کے دعویدار تھے غرض جب آپ نے دیکھا کہ اہل مذاہب بھی بگڑ چکے ہیں اور دوست وغیرہ بھی اس بارے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے تو آپ کو اپنے غیر روحانی ماحول سے اتنا انقباض پیدا ہوا کہ آپ نے سمجھا مَیں ان سے کُلّی طور پر علیحدہ نہیں ہو سکتا لیکن میرے لئے ضروری ہے کہ مَیں اِس دنیا سے ایک عارضی انقطاع اختیار کروں اور خدائے واحد سے میں وہ راستہ طلب کروں جو انسان کو خدا تعالیٰ تک پہنچا دینے والا ہو ۔ آپ ایسی حالت میں عبادت الٰہی اور دعاؤں میں مصروف تھے کہ ایک دن خدا کا فرشتہ آپ پر نازل ہوا اور اُس نے کہا اِقْرَاْ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ ۔آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں تو پڑھ نہیں سکتا ۔اس پر فرشتہ نے زور سے آپ کو اپنے سینہ سے لگا کر بھینچا اور پھر کہا اِقْرَاْ ۔آپ نے پھر وہی جواب دیا جو پہلی مرتبہ دیا تھا ۔تب فرشتہ نے پھر اپنے پورے زور کے ساتھ اپنے سینہ سے لگا کر بھینچا اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۔ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ [9] یعنی اے محمد! (ﷺ) تُو ربّ کا نام لے کر پڑھ جس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا ہے جس نے انسان کو خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا ہے ہاں ہم تجھے پھر کہتے ہیں کہ تُو اس کلام کو جو تجھ پر نازل کیا جا رہا ہے لوگوں کو پڑھ کر سنا کیونکہ تیرا ربّ

بڑا کریم ہے۔ تیرا ربّ وہ ہے جس نے انسان کو قلم کے ساتھ سکھایا اور اُس نے انسان کو وہ کچھ بتایا جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔

یہ وحی آپ پر پہلے دن نازل ہوئی اور اس میں آپ کو یہ عظیم الشان بشارت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب آپ کو ایسے علوم عطا کئے جانے والے ہیں کہ جن کو اس سے پہلے دنیا میں کوئی انسان نہیں جانتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں جس وقت فرشتہ آپ کو یہ آیت سکھا رہا تھا اُس وقت اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا آپ سے کہہ رہا ہوگا کہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اے محمد ﷺ! بتا کہ میں نے تیری ضرورت کو پورا کیا یا نہیں کیا؟ تیری وفادار بیوی موجود تھی، تیرے وفادار دوست موجود تھے، تجھ سے محبت کرنے والے رشتہ دار موجود تھے مگر اُن میں سے کسی کی طاقت نہ تھی کہ وہ اس بارہ میں تیری مدد کر سکے، تیرے زمانہ کے مذہبی علماء جو بڑے بڑے دعوے کر رہے تھے وہ بھی تیری کیا مدد کر سکتے تھے وہ تو گمراہ اور ہدایت سے محروم تھے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جب دنیا کا کوئی شخص بھی تیری مدد نہ کرسکتا تھا اُس وقت میں نے تیری ضرورت کو پورا کیا اور پھر میں نے صرف تیری ہی ضرورت کو پورا نہ کیا بلکہ تجھے ساری دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا بنا دیا۔

پھر جب آپ غارِ حرا سے دنیا کی ہدایت کا پیغام لے کر باہر آئے تو طبعًا آپ کو یہ فکر ہوگا کہ خدا نے ہدایت کا سامان تو پیدا کر دیا مگر ایسا نہ ہو میرے عزیز اِس ہدایت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مورد بن جائیں اور اس بارہ میں آپ کو سب سے زیادہ فکر حضرت خدیجہؓ کا ہی ہوسکتا تھا کیونکہ وہ آپ کی بڑی ہی خدمت گزار بیوی تھیں اور آپ کو بھی ان سے بڑی محبت تھی مگر اللہ تعالیٰ کا احسان دیکھو کہ جب آپ اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے اِس واقعہ کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اِس خوف کا اظہار کیا کہ نہ معلوم میں اتنی بڑی ذمہ داری کو پوری طرح ادا بھی کرسکوں گا یا نہیں تو حضرت خدیجہؓ جو آپ کی محرم راز تھیں اور جو آپ کی پاکیزہ خلوت اور جلوت کی گواہ تھیں انکار کرنے کی بجائے فوراً بول اُٹھیں کہ کَلَّا وَاللّٰہِ مَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْکَلَّ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ [۱۰] یعنی خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے

گا کیونکہ آپ وہ ہیں جو صلہ رحمی کرتے ہیں، مصیبت زدہ لوگوں کے بوجھ بٹاتے ہیں اور وہ اخلاق فاضلہ جو دنیا سے معدوم ہو چکے ہیں ان کو از سرِ نَو قائم کر رہے ہیں اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اگر کوئی شخص محض ظلم کی وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو آپ اُس کی اعانت فرماتے ہیں کیا ایسے بلند کردار کا مالک انسان بھی کبھی ضائع ہوسکتا ہے۔ یہ وہ گواہی تھی جو حضرت خدیجہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی چالیس سالہ زندگی کے متعلق دی اور جس میں آپ نے یہ حقیقت واضح کی کہ آپ کی پہلی زندگی اس طرح گذری ہے کہ آپ نے خدا تعالیٰ کے رستہ میں کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور ہر موقع پر آپ نے خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ آپ تو خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کریں اور خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ وفاداری نہ کرے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ وفاداری کرے وہ اُس کو چھوڑ دے آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔ پس آپ کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ الفاظ کہہ کر حضرت خدیجہؓ نے یوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی تھی مگر ان الفاظ سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والی حضرت خدیجہؓ ہی تھیں۔ ان کے الفاظ تو آپ کی تسلی دلانے کے لئے تھے مگر اِس کے معنی یہ تھے کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں آپ پر ایمان لاتی ہوں اور جو تعلیم آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے اُس کو بالکل سچ اور صحیح تسلیم کرتی ہوں اور اس میں مجھے ذرہ بھر بھی شبہ نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے مانگنے پر ایک مددگار ملا تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دیکھو کہ آپ کو بن مانگے مددگار مل گیا یعنی آپ کی وہ بیوی جس کے ساتھ آپ کو بے حد محبت تھی سب سے پہلے آپ پر ایمان لے آئی چونکہ ہر شخص کا مذہب اور عقیدہ آزاد ہوتا ہے اور کوئی کسی کو جبراً منوا نہیں سکتا اس لئے ممکن تھا کہ جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے خدا تعالیٰ کی پہلی وحی کا ذکر کیا تو وہ آپ کا ساتھ نہ دیتیں اور کہہ دیتیں کہ میں ابھی سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھاؤں گی لیکن نہیں حضرت خدیجہ نے بلا تأمل بلا توقف اور بلا پس و پیش آپ کے دعویٰ کی تائید کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فکر کہ ممکن ہے خدیجہ مجھ پر ایمان نہ لائے جاتا رہا اور سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہ ہی ہوئیں۔ اُس وقت خدا تعالیٰ عرش

پر بیٹھا کہہ رہا تھا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اے محمد ﷺ! تجھے خدیجہ کے ساتھ پیار تھا اور محبت تھی اور تیرے دل میں یہ خیال تھا کہ کہیں خدیجہ تجھے چھوڑ نہ دے اور تُو اِس فکر میں تھا کہ خدیجہ مجھ پر ایمان لاتی ہے یا نہیں مگر کیا ہم نے تیری ضرورت کو پورا کیا یا نہ کیا؟

اس کے بعد جب آپ کے گھر میں خدا تعالیٰ کی وحی کے متعلق باتیں ہوئیں تو زید بن حارث غلام جو آپ کے گھر میں رہتا تھا آگے بڑھا اور اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ جن کی عمر اُس وقت گیارہ سال کی تھی اور وہ ابھی بالکل بچہ ہی تھے اور وہ دروازہ کے ساتھ کھڑے ہو کر اِس گفتگو کو سن رہے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کے درمیان ہو رہی تھی، جب انہوں نے یہ سنا کہ خدا کا پیغام آیا ہے تو وہ علیؓ جو ایک ہونہار اور ہوشیار بچہ تھا، وہ علیؓ جس کے اندر نیکی تھی، وہ علیؓ جس کے نیکی کے جذبات جوش مارتے رہتے تھے مگر نشو ونما نہ پا سکے تھے، وہ علیؓ جس کے احساسات بہت بلند تھے مگر ابھی تک سینے کے اندر دبے ہوئے تھے اور وہ علیؓ جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے قبولیت کا مادہ ودیعت کیا تھا مگر ابھی تک اسے کوئی موقع نہ مل سکا تھا اس نے جب دیکھا کہ اب میرے جذبات کے اُبھرنے کا وقت آ گیا ہے، اس نے جب دیکھا کہ اب میرے احساسات کے نشو ونما کا موقع آ گیا ہے، اس نے جب دیکھا کہ اب خدا مجھے اپنی طرف بُلا رہا ہے تو وہ بچہ سا علیؓ اپنے درد سے معمور سینے کے ساتھ لجاتا اور شرماتا ہوا آگے بڑھا اور اُس نے عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! جس بات پر میری چچی ایمان لائی ہے اور جس بات پر زید ایمان لایا ہے اُس پر میں بھی ایمان لاتا ہوں۔[۱۱]

اس کے آگے چل کر دوستوں کا مقام آتا ہے۔ آپ کے قریب ترین دوست حضرت ابوبکرؓ تھے آپ کے باقی دوست اگر اس موقع پر آپ کو چھوڑ کر جاتے تو آپ کو ذرا بھی قلق نہ ہو سکتا تھا لیکن اگر حضرت ابوبکرؓ آپ کو چھوڑ جاتے تو آپ کو انتہائی رنج اور دُکھ ہوتا کیونکہ ان کے اندر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیکی اور تقویٰ کی بُو آتی تھی اس لئے آپ کے دل میں بہت زیادہ احساس تھا کہ دیکھئے ابوبکرؓ اس موقع پر کیا قدم اُٹھاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اس زمانہ میں پھیری کر کے سامان بیچا کرتے تھے اور جس دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کا اعلان فرمایا

اُسی دن دوپہر کو حضرت ابوبکرؓ پھیری سے واپس آئے۔ ان کی واپسی تک یہ خبر سارے شہر میں سُرعت کے ساتھ پھیل چکی تھی دشمن تو ایسی باتوں کو آن کی آن میں اُڑا دیتے ہیں۔ سارے شہر میں اِس کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کوئی کہتا تھا محمد ﷺ پاگل ہو گیا ہے، کوئی کہتا تھا وہ اپنی عزت بڑھانا چاہتا ہے، اسی طرح جو کچھ کسی کے منہ میں آتا تھا کہہ دیتا تھا غرض یہ خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل چکی تھی۔ ایک نے دوسرے سے ذکر کیا اور دوسرے نے تیسرے سے کہا ہر گھر میں یہی باتیں ہو رہی تھیں حضرت ابوبکرؓ جب دوپہر کے وقت تجارت سے واپس آئے اور مکہ میں پہنچے تو چونکہ شدت کی گرمی تھی اس لئے شہر کے ایک کنارے پر اپنے ایک دوست کے گھر میں پہنچے تا کہ ذرا ستالیں۔ انہوں نے اپنی گٹھڑی اُتاری اور پانی وغیرہ پی کر چادر اُتار کر لیٹنے ہی لگے تھے کہ اُن کے دوست کی بیوی سے نہ رہا گیا اور اُس نے کہا ہائے ہائے! اس بے چارے کا دوست پاگل ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ لیٹتے لیٹتے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کس کا دوست؟ اُس عورت نے کہا تمہارا دوست محمد پاگل ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے؟ وہ عورت کہنے لگی وہ کہتا ہے خدا کے فرشتے مجھ پر نازل ہوتے ہیں اور خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ اُسی وقت وہاں سے چل پڑے اور سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچے اور دروازہ پر دستک دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سے پہچان لیا کہ ابوبکرؓ آئے ہیں۔ آپ نے خیال کیا کہ ایسا نہ ہو کہ میرے یکدم بتا دینے سے ابوبکرؓ کو ٹھوکر لگ جائے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ آپ کے نہایت قدیمی دوست تھے آپ نے جب دروازہ کھولا تو آپ کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے حضرت ابوبکرؓ نے جب آپ کی یہ حالت دیکھی تو پوچھا کیا یہ بات سچ ہے کہ آپ پر خدا کا فرشتہ نازل ہوا ہے اور خدا تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس خوف سے کہ ابوبکرؓ کو ٹھوکر نہ لگ جائے جلدی کوئی بات بتانے میں متأمل تھے اس لئے آپ نے فرمایا ابوبکرؓ! پہلے ذرا سن تو لو۔ بات یہ ہے کہ...... حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا میں اور کوئی بات سننا نہیں چاہتا میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ پر خدا کے فرشتے اُترے ہیں یا نہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا۔ ابوبکر! ذرا میری بات تو سُن لو۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں آپ کو

خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ کوئی بات نہ کریں بلکہ مجھے یہ بتائیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ خدا آپ کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور پھر کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! کیا آپ دلیلیں دے کر میرے ایمان کو کمزور کرنے لگے تھے۔[۱۲]

اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا تھا کہ میں ابوبکرؓ کو دلائل دے کر منواؤں گا مگر خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اے محمد! (ﷺ) ابوبکرؓ کو تیری دلیلوں کی ضرورت نہیں رہی ہم نے خود اس کو دلیلیں دے دی ہوئی ہیں اور وہ جس درجہ اور رُتبہ کا مستحق ہے ہم خود اُس کو کھینچ کر اس کی طرف لے آئیں گے۔ اب دیکھو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد کا یہ کیا شاندار نظارہ ہے۔ حضرت موسیٰ تو مانگ کر ایک مددگار لیتے ہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا تعالیٰ چند منٹوں کے اندر اندر چار وفادار دے دیتا ہے۔

آپ کی اور حضرت موسیٰ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہتے کہیں کوئی بادشاہ سیر کو جارہا تھا کہ اس نے رستہ میں دیکھا کہ ایک بڑھا جس کی عمر اسّی یا نوے سال کی ہے ایک درخت لگا رہا ہے اور وہ درخت کوئی اِس قسم کا تھا جو بہت لمبے عرصہ کے بعد پھل دیتا تھا بادشاہ نے سواری کو روک کر بڑھے کو بلایا اور کہا بوڑھے میاں! یہ درخت جو تم لگا رہے ہو یہ تو بہت لمبے عرصے کے بعد پھل دیتا ہے اِس سے تم کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہو؟ بڑھا کہنے لگا بادشاہ سلامت! بات یہ ہے کہ ہمارے باپ دادا نے درخت لگائے جن کے پھل ہم نے کھائے اب ہم درخت لگائیں گے جن سے آئندہ آنے والے پھل کھائیں گے اگر ہمارے باپ دادا بھی یہی خیال کرتے کہ ہم ان درختوں کا پھل نہیں کھا سکیں گے اور وہ درخت نہ لگاتے تو ہم پھل کیسے کھاتے اس لئے بادشاہ سلامت! یہ سلسلہ تو اسی طرح چلا آتا ہے کہ لگاتا کوئی ہے اور کھاتا کوئی ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر بڑھے کی عقل کی داد دیتے ہوئے کہا ''زِہ'' جس کا مطلب یہ تھا کہ کیا خوب بات کہی ہے اور بادشاہ نے اپنے خزانچی کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب میں کسی بات پر خوش ہو کر زِہ کہوں تو اُسے یکدم تین ہزار درہم کی تھیلی دے دیا کرو اس لئے جب بادشاہ نے کہا زِہ تو خزانچی نے بڑھے کو

ایک تھیلی تین ہزار درہم کی دے دی۔ بڑھے نے تھیلی ہاتھ میں لے کر کہا بادشاہ سلامت! آپ تو کہتے تھے کہ تو اِس درخت کا پھل نہیں کھا سکے گا مگر دیکھئے اَور لوگوں کے درخت تو دیر کے بعد پھل دیتے ہیں اور میرے درخت نے لگاتے لگاتے ہی پھل دے دیا۔ اِس پر بادشاہ نے پھر خوش ہو کر کہا زِہ اور خزانچی نے پھر تھیلی تین ہزار کی بڑھے کو دے دی۔ بڑھے نے دوسری تھیلی لے کر کہا بادشاہ سلامت! لوگوں کے درخت تو سال میں ایک بار پھل دیتے ہیں مگر میرے درخت نے لگاتے لگاتے دو دفعہ پھل دے دیا۔ بادشاہ نے پھر خوش ہو کر کہا زِہ اور تیسری تھیلی بھی بڑھے کو دے دی گئی۔ اس پر بادشاہ نے ہمراہیوں سے کہا چلو جلدی یہاں سے نکل چلو ورنہ یہ بڑھا تو ہمارا خزانہ خالی کر دے گا۔ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جو اس بڑھے کے ساتھ ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ کے دل میں تو وہ شبہ پیدا ہوا جو بادشاہ کے دل میں پیدا ہوا تھا کہ یہ درخت کب پھل دے گا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امید کی وہ حالت تھی جو اس بڑھے کی تھی کہ اِدھر آپ پر خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا ہے اُدھر آپ کو نقد بہ نقد چار پھل مل جاتے ہیں۔ ایک حضرت خدیجہؓ آپ کی بیوی ایک زیدؓ آپ کا غلام، ایک حضرت علیؓ آپ کے بھائی اور ایک حضرت ابوبکرؓ آپ کے وفادار دوست۔ گویا یکدم آپ کے چاروں کونے محفوظ ہو جاتے ہیں اور تھوڑی سی دیر میں آپ کے اردگرد جاں نثاروں، وفاداروں اور محبت کرنے والوں کی ایک چھوٹی سی جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب دیکھو حضرت خدیجہؓ کو کس نے تبلیغ کی تھی؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ابھی ڈر رہے تھے کہ کہیں میری بیوی میرے دعویٰ کا انکار نہ کر دے مگر خدیجہؓ کہتی ہیں میں آپ پر ایمان لاتی ہوں، زیدؓ کہتا ہے میں آپ پر ایمان لاتا ہوں، علیؓ کہتے ہیں میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکرؓ کہتے ہیں میں آپ پر ایمان لاتا ہوں یہ ایمان لانے والے کوئی معمولی آدمی نہ تھے بلکہ ان میں سے ہر شخص درخشندہ اور تابندہ ستارہ تھا۔ وہ زمین پر پیدا ہوئے تھے مگر خدا تعالیٰ نے اُن کے نام آسمان پر فرشتوں کی فہرست میں لکھے ہوئے تھے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت خدیجہؓ پڑھی ہوئی تھیں مگر حضرت خدیجہؓ نے جو قربانی اسلام کے لئے کی کیا کوئی جاہل عورت ایسا کر سکتی ہے؟ اسی طرح حضرت زیدؓ نے جو قربانیاں اسلام کے لئے کیں وہ بھی اَظْھَرُ مِنَ الشَّمْسِ ہیں۔ اس طرح حضرت علیؓ کو جو

مرتبہ حاصل ہوا اور خدا تعالیٰ نے ان کو جو علم اور فہم عطا کیا وہ اس قدر اعلیٰ تھا کہ آج تک یورپ کے مؤرخین اُن کی عقل، سمجھ، تقویٰ اور طہارت کی تعریف کرتے ہیں۔ ایمان لانے کے وقت بے شک وہ بچہ تھے مگر اُن کے اندر قابلیت کا مادہ اور جوہر موجود تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کو جو رُتبہ حاصل ہوا اور انہوں نے اسلام کے لئے جو قربانیاں کیں ان سے اہلِ اسلام تو ایک طرف، یورپین اور امریکی لوگ بھی واقف ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ عیسائی مستشرقین اور دوسرے متعصب مؤرخین اپنی کتابوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو کئی قسم کے حملے کر جاتے ہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر ایسا نہ تھا۔ گویا جو دشمن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے سے نہیں رُکتے وہ ابوبکرؓ کو نشانہ نہیں بناتے۔ پس حضرت ابوبکرؓ کوئی معمولی درجہ کے انسان نہ تھے ان کے تقویٰ اور اخلاص کا یہ عالم تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر کسی دلیل کے ایمان لے آئے تھے۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی زبانی صرف یہ معلوم ہونے پر کہ آپ پر خدا کے فرشتے اُترتے ہیں بغیر کسی حیل و حجت کے آپ کے دعویٰ کی تصدیق کی اور بغیر کسی وقفہ کے آپ پر ایمان لے آئے۔ وہ اپنے اندر ایسی قابلیت اور ایسے جوہر رکھتے تھے جن کی مثال دنیا کی تاریخ پیش ہی نہیں کر سکتی۔ پس یہ ثبوت ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کی سچائی کا۔

اب ایک اور مرحلہ شروع ہوتا ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام شروع کی تو کفارِ مکہ نے آپ کی سخت مخالفت کی اور انہوں نے سمجھا کہ محمد ﷺ کی باتیں صرف چند دن کی باتیں ہیں جب لوگ اِس کے پیچھے ہی نہ چلیں گے تو یہ خود بخود درست ہو جائے گا۔ کوئی کہتا تھا اِس کا دماغ خراب ہو گیا ہے کچھ دنوں کے بعد جب اس کا دماغ ٹھیک ہو جائے گا تو یہ خود ہی کہہ دے گا کہ میں غلطی کر رہا تھا مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے دوست اور ان کے رشتہ دار خود ایک ایک، دو دو کر کے ان کو چھوڑ کر محمد رسول اللہ پر ایمان لا رہے ہیں اور ان میں ایسے لوگ جنہیں مکہ کا کلیجہ کہنا بجا ہو گا اُن کو چھوڑ کر آپؐ کے ساتھ ہو رہے ہیں اور بڑے بڑے خاندانوں کے نوجوان جن پر ان لوگوں کو بہت بڑی امیدیں تھیں اور وہ کہتے تھے کہ یہ محمد ﷺ کا

مقابلہ کریں گے وہ اُن کو چھوڑتے جارہے ہیں تو اُن کو فکر پیدا ہوئی کہ یہ بات جسے ہم معمولی سمجھتے تھے دن بدن بڑھتی جارہی ہے آخر انہوں نے مشورہ کیا کہ اب ان مسلمانوں کو ڈنڈے کے ساتھ سیدھا کرنا چاہئے۔ جیسے ہمارے ہاں زمیندار پنجابی زبان میں کہتے ہیں کہ ''میں تینوں ڈنڈے نال سدھا کرانگا'' یعنی اب میں تمہیں ڈنڈے کے ساتھ سیدھا کر دوں گا اسی طرح مکہ والوں نے بھی کہا کہ اب ہم مسلمانوں کو ڈنڈے کے ساتھ ٹھیک کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں پر ظلم کرنے شروع کر دیئے۔ ظلم کے وقت کسی جماعت کے امام یا لیڈر کی جو حالت ہوتی ہے وہ نہایت عجیب ہوتی ہے۔ جب کوئی خطرہ اور سختی کا وقت آتا ہے تو امام کے دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں کہ کہیں میرے پیرو سختی کو برداشت نہ کرتے ہوئے کمزوری نہ دکھا جائیں۔ میں بھی ایک جماعت کا امام ہوں مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ امام کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کی جماعت عین موقع پر کمزوری نہ دکھا جائے جہاں تک خدا کے خانہ کا تعلق ہے وہ سمجھتا ہے کہ خدا ہماری مدد کرے گا لیکن جب وہ بندوں کے خانہ کے متعلق سوچتا ہے تو وہ ڈرتا ہے کہ کہیں یہ لوگ کسی قسم کی کمزوری نہ دکھا جائیں۔ پس سب سے بڑا خطرہ کسی جماعت کے امام کو نازک موقع پر اپنی جماعت یا پیروؤں کے کمزوری دکھا جانے کے متعلق ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے مالی لحاظ سے کمزور تھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ پر ایمان لانے والے نوجوانوں میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جو بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور بڑے بڑے رؤساء کے بیٹے تھے مگر چونکہ وہ خود جائدادوں کے مالک نہ تھے اِس لئے ان کو مالی لحاظ سے کمزور کہنا ہی درست ہوگا چنانچہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ باوجود رؤساء کے بیٹے ہونے کے ماریں کھاتے تھے۔ حضرت زبیرؓ کا ظالم چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر اُن کے ناک میں آگ کا دُھواں دیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ تم اسلام سے باز آ جاؤ مگر وہ جوانمرد بڑی خوشی کے ساتھ اس تکلیف کو برداشت کرتے اور کہتے کہ جب صداقت مجھ پر واضح ہو چکی ہے تو میں اس سے کس طرح انکار کر سکتا ہوں۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کو مُرَفَّہُ الحال آدمی تھے لیکن اُن کے چچا حکم بن ابی عاص نے ان کو رسیوں سے جکڑ کر پیٹا اور کہا تم محمد کے پاس نہ جایا کرو مگر انہوں نے کہا چچا! تم جتنا مرضی ہے مار لو میں صداقت کے اظہار سے

باز نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں بعض غلام بھی تھے اور غلاموں کے متعلق مکہ والوں کا قانون یہ تھا کہ مالک کو اپنے غلام پر پورا حق حاصل ہے وہ چاہے اسے مارے یا پیٹے یا قتل کر دے یا بھوکا رکھے یا پیاسا رکھے مالک کو حق حاصل تھا کہ وہ اپنے غلام کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے اور جس طرح ایک مالک کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنے بیل کو جوتے وہ شام کو جوت لے یا صبح کو، دوپہر کو جوت لے یا آدھی رات کے وقت یا وہ اپنے اونٹ سے جس طرح چاہے کام لے اور اپنے گھوڑے پر جس وقت اور جس طرح چاہے سواری کرے اسی طرح غلاموں کے متعلق مکہ والوں کا قانون تھا کہ جب اور جس طرح مالک چاہیں اپنے غلاموں کے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جو غلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اُن کے مالکوں نے اُنہیں طرح طرح کی سزائیں دیں، قسم قسم کی اذیتیں دیں اور انواع واقسام کے دُکھ دیئے۔ آپ جب اِن مظالم کو دیکھتے تو آپ کے دل میں درد پیدا ہوتا تھا مگر مکہ کے قانون کے مطابق آپ اُن کی کوئی مدد نہ کر سکتے تھے۔ آپ پر ان مظالم کو دیکھ کر بڑا اثر ہوتا تھا اور ہونا چاہئے تھا کہ ان مظالم کی وجہ سے اور مصائب اور شدائد کی وجہ سے وہ لوگ کسی قسم کی کمزوری نہ دکھا جائیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ ایمان پر قائم رہ کر خدا تعالیٰ کے انعامات کے وارث ہوں اور خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے مورد ہوں اُس کے غضب کے مورد نہ بن جائیں۔ ان غلاموں میں سے ایک حضرت بلالؓ بھی تھے ان کی زبان صاف نہ تھی اس لئے جب وہ اذان دیتے تھے تو بجائے اَشْھَدُ کے اَسْھَدُ کہتے تھے جب وہ نئے نئے مدینہ میں گئے اور انہوں نے اذان کہی اور اَشْھَدُ کی بجائے اَسْھَدُ کہا تو مدینہ کے لوگ جن کو اُن کی قربانیوں کا علم نہ تھا ہنس پڑے اُن کے نزدیک بلالؓ تو صرف ایک حبشی غلام تھا مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ بلالؓ عرش پر کن انعامات کا مستحق قرار پا چکا ہے۔

ایک دن مدینہ کے لوگ بیٹھے آپس میں بلالؓ کے اَسْھَدُ کہنے کے متعلق باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ بلالؓ کے اَسْھَدُ کہنے پر ہنستے ہو مگر خدا تعالیٰ عرش پر بلالؓ کے اَسْھَدُ کو پیار کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ غرض جب مکہ کے کفار نے مسلمانوں پر اور بالخصوص غلاموں پر مظالم ڈھانے شروع کئے تو حضرت بلالؓ کا مالک عین دوپہر

کے وقت جبکہ آسمان سے آگ برس رہی ہوتی تھی، جب کہ مکہ کا پتھریلہ میدان دہکتے ہوئے انگاروں سے بھی زیادہ گرم ہوتا تھا، جب کہ جھلس دینے والی گرمی پڑ رہی ہوتی تھی، جب تمازتِ آفتاب اپنے پورے شباب پر ہوتی تھی اور جب کہ زمین و آسمان کی حدّت مل جل کر زمین کے ذرّے ذرّے کو آگ سے بھی زیادہ گرم کر رہی ہوتی تھی اُس وقت میں ان کے کپڑے اُتار کر ننگے بدن کے ساتھ زمین پر لٹا دیتا تھا اور بڑے بڑے بھاری پتھر جن میں سے شدتِ گرمی کی وجہ سے غبار سے اُٹھ رہے ہوتے تھے ان کے سینے پر رکھ دیتا تھا اور کہتا تھا اے بلالؓ! تُو محمد (ﷺ) کو چھوڑ دے اور لات اور عزیٰ کی پرستش کر ورنہ اسی طرح عذاب دے دے کر ماروں گا۔ اُس وقت وہ بلالؓ جس کے ہونٹوں پر پپڑی سی جمی ہوتی تھی، جس کی زبان پیاس کی وجہ سے تالو کے ساتھ لگ رہی ہوتی تھی، جس کی ننگی پیٹھ کا چمڑا جھلس رہا ہوتا تھا، جس کا سینہ گرم اور بھاری پتھروں کے بوجھ تلے جلا اور دبا جا رہا ہوتا تھا اور جس کا سر بھوک اور پیاس اور گرمی کی شدت سے چکرا رہا ہوتا تھا اُس کے اِنہی پپڑی جمے ہوئے ہونٹوں اور اسی تالو سے لگی ہوئی خشک زبان میں سے ایک آواز نکلتی تھی، ہاں اُس قریب المرگ اور موت کے بوجھ کے نیچے دے ہوئے انسان کے منہ سے ایک باریک سی آواز نکلتی تھی وہ آواز کیا ہوتی تھی وہ آواز ہوتی تھی اَحَدٌ اَحَدٌ [۱۳] اُس وقت اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا کہتا ہوگا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اے محمد! ﷺ تُو اِس پر ظلم ہوتے دیکھتا ہے اور تو چاہتا ہے کہ اِس کو چھڑا لے مگر تُو اُس کو چھڑا نہیں سکتا، اے محمد! تُو چاہتا ہے کہ اس کو تسلی دے مگر تو اس کو تسلی بھی نہیں دے سکتا مگر اے محمد! کیا میں موجود نہیں ہوں کہ اس کو تسلی دوں اور اس کی توحید کی تڑپ کو مضبوط کر دوں اور اس کے ایمان میں زیادتی کر دوں؟

اس کے بعد قریش مکہ کے مظالم بڑھنے شروع ہوئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کو خیال آیا کہ یہاں سے کسی اور جگہ چلے جانا چاہئے جہاں امن اور چین کی زندگی بسر کی جاسکے اور جہاں آزادی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کی جاسکے اور جہاں آزادی کے ساتھ خدائے واحد کی پرستش کی جاسکے۔ حضرت ابوبکرؓ کے اس ارادہ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہی ہوئی آپ کے لئے اتنے دیرینہ اور وفادار اور غمگسار دوست کی جدائی سخت تکلیف دہ تھی مگر آپ

مجبور تھے ورا ان کی کوئی مدد بھی نہ کر سکتے تھے مگر خدا تعالیٰ بھی اِس بات کو برداشت نہ کرسکتا تھا کہ آپ کا ایک وفادار اور گہرا دوست آپ سے جدا ہو جائے اور آپ کے دل کو رنج پہنچے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ جب تیاری کر کے کہیں جانے لگے تو مکہ کے ایک رئیس نے اُن کو دیکھا اور کہا ابوبکر! کہیں سفر کی تیاریاں معلوم ہوتی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا مکہ کے لوگوں نے ہم پر اتنا ظلم شروع کر دیا ہے کہ باوجود یکہ ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑتے صرف اِس قصور پر کہ ہم خدائے واحد کی پرستش کرتے ہیں ہمیں خدا کا نام لینے سے روکا جاتا ہے۔ وہ رئیس جو حضرت ابوبکرؓ سے بات چیت کر رہا تھا وہ اسلام کا ایک شدید ترین دشمن تھا مگر خدائے تعالیٰ نے اس کو اپنا آلہ کار بنایا اور اس کے دل میں نرمی پیدا کر دی چنانچہ اس رئیس نے حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ابوبکر! تمہارے جیسا انسان جس شہر سے نکل جائے وہ شہر کبھی بچ نہیں سکتا وہ ضرور اُجڑ جائے گا تم کہیں جانے کا ارادہ ترک کر دو آ ؤ اور میرے ساتھ چلو تمہیں دکھ دینے والے پہلے مجھ سے نپٹیں گے پھر تمہارے پاس پہنچیں گے۔ چنانچہ اس رئیس نے اُسی وقت سارے شہر میں اعلان کرایا کہ اے لوگو! سن لو جس کسی نے ابوبکر کی طرف انگلی بھی اُٹھائی تو اُس کے لئے اچھا نہ ہوگا کیونکہ ابوبکر آج سے میری امان میں ہے[۱۴] اُس وقت جب کہ حضرت ابوبکرؓ تیاری کر کے شہر سے نکلے بھی اور واپس بھی آ گئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ سمجھ رہے ہوں گے اور افسوس کر رہے ہوں گے کہ میرا ایک دیرینہ دوست مجھ سے جدا ہو گیا ہے مگر خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھا کہہ رہا تھا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔

مکہ والوں کے مظالم دن بدن بڑھتے گئے اور انہوں نے طرح طرح کے دکھ مسلمانوں کو دینے شروع کئے۔ غلاموں کو ان کے مالک سخت سے سخت سزائیں دیتے تھے اور دوسرے لوگوں کو ان کے رشتہ دار طرح طرح کے دکھ دیتے تھے۔ کسی کو اتنا مارا گیا کہ اسے ہلکان ہی کر دیا گیا، کسی کی آنکھیں نکال دی گئیں، کسی کو اتنا مارا جاتا کہ اس کے حواس مختل ہو جاتے، کسی کو گرم ریت پر لٹایا جاتا، کسی کو رسیوں سے جکڑ کر مارا جاتا اور کسی کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا جاتا غرض مسلمانوں کو ایسے ایسے دکھ دیئے جاتے جن کا تصور کر کے بھی انسان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ غرض قریش مکہ کی عداوت بڑھی اور انہوں نے دکھ دینے کی نئی نئی

ترکیبیں نکالیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گو غریب تھے مگر آپ کا خاندان مکہ کے اعلیٰ خاندانوں میں شمار ہوتا تھا اور آپ کا تعلق ایسے خاندان سے تھا جو خانہ کعبہ کے متولی تھے مگر لوگوں نے آپ پر بھی سختی کرنی شروع کر دی۔ ایک دن آپ صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان ایک پتھر پر بیٹھے سوچ رہے تھے کہ کس طرح خدا تعالیٰ کی توحید کو قائم کیا جائے کہ اتنے میں ابوجہل آ گیا اور اس نے آتے ہی کہا محمدؐ! تم اپنی باتوں سے باز نہیں آتے یہ کہہ کر اس نے آپ کو سخت غلیظ گالیاں دینی شروع کیں۔ آپ خاموشی کے ساتھ اس کی گالیوں کو سنتے رہے اور برداشت کیا اور ایک لفظ تک منہ سے نہ نکالا۔ ابوجہل جب جی بھر کر گالیاں دے چکا تو اس کے بعد وہ بدبخت آگے بڑھا اور اس نے آپ کے منہ پر تھپڑ مار دیا مگر آپ نے پھر بھی اسے کچھ نہیں کہا آپ جس جگہ بیٹھے تھے اور جہاں ابوجہل نے آپ کو گالیاں دی تھیں وہاں سامنے ہی حضرت حمزہؓ کا گھر تھا۔ حمزہؓ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے ان کا معمول تھا کہ ہر روز صبح سویرے تیر کمان لے کر شکار کے لئے نکل جاتے تھے اور سارا دن شکار کھیلتے رہنے کے بعد شام کو واپس آ جایا کرتے تھے اور شام کو قریش کی مجالس کا دورہ کیا کرتے تھے۔ اُس دن بھی جس دن کہ ابوجہل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور تھپڑ مارا حمزہ باہر شکار کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس وقت ابوجہل آپ پر بار بار حملہ کر رہا تھا تو حضرت حمزہؓ کی ایک لونڈی نے دروازہ میں کھڑے ہو کر یہ نظارہ دیکھا کہ ابوجہل بار بار آپ پر حملہ کر رہا ہے اور بے تحاشا گالیاں آپ کو دے رہا ہے اور آپ خاموشی اور سکون کے ساتھ اس کی گالیوں کو برداشت کر رہے ہیں۔ وہ لونڈی دروازے میں کھڑے ہو کر یہ سارا نظارہ دیکھتی رہی وہ بے شک ایک عورت تھی اور کافرہ تھی لیکن پرانے زمانہ میں جہاں مکہ کے لوگ اپنے غلاموں پر ظلم کرتے تھے وہاں یہ بھی ہوتا تھا کہ بعض شرفاء اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتے تھے اور آخر کافی عرصہ گزرنے کے بعد وہ غلام اسی خاندان کا ایک حصہ سمجھے جاتے تھے اسی طرح حضرت حمزہؓ کی وہ لونڈی بھی تھی اُس نے جب یہ سارا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا تو اُس پر اِس کا بہت زیادہ اثر ہوا مگر وہ کر کچھ نہ سکتی تھی وہ دیکھتی اور سنتی رہی اور اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی رہی اور جلتی رہی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر تشریف

لے گئے تو وہ بھی اپنے کام کاج میں لگ گئی۔ شام کے وقت حمزہؓ اپنی سواری کو دوڑاتے ہوئے آئے اور روپچی بنے ہوئے تیر کمان کو ایک عجیب انداز سے پکڑے ہوئے دروازہ سے اندر آئے۔ اُس وقت ان کی چال ڈھال اس قسم کی تھی جیسے عام طور پر بڑے زمینداروں کے لڑکے کرتے ہیں۔ غرض وہ ایک عجیب تمکنت کے ساتھ سر کو اٹھائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ اُس وقت ان کی اُٹھی ہوئی گردن ان کے خیالات کی ترجمانی کر رہی تھی کہ دیکھو میں کتنا بہادر اور دلیر ہوں اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی گردن ہر سامنے آنے والے کو دعوت دے رہی ہے کہ ہے کوئی بہادر جو میرے مقابلہ کی تاب لا سکے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو ان کی وہ لونڈی جو بڑی دیر سے اپنے غصہ اور غم کے جذبات کو بمشکل دبائے بیٹھی تھی اس نے گرج کر کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ بڑے بہادر بنے پھرتے ہو۔ حمزہؓ یہ سن کر حیران رہ گئے اور تعجب سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ لونڈی نے کہا معاملہ کیا ہے تمہارا بھتیجا محمد (ﷺ) یہاں بیٹھا تھا کہ ابوجہل آیا اور اُس نے محمد پر حملہ کر دیا اور بے تحاشہ گالیاں دینی شروع کر دیں اور پھر اُس کے منہ پر تھپڑ مارا مگر محمد نے آگے سے اُف تک نہ کی اور خاموشی کے ساتھ سنتا رہا۔ ابوجہل گالیاں دیتا گیا اور دیتا گیا اور جب تھک گیا تو چلا گیا مگر میں نے دیکھا کہ محمد نے اس کی کسی بات کا جواب نہ دیا۔ تم بڑے بہادر بنے پھرتے ہو اور شکار کھیلتے پھرتے ہو تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہاری موجودگی میں تمہارے بھتیجے کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔ حمزہؓ اُس وقت مسلمان نہ تھے اور ریاست کی وجہ سے ان کا دل اسلام کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ وہ یہ تو سمجھتے تھے کہ محمد (ﷺ) کی باتیں سچی ہیں مگر وہ اپنے جاہ وجلال اور شان وشوکت کو ایمان پر قربان کرنے کے لئے تیار نہ تھے مگر جب انہوں نے اپنی لونڈی کی زبانی یہ واقعہ سنا تو اُن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور ان کی خاندانی غیرت جوش میں آئی چنانچہ وہ اسی طرح بغیر آرام کئے غصہ سے کانپتے ہوئے کعبہ کی طرف روانہ ہو گئے اور کعبہ کا طواف کرنے کے بعد اُس مجلس کی طرف بڑھے جس میں ابوجہل بیٹھا ہوا لاف زنی کر رہا تھا اور اُسی صبح والے واقعہ کو مزے لے کر بڑے تکبر کے ساتھ لوگوں کے سامنے بیان کر رہا تھا کہ آج میں نے محمد (ﷺ) کو یوں گالیاں دیں اور آج میں نے محمد کے ساتھ یوں کیا۔ حمزہؓ جب اس مجلس میں پہنچے تو انہوں نے جاتے ہی کمان بڑے

زور کے ساتھ ابوجہل کے سر پر ماری اور کہا تم اپنے بہادری کے دعوے کر رہے ہو اور لوگوں کو سنا رہے ہو کہ میں نے محمد کو اس طرح ذلیل کیا ہے اور محمد نے اُف تک نہیں کی لے اب میں تجھے ذلیل کرتا ہوں اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو میرے سامنے بول۔ ابوجہل اُس وقت مکہ کے اندر ایک بادشاہ کی سی حیثیت رکھتا تھا اس لئے جب اس کے ساتھیوں نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ جوش کے ساتھ اُٹھے اور انہوں نے حمزہؓ پر حملہ کرنا چاہا مگر ابوجہل جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموشی کے ساتھ گالیاں برداشت کرنے کی وجہ سے اور حمزہؓ کی دلیری اور جرأت کی وجہ سے مرعوب ہو گیا تھا بیچ میں آ گیا اور ان کو حملہ کرنے سے روک دیا اور کہا تم لوگ جانے دو دراصل بات یہ ہے کہ مجھ سے ہی زیادتی ہوئی تھی اور حمزہؓ حق بجانب ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو جس وقت صفا اور مروہ کی پہاڑیوں سے واپس گھر آئے تھے اپنے دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ میرا کام لڑنا نہیں ہے بلکہ صبر کے ساتھ گالیاں برداشت کرنا ہے مگر خدا تعالیٰ عرش پر کہہ رہا تھا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اے محمد! ﷺ تو لڑنے کے لئے تیار نہیں مگر کیا ہم موجود نہیں ہیں جو تیری جگہ تیرے دشمنوں کا مقابلہ کریں؟ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اُسی دن ابوجہل کا مقابلہ کرنے والا ایک جاں نثار آپ کو دے دیا اور حضرت حمزہؓ نے اسی مجلس میں جس میں کہ انہوں نے ابوجہل کے سر پر کمان ماری تھی اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور ابوجہل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو نے محمد ﷺ کو گالیاں دی ہیں صرف اس لئے کہ وہ کہتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اور فرشتے مجھ پر اُترتے ہیں، ذرا کان کھول کر سن لو میں بھی آج سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں اور مَیں بھی وہی کچھ کہتا ہوں جو محمد کہتا ہے اگر تجھ میں ہمت ہے تو آ میرے مقابلہ پر۔ یہ کہہ کر حمزہؓ مسلمان ہو گئے۔[۱۵]

اس کے بعد جب قریش مکہ نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور یہ بات ان کے قابو سے باہر ہو رہی ہے تو انہیں نے مسلمانوں کو انتہا درجہ کی تکلیفیں دینی شروع کیں اور اپنی ایذا رسانی کو کمال تک پہنچا دیا یہاں تک کہ مکہ کے اندر مسلمانوں کے لئے امن بالکل مٹ گیا۔ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا اب دشمنوں کی طرف سے ہم پر اتنے ستم ڈھائے جا رہے ہیں جو ہماری حدِ برداشت سے باہر ہیں اس لئے

تم میں سے جن جن کے لئے ممکن ہو انہیں چاہئے کہ وہ حبشہ کی طرح ہجرت کر کے چلے جائیں میں نے سنا ہے وہاں کا بادشاہ عادل اور انصاف پسند ہے اور اس کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اور آپ؟ آپ نے فرمایا مجھے ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت نہیں ملی۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے ماتحت بہت سے صحابہؓ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے گئے۔ اِس پر قریش مکہ کے دلوں میں پھر جوش پیدا ہوا اور انہوں نے کہا مسلمان تو بچ کر یہاں سے نکل گئے اور ہمارے پنجہ سے بچ گئے چنانچہ رؤسائے مکہ نے باہم مشورہ کر کے اپنے دو ممتاز رئیسوں یعنی عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو حبشہ کی طرف روانہ کیا اور ان کے ساتھ بادشاہِ حبشہ اور اس کے وزراء اور درباریوں کے لئے تحفے تحائف روانہ کئے۔ یہ وفد نجاشی کے دربار میں پہنچا اور تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد کہا اے بادشاہ! آپ ہمارے بھائی ہیں ہمارے ملزم بھاگ کر آپ کی حکومت میں پہنچ چکے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو واپس کر دیں تا کہ ہم ان کو ساتھ لے جائیں یہ لوگ جو بھاگ کر آئے ہیں انہوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے اور یہ سخت فسادی لوگ ہیں اس لئے ہم آپ سے یہ امید کرتے ہیں کہ آپ ہمارے مجرموں کو اپنی پناہ میں نہیں رکھیں گے۔ درباریوں نے بھی اس وفد کی پُر زور تائید کی لیکن نجاشی جو عادل اور رحم دل اور بیدار مغز حکمران تھا اُس نے کہا مجھے پہلے تحقیقات کر لینے دو وہ لوگ میری پناہ میں آئے ہیں جب تک میں ان کے بیانات نہ سُن لوں آپ کے حق میں یکطرفہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ بادشاہ نے مسلمان مہاجرین کو دربار میں طلب کیا اور اُن سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے مسلمانوں کی طرف سے جواب دیا۔ اے بادشاہ! ہم پہلے جاہل تھے اور بت پرستی کرتے تھے ہم ہر قسم کی بدیوں اور بدکاریوں میں مبتلا تھے خدا تعالیٰ نے اپنا رسول ہم میں بھیجا جس نے ہمیں توحید سکھلائی اور بت پرستی سے روکا ہم اُس پر ایمان لائے اور اُس کی اتباع کر کے خدائے واحد کی پرستش کرنے لگے، اس پر ہماری قوم ناراض ہوگئی ہمیں انواع واقسام کی تکلیفوں اور دکھوں میں مبتلا کر دیا اور ہمیں خدا کی عبادت سے روکنا چاہا اور جب یہ ظلم حدِ برداشت سے بڑھ گئے تو ہمارے آقا نے ہمیں حکم دیا کہ تم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ کیونکہ حبشہ کا بادشاہ عادل ہے

اور اس کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا چنانچہ ہم یہاں آ گئے اس لئے اے بادشاہ! ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کے ماتحت ہم پر ظلم نہ ہوگا۔ بادشاہ حضرت جعفرؓ کی اس تقریر سے بہت متأثر ہوا اور کہنے لگا اچھا وہ کلام جو تمہارے رسول پر اُترا ہے مجھے بھی سناؤ۔ اِس پر حضرت جعفرؓ نے نہایت خوش الحانی اور رقت کے ساتھ سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں جن کو سُن کر نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اُس نے کہا خدا کی قسم! یہ کلام اور ہمارے مسیح کا کلام ایک ہی طرح کا ہے۔ اس کے بعد وہ قریش مکہ کے وفد سے کہنے لگا جاؤ میں تمہارے ساتھ ان لوگوں کو کبھی نہ بھیجوں گا یہ کہہ کر نجاشی نے ان کے تحفے بھی واپس کر دیئے۔ قریش کا وفد یہ دیکھ کر کہ ہمیں ناکامی اور نامرادی کا سامنا ہوا ہے سخت نادم ہوا مگر انہوں نے ایک چال چلی کہ وہ دوسرے دن پھر دربار میں حاضر ہوئے اور کچھ عیسائی پادریوں کو بھی تحفے وغیرہ دے کر ساتھ لے گئے اور بادشاہ سے کہا اے بادشاہ! کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ پناہ گزیں آپ کے نبی حضرت مسیح کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بُلوایا اور پوچھا تم لوگ مسیحؑ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے عرض کیا اے بادشاہ! ہمارے اعتقاد کی رو سے حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کا ایک مقرب بندہ اور سچا رسول تھا مگر خدا نہ تھا اسی طرح حضرت مسیحؑ کی والدہ نیک اور پارسا عورت تھیں مگر خدا نہ تھیں۔ یہ سن کر نجاشی کہنے لگا یہ لوگ بالکل ٹھیک کہتے ہیں میں بھی مسیحؑ کو خدا نہیں مانتا۔ اُس وقت پادری جوش میں آ گئے اور کہا آپ نے عیسائیت کی ہتک کی ہے ہم عوام کو آپ کے خلاف اُکسائیں گے اور آپ کی بادشاہت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ بادشاہ نے کہا جب میں بچہ تھا اور دوستوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا تو اُس وقت بھی خدا تعالیٰ نے میری مدد کی تھی اور اب بھی میں اُسی پر امید رکھتا ہوں تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو بے شک کرو۔[۱۶] یہ اشارہ نجاشی نے ایک پُرانے واقعہ کی طرف کیا تھا اور وہ یہ کہ نجاشی ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کا والد فوت ہو گیا اس لئے اس کے چچا کو عارضی طور پر بادشاہ بنایا گیا تا کہ نجاشی کی بلوغت تک وہ بادشاہت کے کام کو سرانجام دے مگر جب نجاشی جوان ہوا تو چچا نے خیال کیا کہ میں اتنے عرصہ سے بادشاہت کر رہا ہوں اب اس کو کیوں دے دوں۔ چنانچہ اُس کے اور اُس کے چچا کے درمیان تنازعہ ہوا نوجوانوں نے نجاشی کا ساتھ دیا اور اُس کا چچا حکومت سے

دستبردار ہو گیا۔ نجاشی نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ خدا جس نے اُس وقت میری مدد کی تھی اب بھی میری مدد کرے گا تم جاؤ اور زور لگا لو۔ غرض نجاشی نے اس وفد کو ناکام و نامراد واپس کر دیا۔ اُس وقت جب کہ قریش مکہ کا وفد مسلمان مہاجرین کی واپسی کے لئے مطالبہ کرنے کے لئے حبشہ گیا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دھڑک رہا ہوگا کہ خدا جانے ان بیچارے وطن سے دُور اُفتادگان کے ساتھ نجاشی کیا سلوک کرتا ہے مگر اُس وقت اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اے محمد! ﷺ کیا میں اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہوں؟

(فرمودہ ۲۹ ؍جون ۱۹۴۷ء)

میں اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی تفسیر بیان کر رہا تھا جس میں میں نے ہجرتِ حبشہ تک کے واقعات بیان کئے تھے۔ ہجرتِ حبشہ کے بعد کفار مکہ کی طبائع میں بہت زیادہ مخالفت کا جوش پیدا ہو گیا کیونکہ وہ حبشہ سے ناکام و نامراد واپس لَوٹ آئے تھے اور نجاشی نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا دراصل حبشہ سے ناکام واپسی نے ان کو ایک نہیں بلکہ دو وجوہات کی بناء پر مسلمانوں کی اور بھی زیادہ مخالفت کرنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ ایک وجہ تو اس کی یہ تھی کہ مسلمانوں کا ایک حصہ بالکل بچ کر ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک غیر ملک میں جا کر انہی مسلمانوں کے سامنے جن کو وہ لوگ ملک میں طرح طرح کی تکلیفیں دیا کرتے تھے انہیں خود ذلیل ہونا پڑا یہ ذلت کفارِ مکہ کے لئے کوئی معمولی بات نہ تھی اور اس کا برداشت کر لینا ان کے لئے آسان نہ تھا اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب مکہ کے مسلمانوں کو ہر ممکن طریق سے دکھ دیئے جائیں اور کوئی ظلم اب نہ رہ جائے جس سے ان کو دوچار نہ ہونا پڑے۔ اس ضمن میں وہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے بھی منصوبے سوچنے لگے اور آپ کے قاتل کے لئے انعامات مقرر کئے جانے لگے۔ ان انعامات مقرر کرنے والوں میں حضرت عمرؓ بھی تھے جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔ ایک دن کسی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم دوسروں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے انعامات دیتے پھرتے ہو خود یہ کام کیوں نہیں کرتے جبکہ تم اتنے بہادر اور دلیر ہو۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کی رگِ حمیت پھڑک اُٹھی اور وہ تلوار

ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور اُسی وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے چل پڑے۔ راستہ میں انہیں کوئی دوست مل گیا اُس نے جو انہیں غیظ و غضب کے عالَم میں ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں لئے جاتے دیکھا تو وہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا عمرؓ! آج کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا محمد (ﷺ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں اس نے بڑا فتنہ برپا کر رکھا ہے۔ وہ ہنس کر کہنے لگا تم محمد کو تو قتل کرنے جا رہے ہو مگر تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تمہارے اپنے گھر میں کیا ہو گیا ہے۔ کہنے لگے کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا تمہاری تو اپنی بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ وہ یہ سن کر اور زیادہ برافروختہ ہوئے اور کہنے لگے اچھا پہلے انہی کو ٹھکانے لگا آتا ہوں۔ چنانچہ وہ جلدی جلدی قدم اُٹھاتے اپنی بہن کے گھر پہنچے اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کو زنجیر لگی ہوئی تھی اور اندر ایک صحابی انہیں قرآن کریم پڑھا رہے تھے۔ اُنہوں نے عمر کی آواز سُنی تو اس صحابی کو کہیں چھپا دیا، قرآن کریم کے اوراق بھی اندر رکھ دیئے اور خود دروازہ کھول دیا۔ حضرت عمرؓ جو قرآن کریم کی تلاوت کی آواز سن چکے تھے انہوں نے آتے ہی بڑے جوش سے کہا کہ میں نے سنا ہے تم دونوں صابی ہو گئے ہو اور تم نے محمد کی پیروی اختیار کر لی ہے؟ اور یہ کہتے ہی وہ اپنے بہنوئی پر جھپٹ پڑے اور انہیں مارنے لگ گئے۔ بہن اسے برداشت نہ کر سکی اور وہ اپنے خاوند کو بچانے کے لئے آگے بڑھی۔ حضرت عمرؓ کا ارادہ اپنی بہن پر حملہ کرنے کا نہیں تھا مگر چونکہ وہ درمیان میں آ گئیں اور وہ اُس وقت جوش کی حالت میں تھے اس لئے ایک مُکّا ان کی بہن کو بھی جا لگا اور ان کی ناک سے خون بہنے لگا۔ بہن کو زخمی دیکھ کر ان کے دل میں ندامت پیدا ہوئی کیونکہ عورت پر ہاتھ اُٹھانا اہلِ عرب کے نزدیک ایک سخت معیوب فعل تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی خفت دور کرنے کے لئے کہا اچھا ان باتوں کو جانے دو اور مجھے بتاؤ کہ تم کیا پڑھ رہے تھے۔ اُن کی بہن بھی اُس وقت جوش کی حالت میں تھیں اور پھر وہ بہن بھی عمرؓ کی ہی تھیں کہنے لگیں تم ناپاک ہو جب تک تم غسل نہ کر لو میں تمہیں ان مقدس اَوراق کو ہاتھ تک نہیں لگانے دوں گی۔ چونکہ حضرت عمر اپنی بہن کی دل جوئی کرنا چاہتے تھے انہوں نے غسل کیا اور پھر کہا اب تو مجھے وہ اَوراق دکھا دو۔ اُن کی بہن نے وہ اوراق ان کے سامنے رکھ دیئے اور انہوں نے اُن کو پڑھنا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے دل کے

پردے دُور ہونے شروع ہوگئے۔ جب وہ اِس آیت پر پہنچے کہ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ [۱۷] کہ ان کا سینہ کھل گیا اور انہوں نے کہا یہ تو عجیب کلام ہے مجھے جلدی بتاؤ کہ محمد رسول اللہ کہاں ہیں مَیں ان پر ایمان لانا چاہتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن دنوں دارِارقم میں تشریف رکھتے تھے آپ کو پتہ بتایا گیا اور وہ سیدھے اس مکان کی طرف چل پڑے مگر حالت یہ تھی کہ ابھی ننگی تلوار اُن کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت عمرؓ نے دروازہ پر دستک دی تو صحابہؓ نے جھانک کر دیکھا کہ باہر کون ہے۔ انہیں جب عمرؓ کی شکل نظر آئی اور یہ بھی دیکھا کہ انہوں نے تلوار سونتی ہوئی ہے تو وہ گھبرائے کہ کہیں کوئی فساد پیدا نہ ہو جائے مگر حضرت حمزہؓ جو اُس وقت تک اسلام لا چکے تھے انہوں نے کہا ڈرتے کیوں ہو دروازہ کھولو اگر عمرؓ اچھی نیت سے آیا ہے تو خیر ورنہ اسی تلوار سے ہم اس کی گردن اُڑا دیں گے۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور عمرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا عمر! کس نیت سے آئے ہو؟ اُنہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ایمان لانے کے لئے۔ یہ سن کر آپ نے خوشی سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور ساتھ ہی صحابہؓ نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ دور دور تک مکہ میں اس کی آواز گونج اُٹھی۔ [۱۸]

اب دیکھو عمرؓ تو اس ارادہ اور نیت کے ساتھ اپنے گھر سے نکلے تھے کہ میں آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے دم لوں گا مگر اُس وقت خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا کہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کیا خدا اپنے بندے کی حفاظت کے لئے کافی نہیں؟ چنانچہ وہی عمر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کے لئے اپنے گھر سے نکلا تھا اسلام کی تلوار سے خود گھائل ہوگیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوگیا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد وہ عبادتیں جو پہلے چھپ کر ہوا کرتی تھیں سرِ عام ہونے لگیں۔ خود حضرت عمرؓ دلیری کے ساتھ کفار میں پھرتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ اگر تم میں سے کسی کے اندر طاقت ہے تو میرے سامنے آئے مگر کسی شخص کو اُن کے سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی لیکن حضرت عمرؓ کا یہ رُعب صرف چند دن ہی رہا بعد میں حضرت عمرؓ

کی بھی وہی حالت ہوگئی جو دوسرے مسلمانوں کی تھی۔ چنانچہ ایک موقع پر جب ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ کو اسلام لانے پر دشمنوں کی طرف سے تکلیفیں نہ دی جاتی تھیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے بھی کئی دفعہ دشمنوں نے مارا تھا مگر باقی مسلمان تو خاموشی کے ساتھ مار کھا لیتے تھے اور میں اُن کا مقابلہ کرتا تھا اور کبھی مار کھا لیتا تھا اور کبھی مار بھی لیتا تھا۔

پھر کفارِ مکہ کی مخالفت اور تیز ہوئی اور انہوں نے ایک میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے محمد (ﷺ) کو ابو طالب کی حفاظت اور ہمدردی سے محروم کر دیا جائے کیونکہ ہم ابو طالب کی وجہ سے محمد (ﷺ) کو کچھ کہہ نہیں سکتے اور ابو طالب کے لحاظ کی وجہ سے ہمیں محمد کا بھی لحاظ کرنا پڑتا ہے اس لئے اس معاملہ کو ابو طالب کے سامنے پیش کیا جائے اور کہا جائے کہ یا تو تم اپنے بھتیجے کو سمجھاؤ ورنہ اُس کی حفاظت اور ہمدردی سے دست بردار ہو جاؤ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ساری قوم تمہاری مخالف ہو جائے گی اور تمہیں اپنا سردار تسلیم کرنے سے انکار کر دے گی۔ یہ پہلا نوٹس تھا جو ابو طالب کو دیا جانے والا تھا اس سے پہلے انہیں سردارانِ قریش کی طرف سے اِس قسم کا کوئی نوٹس نہ دیا گیا تھا۔ غرض قریش نے اپنے بڑے بڑے سرداروں کا ایک وفد ابو طالب کے پاس بھیجا اور کہا کہ آپ ہماری قوم میں معزز ہیں اس لئے ہم آپ سے یہ درخواست کرنے آئے ہیں کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا نہ کہا کرے ہم نے آج تک بہت صبر کیا ہے مگر اب ہم مزید صبر نہیں کر سکتے ہمیں رِجْس، پلید، شَرُّالْبَرِيَّه ، سُفَهَاء اور ذرّیت شیطان کہا جاتا ہے اور ہمارے بتوں کو جہنم کا ایندھن قرار دیا جاتا ہے پس یا تو آپ محمد (ﷺ) کو سمجھائیں اور اسے ان باتوں سے باز رکھیں ورنہ ہم آپ کو بھی اپنی لیڈری سے الگ کر دیں گے۔ ابو طالب کے لئے یہ موقع نہایت نازک تھا وہ اپنی قوم میں نہایت معزز سمجھے جاتے تھے اور لوگ انہیں اپنا لیڈر تسلیم کیا کرتے تھے اور لیڈری کی خاطر بعض اوقات انسان اپنے عزیز ترین رشتہ داروں اور بیٹوں تک کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابو طالب نے اپنی قوم سے مرعوب ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلایا اور کہا اے میرے بھتیجے! اب تیری باتوں کی وجہ سے قوم سخت مشتعل ہو چکی ہے اور اب معاملہ اِس حد تک پہنچ چکا ہے کہ قریب ہے کہ وہ لوگ کوئی سخت قدم اُٹھائیں جو تمہارے لئے اور میرے لئے

بھی تکلیف دہ ہو۔ تو نے ان کے عقلمندوں کو سفیہہ، ان کے بزرگوں کو شَـرُّ الْبَرِيَّہ اور ان کے معبودوں کا نام ہیزمِ جہنم اور وَقُوْدُالنَّار رکھا ہے اور خود ان کو رِجْس اور پلید کہا ہے اس لئے میں محض تمہاری خیر خواہی کے لئے تمہیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اس دشنام دہی سے باز آ جاؤ ورنہ میں اکیلا ساری قوم کے مقابلہ کی جرأت نہیں کرسکتا۔ ساری قوم کے رؤساء وفد کی صورت میں میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے مجھے کہا ہے کہ اب دو رستوں میں سے کوئی سا رستہ اپنے لئے تجویز کرلو۔ یا تو محمد (ﷺ) سے کہو کہ وہ ہمارے بتوں کو گالیاں نہ دیا کرے اور یا پھر اس کی حفاظت سے دستبردار ہو جاؤ اس لئے اے میرے بھتیجے! یہ موقع میرے لئے نہایت نازک ہے اور میرے لئے اپنی قوم کو چھوڑنا مشکل ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابو طالب کی یہ باتیں سنیں تو آپ نے محسوس کیا کہ جس شخص نے میرے لئے آج تک اتنی تکلیفیں اُٹھائی ہیں اور جس نے میرے ساتھ وفا کے عہد کئے ہوئے ہیں یہ تعلقات آج ٹوٹتے نظر آ رہے ہیں اور دُنیوی اسباب کے لحاظ سے میرا یہ سہارا ابھی مخالفت کے بوجھ کے نیچے دَب رہا ہے۔ چنانچہ اِن باتوں کا خیال کر کے آپ چشم پُر آب ہو گئے اور فرمایا اے چچا! میں نے ان لوگوں کے بتوں کے حق میں جو کچھ کہا ہے وہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہارِ حقیقت ہے اور میں اسی کام کے لئے دنیا کی طرف بھیجا گیا ہوں کہ ان لوگوں کی خرابیاں ان پر ظاہر کر کے انہیں راہ راست کی طرف بلاؤں۔ پس میں کسی مخالفت یا موت کے ڈر سے حق کے اظہار سے رُک نہیں سکتا میری زندگی تو اس کام کیلئے وقف ہو چکی ہے اس لئے اے چچا! میں آپ کے اور آپ کی قوم کے درمیان کھڑا نہیں ہونا چاہتا اگر آپ کو کسی تکلیف یا اپنی کمزوری کا خیال ہے تو میں آپ کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی پناہ میں رکھنے سے دستبردار ہو جائیں۔ باقی رہا احکامِ الٰہی کو ان لوگوں تک پہنچانے کا سوال تو میں اس کام سے کبھی رُک نہیں سکتا خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے اس فریضہ کی ادائیگی سے باز نہیں رہ سکتا[19] یہ باتیں کہتے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت کی سی حالت طاری تھی اور آپ یہ خیال فرما رہے تھے کہ میرے ساتھ وفا اور محبت کرنے والا میرے رشتہ داروں میں

سے یہی ایک میرا چچا تھا اور یہ رشتہ مروت بھی آج ٹوٹتا نظر آ رہا ہے مگر جس وقت آپ یہ خیال فرما رہے تھے کہ وفا، محبت اور مروت کا یہ رشتہ آج ٹوٹ رہا ہے اُس وقت اللہ تعالیٰ عرش پر کہہ رہا تھا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اے محمد! کیا ہم اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہیں؟ دشمنوں نے بے شک اپنا پورا زور لگا دیا ہے کہ یہ رشتہ ٹوٹ جائے، انہوں نے بے شک اپنی طرف سے پوری کوششیں کی ہیں کہ یہ رشتہ محبت قطع ہو جائے مگر اے محمد! ہم اس رشتے کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیں گے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ابوطالب کے دل کو نرم کر دیا اور وہ ابوطالب جسے قوم کی سرداری کو عزیز رکھنے کا خیال آ رہا تھا، وہ ابوطالب جسے قوم کی لیڈری کا خیال آ رہا تھا اُس کے اندر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جوش مارنے لگی اور اُس نے رقت بھری آواز میں کہا اے میرے بھتیجے! جا اور اپنے کام میں اسی طرح لگا رہ جب تک میں زندہ ہوں اپنی طاقت کے مطابق تیرا ساتھ دوں گا۔ اب دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس نازک موقع پر اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا نمونہ دکھایا اور ابوطالب جو دنیا دار آدمی تھے اور قریب تھا کہ وہ قوم کی سرداری اور لیڈری کی طرف جھک جائیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل پر ایسا تصرف کیا کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں قوم کی سرداری اور لیڈری کو بھی ترک کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔

اس کے بعد کفارِ مکہ کی مخالفت اور بھی زیادہ تیز ہو گئی اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب ابوطالب کو ایک آخری نوٹس دینا چاہئے چنانچہ وہ ایک میدان میں جمع ہوئے اور انہوں نے اپنا ایک نمائندہ ابوطالب کی طرف بھیجا اور کہلا بھیجا کہ ہم فلاں میدان میں جمع ہیں اور یہ ہماری طرف سے آخری نوٹس ہے۔ پہلے تو ہم نے صرف صلح کا نوٹس دیا تھا مگر اب ہم جنگ کا نوٹس دے رہے ہیں کہ جب تک تم محمد (ﷺ) کو ہمارے حوالہ نہ کر دو ہم یہاں سے ہرگز نہیں ہلیں گے ورنہ ساری قوم تمہارا اور مسلمانوں کا مقاطعہ کر دے گی۔ یہ وقت پھر ابوطالب کی آزمائش اور امتحان کا وقت تھا اور اِس نوٹس میں صرف یہی نہیں کہا گیا تھا کہ تمہاری قوم تمہیں چھوڑ دے گی بلکہ یہ دھمکی بھی دی گئی تھی کہ قوم تمہارا مقاطعہ کر دے گی گویا یہ آخری پتھر تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رستہ میں ڈالا گیا مگر خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھو اِدھر ابوطالب

نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کیا اور سارے حالات ان کے سامنے رکھ کر کہا اب قوم کی مخالفت حد سے بڑھتی جا رہی ہے اور رؤسائے قریش نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر تم نے محمد (ﷺ) کا ساتھ نہ چھوڑا تو تمہارا مقاطعہ کر دیں گے اس لئے ہمیں محمد (ﷺ) کی حفاظت کرنی چاہئے۔ ابوطالب کی اس تحریک پر سوائے ابولہب کے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے باقی تمام لوگوں نے اتفاق کا اظہار کیا اور قومی غیرت کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کے لئے تیار ہو گئے اور خدا تعالیٰ کی حکمت کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے وہ افراد بھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکالیف دیا کرتے تھے انہوں نے بھی عہد کیا کہ ہم بہر حال محمد (ﷺ) کا ساتھ دیں گے اور اس طرح پھر خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہوا کہ صرف ابوطالب ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے دشمنوں کے منہ سے بھی کہلا دیا ہم محمد (ﷺ) کا ساتھ دیں گے چاہے قوم ہمارا مقاطعہ ہی کیوں نہ کر دے۔ چنانچہ ابوطالب نے ان پیغام بھیجنے والے رؤساء کو کہلا بھیجا کہ جو تمہارے جی میں آئے ہمارے ساتھ کرو میں کبھی محمد (ﷺ) کو تمہارے سپرد نہیں کر سکتا اور اس کی حمایت سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت جبکہ کفار مکہ نے اپنی تمام کوششیں صرف کر دی تھیں اور اُس وقت جب کہ انہوں نے ہر قسم کی دھمکیاں دے کر ابوطالب کو آپ کی حمایت سے ہٹانا چاہا تھا خدا تعالیٰ عرش پر کہہ رہا تھا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ اے محمد! ﷺ تو دلگیر مت ہو۔ اے محمد! ﷺ تو کوئی اندیشہ مت کر اور اے محمد! ﷺ تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم خود تیرے دشمنوں کو ان کے ارادوں میں خائب و خاسر کر دیں گے اور اِنہیں دشمنوں میں سے کچھ لوگ ایسے تیار کر دیں گے جو اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر تمہاری حمایت کا اعلان کریں گے۔

پھر ایک عجیب بات ہے جس کی طرف پہلے کسی مؤرخ کا ذہن نہیں گیا صرف مجھے ہی خدا تعالیٰ نے سمجھائی ہے یہ ہے کہ وہی میدان جس میں کفارِ مکہ جمع ہوئے تھے اور اپنا نمائندہ بھیج کر ابوطالب سے مطالبہ کیا تھا کہ محمد (ﷺ) کو ہمارے حوالہ کر دو اسی میدان میں فتح مکہ کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جھنڈے گاڑے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ اے کفار! تم یہاں جمع ہو کر محمد (ﷺ) کو بلاتے تھے اس لئے کہ تم جو چاہو اُس کے ساتھ

سلوک کرو اب ہم محمد (ﷺ) کو اسی میدان میں لائے ہیں اس لئے نہیں کہ جو سلوک تم چاہو اُس کے ساتھ سلوک کرو بلکہ اس لئے کہ محمد ﷺ جو سلوک چاہے تمہارے ساتھ کرے۔ تم تو محمد رسول اللہ کو اس لئے میدان میں مانگ رہے تھے کہ تم اس کے ساتھ جو چاہو وہ سلوک کر سکو اور ہم محمد ﷺ کا اُس میدان میں لے بھی آئے ہیں مگر اس لئے نہیں کہ تم جو چاہو اس کے ساتھ سلوک کرو بلکہ اس لئے کہ وہ جو چاہے تمہارے ساتھ سلوک کرے۔ غرض کفارِ مکہ کے مطالبہ کے مقابلہ میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دکھایا کہ انہی مطالبہ کرنے والوں کے ساتھیوں اور شدید ترین دشمنوں میں سے کچھ لوگ الگ ہو گئے اور انہوں نے اعلان کیا کہ ہم محمد کو مطالبہ کرنے والوں کے سپرد نہیں کریں گے اور یہ کہنے والے وہی دشمن تھے جو ہر روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتے تھے اور آپ پر پتھراؤ کیا کرتے تھے اور دوسرا معجزہ اللہ تعالیٰ نے یہ دکھایا کہ وہ آپ کو اسی میدان میں لایا جہاں بیٹھ کر ائمۃ الکفر نے آپ کے خلاف میٹنگ کی تھی اور ابوطالب سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ محمد ﷺ کو اُن کے حوالے کر دیں مگر اس حالت میں کہ آپ کے ساتھ وہ سلوک نہ ہو جو مکہ والے آپ کے ساتھ کرنا چاہیں بلکہ مکہ والوں کے ساتھ وہ سلوک ہو جو آپ ان کے ساتھ کرنا چاہیں۔ غرض جب ابوطالب نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ کرنے والے کفارِ مکہ کو کہلا بھیجا کہ میں اور میری قوم محمد کو تمہارے سپرد نہیں کر سکتے اس لئے تم لوگ جو چاہو ہمارے ساتھ کرو ہم اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہیں، تو اس پر کفارِ مکہ نے ایک باقاعدہ معاہدہ لکھا کہ کوئی شخص بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہیں رکھے گا، کوئی شخص ان کے ساتھ رشتہ نہیں کرے گا، کوئی شخص نہ ان کے پاس کچھ فروخت کرے گا اور کوئی شخص نہ ان سے کچھ خریدے گا اور نہ ہی کوئی شخص کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے پاس جانے دے گا جب تک وہ لوگ محمد کو ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ باقاعدہ لکھ کر کعبہ کی دیوار کے ساتھ آویزاں کر دیا گیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام لوگ کیا مسلم اور کیا غیر مسلم شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے اور شعب ابی طالب وہ جگہ تھی جو بنو ہاشم کا خاندانی درہ تھا اس میں وہ لوگ قیدیوں کی طرح نظر بند کر دیئے گئے اور مکہ کی عملی زندگی سے بالکل منقطع ہو گئے۔ اب دونوں طرف ہی ضد تھی ایک طرف تو یہ ضد تھی کہ جب تک

محمد (ﷺ) اپنی تعلیم کو نہیں چھوڑتا یا اُس کی قوم اُسے ہمارے حوالے نہیں کر دیتی ہم اس مقاطعہ کو برقرار رکھیں گے۔ دوسری طرف یہ ضد تھی اور اس کو ضد نہیں بلکہ استقلال کہنا چاہئے کہ چاہے ہمارے ساتھ کتنا ہی بُرا سلوک کیوں نہ روا رکھا جائے ہم ان کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ گویا ایک طرف راج ہٹ تھی اور دوسری طرف دین ہٹ تھی اور یہ ہٹ کی دونوں قسمیں آپس میں مقابلہ کے لئے تُلی ہوئی تھیں۔ کفر چاہتا تھا کہ اسلام پر غالب آ جائے اور اسلام چاہتا تھا کہ کفر کو کھا جائے۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونے کے ایام میں محصور ہونے والوں کو جو جو تکلیفیں اُٹھانی پڑیں ان کا حال پڑھ کر بدن پر لرزہ آ جاتا ہے۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ بعض اوقات انہوں نے غذا نہ ہونے کی وجہ سے جنگلی جانوروں کی طرح درختوں کے پتے کھا کھا کر گذارہ کیا اور بعض نے سوکھے ہوئے چمڑے کو پانی میں صاف اور نرم کر کے بھون کر کھا لیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی یہ حالت ہوتی تھی کہ بھوک کی وجہ سے ان کے رونے اور چیخنے کی آوازیں دور دور تک سنائی دیتی تھیں اور یہ تکلیف کوئی ہفتہ دو ہفتہ یا مہینہ دو مہینہ کے لئے نہ تھی بلکہ ایک لمبے عرصہ کے لئے تھی اور حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ صحابہؓ کہتے ہیں بجائے پاخانہ کے ہم مینگنیاں کرتے تھے مگر دونوں فریق اپنی اپنی ہٹ پر قائم تھے۔ ایک طرف یہ ضد تھی کہ اسلام ہمارے سامنے سرنگوں ہو جائے اور دوسری طرف استقلال کا یہ عالم تھا کہ وہ کہتے تھے کہ چاہے اس رستہ میں ہماری جانیں بھی کیوں نہ چلی جائیں ہم اپنے منصب کو ترک نہیں کر سکتے۔ اب پھر اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں دخل دیا اور وہ اس طرح کہ قریش کے اندر بعض نرم دل اور شریف الطبع لوگ بھی تھے جو اس ظالمانہ معاہدہ کو دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے تھے مگر وہ قوم کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتے تھے۔ آخر جب انہوں نے دیکھا کہ ظلم حد سے بڑھ رہا ہے تو ان میں سے ایک نوجوان نے دلیری کی اور جرأت سے کام لیتے ہوئے چار پانچ اور نوجوانوں کو اپنے ساتھ لیا اور کہا یہ ظلم اب برداشت سے باہر ہوا جاتا ہے کیا اس سے بڑھ کر بھی ظلم کی کوئی حد ہو سکتی ہے کہ ہم لوگ تو یہاں آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور مسلمان بے چارے اور ان کے ساتھی اڑھائی سال سے بے آب و دانہ پڑے ہیں اور کوئی ان کا پُرسانِ حال نہیں۔ یہ کہہ کر وہ گئے اور معاہدہ کو جو

بوسیدہ ہو چکا تھا اُتار کر پھاڑ دیا اُس کے بعد انہوں نے تلواریں ہاتھ میں لیں اور شعب ابی طالب کے دروازے پر پہنچے اور محصورین کو اپنی تلواروں کی چھاؤں میں وہاں سے نکال لائے۔[۲۰] جب وہ نوجوان اس معاہدہ کے خلاف تلواریں لے کر کھڑے ہوئے تو اُس وقت اللہ تعالیٰ عرش پر کہہ رہا تھا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ اے محمد ﷺ! کیا ہم اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہیں؟ اب دیکھو دشمنوں کو کس نے تحریک کی تھی کہ وہ اس معاہدہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور پھر اس کیڑے کو جس نے معاہدہ کا کاغذ کھایا تھا اور بوسیدہ کیا تھا کس نے تحریک کی تھی کہ وہ معاہدہ کو کھا جائے یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل اور اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کا نمونہ تھا۔

معاہدہ کی تحریر کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آپ محصور تھے ایک دن اپنے چچا حضرت ابو طالب سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے ک وہ معاہدہ جو ہمارے خلاف لکھا گیا تھا اور کعبہ کی دیوار کے ساتھ آویزاں کیا گیا تھا اُس کا کاغذ کھایا جا چکا ہے۔ روایات میں لکھا ہے کہ ابوطالب فوراً خانہ کعبہ میں گئے جہاں بہت سے رؤسائے قریش مجلس لگائے بیٹھے تھے اور انہوں نے جاتے ہی کہا اے قریش! تمہارا یہ ظالمانہ معاہدہ کب تک چلے گا محمد نے مجھے بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس معاہدہ کی تحریر کو محو کر دیا ہے تم اس معاہدہ کو نکالو تا کہ دیکھیں کہ میرے بھتیجے کی بات کہاں تک درست ہے۔ چنانچہ معاہدہ دیوار سے اُتروا کر دیکھا گیا تو واقعی وہ سب کرم خوردہ ہو چکا تھا۔ اس پر قریش کے وہ شریف الطبع لوگ جو اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف ہو چکے تھے اور جن کے دل میں انصاف، رحم اور قرابت داری کے جذبات پیدا ہو رہے تھے ان کو معاہدہ کے خلاف آواز اُٹھانے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ انہوں نے کاغذ پھاڑ دیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔[۲۱]

اس کے بعد مکہ والوں نے فیصلہ کیا کہ محمد ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بات چیت نہ کرے اور نہ اس کی بات کو سنے اور یہ آپ کے لئے نہایت تکلیف دہ تھا کیونکہ ایک نبی کے لئے سب سے بڑی تکلیف دہ بات یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس کی بات نہ سنیں اور اس کے ساتھ نہ بولیں۔ خدا تعالیٰ کے نبی تو یہ چاہتے ہیں کہ خواہ لوگ اُن کو جی بھر کر گالیاں دے لیں مگر کم از کم اُس پیغام

کو تو سُن لیں جو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کے لئے لائے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کئی دفعہ ہم نے ایک واقعہ سنا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دشمن جب ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں تو ہمیں امید ہوتی ہے کہ ان میں سے سعید روحیں ہماری طرف آجائیں گی لیکن جب نہ تو لوگ ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور نہ ہی مخالفت کرتے ہیں اور بالکل خاموش ہو جاتے ہیں تو یہ بات ہمارے لئے تکلیف دِہ ہوتی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ نبی کی مثال اُس بڑھیا کی سی ہوتی ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کچھ پاگل سی تھی اور شہر کے بچے اُسے چھیڑا کرتے تھے اور وہ انہیں گالیاں اور بد دعائیں دیا کرتی تھی آخر بچوں کے ماں باپ نے تجویز کی کہ بچوں کو روکا جائے کہ وہ بڑھیا کو دِق نہ کیا کریں چنانچہ انہوں نے بچوں کو سمجھایا مگر بچے تو بچے تھے وہ کب باز آنے والے تھے یہ تجویز بھی کارگر ثابت نہ ہوئی۔ آخر بچوں کے والدین نے فیصلہ کیا کہ بچوں کو باہر نہ نکلنے دیا جائے اور دروازوں کو بند رکھا جائے چنانچہ انہوں نے اِس پر عمل کیا اور دو تین دن تک بچوں کو باہر نہ نکلنے دیا۔ اس بڑھیا نے جب دیکھا کہ اب بچے اسے دِق نہیں کرتے تو وہ گھر گھر جاتی اور کہتی کہ تمہارا بچہ کہاں گیا ہے؟ کیا اسے سانپ نے ڈس لیا ہے؟ کیا وہ ہیضہ سے مر گیا ہے؟ کیا اس پر چھت گر پڑی ہے؟ کیا اس پر بجلی گر گئی ہے؟ غرض وہ ہر دروازہ پر جاتی اور اس قسم کی باتیں کرتی آخر لوگوں نے سمجھا کہ بڑھیا نے تو پہلے سے بھی زیادہ گالیاں اور بد دعائیں دینی شروع کر دی ہیں اس لئے بچوں کو بند رکھنے کا کیا فائدہ اُنہوں نے بچوں کو چھوڑ دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے یہی حالت نبی کی ہوتی ہے۔ جب مخالفت تیز ہوتی ہے تب بھی اسے تکلیف ہوتی ہے اور جب مخالف چپ کر جاتے ہیں تب بھی اسے تکلیف ہوتی ہے کیونکہ جب تک مخالفت نہ ہو لوگوں کی توجہ الٰہی سلسلہ کی طرف پھر نہیں سکتی۔

غرض نبی کے لئے سب سے بڑی تکلیف دہ چیز یہی ہوتی ہے کہ لوگ اُس کی مخالفت چھوڑ دیں اور اُس کی باتیں نہ سنیں اس لئے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مکہ کے لوگ آپ کی باتیں نہیں سنتے اور نہ وہی آپ کے ساتھ بات چیت کرتے ہیں تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ مکہ سے باہر کسی اور جگہ کے لوگوں کو تبلیغ کرنی چاہئے چنانچہ آپ نے طائف جانے کا

ارادہ فرمایا۔ طائف ایک مشہور مقام ہے جو مکہ سے جنوب مشرق کی طرف چالیس میل کے فاصلہ پر ہے طائف میں بڑے بڑے صاحب اثر اور دولت مند لوگ آباد تھے وہ لوگ اپنے آپ کو بڑا جنگجو خیال کرتے تھے اور طائف کی بستی حجاز کی بہت بڑی چھاؤنی سمجھی جاتی تھی۔ غرض آپ طائف پہنچے اور آپ نے وہاں کچھ دنوں تک بڑے بڑے رؤساء کو تبلیغ کی مگر انہوں نے بھی اسلام کو نہ مانا بلکہ تمسخر سے کام لیا۔ طائف کے رئیس اعظم عبد یا لیل نے اس خیال سے کہ کہیں آپ کی باتوں کا اثر شہر کے نوجوانوں پر نہ ہو جائے آوارہ گرد نوجوانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپ پر پتھر برسائیں اور شہر کے کتے آپ کے پیچھے لگائیں اور آپ کو گالیاں دیں چنانچہ ان اوباشوں نے آپ کے پیچھے کتے لگا دیئے اور آپ کو سخت گالیاں دیں اور ساتھ ہی آپ پر پتھراؤ شروع کر دیا جس سے آپ کا سارا بدن خون سے تر بتر ہو گیا اور برابر تین میل تک ان اوباشوں نے آپ کا تعاقب کیا اور آپ پر پتھر برساتے آئے۔ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر پہنچ کر ان لوگوں نے آپ کا پیچھا چھوڑا مگر اُس وقت تک آپ کا سارا جسم لہولہان ہو چکا تھا آپ اسی حالت میں تھے کہ خدا تعالیٰ کا فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ابھی یہ پہاڑ جو سامنے دکھائی دیتا ہے اسے طائف کی بستی پر اُلٹ دوں اور اس کو تباہ کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں آخر انہی لوگوں نے ایمان لانا ہے اگر ان پر عذاب آ گیا اور یہ تباہ ہو گئے تو مجھ پر ایمان کون لائے گا۔[۲۲] یہ بھی اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کا نمونہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے طائف والوں کے ظلم وستم کو دیکھ کر اپنے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کے پاس بھیجا کہ اگر اجازت ہو تو طائف کی بستی کو تباہ کر دیا جائے یہ الگ بات ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتہ کو اس بات کی اجازت نہ دی اور وہ تباہی سے بچ گئے۔

کوئی نادان کہہ سکتا ہے کہ فرشتہ کا آنا ایک خیالی بات ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ پر پہلے بھی کبھی فرشتہ کا نزول ہوا تھا یا نہیں اور پہلے بھی کبھی خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت آپ کے شامل حال ہوئی تھی یا نہیں؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہر ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی نصرت آپ کے شامل حال رہی اور خدا تعالیٰ کے فرشتے آپ کی مدد کے لئے اترتے رہے۔ کیا حضرت عمرؓ کے

گھر سے تلوار لے کر نکلنے کے وقت خدا تعالیٰ کے فرشتے آپ کی مدد کے لئے اُترے تھے یا نہیں؟ کیا ہجرت حبشہ کے بعد خدا تعالیٰ کے فرشتوں نے اُتر کر مٹھی بھر مسلمانوں کو ظالم کفار کے چنگل میں جانے سے بچایا تھا یا نہیں؟ کیا حضرت ابوبکرؓ کے ہجرت کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کے وقت جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس باوفا اور پُرانے دوست کی جدائی کا صدمہ ہونے والا تھا خدا تعالیٰ کے فرشتوں کا نزول ہوا تھا یا نہیں؟ اور پھر خدا تعالیٰ نے ایک دشمن اسلام کے دل کو حضرت ابوبکرؓ کو پناہ دینے کے لئے نرم کر دیا تھا یا نہیں؟ اسی طرح طائف سے واپسی کے وقت بھی خدا تعالیٰ کے فرشتہ کا نزول آپ پر ہوا آگے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرشتہ کو اجازت نہ دی کہ طائف کی بستی کو تباہ کر دیا جائے ورنہ وہ تو حکم کا منتظر تھا اور آپ کے ذرا سے اشارے کی دیر تھی۔

اس کے بعد ایک اور نظارہ آتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے خود دشمنوں کے ہاتھوں آپ کی حفاظت کے سامان پیدا کر دیئے طائف سے تین میل کے فاصلہ پر مکہ کے ایک رئیس عتبہ بن ربیعہ کا ایک باغ تھا جس میں دیگر پھلدار درختوں کے علاوہ انگور وغیرہ بھی تھا۔ جب طائف کے لوگ آپ کا تعاقب کر کے اور آپ پر پتھرؤا کر کے واپس لوٹ گئے تو آپ اس باغ کے درختوں کے سایہ میں ایک جگہ بیٹھ کر ستانے لگے اُس وقت آپ کا دل بہت بوجھل ہو رہا تھا اِس غم کے ساتھ کہ یہ سفر بھی خالی گیا اور خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے والوں میں اضافہ نہ ہوا۔ پھر آپ کا دل ان زخموں کی وجہ سے بھی بوجھل تھا جو طائف کے اوباشوں کے پتھراؤ کی وجہ سے آپ کے جسم پر پڑ گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہی کفارِ مکہ کے دلوں کو آپ کے لئے نرم کر دیا جو ہمیشہ آپ کو تکلیفیں دیا کرتے تھے۔ عتبہ اور شیبہ اُس وقت اپنے باغ میں موجود تھے اور انہوں نے دور سے آپ کی ساری حالت دیکھ لی تھی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ آپ سخت زخمی حالت میں ایک درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھے ہیں تو ان کے دلوں میں دور و نزدیک کی رشتہ داری کا یا کچھ قومی احساس پیدا ہوا اور انہوں نے انگور کے کچھ خوشے توڑ کر ایک طشت میں رکھے اور اپنے ایک عیسائی غلام کے ہاتھ آپ کے لئے بھیجے۔ وہ غلام مذہبًا عیسائی تھا اس نے طشت لا کر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر انگور

کھانے شروع کئے یہ دیکھ کر عیسائی غلام سخت حیران ہوا اور آپ سے کہنے لگا آپ مکہ کے رہنے والے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! وہ کہنے لگا آپ نے پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہاں سے سیکھی ہے؟ آپ نے فرمایا میں بے شک مکہ کا رہنے والا ہوں مگر میں خدائے واحد کو ماننے والا ہوں۔ پھر آپ نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ غلام نے کہا میں نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اُسی نینوا کے رہنے والے ہو جو خدا کے صالح بندے یونسؑ بن متّٰی کا مسکن تھا؟ عیسائی غلام نے کہا ہاں مگر آپ کو یونسؑ کے متعلق کیسے معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا وہ میرا بھائی تھا کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا نبی تھا اور میں بھی اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ عیسائی غلام نے کہا اچھا آپ کی تعلیم کیا ہے؟ اس پر آپ نے اسے مختصر طور پر اپنی تعلیم سنائی اور اُسے تبلیغ بھی کی وہ غلام آپ کی باتیں سُن کر ایسا مسحور ہوا کہ جوں جوں آپ باتیں کرتے جاتے تھے اُس کے جذبات اُبھرتے جاتے تھے آخر اس نے آپ کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ [۲۳] کیونکہ آپ کی تعلیم نبیوں والی ہے عتبہ اور شیبہ دور بیٹھے اس نظارہ کو حیرانگی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ جب غلام واپس ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے کہا تم نے یہ کیا حرکت کی تھی کہ اس شخص کے ہاتھ چوم رہے تھے۔ اس نے کہا جو تعلیم میں نے اس شخص کی زبانی سُنی ہے وہ نبیوں والی تعلیم ہے۔ پس پیشتر اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں واپس پہنچتے خدا تعالیٰ نے آپ کو ایک موحّد دے دیا اور آپ کے اُس افسوس کو جو سفر طائف کی وجہ سے آپ کو ہوا تھا دور کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جسمانی پھل (انگور) بھی انہیں دشمنوں کے ہاتھوں سے دیا جو ہمیشہ آپ کو پتھر مارا کرتے تھے اور روحانی پھل (عیسائی) غلام کا ایمان لانا) بھی انہی دشمنوں کے ہاتھ سے دیا گویا وہ غلام جسمانی پھل آپ کو دے گیا اور آپ سے روحانی پھل لے گیا۔ اُس وقت خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھا کہہ رہا تھا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیرے دل میں یہ افسوس تھا کہ اِس سفر میں ایک بھی موحّد نہیں ملا لو میں نے اس افسوس کو دور کرتے ہوئے ایک موحّد تم کو دے دیا اور تیرے دشمنوں کے ہاتھوں سے دیا بے شک وہ موحد ایک غلام تھا مگر وہ دنیا کی نظروں میں غلام تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں وہ غلام نہ تھا بلکہ قیصر و کسریٰ اور اور فراعنہ مصر

بھی اس کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہ رکھتے تھے۔ یہی وہ غلام تھے جن کو لوگ ذلیل سمجھتے تھے مگر جب اسلامی حکومت کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا عروج بخشا کہ بڑے بڑے رؤساء ان کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہو گئے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے ایام میں جب حج کے لئے مکہ مکرمہ آئے تو مکہ کے بڑے بڑے رؤساء ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ لوگوں کے نسب ناموں کو یاد رکھنے میں بڑے ماہر تھے اور ان کو مکہ والوں کی کئی کئی نسلوں تک کے نام یاد تھے غرض مکہ کے رؤساء آپ کے پاس آتے گئے اور آپ انہیں بٹھاتے گئے حتّٰی کہ ایک لمبی سی قطار بن گئی۔ اس زمانہ میں کوئی بڑے ہال یا بارکیں تو ہوتی نہ تھیں یہی دس دس بارہ فٹ کے کمرے ہوتے تھے اس لئے وہ نوجوان روساء ایک کمرہ میں قطار سی بنا کر بیٹھ گئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ انہی غلاموں میں سے ایک غلام حضرت عمرؓ کی ملاقات کے لئے آیا حضرت عمرؓ نے رؤساء کی قطار میں سے ایک کو فرمایا ذرا پیچھے ہٹ جاؤ اور انہیں جگہ دے دو۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور غلام آیا تو حضرت عمرؓ نے ایک اور رئیس کو ہٹا کر اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی اسی طرح کئی غلام آئے اور اتنے ہی مکہ کے رؤساء کو کو ہٹا کر ان کے بیٹھنے کی لئے جگہ بنائی حتّٰی کہ رؤساء جوتیوں والی جگہ میں پہنچ گئے اور آخر وہ اس ذلت اور صدمہ کو برداشت نہ کرتے ہوئے وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور باہر جا کر ایک دوسرے سے کہنے لگے آج تو ہماری بے عزتی کی حد ہوگئی ہے کہ ہمارے مقابلہ میں غلاموں کو ترجیح دی گئی ہے اُن غلاموں کو جو ہمارے باپ دادا کے وقت سے ذلیل اور حقیر چلے آتے تھے اور ہماری جوتیوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ ان رؤساء میں ایک سعید الفطرت رئیس بھی تھا وہ کہنے لگا آخر اس میں کس کا قصور ہے جب ہم اور ہمارے باپ دادا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ دیا کرتے تھے، جب ہم اور ہمارے باپ دادا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو روکنے کی کوششیں کیا کرتے تھے، جب ہم اور ہمارے باپ دادا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی دُکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا رکھتے تھے اور جب ہم نے اور ہمارے باپ دادوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے وفائی کا سلوک کیا اُس وقت یہی غلام تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار رہے اس لئے

اب جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم ہو چکی ہے یہی لوگ معزز اور مکرم سمجھے جانے کے حق دار ہیں نہ کہ ہم۔ وہ کہنے لگے اب ہماری اس غلطی کا کوئی علاج بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ وہ رئیس کہنے لگا اِس کے متعلق حضرت عمرؓ سے ہی پوچھنا چاہئے چنانچہ یہ لوگ دوبارہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ ہم آپ سے ایک بات کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں آپ لوگوں کی بات کو سمجھ گیا ہوں مگر مجھے افسوس ہے کہ جو سلوک میں نے آپ کے ساتھ کیا ہے اِس کے کرنے کے لئے میں مجبور تھا یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں معزز تھے میں آپ کا غلام ہو کر انہیں مکرم اور معزز نہ سمجھتا۔ پس میں نے آپ لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ مجبور ہو کر کیا ہے۔ وہ کہنے لگے ہم بھی اس بات کو سمجھ چکے ہیں مگر آپ یہ بتائیں کہ کیا ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی اس غلطی کا ازالہ کسی طرح ہوسکتا ہے اور کیا اس بدنما داغ کو کسی طرح دور کیا جا سکتا ہے؟ یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رقت کی وجہ سے زبان سے تو ان کو کوئی جواب نہ دے سکے مگر ہاتھ اُٹھا کر شمال کی طرف اشارہ کر دیا جہاں اُن دنوں عیسائیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہو رہی تھی۔ آپ کے اشارہ کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ اب اسلامی جنگوں میں شامل ہو کر دشمن کے مقابلہ میں نکلو اور اپنے خون بہا کر اِس داغ کو دور کرو۔ چنانچہ تاریخوں میں آتا ہے کہ وہ رؤساء اس مجلس سے اُٹھتے ہی اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر شام کی طرف چلے گئے اور ان میں سے ایک بھی زندہ واپس نہ لوٹا۔[۲۴] غرض غلاموں کو اسلام میں بڑا مقام حاصل ہوا اور اس نے انہیں عزت اور شرف کے ایک بہت بڑے مینار پر کھڑا کر دیا۔

ابوسفیان جب ایمان لایا اور مدینہ میں گیا تو اپنی ریاست کے غرور میں اس نے بعض نازیبا باتیں ایک مجلس میں کہہ دیں جس پر مدینہ کے لوگوں نے جن میں بعض غلام بھی تھے ابوسفیان کے خلاف کچھ باتیں کہیں۔ جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو حضرت ابوبکرؓ کہیں پاس سے گزر رہے تھے وہ باتیں سن کر کھڑے ہو گئے اور ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا تم لوگ جانتے نہیں یہ شخص (ابوسفیان) مکہ کا بہت بڑا رئیس ہے۔ اس کے بعد اس خیال سے کہ مدینہ والوں کی باتوں کی وجہ سے ابوسفیان کی دل شکنی نہ ہو اور یہ باتیں سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی

ناراض نہ ہو جائیں حضرت ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں فلاں جگہ سے گزر رہا تھا تو میں نے سنا کہ فلاں فلاں ابتدائی ایمان لانے والوں نے (حضرت ابوبکرؓ نے چند غلاموں کا نام لیا) ابوسفیان کے متعلق بعض سخت الفاظ کہے ہیں حضرت ابوبکرؓ کا تو یہ خیال تھا کہ آپ ان ہتک کرنے والوں کو ڈانٹیں گے مگر آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار پیدا ہوئے اور آپ نے فرمایا ابوبکر! اگر تم نے کوئی بات کہہ کر اُن کا دل دُکھایا ہے تو تم نے ان کا دل نہیں دکھایا بلکہ خدا تعالیٰ کا دل دُکھایا ہے اور اگر وہ تم پر نارض ہیں تو خدا تعالیٰ بھی تم پر ناراض ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اُسی وقت اُٹھ کر اس مجلس میں گئے اور ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ مجھ پر ناراض تو نہیں ہیں؟ اور جب انہوں نے کہا کہ نہیں نہیں ناراضگی کی کیا بات ہے تو حضرت ابوبکرؓ کو تسلی ہوئی۔[۲۵]

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی وجہ سے غلام غلام نہ رہے تھے بلکہ وہ دوسرے رؤساء سے بھی بڑھ کر معزز اور مکرم ہو گئے تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو وہ اعزاز بخشا جو عرب کے بڑے بڑے رؤساء کو بھی حاصل نہ تھا۔ جب فتح مکہ کے وقت آپ شہر میں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اسے پناہ دی جائے گی، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امن دیا جائے گا پھر آپ نے اسلامی جھنڈا ایک شخص کے ہاتھ میں دے کر فرمایا یہ بلالؓ کا جھنڈا ہے جو شخص بلالؓ کے جھنڈے کے نیچے آ جائے گا اُس کو بھی امن دیا جائے گا۔[۲۶] یہ وہی بلالؓ تھا جسے وہ لوگ تپتی ہوئی ریت پر لٹایا کرتے تھے، جسے مکہ کے پتھریلے میدان میں گرم پتھروں پر ننگا کر کے لٹا دیتے تھے اور سینے پر پتھر رکھ دیتے تھے، جسے وہ لوگ ٹانگوں میں رسہ ڈال کر شہر کے شریر اور اوباش نوجوان اور بچوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے اور وہ ان کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا کرتے تھے، یہ وہی بلال تھے جنہیں مکہ کے لوگ حبشی غلام ہونے کی وجہ سے سخت ذلیل سمجھا کرتے تھے مگر اب اسلام میں داخل ہو جانے کی وجہ سے بلالؓ کو وہ مقام اور رُتبہ حاصل ہوا کہ وہی بلالؓ کو ذلیل سمجھنے والے لوگ اس طرح امان پا سکتے تھے کہ وہ بلال کے جھنڈے کے نیچے آ جائیں۔ پس جب طائف کی بستی والوں نے کہا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو تیار نہیں تو اللہ تعالیٰ نے

آپ کو خالی ہاتھ واپس نہیں بھیجا بلکہ یونس بن متّیٰ پر ایمان لانے والا ایک شخص آپ کو دے دیا اور اس نے آپ کو ہی انگور نہ کھلائے بلکہ خود بھی آپ سے روحانی انگور کھا کر واپس ہوا۔ اُس وقت عرش پر خدا تعالیٰ کہہ رہا تھا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ اے محمد! تو یہ خیال کر رہا تھا کہ اِس سفر میں توحید کے ماننے والوں میں اضافہ نہیں ہوا مگر کیا ہم نے تجھے ایک مخلص اور باوفا آدمی دیا یا نہیں دیا۔

اس کے بعد ایک اور شاندار نظارہ ہمیں نظر آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں تھوڑی دیر تک آرام فرمانے کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے اور نخلہ میں پہنچے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں کچھ دن قیام کرنے کے بعد آپ نے مکہ جانے کا ارادہ کیا مگر مکہ والوں کا یہ قانون تھا کہ ایک دفعہ جو شخص شہر کو چھوڑ جاتا تھا اُس کے شہریت کے حقوق بھی جاتے رہتے تھے۔ یعنی جب تک کوئی شخص مکہ کو چھوڑ کر نہیں جاتا تھا اسے سیٹزن (Citizen) یعنی شہریت کے حقوق حاصل ہوتے تھے مگر شہر کو ایک دفعہ چھوڑ جانے کے بعد جبکہ شہر کے لوگ اس سے ناراض ہوں اُس کے وہ حقوق چھن جاتے تھے اور دوبارہ اُس شہر میں آنے پر وہ حقوق اُسے اس وقت تک نہ مل سکتے تھے جب تک قانون اُسے اِس کی اجازت نہ دے اور وہ قانون یہ تھا کہ شہر کا کوئی رئیس اُسے اپنی حفاظت میں لے لے۔ چنانچہ آپ نے اِس قانون پر عمل کیا اور حضرت زیدؓ کو مکہ کے ایک رئیس مطعم بن عدی کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ میں مکہ میں دوبارہ داخل ہونا چاہتا ہوں کیا تم اس کام میں میری مدد کر سکتے ہو؟ آپ نے کسی ایسے شخص کو پیغام نہ بھیجا جو مخالفت میں پُر جوش نہ تھا بلکہ اس شخص کو پیغام بھیجا جو اسلام کا اشد ترین مخالف تھا اگر کوئی مرنجان مرنج آدمی ہوتا تو لوگ سمجھتے کہ وہ نرم دل آدمی تھا اس لئے اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت میں لے کر مکہ میں داخل کر لیا مگر مطعم بن عدی اسلام کا سخت مخالف تھا مگر ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ ایسے حالات میں پناہ دینے سے انکار کرنا شرفائے عرب کی فطرت کے خلاف تھا چنانچہ جب حضرت زیدؓ نے مطعم بن عدی سے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری طرف پیغام بھیجا ہے کہ کیا تم مجھے اپنی حفاظت میں لے کر مجھے شہری حقوق دلا سکتے ہو؟ تو وہ بلا حیل و حجت کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنے تمام بیٹوں کو جمع کیا اور وہ سب مسلح

ہو کر خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ آپ آ جائیں۔ آپ تشریف لائے اور پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور پھر وہاں سے مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں کی تلواروں کے سایہ میں اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ اس موقع پر مطعم بن عدی نے اپنے بیٹوں سے کہا یاد رکھو جب تک تمہارے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی گزند نہ پہنچنے پائے ساتھ ہی اُس نے مکہ میں اعلان کر دیا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شہری حقوق دیتا ہوں پس جس وقت شہری حقوق کا سوال آیا اور مکہ والے نہ چاہتے تھے کہ آپ دوبارہ شہر میں داخل ہوں اُس وقت خدا تعالیٰ نے ایک شدید ترین دشمن کے ذریعہ آپ کو مکہ میں داخل کیا اور بتا دیا کہ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہوں؟

(الفضل ۲۳ / اگست ۵، ۷، ۸، ۹، ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۱۷، ۱۸ / نومبر ۱۹۶۱ء)

---

۱ الزمر: ۳۷

۲ تذکرہ صفحہ ۲۵۔ ایڈیشن چہارم

۳ زبور باب ۱۱۸ آیت ۲۲۔ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء

۴ سیرت ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۳ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۵

۶ سیرت ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۲۰۰۔۲۰۱ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۷ القصص: ۱۵ ۸ الاحقاف: ۱۶ ۹ العلق: ۲ تا ۶

۱۰ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی (الخ)

۱۱ سیرت ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۲۶۲ تا ۲۶۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۲ سیرت ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۳ سیرت ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۳۳۹۔۳۴۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۴ بخاری کتاب مناقب الانصار باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ (الخ)

۱۵ سیرت ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۳۱۱۔۳۱۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۶؎

۱۷؎ طٰہٰ: ۱۵

۱۸؎ السیرۃ الحلبیۃ الجزءالاوّل صفحہ ۳۶۸۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء

۱۹؎ سیرت ابن ھشام جلد ۱ صفحہ ۲۸۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۲۰؎ السیرۃ الحلبیۃ جلد ۱ صفحہ ۳۸۳ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء

۲۱؎ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۱۶، ۱۷ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۲۲؎ مسلم کتاب الجھاد باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی (الخ)

۲۳؎ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۶۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۲۴؎ اسد الغابۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۵ھ

۲۵؎

۲۶؎

۲۷؎ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء

الفضل کے اداریہ جات

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیاستِ حاضرہ

اِس وقت مُلک میں سیاست کا دور دورہ ہے۔ ''ہندوستان آزاد ہو کر رہے گا'' کے ہندوستانی نعرہ کی جگہ اب برطانوی حُکّام یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم ہندوستان کو آزادی دے کر رہیں گے لیکن ہندوستانی ہیں کہ آزادی لینے کا نام نہیں لیتے۔ ہر اک انگریزوں کی طرف دیکھ کر آنکھیں مار رہا ہے کہ میرے دوست یہ ثمر لطیف میری جھولی میں پھینکو۔ ہندوؤں کے ظلموں کو دیکھ کر مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا غرض یہ تھی کہ اگر ایک حصہٗ مُلک میں ہندو ثقافت کو ترقی کا موقع ملے تو دوسرے میں مسلمان بھی اپنے دل کا جوش نکال لیں۔ پہلے تو اس نعرہ پاکستان کا مقابلہ کانگرس نے اکھنڈ ہندوستان کے ریزولیوشنوں سے کیا لیکن جب دیکھا کہ مسلمانوں کی دلیلیں غیر جانبدار طبقہ پر اثر کر رہی ہیں تو پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ کر دیا جو اکھنڈ ہندوستان کیلئے جان دے رہے تھے۔ اب کھنڈے ہوئے پنجاب اور بنگال کیلئے بے تاب نظر آتے ہیں۔ گاندھی جی کبھی کبھی اکھنڈ ہندوستان کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن دودلی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آنکھ سے ایک طرف دیکھتے ہیں تو دوسری سے دوسری طرف۔ اگر اکھنڈ کی آواز میں ہندو جاتی کا زیادہ فائدہ نظر آیا تو وہ اس پر زور دے دیں گے اور اگر کھنڈے ہوئے پنجاب اور بنگال میں ہندو برادری کی جھولی بھری گئی تو وہ اسی کی تائید کر دیں گے۔ بہر حال ان کی حالت اب تک گومگو کی سی ہے باقی کانگرس فیصلہ کر چکی ہے کہ پاکستان کا ہوّا تجویز کرنے والوں کیلئے تقسیم بنگال اور تقسیم پنجاب کے دو ہوّے پیش کر دیئے جائیں کہ مسلمان ڈر کر لوٹ آئیں۔

اب مسلمان گومگو کی حالت میں ہے پنجاب کے اکثر مسلمان تو آنکھیں بند کر کے نعرے لگا رہے ہیں کہ ہم پنجاب کو تقسیم نہیں ہونے دیں گے۔ بنگال والے ذرا غیر فوجی واقع ہوئے ہیں انہوں نے تو جھٹ سرت بوس اور ان کے ساتھیوں کی دست بوسی شروع کر دی ہے اور ایک

بنگال اور آزاد بنگال کی دو کا کلوں[1] سے ہندوؤں کو بظاہر شکار کرنا شروع کر دیا ہے مگر حقیقت میں خود شکار ہو رہے ہیں اور کشتی کو منجدھار[2] میں ڈبونے کے لئے تیار ہیں۔ مسلمانوں پر اللہ ہی رحم کرے۔ کوئی نہیں سوچتا کہ اس تقسیم کا سوال اُٹھایا ہی کیوں گیا تھا۔ تقسیم ہند کے مطالبہ کی اصل وجہ یہ تھی کہ مُلک کے ایک حصہ میں جہاں مسلمان زیادہ ہیں مسلمانوں کو اپنی تہذیب کے قوانین کے مطابق بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع مل جائے۔ بے شک جو مسلمان ہندو اکثریت کے صوبوں میں رہ جاتے تھے اُنہیں یہ کہہ کر تسلی دلائی جاتی تھی کہ چونکہ اسلامی علاقوں میں ہندو بھی موجود ہونگے اس لئے ان کے خیال سے آپ لوگوں کو ہندو تکلیف نہ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں کچھ علاقہ میں مسلمان اپنی مخصوص تہذیب اور قومیت کی بناء پر ترقی کر سکیں قطع نظر اس کے کہ کس قدر حصہ مُلک کا مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ یہ مقصد ہر ایک ایسی اسلامی حکومت کے ذریعہ سے پورا ہو سکتا ہے جو اپنی ذات میں اپنی خود مختارانہ حیثیت کو قائم رکھ سکے۔ پس یہ بحث اصل مدعا سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتی کہ پنجاب کا کتنا حصہ اسلامی حکومت میں آنا چاہئے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کتنا حصہ اسلامی حکومت میں آسکتا ہے اور جو آسکتا ہے کیا وہ ایک آزاد اور خود مختار حیثیت سے اپنے آپ کو قائم رکھ سکتا ہے؟

سکھوں، ہندوؤں کا یہ مطالبہ ہے کہ جس حصہ میں وہ زیادہ ہیں وہ حصہ باقی پنجاب سے الگ کر دیا جائے۔ یہ مطالبہ اُن کا اِس لئے نہیں کہ وہ پنجاب کے اِس حصہ میں الگ حکومت چاہتے ہیں۔ یہ مطالبہ اِس لئے ہے کہ تا اِس مطالبہ سے ڈر کر مسلمان ہندوستان سے الگ ہونے کا مطالبہ ترک کر دیں گو یہ مطالبہ اصولی طور پر درست نہیں۔ مسلمانوں کا مطالبہ پنجاب بنگال وغیرہ صوبوں میں علیحدہ حکومت قائم کرنے کا اِس دلیل پر نہ تھا کہ ان کے ہر حصہ میں مسلمان زیادہ ہیں بلکہ اِس مطالبہ کی بنیاد یہ تھی کہ اگر سارے ہندوستان میں ہندو تہذیب، ہندو زبان، ہندو تمدن کے بڑھنے کے مواقع پیدا کئے جائیں گے تو ہندوستان کے ایک حصہ میں مسلمانوں کے تمدن اور اِن کی زبان اور اِن کی تہذیب کے بڑھنے کا بھی موقع پیدا ہونا چاہئے۔ اگر مسلمانوں کا یہ مطالبہ غلط ہے تو تقسیم ہندوستان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ان کے اس

مطالبہ کو صحیح تسلیم کر کے ہندوستان کا تقسیم کا فیصلہ کیا جائے تو تقسیم بنگال یا تقسیم پنجاب کا سوال خارج از بحث ہو جاتا ہے مگر یہ بات کون سمجھائے اور کس کو سمجھائے۔ یہاں تو جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کا معاملہ ہے بلکہ آجکل تو لاٹھی بھی اُسی کے ہاتھ میں جس کے ہاتھ میں بھینس۔ مسلمان کی کھوپری لاٹھی کے لئے وقف ہے اور اس کا پیٹ بھینس کے سینگوں کیلئے۔

اِس وقت دنیا یا کہو برطانیہ سکھ ہندو کے مطالبہ کو اس نظر سے دیکھ رہی ہے کہ جہاں سکھوں، ہندوؤں کی اکثریت ہے وہاں انہیں کیوں آزاد نہ کیا جائے میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ یہ دلیل غلط ہے لیکن ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ سرِ دست انگریز نے کرنا ہے۔ میں نے یا آپ نے نہیں کرنا بعد میں طاقت پکڑ کر کوئی قوم تبدیلی کرے تو کر لے۔ سرِ دست تو کفگیر[۳] انگیریز کے ہاتھ میں ہے اور کاسۂ گدائی ہندوستانی کے۔ اگر تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کا یہ نیا فلسفہ انگریز کی سمجھ میں آ گیا ہے، خواہ غلط طور پر ہی آیا ہو تو اس کا علاج ''میں نہ مانوں'' سے نہ ہو سکے گا اس کا علاج تدبیر سے ہی ہوگا اور وہ تدبیر کم سے کم پنجاب کی تقسیم کے متعلق موجود ہے۔

پنجاب کی تقسیم کا خیال انگریز کو ہندو کی وجہ سے نہیں بلکہ سکھ کی وجہ سے ہے۔ ہندو اس وقت سکھوں کو آگے کر کے اپنا کام نکال رہا ہے اور سکھوں کو جو نقصان تقسیم پنجاب کی وجہ سے ہوگا اس کا یہ علاج بتا رہا ہے کہ مرکزی پنجاب میں اسے ایک نیم آزاد حکومت مل جائے گی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وسطی پنجاب میں سکھ دوسرے علاقوں سے زیادہ ہیں لیکن کسی ایک جگہ بھی وہ ساری قوموں سے زیادہ نہیں اس لئے یہ دعوے اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتے لیکن حکومت کی لالچ بُری شَے ہے۔ یہ سوچنے سے انسان کو عاری کر دیتی ہے اور اس وقت سکھ بھی اس خیالی پلاؤ کے فریب میں آ کر چٹخارے مار رہے ہیں۔ انگریز کہتا ہے کہ اگر میں مسلمان کا مطالبہ مانوں تو ہندو سکھ کا کیوں نہ مانوں۔ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسی دلیل پیش کرے جسے غیر جانبدار لوگ آسانی سے سمجھ سکیں اور آبادی کی زیادتی وجہ تقسیم نہ قرار پائے۔ ہمارے اتنا کہہ دینے سے کہ ہم تقسیم نہ ہونے دیں گے کچھ نہ بنے گا۔ صرف عقلمندانہ تدبیر ہی اس جگہ کام دے سکتی ہے اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ہم مطالبہ کریں کہ اوّل تو ہم تقسیم کے قائل ہی نہیں۔ ہمارا پنجاب کی علیحدگی کا مطالبہ صرف اکثریت کی بناء پر نہ تھا بلکہ اس کی بناء اور امور پر تھی لیکن اگر

انگریز اس امر کو نہیں مانتا تو پھر ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ لاہور، ملتان، راولپنڈی کی کمشنریاں اسلامی حکومت میں رہنی چاہئیں۔ اس کا جواب سکھ یہ دیں گے کہ امرتسر میں سکھوں کی زیادتی ہے اس لئے امرتسر کا علاقہ ہندو علاقہ میں جانا چاہئے۔ اگر وہ اس دلیل پر زور دیں تو ہمیں اسے بھی مان لینا چاہئے مگر یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ اس دلیل کے مطابق تحصیل اجنالہ، تحصیل فیروز پور، تحصیل زیرہ، تحصیل جالندھر، تحصیل نکودر مسلمان علاقہ میں ملانی چاہئیں۔ اِسی طرح چونکہ تحصیل ہوشیار پور اور تحصیل دسوہہ میں ہندوؤں اور سکھوں سے مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے ان کو بھی اسلامی علاقہ میں ملانا چاہئے۔ اگر ہندو، سکھ دعویٰ کریں کہ ان علاقوں کی اچھوت آبادی ان کے ساتھ ہے تو ان کی رائے شماری کر لی جائے۔ بظاہر رائے شماری پر اچھوت سب کے سب یا نصف تو ضرور مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو مغربی پنجاب کے ساتھ اجنالہ، فیروز پور، زیرہ، جالندھر، نکودر، ہوشیار پور اور دسوہہ کو بھی ملانا ہوگا۔ جس کے یہ معنی ہوں گے کہ چھ سکھ ضلعوں میں سے گورداسپور تو پہلے ہی مسلم اکثریت کی وجہ سے نکل چکا ہوگا۔ باقی پانچ میں سے قریباً دو ضلعے اس تدبیر سے نکل جائیں گے اور تین ضلع صرف سکھوں کے لئے رہ جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک میں سوائے لدھیانہ کے اسلامی حکومت کا علاقہ گھسا ہوا ہوگا۔ سکھ کسی صورت میں اسے قبول نہیں کریں گے۔ پس سکھوں کی سیاسی حالت یہ رہ جائے گی کہ وہ ضلع امرتسر کو چھوڑ دیں یا امرتسر کی دو تحصیلوں کے بدلہ میں اپنے علاقہ کی چھ تحصیلیں چھوڑ دیں۔ یہ دونوں صورتیں سکھوں کی اس خواب کو پریشان کر دیتی ہیں جو اِس وقت ہندو مسمریزم انہیں دکھا رہا ہے۔ اوّل تو وہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں مان سکتے۔ اگر مانیں گے تو ایک دو سال میں ہی پھر مغربی ہندوستان میں ملنے کی خواہش ان کے دل میں پیدا ہو جائے گی اور ہندو سکھ اتحاد کی قلعی ان پر کھل جائے گی۔ یہ تدبیر مسلمانوں کی ایسی ہوگی کہ انگریز عقلاً اسے ردّ نہیں کر سکے گا نہ دوسرا فریق اِس کو قبول کر سکے گا۔ پس سکھ جلد ہی اِس بات کو سمجھ جائیں گے کہ اُن کا فائدہ مسلمانوں سے ملنے میں ہے جن کے مُلک میں وہ چودہ فی صدی ہیں نہ کہ ہندوؤں کے ساتھ ملنے میں جن کے علاقہ میں وہ ایک فی صدی ہیں اور یہ تبدیلی رائے ان کے آپس کے اختلاف کو دور کر کے باہمی دوستی کے سامان پیدا کر دے گی۔ (الفضل قادیان ۲ رجون ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قومیں اخلاق سے بنتی ہیں

مسلمانوں کو اِس وقت اخلاق کی سخت ضرورت ہے

پاکستان اور ہندوستان کی دو الگ الگ گورنمنٹیں بننے پر سابق نظامِ حکومت چونکہ درہم برہم ہوگیا اس لئے ہر چیز کو اُٹھا کر نئے سرے سے دوسری جگہ رکھا جا رہا ہے۔ ہندو چونکہ پہلے سے ملازمتوں میں زیادہ تھے ہندوستان یونین کے محکموں میں اتنی ابتری پیدا نہیں ہوئی لیکن پاکستان گورنمنٹ کے محکموں میں بہت زیادہ ابتری پیدا ہوگئی ہے اس لئے کہ ہر محکمہ کے لئے کافی آدمی مہیا نہیں ہو رہے اور اس وجہ سے جس کام کے لئے دس آدمی چاہئیں پانچ میسر آتے ہیں۔ یہ خرابی اِس وجہ سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ابھی بہت سے مسلمان ملازم مشرقی پنجاب اور باقی ہندوستان میں رُکے پڑے ہیں۔ اُن کو ابھی تک مشرقی یا مغربی پاکستان میں پہنچایا نہیں جا سکا۔ اگر وہ آ بھی جائیں تب بھی پاکستان کے تجربہ کار کارکنوں میں بہت بڑی کمی رہ جائے گی لیکن ان کے نہ پہنچنے کی وجہ سے تو بہت زیادہ کمی واقعہ ہوگئی ہے اِس کا علاج حکومت کے پاس کوئی نہیں۔ اس کا علاج خود مسلمان ملازموں کے ہاتھ میں ہے۔ آج ہر مسلمان کو چھ گھنٹے کی بجائے دس یا بارہ گھنٹے دفتر میں کام کرنا چاہئے اور ایک ایک منٹ کو ضائع ہونے سے بچانا چاہئے لیکن مختلف دفاتر سے جو شکایتیں ہمیں پہنچ رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس محکمہ میں دس آدمیوں کی ضرورت ہے اور وہاں پانچ کام کر رہے ہیں وہ پانچ آدمی بجائے دس یا بارہ کا کام کرنے کے اپنا سارا دن ان شکایتوں میں ضائع کر دیتے ہیں کہ ہم پانچ آدمی دس کا کام کس طرح کریں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام پانچ کا بھی نہیں ہوتا۔ صفر کے برابر رہ جاتا ہے اس مرض کو جلد سے جلد دور کرنا چاہئے۔ ہر پاکستانی ملازم کو سمجھنا چاہئے کہ حکومت کا استحکام اس کی

کوششوں پر منحصر ہے۔ ہر پاکستانی ملازم کو یہ محسوس ہونا چاہئے کہ وہ پاکستانی عمارت کا ایک ستون ہے جس کی کمزوری سے عمارت میں کمزوری واقع ہو جائے گی بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہر پاکستانی ملازم کو یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ پاکستانی حکومت کو قائم کرنے کی ذمہ داری صرف اُس پر ہے اور وہ اِس کے لئے خدا اور اُس کے رسول کے سامنے جواب دہ ہے۔ جب یہ روح پاکستانی ملازموں میں پیدا ہو جائے گی تو یقیناً اس بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی کو کنارے تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پاکستان کے ملازموں پر دو ذمہ داریاں ہیں ایک اچھے شہری کی ذمہ داری جو یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ، انگلستان، روس اور دوسری مہذب گورنمنٹوں کے شہری ادا کر رہے ہیں اور ایک ملت اسلامیہ کی ذمہ داری جو ایک اچھے شہری کی ذمہ داری کے علاوہ ہے۔ ایک یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کا شہری جو روز خرچ کرتا ہے صرف اس لئے خرچ کرتا ہے کہ اس کی حکومت مضبوط ہو جائے اور باعزت زندگی بسر کر سکے۔ ایک انگلستان کا شہری یا ایک روس کا شہری جتنا زور اپنی حکومت کے استحکام میں لگاتا ہے وہ صرف اس کے اچھے شہری کی ذمہ داری تک محدود ہوتا ہے لیکن پاکستان کے ہر شہری پر اور اس کے ہر کارکن پر دو ذمہ داریاں ہیں اس نے اپنی حکومت کو بھی مضبوط کرنا ہے اور اس نے اسلام کے بچے کھچے آثار کو بھی محفوظ رکھنا ہے۔ پس یورپ اور امریکہ کے اچھے شہریوں کی نسبت اس کی ذمہ داریاں دُگنی ہیں اور اس کو یورپ اور امریکہ کے اچھے شہریوں سے بھی دُگنی محنت کرنی چاہئے۔ اگر اس ذمہ داری کا احساس نہ کیا گیا تو آنے والے خطرات کا مقابلہ پاکستان نہیں کر سکے گا لیکن اگر ان ذمہ داریوں کا احساس کیا گیا تو یقیناً پاکستان محفوظ رہے گا اور وہ طاقت پکڑتا چلا جائے گا۔

ہمیں یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ہمارا مُلک انگلستان سے بہت بڑا ہے اور صرف مشرقی پاکستان کی آبادی انگلستان کی آبادی کے قریباً برابر ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پچھلے دوسَو سال میں انگلستان نے جو شوکت حاصل کی وہ صرف مشرقی پاکستان کے افراد کی بدولت پاکستان حاصل نہ کر سکے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اس کی ساری ذمہ داری پاکستان کے کارکنوں پر ہوگی اور صرف اس وجہ سے اس میں ناکامی ہوگی کہ انہوں نے اپنے فرائض کو پوری طرح ادا نہ کیا۔ آج پاکستان کے ہر کلرک، ہر منشی، ہر چپڑاسی، ہر افسر، ہر ماتحت کو اپنے سابقہ احساسات دل

سے یکدم نکال دینے چاہئیں۔ پہلے وہ کلرک تھا، منشی تھا، چپڑاسی تھا، دفتری تھا، افسر تھا یا ماتحت تھا اب وہ ایک عظیم الشان آزاد حکومت کا بانی ہے۔ اگر وہ چاہے تو وہ ایک ایسی عمارت تیار کر سکتا ہے جو تاج محل سے بھی زیادہ شاندار ہو۔ اِس کی قربانیاں اگر انسانوں کی نظر سے پوشیدہ رہیں گی تو خدا تعالیٰ کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہیں گی۔ انگلستان، فرانس اور امریکہ نے گزشتہ جنگوں میں اپنے سپاہیوں کا حوصلہ صرف اس تدبیر سے بڑھا دیا کہ جنگ کے بعد ایک غیر معروف سپاہی کی لاش کو ایک قومی یادگار کا رُتبہ دے دیا جائے گا۔ ایک غیر معروف سپاہی کی یادگار بنانے کا اعلان اگر سارے سپاہیوں میں ایک زندگی کی روح پیدا کر سکتا ہے اور موت کو ان کی آنکھوں میں حقیر بنا کر دکھا سکتا ہے تو کیا پاکستان کا ہر کارکن اپنے نفس کو یہ کہہ کر بلند نہیں کر سکتا کہ میرا کام خواہ دنیا کی نظروں میں نہ آئے لیکن میرے کام کی وجہ سے جب پاکستان کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی تو یقیناً میرا کام قیامت تک مسلمانوں کی نظروں میں رہے گا اور خواہ وہ میرا نام نہ جانتے ہوں مگر ہر کامیابی کے موقع پر اُن کے دلوں میں یہ دعا نکلے گی کہ خدا اس کا بھلا کرے جس نے پاکستان کی بنیادوں کو مضبوط کیا تھا۔

پس اے عزیزو! اپنے وقت کو رائیگاں ہونے سے بچاؤ، لغو بحثیں اور فضول گفتگوئیں دوسروں پر چھوڑ دو۔ ہر دفتر کو مضبوط بنا دو ایسا مضبوط کہ آج کا کوئی کام کل پر نہ پڑے بلکہ کل کا کام بھی آج ہی کیا جائے۔ نظام کو توڑنے کی بجائے اُس کو مضبوط کرو کہ کوئی دفتر نظام کے بغیر چل نہیں سکتا۔ نظام شکایتوں سے نہیں بنا کرے، قربانیوں سے بنا کرتے ہیں۔ اگر کوئی افسر تمہاری حق تلفی کرے گا تو تمہاری نظام کی پابندی خود اس کی بددیانتی کو آشکارا کر دے گی اور تمہارے اچھا کام کرنے سے بُرا کام کرنے والے افسروں کی حقیقت آپ دنیا پر روشن ہو جائے گی۔ نیکی آخر دنیا میں غالب آتی ہے، قربانی آخر لوگوں کی توجہ کو کھینچ لیتی ہے۔ اگر ماتحت عملہ دیانتداری پر قائم ہو جائے گا تو افسر بھی دیانتداری پر مجبور ہو جائے گا۔ بددیانت افسر بددیانت ماتحتوں کے ذریعہ سے ہی حکومت کرتے ہیں۔ اگر ماتحت دیانتدار ہو جائیں تو بددیانت افسر یا اپنا روّیہ بدلنے پر مجبور ہو جاتا ہے یا پھر ذلیل ہو کر نکل جاتا ہے۔ مگر یہ طریق بھی غلط ہے کہ افسر کو ہمیشہ ذلیل سمجھا جائے۔ دیانتدار عنصر ہر گروہ اور ہر گروپ میں ملتا ہے۔

پس جہاں دیانتداری پائی جائے اس کی قدر کرو اور صرف کسی شخص کے دوسرے گروپ میں شامل ہونے کی وجہ سے اس کی حقارت نہ کرو، اس کے کام کی تذلیل نہ کرو، جو افسروں میں دیانتدار ہیں وہ بھی عزت کے قابل ہیں اور جو ماتحتوں میں دیانتدار ہیں وہ بھی قوم کے سردار ہیں۔ اپنے عمل سے ان کو شرمندہ کرو جو دیانتدار نہیں اور اپنے عمل سے ان کو تقویت دو جو دیانتدار ہیں تا کہ پاکستان کا ہر محکمہ اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کرنے لگ جائے۔ ہم پاکستان کے ہر شہری سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ اِسے اِس کام میں پاکستان کی حکومت کی مدد کرنی چاہئے۔ آخر یہ افسر اور کلرک آپ کے بھائی بند ہیں۔ آپ کا بھی فرض ہے کہ اِن کو اپنے فرائض کی طرف توجہ دلائیں۔ ان کی کوتاہیاں آخر آپ کے لئے بھی تباہی کا موجب ہونگی اور اِن کی فرض شناسی آپ کی عزت اور آپ کی حفاظت کا موجب بنے گی۔

پس اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں اور دوستوں کو جو سرکاری محکموں میں ہیں ان کے فرض کی طرف توجہ دلاؤ اور ان سے ایسے کام کروانے کی ہرگز کوشش نہ کرو جن سے ان پر رعایت کا الزام لگے اور وہ بددیانتی کے مرتکب ہوں۔ اس صورت میں آپ ایک پیسے کا فائدہ تو اُٹھائیں گے لیکن ہزاروں ہزار کا نقصان کر دیں گے۔ وہی شہری دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس کی حکومت مضبوط، مستحکم اور دیانتدار ہو۔ چین کی آبادی چالیس کروڑ ہے لیکن اس کے شہری کو وہ عزت حاصل نہیں جو انگلستان، آسٹریلیا، کینیڈا اور یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کے شہری کو حاصل ہے اس لئے کہ یہ مُلک گو چھوٹے ہیں مگر ان کی حکومتیں مستحکم اور مضبوط ہیں اور حکومتیں اِسی لئے مستحکم اور مضبوط ہیں کہ اِن کے کارکن دیانتدار اور محنتی ہیں۔ پس ہر شخص کو چاہئے کہ وہ سارا زور استعمال کر کے حکومت کے محکموں کو دیانتدار بنائے۔ اور دیانتداری کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ صرف تمہارا حق ادا ہو بلکہ دیانتداری کے یہ معنی ہیں کہ ہر شخص کا حق ادا ہو۔ یہ دیانتداری نہیں کہ آپ لوگ اس کی تعریف کریں جس نے آپ کا حق ادا کر دیا یا جس سے آپ اپنا حق کسی لحاظ سے ادا کرواسکیں۔ دیانتداری یہ ہے کہ قطع نظر کسی تعلق اور رعایت کے ہر پاکستان کے شہری کا حق ادا کیا جائے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، امیر ہو یا غریب۔ اور پاکستان کا ہر کارکن محنت کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرے یہاں تک کہ اگر اسے اپنے مقررہ وقت سے دوگنا وقت بھی دفتر

میں صرف کرنا پڑے تو اس سے دریغ نہ کرے۔ اگر پاکستان کے کارکن اس معیارِ اخلاق پر قائم ہو جائیں اور اگر پاکستان کا ہر شہری اپنا حق لینے کی بجائے اپنے عزیزوں اور دوستوں کو جو مختلف دفاتر میں کام کر رہے ہیں اس امر کی طرف توجہ دلائے کہ محنت سے کام کرو، دیانت سے کام کرو، بنی نوع انسان کی ہمدردی کے جذبہ سے کام کرو، پاکستان کو دنیا کی حکومتوں میں ایک معزز جگہ دلانے کی نیت سے کام کرو تو یقیناً نتائج شاندار ہونگے۔ ہمارے زخم مندمل ہو جائیں گے، ہمارے نقصانات خدا تعالیٰ دوسرے ذرائع سے پورے کر دیگا اور ان لاکھوں مسلمان مظلوموں کے دل کی آگیں بجھ جائیں گی جن کو اس تغیر کی وجہ سے ایسا نقصان پہنچا ہے کہ سینکڑوں سالوں میں بھی دوسری قوموں کے افراد کو نہیں پہنچا۔

(الفضل لاہور ۲؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مشرقی اور مغربی پنجاب کا تبادلۂ آبادی

ہم شروع سے تبادلۂ آبادی کے خلاف رہے ہیں۔ تبادلۂ آبادی کی وجہ سے جو تباہی اور بربادی آئی ہے اِس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی اور ابھی اس تباہی اور بربادی کا سلسلہ لمبا ہوتا چلا جا رہا ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ کب جا کر ختم ہوگا۔ ہر آدمی جو اِدھر سے اُدھر جاتا ہے وہ حقیقی یا بناوٹی مظالم کی ایک لمبی داستان دوسرے مُلک میں اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور ہر مجلس میں جب وہ ان مظالم کی داستان سناتا ہے تو سامعین کے چہروں کا تأثر اور اُن کی داد اسے اپنی کہانی میں مزید مبالغہ کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے یہاں تک کہ ہر نئے شہر اور ہر نئے گاؤں میں اس کی کہانی زیادہ سے زیادہ بھیانک صورت اختیار کرتی چلی جاتی ہے اور ان واقعی یا خیالی داستانوں کا نتیجہ ایک بے انتہاء بغض اور کینہ کی صورت میں لاکھوں آدمیوں کے دلوں میں پیدا ہوتا جاتا ہے جو صرف حال کو ہی مکدر نہیں کرتا بلکہ مستقبل کو بھی بھیانک بناتا چلا جاتا ہے۔ ہمارا تو اب بھی یہی خیال ہے کہ دونوں مُلکوں کی آبادی کو پھر اپنے اپنے گھروں میں بسایا جائے اور اس تبادلۂ آبادی کے سلسلہ کو کلیۃً روک دیا جائے۔ ہمارے نزدیک یہ اب بھی ممکن ہے بشرطیکہ غیر معمولی جدوجہد اور کوشش سے کام لیا جائے لیکن جب تک خدا تعالیٰ لیڈروں کے دلوں میں یہ تحریک پیدا نہیں کرتا اور جب تک خدا تعالی بھاگنے والوں کے دلوں کو پھر دوبارہ ہمت نہیں بخشتا تب تک مجبوراً دوسری تدبیروں سے کام لینا ہی پڑے گا اور تبادلۂ آبادی کے کام کو کسی بہتر صورت میں سرانجام دینا ہی ہوگا۔ جس وقت تبادلۂ آبادی کا کام شروع ہوا ہے مغربی پنجاب میں غیر مسلم ۴۲ لاکھ کی تعداد میں بستے تھے اور مشرقی پنجاب میں ۴۴ لاکھ مسلمان تھے گویا جب کام شروع ہوا ہے اُسی وقت سے مغربی پنجاب کا کام مشرقی پنجاب کی نسبت زیادہ مشکل تھا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ غیر مسلم اس کام کے لئے پہلے سے تیار تھے اور مسلمان اس کام

کیلئے تیار نہیں تھے۔ تیسری مشکل یہ تھی کہ غیر مسلموں کی جائدادوں کا ایک بڑا حصہ سونے اور چاندی اور دوسری قیمتی اشیاء کی صورت میں تھا اور مسلمانوں کی جائداد کا بڑا حصہ زمینوں، مکانوں، مویشیوں اور گھر کے اسباب کی صورت میں تھا۔ ظاہر ہے کہ سونا چاندی اور قیمتی اشیاء بہت تھوڑی سی جدوجہد کے ساتھ ایک طرف سے دوسری طرف منتقل کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ یہ حصہ مال کا تو پہلے ہی چند دنوں میں سکھ اور ہندو نکال کر لے گئے۔ اس کے بعد چونکہ وہ لوگ پہلے سے تیار تھے انہوں نے اپنے اِردگرد کے مسلمانوں پر حملے کر کے ان کے اموال بھی لُوٹ لئے اور یہ لُوٹا ہوا مال ان ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے ہندوستان پہنچانا شروع کیا جو ہندوستان سے مغربی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کو نکالنے کے لئے آرہے تھے۔ ان جہازوں میں بِالعموم ہندوؤں اور سکھوں کا اپنا مال نہیں جاتا تھا بلکہ لُوٹا ہوا مال جاتا تھا اپنا مال وہ بعد میں قافلوں کے ذریعہ سے لے گئے اور اس طرح قانونی گرفت سے محفوظ رہے۔

مغربی اور مشرقی پنجاب کے تبادلۂ آبادی کے افسروں میں بھی ایک بہت بڑا فرق تھا مغربی پنجاب کے تبادلۂ آبادی کے افسر انگریز تھے اور ہیں۔ مشرقی پنجاب نے بہت جلد انگریز افسروں کو بدل کر ان کی جگہ ہندو اور سکھ لگا دیئے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایک انگریز کو مسلمان کی جان اور مال کی اتنی فکر نہیں جتنی ایک ہندو اور سکھ کو ہندو اور سکھ کے مال اور جان کی فکر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں اور سکھوں کا خروج بہت جلدی اور بہت عمدگی کے ساتھ ہوتا چلا گیا اور مسلمانوں کے اس مُلک کے داخلہ میں مشکلات بھی پیدا ہوئیں اور دیر بھی ہوئی۔ اب یہ حال ہے کہ ۲۲، ۲۷ لاکھ مسلمان مشرقی پنجاب میں پڑا ہے لیکن ہندو اور سکھ مغربی پنجاب میں صرف سات آٹھ لاکھ ہے جس دن یہ سات آٹھ لاکھ ختم ہو گیا مشرقی پنجاب میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں کی جانوں کا اللہ ہی حافظ ہو گا۔ ابھی تو ان سات لاکھ آدمیوں کی حفاظت کے خیال سے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت بھی بعض افسر کرتے رہتے ہیں۔ جب سب ہندو اور سکھ یہاں سے نکل گئے تو پھر کوئی سیاسی محرک بھی مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی جان بچانے کا باقی نہیں رہے گا۔ پہلے ریلیں چلتی تھیں تا کہ ایک دوسرے کے مُلک کے پناہ گزینوں کو نکال لے جائیں لیکن اب وہ سلسلہ بھی بند ہو رہا ہے۔ اب پیدل قافلے چلتے ہیں

مگر مشرقی پنجاب سے مغربی پنجاب کی طرف مسلمانوں کو منتقل کرنے کے لئے پیدل قافلے بھی اب کم ہی چلتے ہیں بیسیوں جگہیں ایسی ہیں جہاں ہفتوں سے مسلمان پڑے ہیں اور فاقے سے مر رہے ہیں، لوٹے جا رہے ہیں، قتل کئے جا رہے ہیں لیکن ان کے نکالنے کی اب تک کوئی تجویز نہیں کی گئی۔ جالندھر، نکودر، گڑھ شنکر، راہوں، فتح گڑھ چوڑیاں اور قادیان چلّا چلّا کر تھک گئے ہیں لیکن پناہ گزینوں کو نکالنے کے لئے اب تک کوئی انتظام نہیں ہوسکا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کام بہت بڑا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کارکن بہت تھوڑے ہیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان کی گورنمنٹ نے آنے والوں کے بسانے کے متعلق جو کوششیں کی ہیں وہ حیرت انگیز بھی ہیں اور قابلِ قدر بھی لیکن ہمارے نزدیک مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو نکالنے کی جو تدابیر کی گئی ہیں وہ پوری مؤثر نہیں۔ جب مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب کے درمیان یہ سمجھوتہ ہوا کہ ریفیوجی کیمپ کا بنانا اس مُلک کے اختیار میں ہوگا جس مُلک میں پناہ گزین بیٹھے ہوں گے۔ تو گو یہ معاہدہ مغربی پنجاب کی حکومت نے کسی حکمت کے ماتحت ہی کیا ہوگا اور اس میں کچھ فائدہ ہی اس نے سوچا ہوگا مگر اس دن سے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر بہت بڑی تباہی آ رہی ہے چالیس چالیس، پچاس پچاس ہزار آدمی جن جگہوں پر بیٹھے ہیں ان کو ریفیوجی کیمپ نہیں بنایا جاتا کیونکہ اب مسلمان کے لئے ریفیوجی کیمپ بنانا مشرقی پنجاب کی حکومت کے اختیار میں ہے اور جب مسلمان پناہ گزینوں کے علاقوں کو ریفیوجی کیمپ ہی قرار نہیں دیا جاتا تو اُن کی خوراک کی ذمہ داری بھی مشرقی پنجاب کی حکومت پر عائد نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے وہ لوگ بھوکوں مر رہے ہیں، وہ گاڑیاں نہیں مانگتے، وہ کچھ اور امداد طلب نہیں کرتے اُن کی فریاد صرف یہی ہے کہ ان کو مشرقی پنجاب سے نکال کر پاکستان کی سرحدوں میں داخل کر دیا جائے۔ یہ بے کس اور بے پناہ ہجوم بعض تو پاکستان کی سرحد کے اتنے قریب بستے ہیں کہ تھوڑی سی جدوجہد سے ان کو نکالا جا سکتا ہے لیکن کوئی نہ کوئی روک ان کو نکالنے میں پیدا ہوتی چلی ہی جاتی ہے۔ ہم مغربی پنجاب کی پاکستانی حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ اس امر کی طرف زیادہ توجہ دی جائے ان لوگوں کا لاکھوں روپیہ کا مال لوٹا گیا ہے اور ہر روز ان کی عورتوں کی آبروریزی کی جاتی ہے۔ ہماری غیرت اور حمیّت کا تقاضا ہے کہ اور سب کام چھوڑ کر بھی اس

کام کو کیا جائے۔ ان لوگوں کے ادھر لانے میں پاکستان کا بھی فائدہ ہے۔ وہ وہاں بے کار بیٹھے ہیں اور ہر روز ان کے مال لوٹے جا رہے ہیں اگر وہ کچھ مال بچا کر لے آئے تو پاکستان کی دولت بڑھے گی اور اگر یہاں آ کر انہوں نے مختلف کام شروع کر دیئے تو پاکستان کی اقتصادی حالت میں ترقی ہوگی۔ آج پاکستان کی ہر اسلامی انجمن اور ہر اسلامی ادارے کو اس امر پر اپنی توجہ مبذول کر دینی چاہیئے۔ اسی طرح ہر باہمت اور بارسوخ شخص کو ذمہ دار لوگوں کو توجہ دلانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ وہ بہادر اور قربانی کرنے والے افسر جنہوں نے پہلے بھی بہت کچھ کام اس سلسلہ میں کیا ہے انہیں اپنی ہمت کی کمریں کس کر اور بھی زیادہ جوش سے اس کام کو جلد سے جلد پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے خدا کرے کہ ہماری یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہو اور لاکھوں مسلمانوں کی جانیں اس تباہی سے بچ جائیں اور اس بلائے عظیم کے آنے سے پہلے جو کہ دمبدم ان کے قریب آ رہی ہے وہ پاکستان میں داخل ہو جائیں۔

حال ہی میں ہندوستان یونین کے پرائم منسٹر مسٹر نہرو نے اعلان کیا ہے کہ مغربی پنجاب کے ہندو اور سکھ کو بہت ہی جلد وہاں سے منتقل کر لیا جائے گا لیکن مشرقی پنجاب کے مسلمان کہیں دسمبر تک جا کر پاکستان میں پہنچ سکیں گے ان الفاظ سے ہر مسلمان حقیقت حال کو سمجھ سکتا ہے۔ اگر یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ سارے ہندو اور سکھ اکتوبر میں منتقل ہو جائیں گے تو مسلمانوں کو پورے طور پر منتقل ہونے میں نومبر اور دسمبر دو اور مہینے لگیں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان دو مہینوں میں وہ پاکستان کی طرف منتقل ہوں گے۔ غالب خیال یہی ہے کہ وہ اگلے جہان کی طرف منتقل ہوں گے کیونکہ ہندوستان یونین کے لیڈر گو بڑے زور سے امن کے قیام کی اپیلیں کر رہے ہیں اور ہمارے خیال میں کم سے کم ایک حصہ ضرور دیانتداری سے ایسا کر رہا ہے خصوصاً مسٹر نہرو جن کے خیالات نیشنلسٹ ہیں لیکن باوجود ان اپیلوں کے ماتحت عملہ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ چھوٹے افسر یہ بات برملا کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں کہ مہاتما گاندھی اور مسٹر نہرو کو باتیں کرنے دو ہم نے جو مقصد اپنے سامنے رکھا ہے اسے پورا کر کے چھوڑیں گے۔ پس پیشتر اس کے کہ مغربی پنجاب ہندو اور سکھ سے خالی ہو مشرقی پنجاب کے پناہ گزینوں کو وہاں سے نکال لینا چاہیئے کیونکہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ چکے ہیں اور میدانوں میں پڑے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان

کا واپس مشرقی پنجاب میں جانا تو ضروری ہے لیکن یہ اُسی وقت ہوگا جب وہ یہاں آ کر ذرا امن کا سانس لے لیں۔ ہندوستان یونین اور پاکستان کا با محبت سمجھوتہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر ہمارا مُلک ترقی نہیں کر سکتا ہمیں اس کام کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور ہم سمجھتے ہیں کہ دونوں مُلکوں کے عقلمند اور مدبر آخر اس خیال کے قائل ہو جائیں گے اور سب مل کر ان فتنوں اور فسادوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن جب تک وہ دن آئیں ہمیں اپنے بھائیوں کی جان و مال، عزت اور آبرو کی حفاظت کا خیال کبھی بھی دل سے اوجھل نہ ہونے دینا چاہئے۔ پاکستان کی بنیاد بے غیرتی پر نہیں بلکہ غیرت پر رکھی جانی چاہئے۔

(الفضل لاہور ۳/۱۰/اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پاکستان کی سیاستِ خارجہ

ہم آج ایک ایسے اہم مضمون کی طرف اپنے اہل وطن کی توجہ پھرانا چاہتے ہیں جو پاکستان کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ پاکستان کی حکومت بالکل نئی نئی بنی ہے اور ابھی اس کے دفاتر کا چارج تجربہ کار آدمیوں کے ہاتھوں میں نہیں اس وجہ سے اس کے کاموں میں بعض دفعہ ایسی خامیاں رہ جاتی ہیں جو پاکستان کی حکومت کی مضبوطی میں خلل ڈالتی ہیں اور ان کا دور کرنا پاکستان کی حکومت کے ثبات کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ان خامیوں میں سے ایک ہمارے نزدیک سیاستِ خارجہ کی پالیسی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاست خارجہ کے دفتر میں ابھی ماہرینِ فن موجود نہیں اور ایسے آدمیوں کی کمی ہے جو انٹرنیشنل لاء کے جاننے والے ہوں۔ اس وجہ سے پاکستان حکومت اِس وقت ایک لاوارث وجود کی صورت میں نظر آتی ہے۔ کئی واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے پاکستانی حکومت کے حقوق کو تلف کیا جاتا ہے لیکن پاکستان کی حکومت کی طرف سے کوئی مؤثر قدم اُٹھانا تو الگ رہا ان کے خلاف پروٹسٹ تک بھی نہیں کیا جاتا حالانکہ اخلاقی اور سیاسی اصول میں فرق ہے۔ حکومت کا کام صرف یہی نہیں ہوتا کہ وہ اخلاقی اصول کی پیروی کرے اس کا کام یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کرے۔ حضرت مسیح ناصری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اگر کوئی تیری چدر مانگے تو اسے کرتہ بھی دے دے اور اگر کوئی تجھے ایک میل تک بیگار لے جائے تو تو دو میل تک اس کے ساتھ چلا جا۔ یہ ایک اخلاقی تعلیم ہے اور بعض حالتوں میں ضروری اور بعض دوسری حالتوں میں مضر۔ اسی لئے اسلام نے اس تعلیم کو تسلیم نہیں کیا بلکہ مختلف حالات میں مختلف قسم کی تعلیم دی ہے لیکن اخلاقی طور پر خواہ یہ تعلیم بعض وقتوں میں مفید اور ضروری بھی ہوتی ہو سیاسیات میں اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سیاسیات کا اصول

یہ ہے کہ اگر کوئی قوم اپنے کسی حق کو بغیر احتجاج کے چھوڑ دیتی ہے تو بین الاقوامی اصول کے مطابق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس قوم نے وہ حق ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے اس لئے جب کبھی حکومتوں کے معاملہ میں ایسا واقعہ پیش آتا ہے کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم کا حق تلف کرتی ہے تو خواہ مظلوم قوم اپنا حق زور سے نہ لے۔ خواہ اس کا بدلہ مانگے ہی نہ، وہ قانونی طور پر اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے اس کے خلاف احتجاج ضرور کر دیتی ہے تاکہ وہ ظلم آئندہ دوسری قوم کا حق نہ سمجھ لیا جائے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے حقوق پاکستانی حکومت کے تلف ہو رہے ہیں لیکن ان کے خلاف احتجاج بھی نہیں کیا جا رہا۔

ہندوستان اور پاکستان میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے کے پناہ گزین جب دوسرے مُلک میں جائیں گے تو ان کے سامان کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔ اس معاہدہ کے خلاف بعض جگہ پر پاکستان کے افسروں نے پناہ گزینوں کی تلاشیاں لیں اور بعض جگہ پر ہندوستان کے افسروں نے پاکستان کے پناہ گزینوں کی تلاشیاں لیں۔ ہندوستانی یونین نے احتجاج کیا اور پاکستان کے وزیر خارجہ نے اپنے افسروں کو سخت تنبیہہ کی کہ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہئے اس کے برخلاف ہندوستانی یونین جو حد سے زیادہ تکلیف دینے والی تلاشیاں مسلمان پناہ گزینوں کی لیتی تھی اور لیتی ہے قادیان سے چلنے والے ٹرکوں کی بعض دفعہ چھ چھ گھنٹہ تک متواتر تلاشی لی جاتی رہی ہے اگر آٹھ دس ٹرک کی چھ گھنٹے تک تلاشی لی جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پچاس ساٹھ ہزار کے قافلہ کی دو تین ماہ تک متواتر تلاشی لی جانی چاہئے۔ جالندھر اور لدھیانہ کے مسلمانوں کو بھی اور فیروز پور کے پناہ گزینوں کو بھی اسی طرح دکھ دیا گیا لیکن اس کے متعلق ہمارے علم میں پاکستانی حکومت نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف تو مسلمانوں میں بد دِلّی پیدا ہوگی کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کا خیال نہیں رکھا جاتا اور دوسری طرف سیاسی طور پر ہندوستانی یونین کو اپنے حقوق منوانے کے متعلق ایک فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ یہ خاموشی سیاسی دنیا میں ہرگز اخلاق نہیں کہلائے گی بلکہ کمزوری کہلائے گی اور ہتھیار رکھنے کے مترادف سمجھی جائے گی۔

اسی طرح پاکستانی حکومت اور ہندوستانی یونین میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے مُلک

سے پناہ گزینوں کے لانے کے لئے ٹرکوں کے جو قافلے جائیں گے ان کے کام میں کسی قسم کی رُکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی لیکن باوجود اس معاہدہ کے جو ٹرک پاکستان سے ہندوستان میں جاتے ہیں ان کے کام میں ہندوستان کے افسر دخل اندازی کرتے ہیں۔ چنانچہ قادیان میں تو یہاں تک کیا گیا کہ پاکستانی گورنمنٹ کی بھیجی ہوئی لاریوں میں قافلوں کے افسر نے جو سواریاں چڑھائیں ان کو زبردستی ملٹری کے کیپٹن نے اتار دیا اور کہا کہ جن لوگوں کو میں بٹھاؤں گا وہ جائیں گے اور جن لوگوں کو میں نہیں بٹھاؤں گا وہ نہیں جائیں گے۔ Evacuation کے محکمہ کو اس طرف توجہ دلائی گئی اسی طرح ملٹری افسروں کو اس طرف توجہ دلائی گئی تو انہوں نے میجر جنرل چمنی سے فون پر بات کی انہوں نے کہا مقامی افسر کو ایسا کوئی حق نہیں ہم اس کو سمجھا دیں گے لیکن اس کے بعد پانچ قافلے متواتر گئے ہیں اور پانچوں کے ساتھ اس نے متواتر یہی معاملہ کیا ہے یہی حال دوسری جگہوں پر بھی ہوتا رہا ہے اس معاملہ کے متعلق پناہ گزینوں کے محکمہ کو پاکستان کے محکمہ خارجہ کے پاس فوراً رپورٹ کرنی چاہئے تھی اور حکومت پاکستان کے محکمہ خارجہ کو فوراً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی چاہئے تھی اور کہنا چاہئے تھا کہ لاریاں ہماری، آدمی ہمارے تم کون ہو جو فیصلہ کرو کہ فلاں آدمی لاریوں میں بیٹھیں، فلاں نہ بیٹھیں اور یہ کہ اگر تم اپنے رویہ کو نہ بدلو گے تو ہم اپنی طرف بھی تمہارے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔ جو ہوائی جہاز خاص لوگوں کو لینے کے لئے آتے ہیں ان میں دوسرے لوگوں کو بٹھا دیں گے اور ان کو بیٹھنے نہیں دیں گے جن کو تم بٹھانا چاہو۔ اگر حکومت پاکستان کا محکمہ خارجہ اس پر احتجاج کرتا تو ہندوستانی یونین کو فوراً ہوش آجاتی اور وہ ان نالائق افسروں کو سزا دیتی جو ایسی غیر آئینی کارروائی کر رہے ہیں اور ساری مہذب دنیا پاکستان کی تائید کرتی اور اس کو اپنے مطالبہ میں حق بجانب سمجھتی۔

ریاستوں کے معاملہ میں بھی اپنے حقوق کی پوری طرح حفاظت نہیں کی گئی۔ جونا گڑھ کی ریاست نے پاکستان کی حکومت کے ساتھ ملنے کا فیصلہ کیا اور دونوں میں معاہدہ بھی ہو گیا اس معاہدہ کے بعد ہندوستانی یونین نے اپنا ایک پولیٹکل سیکرٹری ریاست جونا گڑھ سے بات کرنے کے لئے ریاست جونا گڑھ میں بھجوایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ ہندوؤں کے حقوق میں کسی قسم کی

خرابی پیدا نہ ہونے دیں اور یہ کہ اپنی باجگذار ریاستوں کے معاملہ میں بھی وہ دخل نہیں دیں گے۔ جونا گڑھ معاہدہ کے رو سے اپنے خارجی تعلقات پاکستان کے سپرد کر چکا ہے اور جونا گڑھ کی سیاست خارجہ اب خود جونا گڑھ کے ہاتھ میں نہیں بلکہ پاکستان کے ہاتھ میں ہے یہ معاہدہ چھپ چکا ہے اور تمام دنیا کے سامنے آ چکا ہے۔ جہاں تک امور خارجہ کا تعلق ہے جونا گڑھ کا تعلق پاکستان سے ویسا ہی ہے جیسا کہ جونا گڑھ کا تعلق وائسرئے کے ساتھ تھا۔ کیا انگریزی حکومت کے دور میں یہ ممکن تھا کہ فرانس اور جرمنی اپنا کوئی افسر براہ راست جونا گڑھ میں بھیج سکتے یا اگر فرانس اور جرمنی ایسا کرتے تو اُسی وقت انگریزی حکومت کان سے پکڑ کر اُن کو باہر نہ نکال دیتی اور ان سے یہ نہ کہتی کہ جونا گڑھ کے امور خارجہ ہمارے متعلق ہیں تمہارا جونا گڑھ سے کوئی تعلق نہیں تم ان کے متعلق ہم سے آ کر بات کرو؟ لیکن پاکستان کی حکومت نے اس ہتک کو خاموشی کے ساتھ برداشت کر لیا اور اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی یونین کو اور بھی دِلیری پیدا ہوگئی اور اب انہوں نے جونا گڑھ کی ایک آزاد حکومت بمبئی میں قائم کر دی ہے۔ کیا وہ حکومتیں جن کے تعلقات آپس میں دوستانہ اصول پر ہوتے ہیں ان کے مُلک میں کوئی ایسی آزاد حکومت قائم کی جاسکتی ہے؟ جو دوست مُلک کے خلاف ہو۔ ہر انٹرنیشنل لاء کا جاننے والا جانتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا اس قسم کا فعل دوستانہ تعلقات کے منافی سمجھا جاتا ہے اور فوراً وہ حکومت جس کے کسی علاقہ کے خلاف ایسی بات کی جاتی ہے اس پر احتجاج کرتی ہے اور مخالف حکومت کو پناہ دینے والی حکومت یا اس کو اپنے مُلک سے نکال دیتی ہے یا پھر احتجاج کرنے والی طاقت اس سے اپنے دوستانہ تعلقات منقطع کر دیتی ہے۔

ایک معاملہ کشمیر کا ہے ہندوستان گورنمنٹ بار بار اعلان کرتی رہی ہے کہ ٹراونکور کو آزادی نہیں دی جاسکتی کیونکہ اس کی سرحدیں ہندوستان کے ساتھ ملتی ہیں۔ حیدرآباد کو آزادی کے اعلان کی اجازت نہیں کیونکہ اس کی اکثریت ہندوستان سے ملنا چاہتی ہے کیا یہی حقوق پاکستان کو کشمیر کے متعلق حاصل نہیں؟ کیا کشمیر کی سینکڑوں میل کی سرحد پنجاب اور صوبہ سرحد کے ساتھ نہیں ملتی؟ کیا اس کے برخلاف ہندوستان کے ساتھ اس کا اتصال نہایت ہی چھوٹا نہیں؟ کیا وہاں کی اسی فیصدی آبادی مسلمان نہیں اور کیا ان کی اکثریت پاکستان کی حامی نہیں؟ پھر ہم نہیں

سمجھ سکے کہ پاکستان حکومت نے کیوں بار بار یہ اعلان نہیں کیا کہ کشمیر کے معاملہ میں ہم کوئی دخل اندازی پسند نہیں کریں گے۔ کشمیر کی اکثریت پاکستان میں شامل ہونے کی مدعی ہے جب تک کشمیر میں آزاد حالات کے ماتحت ریفرنڈم نہیں کیا جائے گا ہم کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے خصوصاً جبکہ اس کی سرحد سینکڑوں میل تک ہماری سرحدوں سے ملتی ہے اور ہندوستان کے ساتھ اس کا اتصال بہت مختصر ہے۔ اگر سیاسی متداول طریقوں کے ذریعہ سے اس قسم کا احتجاج بار بار کیا جاتا اور اخباروں میں اس کا اعلان کیا جاتا تو یقیناً کشمیر کی پوزیشن آج اور ہوتی بلکہ جس طرح جونا گڑھ کے مقابلہ میں ہندوستان یونین نے ایک الگ حکومت قائم کر دی ہے کشمیر کے متعلق بھی پاکستان گورنمنٹ کو یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ اگر ہمارے علاقہ میں کشمیر کی کوئی آزاد گورنمنٹ بنی تو ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے کیونکہ ایسا ہی طریق ہندوستانی یونین نے اختیار کیا ہے۔ کشمیر کی سیاست سے بے تعلق رہنا اِس وقت پاکستان کی گورنمنٹ کے لئے مناسب نہیں اگر کشمیر ہندوستانی یونین میں گیا تو اس کے تین خطرناک نتائج پیدا ہوں گے۔

اوّل: ۳۲ لاکھ وہاں کا مسلمان اسی طرح ختم کر دیا جائے گا جس طرح مشرقی پنجاب کا مسلمان۔

دوسرے: صوبہ پنجاب بالکل غیر محفوظ ہو جائے گا کیونکہ ہندوستان یونین اور کشمیر اور صوبہ سرحد کے درمیان پنجاب ایک مثلث کی شکل میں ہے اور اس مثلث کے ایک خط پر کشمیر آتا ہے دوسرے خط پر ہندوستان یونین تیسرے خط پر صوبہ سرحد اور کچھ حصہ سندھ کا۔ صاف ظاہر ہے کہ جو مُلک مثلث کے دو مخالف خطوط میں آیا ہوا ہوگا وہ کبھی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

تیسرا: خطرہ پاکستان کو یہ ہے کہ شروع سے ہی ہندوستان یونین کی نظریں صوبہ سرحد پر ہیں کروڑوں روپیہ خرچ کر کے وہاں خدائی خدمت گار وغیرہ قسم کی جماعتیں بنائی گئی ہیں۔ کشمیر اگر ہندوستانی یونین کے ساتھ ملے تو ہندوستانی یونین کا براہِ راست صوبہ سرحد کے ساتھ تعلق ہو جائے گا کیونکہ کشمیر کی سرحد صوبہ سرحد اور آزاد قبائلی

علاقوں سے ملتی ہے اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ مظفر گڑھ، گلگت اور چلاس کے علاقہ سے رائفلیں اور روپیہ اور دوسرا جنگی سامان صوبہ سرحد کے کانگرسی ایجنٹوں میں تقسیم کر سکیں گے اور صوبہ سرحد کے قبائل کو وظائف وغیرہ دے کر وہ اپنے ساتھ ملا سکیں گے اور پاکستان سے اس کا کوئی مداوا نہ ہو سکے گا۔ صوبہ سرحد میں کانگرس نے دور دور تک اپنے پاؤں پھیلا رکھے ہیں اور اس خطرہ سے پاکستان کو ہرگز غافل نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے وقت پر حکومت اور مُلک کے سامنے سارے خطرات رکھ دیئے ہیں خدا کرے مسلمان اس صدمۂ عظیم سے بچ جائیں اور ان خطرناک نتائج سے محفوظ ہو جائیں جو کشمیر کے انڈین یونین میں شامل ہونے سے پیدا ہوں گے علاج ان کے ہاتھ میں ہے وہ اب بھی علاج کر سکتے ہیں اور علاج کا کرنا نہ کرنا ان کی مرضی پر منحصر ہے مگر ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

(الفضل لاہور ۴؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ھُوَالنَّاصِرُ

جماعت احمدیہ کے امتحان کا وقت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا - وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا - وَ اِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا [۱]

ترجمہ اے مؤمنو! یاد کرو جبکہ تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی دشمن آئے اور پتلیاں خوف سے ٹیڑھی ہوگئیں اور دل دھڑکتے ہوئے گلے میں آ پھنسے اور تم خدا تعالیٰ کے متعلق مختلف قسم کے گمان کرنے لگ گئے اس موقع پر مؤمنوں کے ایمانوں کی آزمائش کی گئی اور انہیں ایک سخت زلزلہ سے ہلا دیا گیا اور جبکہ منافق اور وہ لوگ بھی جن کے دلوں میں کچھ کچھ بے ایمانی کا روگ پیدا ہو رہا تھا بول اُٹھے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے ہم سے دھوکا کیا اور جبکہ اسی قسم کے لوگوں میں سے ایک گروہ یہ چہ میگوئیاں کرنے لگ گیا کہ اے مدینہ کے لوگو! اب تمہارے لئے دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اب تم اپنے دین اور ایمان کو چھوڑ کر پھر کفر کی حالت کی طرف لوٹ جاؤ۔ اور اس قسم کے لوگوں میں سے ایک گروہ اللہ کے نبی کے حضور میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ ہمارے گھر بے حفاظت ہیں ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم واپس

جا کر اپنے گھروں کی حفاظت کر سکیں۔ حالانکہ ان کے گھر کوئی خاص طور پر بے حفاظت نہیں وہ صرف بھاگ کر اپنی جانیں بچانا چاہتے ہیں۔

قرآن کریم کی یہ آیات آجکل پورے طور پر قادیان کے احمدیوں پر اور باقی دنیا کے احمدیوں پر چسپاں ہو رہی ہیں۔ قادیان پر اس کے اوپر سے بھی حملہ ہو رہا ہے یعنی حکام بھی اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور نیچے سے بھی حملہ ہو رہا ہے یعنی سکھ آبادی اس کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ آج غم اور صدمہ سے لوگوں کی آنکھیں ٹیڑھی ہوتی چلی جاتی ہیں اور دل واقعہ میں اچھل اچھل کر گلے میں اٹک رہے ہیں اور کئی لوگوں کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ کیا احمدیت واقعہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی اور کیا انہوں نے اس کے قبول کرنے میں غلطی تو نہیں کی؟ مؤمنوں کے لئے آج دُہری مصیبت ہے ایک طرف حکام اور رعایا کے ظلموں سے بچنے کیلئے امن پسندانہ کوششیں اور ہتھیلیوں پر جانیں رکھ کر اپنے مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کا فکر اور دوسری طرف اس قسم کے لوگوں کی باتوں کا جواب دینا اور ان چھپے دشمنوں کے خنجروں کو اپنے سینوں میں بغیر آہ کے چبھنے دینا مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم ہونے والے سلسلوں سے ہمیشہ ہی یہ سلوک ہوتا چلا آیا ہے۔ دیکھ لو قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو پیش آئیں مگر کیا وہ گھبرائے؟ کیا ان کے قدموں میں کسی قسم کا تزلزل پیش آیا؟ بجائے اس کے کہ ان واقعات کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق ان کے دلوں میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ان کے دل ایثار اور قربانی کے جذبات سے اور بھی زیادہ متأثر ہوتے گئے۔ ان کے ایمانوں کی یہ کیفیت تھی کہ دشمن کا پندرہ سے بیس ہزار تک کا لشکر جو صرف سات سَو مسلمانوں کے مقابل پر رات اور دن حملے کر رہا تھا نہ دن کو آرام کرنے دیتا تھا نہ رات کو سونے دیتا تھا جب اُس چھوٹی سی خندق کو جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مل کر مدینہ کی حفاظت کے لئے کھودی ہوئی تھی گھوڑوں پر چڑھ کر عبور کر لیتا تھا اور دشمن کے جتھے جنون کی سی کیفیت کے ساتھ اور آندھی کی سی تیزی کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ وسلم کے خیمہ کی طرف بڑھتے تھے تا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے اسلام کا خاتمہ کر دیں تو باوجود اسکے کہ

صحابہؓ صرف سات سَو تھے وہ اِس تیزی اور بے جگری کے ساتھ لڑتے کہ ہزاروں ہزار کا لشکر منہ کی کھا کر واپس لوٹ جانے پر مجبور ہو جاتا اور بعض دفعہ ان کے بڑے بڑے لیڈر اِس جنگ میں مارے جاتے۔

ایک دفعہ عرب کا ایک نہایت ہی بڑا لیڈر اس قسم کے حملے میں مارا گیا اور اس کی لاش خندق میں گر گئی تو مکہ والوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ ہمارا بڑا لیڈر ہے اس کی لاش ہمیں واپس کی جائے ہم اس کے بدلہ میں ہزاروں روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم نے اس مُردار کو لے کر کیا کرنا ہے تم اُس کو اٹھا کر لے جاؤ۔ سر میور جیسا دشمن اسلام اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر وہ شدید حملے جو رات اور دن مکہ والوں کی طرف سے ہو رہے تھے اور جن میں مٹھی بھر اسلامی لشکر کے مقابلہ میں ان سے کئی گنا آدمی شامل ہوتے تھے جبکہ مسلمانوں کو دنوں تک نہ کھانے کا موقع ملتا تھا، نہ سونے کا موقع ملتا تھا، نہ بیٹھنے کا موقع ملتا تھا ان میں مکہ والوں کے ناکام رہنے کا صرف ایک سبب تھا اور وہ صحابہؓ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ دشمن اپنے سامانوں کی فراوانی کی وجہ سے خندق کو کود کر عبور کر لیتا اور اپنی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے مسلمانوں کو دھکیل کر پیچھے لے جاتا مگر جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچتا تو مسلمانوں کے اندر ایسا جوش پیدا ہو جاتا کہ وہ مافوق الانسانیت طاقتوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو بچانے کے لئے اپنی جانوں سے بے پرواہ ہو کر اس طرح دشمن پر ٹوٹ پڑتے کہ باوجود کثیر التعداد ہونے کے دشمن کو بھاگنا ہی پڑتا۔ اس چیز کو ایمان کہتے ہیں جو چیز اس سے کم ہے وہ ایمان نہیں وہ تمسخر ہے، وہ دھوکا ہے وہ فریب ہے۔

میں احمدیوں سے کہتا ہوں کہ جب وہ بیعت میں داخل ہوئے تھے تو انہوں نے اقرار کیا تھا کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے اور اس دنیا کے لفظ میں ان کی جانیں بھی شامل تھیں، ان کے بچوں کی جانیں بھی شامل تھیں، ان کی بیویوں اور دوسرے گھر کی مستورات کا مستقبل بھی شامل تھا۔ پس آج جبکہ باوجود ہمارے اس بیان کے کہ ہم جس حکومت کے ماتحت رہیں گے اس کے

وفادار رہیں گے ظالم دشمنوں کو ہم پر مسلط کیا جا رہا ہے۔حکومت ان کو سزا دینے کی بجائے ہمارے آدمیوں کو سزا دے رہی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ قطعی طور پر بھول جائیں کہ ان کے کوئی عزیز اور رشتہ دار بھی ہیں، وہ بھول جائیں اِس بات کو کہ ان کے سامنے کیا مصائب اور مشکلات ہیں، انہیں صرف ایک ہی بات یاد رکھنی چاہئے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے ایک عہد کیا ہے اور اس عہد کو پورا کرنا ان کا فرض ہے۔آج خدا ہی ان کا باپ ہونا چاہئے، خدا ہی ان کی ماں ہونی چاہئے اور خدا ہی ان کا عزیز اور رشتہ دار ہونا چاہئے، میرے بیٹوں میں سے آٹھ بالغ بیٹے ہیں اور ان آٹھوں کو میں نے اِس وقت قادیان میں رکھا ہوا ہے۔ میں سب سے پہلے ان ہی کو خطاب کر کے کہتا ہوں اور پھر ہر احمدی نوجوان سے خطاب کر کے کہتا ہوں کہ آج تمہارے ایمان کا امتحان ہے آج ثابت قدمی کے ساتھ قید و بند اور قتل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قادیان میں ٹھہرنا اور اس کے مقدس مقامات کی حفاظت کرنا تمہارے فرائض میں شامل ہے۔تمہارا کام حکومت سے بغاوت کرنا نہیں، تمہارا کام مُلک میں بدامنی پیدا کرنا نہیں، اسلام تم کو اس بات سے روکتا ہے اگر حکومت ہم کو وہاں سے نکالنا چاہتی ہے تو حکومت کے ذمہ دار افسر ہم کو تحریر دے دیں کہ تم قادیان چھوڑ دو۔ پھر ہم اس سوال پر بھی غور کر لیں گے مگر جب تک حکومت کے ذمہ دار افسر منہ سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کو یہاں سے نکالنا نہیں چاہتے اور ان کے نائب ہمیں دکھ دے دے کر اپنے مقدس مقامات سے نکالنا چاہتے ہیں اُس وقت تک ان کی یہ کارروائی غیر آئینی کارروائی ہے اور ہم اسے کسی صورت میں تسلیم نہیں کریں گے۔ مشرقی پنجاب سے اسلام کا نام مٹا دیا گیا ہے ہزاروں ہزار مسجدیں آج بغیر نمازیوں کے ویران پڑی ہیں جن میں جوئے کھیلے جاتے ہیں، شرابیں پی جاتی ہیں، بدکاریاں کی جاتی ہیں، ہمارا فرض ہے کہ کم سے کم ہم جب تک ہماری جان میں جان ہے مشرقی پنجاب میں قادیان کے ذریعہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بلند رکھیں۔اسلام کو بغیر قربانی کے ختم نہیں ہونے دینا چاہئے۔اسلام تو پھر جیتے گا ہی احمدیت تو پھر بھی غالب ہی آئے گی لیکن ہماری بدقسمتی ہوگی اگر ہم اپنے ہاتھوں سے اسلام کا جھنڈا چھوڑ کر بھاگیں۔ میں اگر قادیان سے باہر آیا تو صرف اس لئے کہ جماعت نے کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جماعت کی تنظیم

اور اس کے کام چلانے کے لئے جب تک امن نہ ہو مجھے اور بعض ضروری دفاتر کو قادیان سے باہر رہنا چاہئے تا کہ دنیا کی جماعتوں کے ساتھ مرکز کا تعلق رہے لیکن اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ جماعت کے نوجوان خدانخواستہ اس قربانی کو پیش کرنے کے لئے تیار نہیں جس کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں تو پھر ان کو صاف لفظوں میں یہ کہہ دینا چاہئے ہم ان کو واپس بُلا لیں گے اور خود ان کی جگہ جانیں دینے کے لئے چلے جائیں گے۔ ہمارا باہر آنا اپنی جانیں بچانے کے لئے نہیں بلکہ سلسلہ کے کام کو چلانے کے لئے ہے۔ اگر ہمارا باہر آنا بعض لوگوں کے ایمانوں کو متزلزل کرنے کا موجب ہو تو ہم سلسلہ کی شوریٰ کے فیصلہ کی بھی پرواہ نہیں کریں گے اور ان لوگوں کو جن کے دلوں میں ایمان کی کمزوری ہے اس کام سے فارغ کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ رکھتے ہوئے خود اس کام کو شروع کر دیں گے۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قادیان کے اکثر نوجوانوں میں کمزوری پائی جاتی ہے مجھے کثرت کے ساتھ نوجوانوں کی یہ چٹھیاں آ رہی ہیں کہ وہ دلیری کے ساتھ اور ہمت کے ساتھ ہر قربانی پیش کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ خود میرے بعض بیٹوں اور بعض دوسرے عزیزوں کی مجھے اس قسم کی چٹھیاں آئی ہیں کہ گو ان کا نام قرعہ کے ذریعہ باہر آنے والوں میں نکلا ہے مگر اُن کو اجازت دی جائے کہ وہ قادیان میں رہ کر خدمت کریں یہی وہ لوگ ہیں جو پختہ ایمان والے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو احمدیت اور اسلام کے جھنڈے کو دنیا میں بلند رکھیں گے خواہ مارے جائیں خواہ زندہ رہیں۔ چاہئے کہ صفائی کے ساتھ اور بار بار حکومت کو جتاتے رہو کہ ہم حکومت کے وفادار ہیں اور ہم ایک اچھے شہری کے طور پر اس مُلک میں رہنے کا وعدہ کرتے ہیں اور ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ مسٹر گاندھی اور مسٹر نہرو کی طرف سے اعلان ہو رہے ہیں وہ سچے ہیں جھوٹے نہیں اس لئے ہم ان اعلانوں پر یقین رکھتے ہوئے قادیان میں بیٹھے ہیں اگر ان اعلانوں کا کچھ اور مطلب ہے تو ہمیں کہہ دو کہ قادیان سے چلے جاؤ۔ لیکن اگر مسٹر گاندھی اور مسٹر نہرو کے بیانات صحیح ہیں تو پھر ان کے مطابق عمل کرو اور پُرامن شہریوں کو دِق نہ کرو۔ اس طرح بار بار ان پر حجت تمام کرتے رہو اور قید و بند اور قتل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ایمان کا ثبوت دو اور خدا تعالیٰ پر یقین رکھو کہ اوّل تو فتح اور نصرت کے ساتھ وہ تمہاری مدد کرے گا لیکن اگر تم میں سے بعض کے لئے قید و بند یا قتل مقدر ہے تو

خدا تعالیٰ تمہیں ابدی زندگی بخشے گا اور اپنے خاص شہداء میں جگہ دے گا۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اُس کی ایسی موت اس کی زندگی سے زیادہ شاندار نہیں۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کا حافظ و ناصر ہو اور تم کو ہر تنگی اور ترشی اور مصیبت اور ابتلاء میں صبر اور توکّل اور ایثار کی توفیق بخشے اور تم اپنا ایمان نہ صرف خدا تعالیٰ کے سامنے سلامت لے جاؤ بلکہ اُس کو نہایت خوبصورت اور حسین بنا کر خدا تعالیٰ کی خدمت میں پیش کرو تا خدا تعالیٰ تم سے اور تمہاری اولادوں سے (اگر کوئی ہیں) اس سے بھی زیادہ نیک سلوک کرے جتنا تم ان کی زندگی میں ان سے کر سکتے تھے۔

خاکسار

(مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی)

(الفضل ۴؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ھُوَالنَّاصِرُ

قادیان

قادیان اس وقت ہندوستان یونین کی دیانتداری کی آزمائش کا محل بنا ہوا ہے۔ قادیان احمدیہ جماعت کا مرکز ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہیں اس کے پورے طور پر فرمانبردار اور مددگار رہیں۔ جب ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت تھی احمدیہ جماعت ہمیشہ حکومت کے ساتھ تعاون کرتی تھی گو مناسب طریق پر اس کی غلطیوں سے اسے آگاہ بھی کرتی رہتی تھی۔ بعض لوگ جماعت احمدیہ کے اس طریق پر اعتراض کرتے تھے اور اسے انگریزوں کا خوشامدی قرار دیتے تھے۔ جماعت احمدیہ اس کے جواب میں ہمیشہ یہی کہتی تھی کہ ہم صرف انگریزوں کے فرمانبردار نہیں بلکہ افغانستان میں افغانی حکومت کے اور عرب میں عربی حکومت کے۔ مصر میں مصری حکومت کے اور اسی طرح دوسرے ممالک میں اُن کی حکومتوں کے فرمانبردار اور مددگار رہیں ہمارے نزدیک دنیا کا امن بغیر اِس کے قائم ہی نہیں رہ سکتا کہ ہر حکومت میں بسنے والے لوگ اُس کے ساتھ تعاون کریں اور اُس کے مددگار رہوں۔ پچھلے پچاس سال میں جماعت احمدیہ نے اس تعلیم پر عمل کیا ہے اور آئندہ بھی وہ اس تعلیم پر عمل کرے گی۔ جب ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور اُس میں ہندوستان یونین اور پاکستان قائم ہوئے تو اُس وقت بھی جماعت احمدیہ نے اعلان کیا کہ ہندوستان یونین میں رہنے والے احمدی ہندوستان یونین کی پوری طرح اطاعت کریں گے اور پاکستان میں رہنے والے احمدی پاکستان حکومت کے متعلق جانثاری اور اطاعت سے کام لیں گے۔ پاکستان حکومت نے تو ان کے اس اعلان کی قدر کی اور اچھے شہریوں کی طرف اس سے برتاؤ کیا لیکن ہندوستان یونین نے ان کے

اس اعلان کی ذرا بھی قدر نہیں کی اور ۱۶؍ اگست کے بعد پہلے قادیان کے اِردگرد اور پھر قادیان میں وہ فساد مچوایا کہ جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ ایک ایک کر کے احمدی گاؤں کو برباد کیا گیا اور جنہوں نے دفاع کی کوشش کی اُن کو پولیس اور ملٹری نے گولیوں سے مارا۔ جب قادیان کے اِردگرد گاؤں ختم ہوگئے تو پھر قادیان پر حملہ شروع ہوا۔ احمدی جماعت کے معززین یکے بعد دیگرے گرفتار ہونے شروع ہوئے قتل ڈاکے اور خونریزی کے الزام میں۔ گویا وہ جماعت جس نے اپنی طاقت اور قوت کے زمانہ میں قادیان کے رہنے والے کمزور اور قلیل التعداد ہندوؤں اور سکھوں کو کبھی تھپڑ بھی نہیں مارا تھا اس نے تمام علاقہ کے مسلمانوں سے خالی ہو جانے کے بعد اور سکھ پولیس اور ہندو ملٹری کے آ جانے کے بعد ان علاقوں میں نکل کر جن میں کوئی مسلمان نہ دن کو جا سکتا تھا نہ رات کو ڈاکے مارے اور قتل کئے اور یہ ڈاکے اور قتل بھی اُن لوگوں نے کئے جو جماعت کے چوٹی کے آدمی تھے جن میں سے بعض ساٹھ سال کی عمر کے تھے، مرکزی نظام کے سیکرٹری تھے اور یونیورسٹیوں کے گریجوایٹ تھے گویا احمدیہ جماعت جو اپنی عقل اور دانائی میں دنیا بھر میں مشہور تھی اُس وقت اُس کی عقل کا دیوالہ نکل گیا اور سکھ اور ہندو ملٹری کے آنے کے بعد اس نے اپنے مرکزی کارکنوں کو زمیندار سکھوں کو مروانے کے لئے باہر بھیجنا شروع کر دیا اور اس کے گریجوائٹ مبلّغ ڈاکے مارنے کے لئے نکل پڑے۔ شاید پاگل خانہ کے ساکن تو اس کہانی کو مان لیں مگر عقل مند لوگ ان باتوں کو قبول نہیں کر سکتے شاید ہندوستان یونین کے افسر یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا ان کی ہر بے وقوفی کی بات مان لے گی یا شاید وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے سوا باقی ساری دنیا جاہل یا مجنوں ہے۔ ہندوستان یونین کے وزراء نے بار بار یہ اعلان کیا ہے کہ وہ کسی مسلمان کو اپنے مُلک سے نکل جانے پر مجبور نہیں کرتے لیکن قادیان کی مثال موجود ہے کہ ان لوگوں کو جو ہندوستان یونین میں رہنے پر راضی ہی نہیں بلکہ مصر ہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا کر پولیس اور ملٹری کے زور سے نکالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ قادیان کے متعلق ہندوستان یونین دنیا کو کیا جواب دے گی۔ کیا وہ یہ کہے گی کہ یہ لوگ اپنے مقدس مذہبی مقام کو چھوڑ کر جا رہے تھے ہم نے ان کو روکا نہیں یا وہ یہ کہے گی کہ ایک کیپٹن اور ایک پوری کمپنی ملٹری کی وہاں موجود تھی اور اس کے علاوہ پولیس کا تھانہ بھی وہاں موجود تھا ۳۰۳ کی رائفلوں کے

علاوہ سٹین گن اور برین گن بھی موجود تھیں مگر ان کے باوجود ہندوستان یونین ان سکھوں کے حملوں کو نہ روک سکی جو قادیان پر حملہ کر رہے تھے اور ان احمدیوں کو اپنے مکانات خالی کرنے پڑے جن کے بڈھے ہی بقول ہندوستان یونین اِس فتنہ کے زمانہ میں بھی آٹھ آٹھ دس دس میل باہر جا کر سکھوں کو مار رہے تھے اور جن کے مبلغ اور گریجوائٹ اِردگرد کے سکھوں کے دیہات پر جا کر ڈاکے مار رہے تھے۔ کیا دنیا کا کوئی شخص اس کو تسلیم کر سکے گا کہ یہ باہر نکل نکل کر ڈاکے مارنے قتل کرنے والے لوگ ان سکھ جتھوں سے ڈر کر جن کے مالوں کو لوٹنے کے لئے وہ باہر جاتے تھے اپنے مکان چھوڑ دیں گے اور ملٹری اور پولیس بھی ان بہادر سکھوں کے مقابلہ میں بے کار ہو جائے گی جن کے گاؤں میں دو دو احمدی جا کر ڈاکہ مارنے کے قابل ہو سکے اور جنہیں سلسلہ احمدیہ کے بُڈھے سیکرٹری اِردگرد کے علاقوں میں گولیوں کا نشانہ بناتے پھرتے تھے۔ ہر عقلمند انسان اس بات کو تسلیم کرے گا کہ دونوں کہانیوں میں سے ایک کہانی جھوٹی ہے اور یا پھر دونوں ہی جھوٹی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کہانیاں ہی جھوٹی ہیں۔ آج ہندوستان یونین کے افسر حکومت کے نشہ میں اِس قسم کے افتراء کو معقول قرار دے سکتے ہیں مگر آئندہ زمانہ میں مؤرخ اِن کہانیوں کو دنیا کے بدترین جھوٹوں میں سے قرار دیں گے۔ احمدیہ جماعت قادیان میں بیٹھی ہے اور اپنے عقائد کے مطابق بار بار حکومت کو کہہ چکی ہے کہ ہم یہاں رہنا چاہتے ہیں لیکن اگر تم ہمارا یہاں رہنا پسند نہیں کرتے تو ہمیں حکم دے دو پھر ہم تمہارے اس حکم کے متعلق غور کر کے کوئی فیصلہ کریں گے لیکن ہندوستان یونین کے افسر ایسا نہیں کرتے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس سے ان کی ناک کٹ جائے گی اور وہ دنیا میں ذلیل ہو جائیں گے۔ وہ گولیوں کی بوچھاڑوں اور پولیس اور ملٹری کی مدد سے بغیر کسی آئینی وجہ کی موجودگی کے احمدیوں کو قادیان سے نکالنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند دن سے قادیان جانے والی لاریوں کو سڑک کی خرابی کے بہانہ سے روکا جا رہا ہے لیکن اصل منشاء یہ ہے کہ دنیا سے قادیان کو کاٹ کر وہاں من مانی کارروائیاں کی جائیں چنانچہ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات کو جبکہ سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر سے انتظامی معاملات کے متعلق فون پر بات کر رہے تھے انہیں یکدم قادیان کے فون کی آواز آئی اور معلوم

ہوا کہ قادیان کا کوئی شخص ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو فون کر رہا ہے وہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو یہ اطلاع دے رہا تھا کہ دو دن سے یہاں گولی چلائی جا رہی ہے قادیان کے دو محلوں کو لوٹا جا چکا ہے اور ان محلوں کے احمدی سمٹ کر دوسرے محلوں میں چلے گئے ہیں اور یہ گولی پولیس اور ملٹری کی طرف سے چلائی جا رہی ہے۔ اس خبر کے سننے کے بعد ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے ڈپٹی کمشنر گورداسپور سے پوچھا کہ آپ نے یہ بات سنی؟ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں یہ تو اطلاع تھی کہ بھینی پر سکھ حملہ کر رہے ہیں مگر یہ اطلاع نہیں تھی کہ قادیان پر سکھ حملہ کر رہے ہیں گویا بھینی میں انسان نہیں بستے اور وہ ہندوستان یونین کے شہری نہیں اور اس لئے بھینی میں مسلمانوں کا خون بالکل ارزاں ہے اِس پر ڈی۔سی سیالکوٹ نے کہا اب آپ کیا کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو ڈی۔سی گورداسپور نے جواب دیا کہ میں کل سپرنٹنڈنٹ پولیس کو وہاں بھجواؤں گا۔ ڈی سی سیالکوٹ نے اُن کو کہا یہ اس قسم کا اہم معاملہ ہے کہ اِس میں آپ کو خود جانا چاہئے آپ خود کیوں نہیں جاتے؟ انہوں نے کہا اچھا میں خود ہی جاؤنگا۔ اس کے بعد قادیان سے فون پر حالات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی اور اتفاقاً فون مل گیا جو اکثر نہیں ملا کرتا۔ اس فون کے ذریعہ جو حالات معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں کہ کل تک ۱۵۰ آدمی مارا جا چکا ہے جن میں سے دو آدمی مسجد کے اندر مارے گئے ہیں۔ احمدیہ کالج پر بھی پولیس اور ملٹری نے قبضہ کر لیا ہے اور دو احمدی محلے لٹوا دیئے ہیں دارالانوار اور دارالرحمت، دارالانوار میں سر ظفر اللہ خان کی کوٹھی بھی اور امام جماعت احمدیہ کا بیرونی گھر بھی لوٹا گیا ہے۔ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ اب ان باتوں کا نتیجہ کیا ہوگا؟ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں احمدیہ جماعت کا یہ مسلک نہیں کہ وہ حکومت سے ٹکر کھائے اگر سکھ جتھے ایک ایک احمدی کے مقابلہ میں سَو سَو سکھ بھی لائیں گے تو قادیان کے احمدی ان کا مقابلہ کریں گے اور آخر دم تک ان کا مقابلہ کریں گے لیکن جہاں جہاں پولیس اور ملٹری حملہ کرے گی وہ ان سے لڑائی نہیں کریں گے اپنی جگہ پر چمٹے رہنے کی کوشش کریں گے مگر جس جگہ سے ملٹری اور پولیس ان کو زور سے نکال دے گی اُس کو وہ خالی کر دیں گے اور دنیا پر یہ ثابت کر دیں گے کہ ہندوستان یونین کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے کہ جو ہندوستان یونین میں رہنا چاہے خوشی سے رہ سکتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو آپ لوگ اپنے آدمیوں کی جانیں کیوں خطرہ میں ڈال رہے ہیں آپ قادیان کو فوراً خالی کر دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قایان میں تین اصول کو مدنظر رکھ کر ٹھہرے ہوئے ہیں۔

اوّل مؤمن کو خدا تعالیٰ کی مدد سے آخر وقت تک مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ جب تک ہم کو پکڑ کر نہیں نکالا جاتا، ہمیں کیا معلوم ہوسکتا ہے کہ خدا کی مشیت اور خدا کا فیصلہ کیا ہے اس لئے احمدی وہاں ڈٹے رہیں گے تا کہ خدا تعالیٰ کے سامنے ان پر یہ حجت نہ کی جائے کہ خدا کی نصرت تو آ رہی تھی تم نے اس سے پہلے کیوں مایوسی ظاہر کی۔

دوسرے جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے احمدیوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ہندوستان یونین کے دعوؤں کی آزمائش کریں گے اور یہ حقیقت آشکار کر کے چھوڑیں گے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ کسی کو ہندوستان یونین سے جانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تو وہ سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔ احمدی چاہتے ہیں کہ انہیں بھی معلوم ہو جائے اور دنیا کو بھی معلوم ہو جائے کہ ہندوستان یونین کے وزراء جھوٹے ہیں یا سچے۔ بے شک احمدیوں کو وہاں ٹھہرے رہنے میں قربانی کرنی پڑے گی لیکن ان کے وہاں ٹھہرے رہنے سے ایک عظیم الشان حقیقت آشکار ہو جائے گی یا تو دنیا کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہندوستان یونین کے افسر نیک نیتی اور دیانتداری کے ساتھ اپنے مُلک میں امن قائم رکھنا چاہتے تھے اور یا دنیا پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ وہ منہ سے کچھ اور کہتے تھے اور ان کے دلوں میں کچھ اور تھا کیونکہ قادیان سے احمدیوں کا نکالا جانا ایک فوری واقعہ نہیں تھا کہ جس کی اصلاح ان کے اختیار میں نہیں تھی۔ قادیان پر حملہ ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ سے چلا آ رہا ہے، اس کے علاوہ خود میں نے پنڈت جواہر لال صاحب نہرو سے باتیں کیں اور اُن کو اس طرف توجہ دلائی۔ پنڈت جواہر لال صاحب نہرو نے مجھے یقین دلایا کہ ہندوستان یونین ہرگز مسلمانوں کو اپنے علاقے سے نکلنے پر مجبور نہیں کرتی، انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ تین چار دنوں تک وہ فون اور تار کے راستے کھلوانے کی کوشش کریں گے اور دو ہفتہ تک قادیان کی ریل گاڑی کے جاری کروانے کی کوشش کریں گے۔ احمدیہ جماعت کا وفد سردار بلدیو سنگھ صاحب سے بھی ملا اور انہوں نے اصلاح کی ذمہ داری لی اور یہاں تک کہا کہ وہ خود قادیان جا کر ان

معاملات کو درست کرنے کی کوشش کریں گے۔ احمدیہ جماعت کے وفد نے ہندوستان کے ہائی کمشنر مسٹر سری پرکاش صاحب سے کراچی میں ملاقات کی اور ان کو یہ واقعات بتائے اُنہوں نے کہا میں نے ہندوستان یونین کو اس طرف توجہ دلائی ہے اور دو تاریں اس کے متعلق دی ہیں مگر مجھے جواب نہیں ملا۔ احمدیہ جماعت کا وفد اِس عرصہ میں سردار سمپورن سنگھ صاحب ڈپٹی ہائی کمشنر ہندوستان یونین سے ملا اور متعدد بار ملا اُنہوں نے یقین دلایا کہ اُنہوں نے افسران کی توجہ کو اِس طرف پھیرایا ہے اور اُنہوں نے ایک خط بھی دکھایا جو اُنہوں نے ڈاکٹر بھارگوا صاحب وزیر اعظم مشرقی پنجاب اور سردار سورن سنگھ صاحب ہوم منسٹر مشرقی پنجاب کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ مشرقی پنجاب مسلمانوں سے خالی ہوگیا ہے۔ اب صرف قادیان باقی ہے یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے اور احمدیہ جماعت کا مقدس مذہبی مرکز ہے اسے تباہ کرنے میں مجھے کوئی حکمت نظر نہیں آتی، اگر اس کی حفاظت کی جائے تو یہ زیادہ معقول ہوگا۔ پھر ڈپٹی ہائی کمشنر کے مشورہ سے احمدیہ جماعت کا ایک وفد جالندھر گیا اور ڈاکٹر بھارگوا صاحب اور سردار سورن سنگھ صاحب سے ملا اور چوہدری لہری سنگھ صاحب سے ملا۔ ان لوگوں نے یقین دلایا کہ وہ احمدیہ جماعت کے مرکز کو ہندوستان یونین میں رہنے کو ایک اچھی بات سمجھتے ہیں، اچھی بات ہی نہیں بلکہ قابلِ فخر بات سمجھتے ہیں اور یہ کہ وہ فوراً اس معاملہ میں دخل دیں گے۔ پھر اس بارہ میں لارڈ مونٹ بیٹن کو بھی متواتر تاریں دی گئیں، مسٹر گاندھی کو بھی متواتر تاریں دی گئیں بہت سے ممالک سے ہندوستان یونین کے وزراء کو تاریں آئیں۔ انگلستان کے نومسلموں کا وفد مسٹر ہینڈرسن سے جو ہندوستان کے معاملات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ملا۔ مسز وجے لکشمی پنڈت نے بھی اپنے بھائی کو تار دی۔ اس عرصہ میں قادیان کے بہادر باشندے انسانوں کے ڈر کو دل سے نکال کر پولیس ملٹری اور سکھ جتھوں کے مشترکہ حملوں کو برداشت کرتے چلے گئے لیکن اس تمام لمبے زمانہ میں حکومت کی طرف سے کوئی قدم اصلاح کا نہیں اُٹھایا گیا ان واقعات کی موجودگی میں ہندوستان یونین یہ نہیں کہہ سکتی کہ ہمیں اصلاح کا موقع نہیں ملا۔

تیسرے اپنے مقدس مقامات کو یونہی چھوڑ دینا ایک گناہ کی بات ہے۔ جب تک تمام ممکن انسانی کوششیں اس کے بچانے کے لئے خرچ نہ کی جائیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کام میں

احمدیہ جماعت کو بہت سی قربانی کرنی پڑے گی اور بظاہر دنیا کو وہ بیکار نظر آئے گی لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا ہے حقیقت میں وہ بے کار نہیں ہوگی۔ وہ قربانی جو قادیان کے احمدی پیش کریں گے وہ پاکستان کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں کام آئے گی اور اگر ہندوستان یونین نے اب بھی اپنا رویہ بدل لیا تو اس کا یہ رویہ ایک پائدار صلح کی بنیاد رکھنے میں ممد ہوگا۔

جماعت احمدیہ کمزور ہے اور ایک علمی جماعت ہے وہ فوجی کاموں سے ناواقف ہے لیکن وہ اسلام کی عزت قائم رکھنے کیلئے اپنے ناچیز خون کو پیش کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ ہمارے سینکڑوں عزیز بھاگتے ہوئے نہیں اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہوئے مارے گئے ہیں اور شاید اور بھی مارے جائیں کم سے کم لوکل حکّام کی نیت یہی معلوم ہوتی ہے کہ سب کے سب مارے جائیں لیکن ہم خدا تعالیٰ سے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ ہماری مدد کرے گا اور ہمارے دلوں کو صبر اور ایمان بخشے گا۔ ہمارے مارے جانے والوں کی قربانیاں ضائع نہیں جائیں گی۔ وہ ہندوستان میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں کام آئیں گی خدا کرے ایسا ہی ہو۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل لاہور ۷/ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

ہم قادیان کے متعلق پہلے کچھ حالات لکھ چکے ہیں ہم بتا چکے ہیں کہ قادیان اور مشرقی پنجاب کے دوسرے شہروں میں فرق ہے۔ قادیان کے باشندے قادیان میں رہنا چاہتے ہیں لیکن مشرقی پنجاب کے دوسرے شہروں کے باشندوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ مشرقی پنجاب میں نہ رہیں۔ ہندوستان یونین کی گورنمنٹ بار بار کہہ چکی ہے کہ ہم کسی کو نکالتے نہیں لیکن قادیان کے واقعات اس کے اس دعویٰ کی کامل طور پر تردید کرتے ہیں۔ حال ہی میں قادیان کے کچھ ذمہ وار افسر گورنمنٹ افسروں سے ملے اور باتوں باتوں میں ان سے کہا کہ آپ لوگ اپنی پالیسی ہم پر واضح کر دیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم قادیان کو چھوڑ دیں تو پھر صفائی کے ساتھ اس بات کا اظہار کر دیں۔ افسر مجاز نے جواب دیا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں چاہتے ہم چاہتے ہیں کہ آپ قادیان میں رہیں۔ جب اُسے کہا گیا کہ وہ کہاں رہیں پولیس اور ملٹری کی مدد سے سکھوں

نے تو سب محلوں کے احمدیوں کو زبردستی نکال دیا ہے اور سب اسباب لوٹ لیا ہے آپ ہمارے مکان خالی کرا دیں تو ہم رہنے کیلئے تیار ہیں تو اِس پر افسر مجاز بالکل خاموش ہو گیا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ درحقیقت وہ افسر خود تو دیانتدار ہی تھا لیکن وہ وہی کچھ رٹ لگا رہا تھا جو اسے اوپر سے سکھایا گیا تھا جب اس پر اپنے دعویٰ کا بودا ہونا ثابت ہو گیا تو خاموشی کے سوا اس نے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ شاید دل ہی دل میں وہ ان افسروں کو گالیاں دیتا ہوگا جنہوں نے اسے یہ خلافِ عقل بات سکھائی تھی۔

قادیان کے تازہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ لکڑی قریباً ختم ہے گندم بھی ختم ہو رہی ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے غذا مہیا کرنے کا کوئی انتظام نہیں۔ اب تک ایک چھٹانک آٹا بھی گورنمنٹ نے مہیا نہیں کیا۔ عورتوں اور بچوں کو نکالنے کا جو انتظام تھا اس میں دیدہ دانستہ روکیں ڈالی جا رہی ہیں۔ بارش ہوئے کو آج نو دن ہو چکے ہیں، بارش کے بعد قادیان سے دو قافلے آ چکے ہیں۔ اسی طرح قریباً روزانہ ہندوستانی یونین کے ٹرکس فوج یا پولیس سے متعلق قادیان آتے جاتے ہیں اور اس کے ہمارے پاس ثبوت موجود ہیں۔ چار تاریخ کو پولیس کا ایک ٹرک قادیان سے چل کر واہگہ تک آیا۔ تین تاریخ کو پاکستان کے اُن فوجی افسروں کے سامنے جو گورداسپور کی فوج سے قادیان جانے کی اجازت لینے گئے تھے ایک فوجی افسر نے آ کر میجر سے پوچھا کہ وہ ٹرک جو قادیان جانا تھا کس وقت جائے گا؟ پاکستانی افسروں کی موجودگی میں اِس سوال کو سُن کر میجر گھبرا گیا اور اُس کو اشارہ سے کہا چلا جا اور پھر پاکستانی افسروں کو کہا اس شخص کو غلطی لگی ہے۔ قادیان کوئی ٹرک نہیں جا سکتا۔ چار ہی تاریخ کو پاکستان کے جو ٹرک قادیان گئے تھے اور اُن کو بٹالہ میں روکا گیا تھا انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دو ملٹری کے ٹرک قادیان سے بٹالہ آئے۔ سب سے کھلا ثبوت اس بات کے غلط ہونے کا تو یہ ہے کہ انہی تاریخوں میں جن میں کہا جاتا ہے کہ قادیان جانے والی سڑک خراب ہے، پُرانی ملٹری قادیان سے باہر آئی ہے اور نئی ملٹری قادیان گئی ہے کیا یہ تبدیلی ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے ہوئی ہے یقیناً ٹرکوں کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ پس یہ بہانہ بالکل غلط ہے اور اصل غرض صرف یہ ہے کہ قادیان کے باشندوں کو جنہوں نے استقلال کے ساتھ مشرقی پنجاب میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے

اِس جرم میں ہلاک کر دیا جائے کہ وہ کیوں مشرقی پنجاب میں سے نکلتے نہیں۔ منہ سے کہا جاتا ہے کہ ہم کسی کو نکالتے نہیں لیکن عمل سے اِس کی تردید کی جاتی ہے۔ یہ بات اخلاقی لحاظ سے نہایت ہی گندی اور نہایت ناپسندیدہ ہے۔ جماعت احمدیہ نے مسٹر گاندھی کے پاس بھی بار بار اپیل کی ہے، تاریں بھی دی ہیں اور بعض خطوط بھی لکھے ہیں لیکن مسٹر گاندھی کو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں۔ مسٹر نہرو کو بھی اس طرف توجہ دلائی گئی ہے مگر وہ بھی بڑے کاموں میں مشغول ہیں۔ چند ہزار بے گناہ انسانوں کا مارا جانا ایسا معاملہ نہیں ہے جس کی طرف یہ بڑے لوگ توجہ کر سکیں۔ ایک چھوٹی سی مذہبی جماعت کے مقدس مقامات کی ہتک ان بڑے آدمیوں کے لئے کوئی قابلِ اعتنا بات نہیں اگر اس کا سَواں حصہ بھی انگریز قادیان میں بس رہے ہوتے اور ان کی جان کا خطرہ ہوتا تو لارڈ مونٹ بیٹن [۵] کو حقوقِ انسانیت کا جذبہ فوراً بے تاب کر دیتا۔ مسٹر گاندھی بیسیوں تقریریں انگریزوں کے خلاف کارروائی کرنے والوں کے متعلق پبلک کے سامنے کر دیتے۔ مسٹر نہرو کی آفیشل مشین فوراً متحرک ہو جاتی مگر کمزور جماعتوں کا خیال رکھنا خدا تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہی غریبوں کا والی وارث ہوتا ہے یا وہ انہیں ایسی تکالیف سے بچاتا ہے اور یا پھر وہ ایسے مظلوموں کا انتقام لیتا ہے ہم تمام شریف دنیا کے سامنے اپیل کرتے ہیں کہ اس ظلم کے دور کرنے کی طرف توجہ کریں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ پاکستان گورنمنٹ اِس ظلم کو دور کرنے میں کیوں بے بس ہے۔ بجائے اس کے کہ ان باتوں کو سُن کر پاکستان گورنمنٹ کے متعلقہ حُکام کوئی مؤثر قدم اُٹھاتے انہوں نے بھی یہ حکم دے دیا ہے کہ چونکہ قادیان کی سڑک کو مشرقی پنجاب نے ناقابلِ سفر قرار دیا ہے اس لئے آئندہ ہماری طرف سے بھی کوئی کانوائے وہاں نہیں جائے گی۔ حالانکہ انہیں چاہئے یہ تھا کہ جب مغربی پنجاب کے علاقوں میں بھی بارش ہوئی ہے تو وہ ان علاقوں کو بھی ناقابلِ سفر قرار دے دیتے اور مشرقی پنجاب جانے والے قافلوں کو روک لیتے۔ قادیان کے مصائب کو کم کرنے کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ قادیان کو ریفیوجی کیمپ قرار دے دیا جاتا لیکن دونوں گورنمنٹیں یہ فیصلہ کر چکی ہیں کہ ریفیوجی کیمپ وہی گورنمنٹ مقرر کرے گی جس کی حکومت میں وہ علاقہ ہو۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ جو معاہدہ ہوا اُس کی پابندی کی جائے لیکن سوال تو یہ ہے کہ اگر بار بار توجہ دلانے کے

بعد بھی ہندوستان یونین مسلمان پناہ گزینوں کے بڑے بڑے کیمپوں کو ریفیو جی کیمپ قرار نہیں دیتی تو پاکستان کی حکومت کیوں مشرقی پنجاب کے پناہ گزینوں کے نئے مقامات کو ریفیو جی کیمپ قرار دے رہی ہے۔حال ہی میں پاکستان گورنمنٹ نے پانچ نئے ریفیو جی کیمپ مقرر کئے جانے کا اعلان کیا ہے۔کیا وہ اس کے مقابلہ میں ہندوستان یونین سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ تم بھی ہماری مرضی کے مطابق پانچ نئے کیمپ بناؤ۔ہمیں موثق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ حال ہی میں ہندوستان یونین نے ڈیرہ اسماعیل خان میں ریفیو جی کیمپ بنانے کا مطالبہ کیا ہے جہاں صرف پانچ ہزار پناہ گزین ہیں۔ پاکستانی حکومت کو چاہئے کہ ہندوستان یونین سے کہے کہ اگر ڈیرہ اسماعیل خان میں کیمپ بنانا چاہتے ہوتو قادیان میں بھی کیمپ بناؤ۔اگر ایسا نہ کیا گیا تو پاکستانی حکومت کا رعب کم ہوتا جائے گا اور ہندوستان یونین کے مطالبات بڑھتے جائیں گے اور مسلمانوں کے حقوق پامال ہوتے چلے جائیں گے۔

تازہ آفیشل رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک سولہ لاکھ چھیالیس ہزار سات سَو پچاس مسلمان مشرقی پنجاب کے کیمپوں میں پڑے ہیں۔ان کے مقابلہ میں صرف سات لاکھ سینتالیس ہزار دوسَو بہتر غیر مسلم مغربی پنجاب میں ہیں۔ ہمارے حساب سے تو یہ اندازہ بھی غلط ہے۔مسلمان ساڑھے سولہ لاکھ نہیں ۲۵۔۲۶ لاکھ کے قریب مشرقی پنجاب میں پڑے ہیں اور خطرہ ہے کہ اپنے حقوق کو استقلال کے ساتھ نہ مانگنے کے نتیجہ میں یہ سات لاکھ غیر مسلم بھی جلدی سے اُدھر نکل جائے گا اور ۲۵ لاکھ مسلمانوں میں سے بمشکل ایک دو لاکھ اِدھر پہنچے گا یا کوئی اتفاقی بچ نکلا ورنہ جو کچھ سکھ جتھے اور سکھ ملٹری اور پولیس ان سے کر رہی ہے اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی اُمید اِن کے بچنے کی نظر نہیں آتی۔بعض چھوٹے افسر یہ کہتے بھی سُنے گئے ہیں کہ مغربی پنجاب اتنے پناہ گزینوں کو سنبھال نہیں سکتا۔ پس جتنے مسلمان اِدھر مرتے ہیں اس سے آبادی کا کام آسان ہو رہا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی خطرناک خیال ہے ہمیں یقین ہے مغربی پنجاب کی حکومت کے اعلیٰ حکام اور وزراء کا یہ خیال نہیں مگر اس قسم کا خیال چند آدمیوں کے دلوں میں بھی پیدا ہونا قوم کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔مغربی پنجاب کے مسلمانوں کو جلدی منظّم ہو جانا چاہئے اور جلد اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کی سعی کرنی چاہئے اگر آج تمام

مسلمان منظّم ہو جائیں اور اگر آج بھی حکومت اور رعایا کے درمیان مضبوط تعاون پیدا ہو جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان اس ابتلائے عظیم میں سے گزرنے کے بعد بھی بچ سکتا ہے اور ترقی کی طرف اس کا قدم بڑھ سکتا ہے۔

(الفضل ۹/اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کچھ تو ہمارے پاس رہنے دو

پنجاب میں اس وقت جو تباہی اور بربادی آئی ہے اس کا اندازہ نہ الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے نہ خیالات سے۔ بغیر کسی اشتعال کے، بغیر کسی وجہ کے خدا کے بندوں کا قتل عام اس طرح شروع کر دیا جاتا ہے کہ حیرت ہی آتی ہے کہ خدا کے بندوں نے خدا کو کس طرح بُھلا دیا ہے۔ قتل تو اشتعال کے وقت بھی ناجائز ہے لیکن بِلا اشتعال کے، بغیر کسی وجہ کے قتل اور عورتوں بچوں کا قتل ایسا فعل ہے جس کو دنیا کا کوئی مذہب بھی جائز قرار نہیں دیتا، دنیا کی کوئی تہذیب بھی اسے روا نہیں سمجھتی۔ سیاسی لڑائی ہی سہی، مُلکی جھگڑا ہی سہی، لیکن اس سیاسی لڑائی یا اس مُلکی جھگڑے میں ان عورتوں اور بچوں کا کیا دخل ہے جو بے تحاشا مارے جاتے ہیں، اُن بوڑھوں اور ضعیفوں کا کیا دخل ہے جو برسرِ عام قتل کئے جاتے ہیں۔ ہندو سکھ مسلمان کے دشمن سہی، مسلمان ہندو سکھوں کے دشمن سہی لیکن ایسٹرن پنجاب کے مسلمان کی جائداد پر ایک عام سکھ یا ہندو کا کیا حق ہے اور مغربی پنجاب کے سکھ یا ہندو کی جائداد پر ایک عام مسلمان کا کیا حق ہے۔ مشرقی پنجاب کے مسلمان کی جائداد مشرقی پنجاب کی حکومت کی کفالت میں ہے اور مغربی پنجاب کے ہندو سکھ کی جائداد مغربی پنجاب کی حکومت کی کفالت میں ہے۔ پس مشرقی پنجاب کے ہندو اور سکھ کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ مشرقی پنجاب کو چھوڑنے والے مسلمان کی جائداد کو نہ چھوئے اور مغربی پنجاب کے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہندو اور سکھ کی جائداد کو ہرگز نہ چھوئے۔ دونوں گورنمنٹیں دونوں جائدادوں کی کفیل رہیں۔ اگر دونوں طرف کے باشندے پھر اپنے اپنے مُلک میں آباد ہونا چاہیں تو وہ مال حکومتیں ان کے سپرد کر دیں اور اگر وہ اپنے مُلک میں واپس نہ جانا چاہیں گے تو حکومتیں باہمی حساب کر کے ہر ایک کی جائداد کی قیمت مالکوں میں بانٹ دیں اگر کچھ جائداد لاوارث ہوگی تو اس کی وارث مشرقی پنجاب میں مشرقی حکومت ہوگی اور مغربی پنجاب

میں پاکستان کی حکومت ہوگی۔ یہی اسلامی حکم ہے اور اسی کی تصدیق عقل کرتی ہے۔ ہندو اور سکھ مسلمان نہیں مگر وہ عقل کا تو دعویٰ کرتا ہے اور مسلمان کے دماغ میں عقل بھی ہے اور وہ ساتھ ہی مسلمان بھی ہے۔ اس طرح اسے دُہری راہنمائی اور دُہری ہدایت حاصل ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں ہو رہا۔ کثرت کے ساتھ مسلمان اخبارات میں یہ خبریں شائع ہو رہی ہیں کہ مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کی جائداد کو نہ لُوٹا جائے لیکن بعض لوگ لُوٹ رہے ہیں اور مشرقی پنجاب میں تو یہ بات اتنی زیادہ ہے کہ اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن مشرقی پنجاب کا یہ ظلم ہمیں اپنے فرائض سے بری الذمہ نہیں کر دیتا۔ ہم دنیا کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے ہمارا لاکھ لُوٹا تھا ہم نے ان کا دس ہزار لُوٹا ہے کیونکہ دنیا کا ہر معقول انسان ہمیں کہے گا کہ کیا تمہارا لاکھ لُوٹنے والا انسان وہی تھا جس کا تم نے دس ہزار روپیہ لیا تھا؟ اس کا ہم کوئی جواب نہیں دے سکتے کیونکہ واقعہ میں وہ وہ آدمی نہیں تھا۔ اس پر مزید غضب یہ ہے کہ مغربی پنجاب میں اکثر لُوٹنے والے مشرقی پنجاب سے آئے ہوئے نہیں مغربی پنجاب کے لوگ ہیں اور مشرقی پنجاب میں لُوٹنے والے اکثر مشرقی پنجاب کے باشندے ہیں مغربی پنجاب کے گئے ہوئے لوگ نہیں۔ گویا ظلم سے لُوٹا ہوا مال بھی ان لوگوں کو نہیں ملتا جن کے مال لُوٹے گئے ہیں ان لوگوں کو ملتا ہے جن کے گھر اور جائدادیں محفوظ ہیں۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ایسے تمام لاوارث مال شریعت اسلامیہ کے رو سے حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں۔ پس پاکستان کے علاقہ کا جو مال ہندو اور سکھ چھوڑ جاتا ہے وہ کسی مسلمان کا نہیں وہ حکومت پاکستان کا ہے اور جو شخص اس مال کو لُوٹتا ہے وہ ہندو سکھ کو نہیں لُوٹتا پاکستان کو لُوٹتا ہے۔ جب امن ہوگا اور باہمی سمجھوتہ ہوگا تو حکومت پاکستان کو ان چیزوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی اور جب ایسا ہوا پاکستان کی حکومت کو مالی طور پر بہت بڑا نقصان پہنچے گا۔ کیا یہ دیانتداری ہے؟ کیا یہ انصاف ہے کہ خود اپنی ہی حکومت کی جڑیں کاٹی جائیں؟

جس طرح افراد کو حق نہیں کہ افراد کا مال لُوٹیں اسی طرح افراد کو یہ بھی حق نہیں کہ وہ غیر قوموں کے افراد کو ان کے دوسرے بھائیوں کے ظلموں کی وجہ سے اپنے مُلک میں تنگ کریں۔ اس بارہ میں بھی مسلمان اخبارات نہایت دلیری سے بار بار پبلک کو توجہ دلا چکے ہیں مگر

ہمیں افسوس ہے کہ اب تک پبلک نے اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھا۔ ہر سمجھانے والے کو یہ کہا جاتا ہے کہ مشرقی پنجاب کو دیکھو وہاں مسلمانوں پر کیا ظلم ہو رہا ہے مگر ایسا کہنے والا یہ غور نہیں کرتا کہ خود اسی کا جواب اسے مجرم بنا رہا ہے۔ مشرقی پنجاب کا سکھ اور ہندو کیوں ظالم ہے اس لئے کہ اسے وہاں کے مسلمان کو دکھ دینے یا قتل کرنے کا کوئی قانونی حق حاصل نہیں۔ اگر یہ اصول ٹھیک ہے تو کیا یہ اصول اس مسلمان پر چسپاں نہیں ہوتا جو مغربی پنجاب میں کسی ایسے سکھ یا ہندو کو دِق کرتا یا اسے قتل کرتا ہے جو مغربی پنجاب کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا اور ہمارے ساتھ رہنے پر رضامند ہے۔ اگر اس سکھ یا ہندو کو مارنا یا دِق کرنا ہمارے لئے جائز ہے تو پھر مشرقی پنجاب کے سکھ اور ہندو پر بھی ہم کوئی اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ یہ درندوں والا قانون ہے اور اسی درندوں والے قانون پر وہ عمل کر رہا ہے اور ہم سے بہت زیادہ زور سے وہ عمل کر رہا ہے۔ اگر یہ فعل قابلِ تعریف بات ہے تو مشرقی پنجاب کا سکھ اور ہندو ہم سے بہت زیادہ قابلِ تعریف کام کر رہا ہے۔ کیونکہ جتنے سکھ ہندو، مسلمان مارتے ہیں ان سے کئی گناہ زیادہ مسلمانوں کو وہ قتل کر رہا ہے۔ وہ ہم سے کئی گنا زیادہ مسلمانوں کو دِق کر رہا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ بار بار یہودیوں اور عیسائیوں سے فرماتا ہے کہ تم مسلمان تو نہیں مگر کسی مذہب کو تو ماننے والے ہو کم سے کم تمہیں اپنے مذہب پر تو عمل کرنا چاہئے۔ جب تک تم اپنے مذہب پر عمل نہ کرو اُس وقت تک تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ یہ قانون ہمیں بھی اپنے متعلق یاد رکھنا چاہئے۔ ہم مسلمان ہیں ہمیں اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہم سکھ اور ہندو نہیں کہ ہم سکھوں اور ہندوؤں کا طریق اختیار کریں۔ مصر کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک عیسائی روزانہ یہ تقریر لوگوں کے اندر کیا کرتا کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے[۶] اور اس سے وہ اپنے مذہب کی فضیلت ثابت کیا کرتا تھا۔ ایک دن ایک مسلمان وہاں سے گزرا اور اس نے آگے بڑھ کر ایک تھپڑ اُسے مارا۔ پادری نے اس کو پکڑ لیا اور پولیس کو آواز دی۔ اس شخص نے کہا پادری صاحب! آپ تو روزانہ وعظ کیا کرتے ہیں کہ انجیل کی تعلیم نہایت اعلیٰ ہے وہ کہتی ہے کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے۔ پادری نے جواب میں کہا مگر آج تو میں

اسلام ہی کی تعلیم پر عمل کروں گا کیونکہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو آئندہ کے لئے میں یہاں کام نہیں کر سکوں گا۔ خواہ وہ مسلمان جس نے اس پادری کو تھپڑ مارا تھا پکڑا ہی گیا ہو اور اسے سزا بھی ملی ہو پھر بھی اس نے اسلامی تعلیم کی فوقیت تو ثابت کروا لی اور عیسائی سے اقرار کروا لیا کہ وہ اپنی تعلیم پر عمل نہیں کرسکتا۔ کیا ہم بھی دنیا کے سامنے یہی کہیں گے کہ بے شک اسلام کی اخلاقی تعلیم بہت اعلیٰ ہے مگر اِس وقت ہم ہندوؤں اور سکھوں کا طریق ہی اختیار کریں گے اور اسی میں ہماری نجات ہے۔ ایسا کہنے کے بعد اسلام کی دشمنوں کی نظر میں کیا وقعت رہ جائے گی۔ ہماری جانیں، ہمارے مال، ہماری عزتیں مشرقی پنجاب میں برباد ہوئیں۔ اگر مغربی پنجاب میں ہمارا ایمان سلامت رہ جائے اور اس شورش اور فساد کے وقت میں ہم دنیا کو یہ بتاسکیں کہ اسلام کی تعلیم پر عمل کر کے امن اور صلح قائم ہوسکتی ہے تو ہم گھاٹے میں نہیں رہیں گے۔ مال دشمن کے پاس چلا جائے گا ایمان ہم کو مل جائے گا لیکن اگر یہ بات نہ ہوئی، اگر ہم نے یہاں وہی طور طریقہ اختیار کیا جو سکھ اور ہندو مشرقی پنجاب میں اختیار کر رہا ہے تو ہمارے پاس کچھ بھی تو باقی نہیں رہے گا نہ دین نہ دنیا۔

پس ہم تمام احباب سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ مُلک میں یہ جذبہ پیدا کریں کہ اس موقع پر وہ اسلامی طریق کو اختیار کریں۔ انتقام لینا حکومت کے اختیار میں ہوتا ہے پبلک کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ حکومت کو توجہ دلاؤ کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرے مگر خود قانون اپنے ہاتھ میں نہ لو کہ یہ اسلام کے خلاف ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا کہ جب ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے دیکھوں تو چونکہ اسلام نے زانی کی سزا رجم مقرر فرمائی ہے تب میں اُس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں حکومت کو اطلاع دو اور حکومت کو اپنا قانون خود جاری کرنے دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تم خدا تعالیٰ کی نگاہ میں قاتل سمجھے جاؤ گے۔[ے] دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کس طرح حکومت کی ذمہ داریوں کو حکومت کے سپرد رکھنے کی تاکید کی ہے۔ ہمیں یہ حکم نہیں بھولنا چاہئے اور حکومت کی ذمہ واریوں کو اپنے قبضہ میں نہیں لینا چاہئے۔ یقیناً یہ بات ہم پر گراں گزرتی ہے ہر رپورٹ جو ہم کو مشرقی پنجاب سے پہنچے گی ہمارے جذبات کو اُبھارے گی، ہماری طبیعت میں غصہ پیدا کرے گی، ہمارے اعصاب کھنچنے لگ جائیں گے

اور ہمارے سر کی طرف خون چڑھنا شروع ہو جائے گا لیکن ہمیں اپنے طبعی جذبات کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اخلاق کے تابع رکھنا چاہئے۔ اسی سے دنیا میں ہماری عزت ہوگی اور اسی سے ہمارے دین کی بھلائی ہوگی۔

جو ہندو یا سکھ ہمارے مُلک میں رہنا چاہیں ہمیں اُن کو اپنی امانت سمجھنا چاہئے اور جو لوگ اپنا مال چھوڑ گئے ہیں ہمیں اس مال کو پاکستان کی امانت سمجھنا چاہئے۔ سابق مسلمانوں نے تو اپنے اخلاق کے ایسے شاندار نمونے چھوڑے ہیں کہ ہمیں اپنے لئے کسی نئے رستہ کے تجویز کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ سپین کے ایک مسلمان کو ایک عیسائی نے مار دیا۔ قاتل دَوڑ کر ایک بڑے محل میں داخل ہوا اور اس کے مالک سے کہا میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں مجھے پکڑنے کے لئے لوگ آ رہے ہیں۔ اس رئیس نے اسے اپنے مکان کے پچھواڑے میں کسی جگہ بند کر دیا جب وہ باہر نکلا تو آگے سے اسے پولیس ملی جس نے ایک لاش اُٹھائی ہوئی تھی وہ لاش انہوں نے اس کے آگے رکھ دی اور اسے بتایا کہ اس کا اکلوتا بیٹا ایک شخص نے مار دیا ہے اور وہ اس کے قاتل کی تلاش کر رہے ہیں۔ وہ اس طرف بھاگا ہوا آیا ہے مگر ابھی تک اُنہیں مل نہیں سکا۔ رئیس نے سمجھ لیا کہ وہ شخص جس کو اِس نے پیچھے مکان میں چھپایا ہے وہی اِس کے بیٹے کا قاتل ہے۔ مگر وہ سچا مسلمان تھا اپنا قول دے چکا تھا۔ پولیس کو اُس نے رخصت کیا اور اُس کمرہ کی طرف گیا جس میں اُس نے قاتل کو چھپا رکھا تھا۔ کمرہ کھول کر اُس نے کچھ روپیہ اِس قاتل کے ہاتھ میں رکھا اور کہا کہ پچھواڑے کی طرف سے نکل کر بھاگ جاؤ۔ پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ یہ روپیہ میں تمہیں دیتا ہوں تاکہ تمہارے بھاگنے میں مدد دے۔ باقی مجھے پتہ لگ گیا ہے کہ تم قاتل ہو اور جس شخص کو تم نے مارا ہے وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے مگر مسلمان غدار نہیں ہوتا میں تمہیں پناہ دے چکا ہوں اب میں تم پر ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ اسلامی اخلاق ہیں جن کی وجہ سے اسلام دنیا میں پھیلا، یہ اسلامی اخلاق ہیں جن کی وجہ سے اسلامی مبلّغوں کے سامنے تمام دنیا کی آنکھیں نیچی رہتی تھیں۔ ہمیں پھر ان اسلامی اخلاق کو زندہ کرنا چاہئے۔ غم و غصہ سے ہمارے دل مرتے ہیں تو مرنے دو کٹتے ہیں تو کٹنے دو۔ ہمارے مدنظر صرف ایک چیز رہنی چاہئے کہ اسلام زندہ ہو اور اسلام کی فوقیت دنیا کے تمام مذہبوں اور طریقوں پر ظاہر ہو۔ (الفضل لاہور ۱۸؍اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ ھُوَالنَّاصِرُ

قادیان کی خونریز جنگ

اکتوبر کی پہلی تاریخ کو جب گورداسپور کی ملٹری نے قادیان میں کنوائے جانے کی ممانعت کردی تو میں اُسی وقت سمجھ گیا تھا کہ اب قادیان پر ظلم توڑے جائیں گے۔ لاہور میں کئی دوستوں کو میں نے یہ کہہ دیا تھا اور مغربی پنجاب کے بعض حُکّام کو بھی اپنے اس خیال کی اطلاع دے دی تھی۔ اِس خطرہ کے مدِنظر ہم نے کئی ذرائع سے مشرقی پنجاب کے حُکّام سے فون کر کے حالات معلوم کئے لیکن ہمیں یہ جواب دیا گیا کہ قادیان میں بالکل خیریت ہے اور احمدی اپنے محلوں میں آرام سے بس رہے ہیں صرف سڑکوں کی خرابی کی وجہ سے کنوائے کو روکا گیا لیکن جب اِس بات پر غور کیا جاتا کہ لاہور اِوَیکیویشن (Evacuation) کمانڈر کی طرف سے مشرقی پنجاب کے ملٹری حُکّام کو بعض کنوائز کی اطلاع دی گئی اور اُنہیں کہا گیا کہ اگر قادیان کی طرف کنوائے جانے میں کوئی روک ہے تو آپ ہم کو بتا دیں۔ میجر چمنی سے بھی پوچھا گیا اور بریگیڈ یئر پرنج پائے متعینہ گورداسپور سے بھی پوچھا گیا تو ان سب نے اطلاع دی کہ قادیان جانے میں کوئی روک نہیں باوجود اِس کے جب کنوائے گئے تو ان کو بٹالہ اور گورداسپور سے واپس کر دیا گیا۔ یہ واقعات پہلے شائع ہو چکے ہیں ان واقعات نے میرے شبہات کو اور بھی قوی کر دیا۔ آخر ایک دن ایک فون جو قادیان سے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے نام کیا گیا تھا اتفاقاً سیالکوٹ میں بھی سنا گیا معلوم ہوا کہ قادیان پر دو دن سے حملہ ہو رہا ہے اور بے انتہاء ظلم توڑے جا رہے ہیں۔ پولیس حملہ آوروں کے آگے آگے چلتی ہے اور گولیاں مار مار کر احمدیوں کا صفایا کر رہی ہے تب اصل حقیقت معلوم ہوئی۔

دوسرے دن ایک سب انسپکٹر پولیس جو چھٹی پر قادیان گیا ہوا تھا کسی ذریعہ سے جس کا ظاہر کرنا مناسب نہیں لاہور پہنچا اور اُس نے بہت سی تفاصیل بیان کیں۔ اُس کے بعد ایک ملٹری گاڑی میں جو قادیان بعض مغربی پنجاب کے افسروں اور بعض مشرقی پنجاب کے افسروں کو جو قادیان کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی میں بعض اور لوگ تھے جنہوں نے اور تفصیل بیان کی۔ اِن حالات سے معلوم ہوا کہ حملہ سے پہلے کرفیو لگا دیا گیا تھا پہلے قادیان کی پرانی آبادی پر جس میں احمدیہ جماعت کے مرکزی دفاتر واقع ہیں حملہ کیا گیا۔ اس حصہ کے لوگ اس حملہ کا مقابلہ کرنے لگے اُنہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ باہر کے محلوں پر بھی تھوڑی دیر بعد حملہ کر دیا گیا ہے یہ لوگ سات گھنٹہ تک لڑتے رہے اور اس خیال میں رہے کہ یہ حملہ صرف مرکزی مقام پر ہے باہر کے مقام محفوظ ہیں چونکہ جماعت احمدیہ کا یہ فیصلہ تھا کہ ہم نے حملہ نہیں کرنا بلکہ صرف دفاع کرنا ہے اس لئے تمام محلوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب تک ایک خاص اشارہ نہ کیا جائے کسی محلّہ کو باقاعدہ لڑائی کی اجازت نہیں۔ جب افسر یہ تسلی کر لیں کہ حملہ اتنا لمبا ہو گیا ہے کہ اب کوئی شخص یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ احمدیہ جماعت نے مقابلہ میں ابتداء کی ہے وہ مقررہ اشارہ کریں گے اُس وقت جماعت منظّم طور پر مقابلہ کرے گی۔ اس فیصلہ میں ایک کوتاہی رہ گئی وہ یہ کہ اس بات کو نہیں سوچا گیا کہ اگر پولیس بیرونی شہر اور اندرونی شہر کے تعلقات کو کاٹ دے تو ایک دوسرے کے حالات کا علم نہ ہو سکے گا۔ پس ان حالات میں ہر محلّہ کا الگ کمانڈر مقرر ہو جانا چاہئے جو ضرورت کے وقت آزادانہ کارروائی کر سکے۔ یہ غلطی اس وجہ سے ہوئی کہ قادیان کے لوگ فوجی تجربہ نہیں رکھتے وہ تو مبلّغ، مدرّس، پروفیسر، تاجر اور زمیندار ہیں ہر قسم کے فوجی نقطۂ نگاہ پر حاوی ہونا ان کے لئے مشکل ہے۔ بہرحال یہ غلطی ہوئی اور باہر کے محلوں نے اس بات کا انتظار کیا کہ جب ہم کو وہ اشارہ ملے گا تب ہم منظّم مقابلہ کریں گے لیکن اُس وقت اتفاق سے سب ذمہ دار کارکن مرکزی دفاتر میں تھے اور باہر کے محلوں میں کوئی ذمہ دار افسر نہیں تھا اور مرکز کے لوگ غلطی سے یہ سمجھ رہے تھے کہ حملہ صرف مرکزی مقام پر ہے باہر کے محلوں پر نہیں اور باہر کے محلے یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمارے حالات کا علم مرکزی محلّہ کو ہوگا کسی مصلحت کی وجہ سے اُنہوں نے ہمیں مقابلہ کرنے کا اشارہ نہیں کیا۔ سات گھنٹہ کی لڑائی کے بعد جب مرکزی

محلّہ پر زور بڑھا تو مرکزی محلّہ کی حفاظت کیلئے معیّن اشارہ کیا گیا مگر اُس وقت تک بہت سے بیرونی محلوں کو پولیس اور ایک حد تک ملٹری کے حملے صاف کروا چکے تھے۔ حملہ آوروں کی بہادری کا یہ حال تھا کہ سات گھنٹے کے حملہ کے بعد جب جوابی حملہ کا بگل بجایا گیا تو پانچ منٹ کے اندر پولیس اور حملہ آور جتھے بھاگ کر میدان خالی کر گئے۔ ان حملوں میں دوسَو سے زیادہ آدمی مارے گئے لیکن ان کی لاشیں جماعت کو اُٹھانے نہیں دی گئیں تا ان کی تعداد کا بھی علم نہ ہو سکے اور ان کی شناخت بھی نہ ہو سکے بغیر جنازہ کے اور بغیر اسلامی احکام کی ادائیگی کے یہ لوگ، ظالم مشرقی پولیس کے ہاتھوں مختلف گڑھوں میں دبا دیئے گئے تا کہ دنیا کو اُس ظلم کا اندازہ نہ ہو سکے جو اُس دن قادیان میں مشرقی پنجاب کی پولیس نے کیا تھا۔ مشرقی پنجاب کے بالا حکام سے جو ہمیں اطلاع ملی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقامی حُکّام نے مرکزی حُکّام کو صرف یہ اطلاع دی کہ سکھ جتھوں نے احمدی محلوں پر حملہ کیا۔ تیس آدمی سکھ جتھوں کے مارے گئے اور تیس آدمی احمدیوں کے مارے گئے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دوسَو سے زیادہ قادیان میں احمدی مارے گئے جن میں کچھ غیر احمدی بھی شامل تھے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا اور سکھ بھی تیس سے زیادہ مارے گئے کیونکہ گو اس غلطی کی وجہ سے جو اوپر بیان ہو چکی ہے منظّم مقابلہ نہیں کیا لیکن مختلف آدمی بھی حفاظتی چوکیوں پر تھے انہوں نے اچھا مقابلہ کیا اور بہت سے حملہ آوروں کو مارا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب باہر سے پولیس اور سکھ حملہ کر رہے تھے اور ملٹری بھی ان کے ساتھ تھی (گو کہا جاتا ہے کہ ملٹری کے اکثر سپاہیوں نے ہوا میں فائر کئے ہیں) اُس وقت کچھ پولیس کے سپاہی محلوں کے اندر گھس گئے اور انہوں نے احمدیوں کو مجبور کیا کہ یہ کرفیو کا وقت ہے اپنے گھروں میں گھس جائیں چنانچہ ایک احمدی گریجوایٹ جو اپنے دروازے کے آگے کھڑا تھا اُسے پولیس مین نے کہا کہ تم دروازے کے باہر کیوں کھڑے ہو؟ جب اس نے کہا کہ یہ میرا گھر ہے میں اپنے گھر کے سامنے کھڑا ہوں تو اُسے شوٹ کر دیا گیا اور جب وہ تڑپ رہا تھا تو سپاہی نے سنگین سے اُس پر حملہ کر دیا اور تڑپتے ہوئے جسم پر سنگین مار مار کر اُسے مار دیا۔ اس کے بعد بہت سے محلوں کو لُوٹ لیا گیا اور اب ان کے اندر کسی ٹوٹے پھوٹے سامان یا بے قیمت چیزوں کے سوا کچھ باقی نہیں۔ مرکزی حصہ پر جو حملہ ہوا اس میں ایک شاندار واقعہ ہوا ہے جو قرونِ اولیٰ کی قربانیوں کی یاد دلاتا

ہے۔ جب حملہ کرتے ہوئے پولیس اور سکھ شہر کے اندر گھس آئے اور شہر کے مغربی حصہ کے لوگوں کو مار پیٹ کر خالی کرانا چاہا اور وہ لوگ مشرقی حصہ میں منتقل ہو گئے تو معلوم ہوا کہ گلی کے پار ایک گھر میں چالیس عورتیں جمع تھیں وہ وہیں رہ گئی ہیں انہیں افسران نکلوانے کے لئے گلی کے سرے پر جو مکان تھا وہاں پہنچے اور ان کے نکالنے کے لئے دو نوجوانوں کو بھیجا۔ یہ نوجوان جس وقت گلی پار کرنے لگے تو سامنے کی چھتوں سے پولیس نے ان پر بے تحاشا گولیاں چلانی شروع کیں اور وہ لوگ واپس گھر میں آنے پر مجبور ہو گئے تب لکڑی کے تختے منگوا کر گلی کے مشرقی اور مغربی مکانوں کی دیواروں پر رکھ کر عورتوں کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کی گئی جو نوجوان اس کام کے لئے گئے ان میں ایک غلام محمد صاحب ولد مستری غلام قادر صاحب سیالکوٹ تھے اور دوسرے عبدالحق نام قادیان کے تھے جو احمدیت کی طرف مائل تو تھے مگر ابھی جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یہ دونوں نوجوان برستی ہوئی گولیوں میں سے تختے پر سے کودتے ہوئے اُس مکان میں چلے گئے جہاں چالیس عورتیں محصور تھیں اُنہوں نے ایک ایک عورت کو کندھے پر اُٹھا کر تختے پر ڈالنا شروع کیا اور مشرقی مکان والوں نے انہیں کھینچ کھینچ کر اپنی طرف لانا شروع کیا جب وہ اپنے خیال میں سب عورتوں کو نکال چکے اور خود واپس آ گئے تو معلوم ہوا کہ اُنتالیس عورتیں آئی ہیں اور ایک بڑھیا عورت جو گولیوں سے ڈر کے مارے ایک کونے میں چھپی ہوئی تھی رہ گئی ہے۔ اب اِردگرد کی چھتوں پر پولیس جتھوں کا ہجوم زیادہ ہو چکا تھا گولیاں بارش کی طرح گر رہی تھیں اور بظاہر اس مکان میں واپس جانا ناممکن تھا مگر میاں غلام محمد صاحب ولد میاں غلام قادر صاحب سیالکوٹی نے کہا کہ جس طرح بھی ہو مَیں واپس جاؤں گا اور اس عورت کو بچا کر لاؤں گا اور وہ برستی ہوئی گولیوں میں جو نہ صرف درمیانی راستہ پر برسائی جا رہی تھیں بلکہ اُس گھر پر بھی برس رہی تھیں جہاں احمدی کھڑے ہوئے بچاؤ کی کوشش کر رہے تھے کود کر اُس تختے پر چڑھ گئے جو دونوں مکانوں کے درمیان پُل کے طور پر رکھا گیا تھا جب وہ دوسرے مکان میں کود رہے تھے تو رائفل کی گولی ان کے پیٹ میں لگی اور وہ مکان کے اندر گر پڑے مگر اس حالت میں بھی اس بہادر نوجوان نے اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کی اور اُس بڑھیا عورت کو تلاش کر کے تختے پر چڑھانے کی کوشش کی لیکن شدید زخموں کی وجہ سے وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور

دو تین کوششوں کے بعد نڈھال ہو کر گر گیا۔ اس پر میاں عبدالحق صاحب نے کہا کہ میں جا کر ان دونوں کے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ کود کر اس تختہ پر چڑھ گئے۔ اُن کو دیکھتے ہی ایک پولیس مین دوڑا ہوا آیا اور ایک پاس کے مکان سے صرف چند فٹ کے فاصلہ پر سے ان کی کمر میں گولی مار دی اور وہ وہیں فوت ہو گئے جب حملہ آور بگل بجنے پر دَوڑ گئے تو زخمی غلام محمد صاحب اور اس بڑھیا کو اس مکان سے نکالا گیا چونکہ ہسپتال پر پولیس نے قبضہ کر لیا ہے اور وہاں سے مریضوں کو زبردستی نکال دیا ہے اور تمام ڈاکٹری آلات اور دوائیاں وہاں ہی پڑی ہیں مریضوں اور زخمیوں کا علاج نہیں کیا جا سکتا اور یوں بھی غلام محمد صاحب شدید زخمی تھے معمولی علاج سے بچ نہ سکے اور چند گھنٹوں میں فوت ہو گئے۔ مرنے سے پہلے انہوں نے اپنے ایک دوست کو بلایا اور اسے یہ باتیں لکھوائیں کہ:۔

''مجھے اسلام اور احمدیت پر پکا یقین ہے میں اپنے ایمان پر قائم جان دیتا ہوں۔ میں اپنے گھر سے اسی لئے نکلا تھا کہ میں اسلام کے لئے جان دوں گا آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور جس مقصد کے لئے جان دینے کے لئے آیا تھا میں نے اس مقصد کے لئے جان دے دی۔ جب میں گھر سے چلا تھا تو میری ماں نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا دیکھنا پیٹھ نہ دکھانا۔ میری ماں سے کہہ دینا کہ تمہارے بیٹے نے تمہاری وصیت پوری کر دی اور پیٹھ نہیں دکھائی اور لڑتے ہوئے مارا گیا''۔

چونکہ ظالم پولیس نے سب راستوں کو روکا ہوا ہے مقتولین کو قبروں میں دفن نہیں کیا جا سکا اس لئے جو لوگ فوت ہوتے ہیں یا قتل ہوتے ہیں انہیں گھروں میں ہی دفن کیا جاتا ہے ان نوجوانوں کو بھی گھروں میں ہی دفن کرنا پڑا اور میاں غلام محمد اور عبدالحق دونوں کی لاشیں میرے مکان کے ایک صحن میں پہلو بہ پہلو سپردِ خاک کر دی گئیں۔ یہ دونوں بہادر اور سینکڑوں آدمی اِس وقت منوں مٹی کے نیچے دفن ہیں لیکن اُنہوں نے اپنی قوم کی عزت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مرنے والے مر گئے اُنہوں نے بہر حال مرنا ہی تھا اگر وہ اور کسی صورت میں مَرتے تو ان کے نام کو یاد رکھنے والا کوئی نہ ہوتا اور وہ اپنے دین کی حفاظت اور اسلام کا جھنڈا اونچا رکھنے کیلئے

مرے ہیں اس لئے حقیقتاً وہ زندہ ہیں اور آپ ہی زندہ نہیں بلکہ اپنے بہادرانہ کارناموں کی وجہ سے آئندہ اپنی قوم کو زندہ رکھتے چلے جائیں گے۔ ہر نوجوان کہے گا کہ جو قربانی ان نوجوانوں نے کی وہ ہمارے لئے کیوں ناممکن ہے جو نمونہ اُنہوں نے دکھایا وہ ہم کیوں نہیں دکھا سکتے۔ خدا کی رحمتیں ان لوگوں پر نازل ہوں اور ان کا نیک نمونہ مسلمانوں کے خون کو گرماتا رہے اور اسلام کا جھنڈا ہندوستان میں سرنگوں نہ ہو۔

اسلام زندہ باد۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ باد۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل لاہور ۱۱/اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سیاستِ پاکستان

ہم پہلے ایک دفعہ لکھ چکے ہیں کہ پاکستان کی سیاست کو بہت زیادہ مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان کی حکومت ابھی نئی نئی قائم ہوئی ہے اوراس کے لئے اقتصادی اورانتظامی مشکلات بے انتہاء ہیں۔ جہاں تک محنت اورکوشش کا سوال ہے وزراء باوجود ناتجربہ کاری کے اپنی طاقت سے زیادہ کام کررہے ہیں لیکن دونقص ایسے ہیں جن کی وجہ سے کام سنبھل نہیں سکتا۔

اوّل تو یہ کہ بوجہ دفتری کام کی ناواقفیت کے وزراء کو وقت کا اندازہ نہیں اورنہ لوگوں کوان کی مہمات کا اندازہ ہے۔بعض دفعہ معمولی باتوں میں وزراءزیادہ وقت صَرف کردیتے ہیں اور بعض دفعہ غیرضروری باتوں کو پیش کرنے کیلئے مُلک کے لوگ ان کے پاس آ جاتے ہیں اور اصرارکرتے ہیں کہ اُنہیں ملاقات کا موقع دیا جائے۔

دوسرے ایک ایک وزیر کے پاس کئی کام ہیں اس ہنگامی زمانہ میں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان کی اقتصادی حالت کمزور ہے لیکن جس کام کے لئے جتنے آدمیوں کی ضرورت ہے ان کے مہیا کئے بغیر چارہ نہیں۔مہذب حکومتوں میں ہروزیر کے ساتھ ایک ایک نائب وزیرہوا کرتا ہےاوروہ بھی پارلیمنٹ کےممبروں میں سے ہوتا ہےلیکن پاکستان کی مرکزی اورصوبائی حکومتوں میں سوائے مشرقی بنگال کے چندوزراء کے سپردسارے کام کر دیئے گئے ہیں اورنائب وزیرمقررنہیں اس کی وجہ سے نہ تو کام ٹھیک ہوسکتا ہےاورنہ مسلمانوں میں نئے تجربہ کار آدمی پیدا ہوتے ہیں۔آخر وزراءبھی انسان ہیں اوران کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔اگرکل کوایک وزیرفوت ہوگیا تو یہی ہوگا کہ اس کا محکمہ بھی کسی اوروزیر کے سپرد کر دیا جائے گا اورکام کی زیادتی کی وجہ سے دونوں وزارتوں کا کام تباہ ہوجائے گا یاکسی ناتجربہ کار

کو اس کام پر لگایا جائے گا جو نئے سرے سے پھر تجربہ کرنا شروع کرے گا۔ اگر اس مجرب نسخہ پر عمل کیا جاتا کہ ہر وزیر کے ساتھ ایک نائب وزیر لگایا جاتا جس کے سپرد اس وزارت کے بعض محکمے کر دیئے جاتے یا جس کے تفویض میں بعض چھوٹے کام دے دیئے جاتے تو اس نقصان کا خطرہ نہ رہتا اور مزید نوجوانوں کی تربیت ہوتی چلی جاتی اور کسی اتفاقی حادثہ یا اختلاف کی وجہ سے اگر کوئی وزیر الگ ہو جاتا یا الگ کیا جاتا تو اس کا قائمقام فوراً ہی میسر آ سکتا اور نئے تجربوں میں وقت ضائع نہ ہوتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض جگہوں پر پارلیمنٹری سیکرٹری مقرر کئے گئے ہیں لیکن پارلیمنٹری سیکرٹری اور نائب وزیر کے کاموں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ پارلیمنٹری سیکرٹری کے سپرد محکمے نہیں ہوا کرتے وہ تو ایک قسم کا پرائیویٹ سیکرٹری ہوتا ہے لیکن نائب وزیر ایک باقاعدہ وزیر ہوتا ہے اور کئی محکمے اور کئی ضروری کام اس کے سپرد ہوتے ہیں اور وزیر کی عدم موجودگی میں وزارت کا کام وہ خود کرتا ہے پارلیمنٹری سیکرٹری ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر مالی مشکلات ہوں تو وزراء کی تنخواہیں کم کی جا سکتی ہیں آخر غریبوں کے گزارے غریبانہ ہی ہو سکتے ہیں۔ ہمارے مُلک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے اگر نائب وزیروں کو ایک ایک ہزار روپیہ تنخواہ دے دی جائے تو بڑی کافی ہے۔ اِس طرح دو ڈپٹی کمشنروں کی تنخواہ سے ساری وزارتوں میں نائب وزیر رکھے جا سکتے ہیں۔

اگر وزراء بڑھا دیئے جائیں اور ہر وزیر کے ساتھ نائب وزیر مقرر کر دیئے جائیں تو ہر صوبہ میں اور مرکز میں بہت جلد تجربہ کار آدمی پیدا ہو جائیں گے اور تقسیم کار کی وجہ سے کام بھی اچھا ہونے لگ جائے گا۔

مذکورہ بالا نقائص کی وجہ سے پاکستان کا سیاسی نظام بہت کمزور طور پر چل رہا ہے۔ بہت سے ضروری ممالک جن سے فوراً پاکستان کا تعلق قائم ہو جانا چاہیئے تھا، ان سے اب تک تعلق قائم نہیں ہو سکا اور شاید پاکستانی حکومت کے ذمہ داروں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بعض طریقے ایسے بھی ہیں کہ بہت کم خرچ سے بیرونی ممالک سے تعلق قائم کئے جا سکتے ہیں۔

اس وقت ہم تین مُلکوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے پاکستان کے سیاسی تعلقات فوراً قائم ہو جانے چاہئیں تھے اور جن کی طرف سے حکومت پاکستان کو فوری توجہ دینی چاہیئے تھی مگر ایسا نہیں

ہوا۔ یہ مُلک انڈونیشیا، ایبے سینیا اور سعودی عرب ہیں۔ انڈونیشیا دوسرا بڑا اسلامی مُلک ہے جس میں مسلمانوں کی آبادی چھ کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ پھر اس کا مقامِ وقوع ایسی جگہ پر ہے کہ اس سے تعلقات آئندہ پاکستان کی ترقی اور حفاظت میں بہت کچھ مد ہو سکتے ہیں لیکن جبکہ ہندوستان یونین اس کے ساتھ تعلق بڑھا رہی ہے پاکستان حکومت نے اب تک پوری جدوجہد سے کام نہیں لیا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے پیار ہے اور وہ ایک دوسرے سے ہمدردی رکھتے ہیں لیکن سیاسی معاملات کچھ ایسے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ دوست دشمن بن جاتے ہیں اور دشمن دوست بن جاتے ہیں اور صرف مذہبی اتحاد کو سیاسی اتحاد کا پورا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا۔ جرمنی بھی عیسائی تھا اور انگلستان بھی عیسائی تھا مگر پھر بھی یہ دونوں لڑتے تھے۔ پس ہمیں اس بات پر اعتماد کر کے نہیں بیٹھ جانا چاہئے کہ انڈونیشیا کے لوگ مسلمان ہیں اس لئے بغیر کسی جدوجہد کے ہمارا اِن سے دوستانہ قائم رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ بعض دوسری حکومتیں ان پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ انڈونیشیا کا فائدہ ان حکومتوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے میں زیادہ ہے اور پاکستان کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں کم ہے۔ اگر ایسا ہوا اور اس کوشش میں وہ کامیاب ہو گئے تو یقیناً باوجود مسلمان ہونے کے انڈونیشیا کے لوگ اپنے سیاسی فوائد کی خاطر پاکستان کی طرف سے ہٹ جائیں گے اور ان دوسری حکومتوں کی طرف جھک جائیں گے۔ اس قسم کی کوشش انڈین یونین کی طرف سے شروع ہے۔ انڈین یونین کے افسر کوئی موقع نہیں جانے دیتے جس میں وہ انڈونیشیا کے وزراء کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش نہ کریں۔ ہمیں لنڈن سے اطلاع ملی ہے کہ سلطان شہریار حال ہی میں امریکہ سے واپسی پر انگلستان سے گزرے اور باوجود پاکستانی ہائی کمشنر کی موجودگی کے وہ ہندوستانی یونین کے ہائی کمشنر مسٹر مینن کے گھر پر ان کے مہمان ٹھہرے۔ انسان اسی کے گھر پر ٹھہرنا پسند کرتا ہے جس کا وہ دوست ہوتا ہے اور جس کو میزبانی کا موقع ملے وہ مہمان پر دوسروں سے زیادہ اثر ڈال سکتا ہے۔ سلطان شہریار کو یقیناً ہندوستان کے ہائی کمشنر نے اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی ہوگی۔ اگر پاکستان کا ہائی کمشنر بھی ایسا کرتا تو سلطان شہریار یقیناً اِن کے ہاں ٹھہرنے کو ترجیح دیتے۔ ہمارے نزدیک تمام پاکستانی سفراء اور ہائی کمشنروں کو ہدایت جانی چاہئے کہ وہ تمام اسلامی ممالک کے نمائندوں، سفیروں،

وزیروں اور سیاسی لیڈروں کے ساتھ تعلقات بڑھائیں اور جب بھی وہ اس مُلک میں داخل ہوں جہاں وہ پاکستانی سفیر یا ہائی کمشنر مقرر ہے وہ اُن کو اپنے گھر پر مہمان ٹھہرنے کی دعوت دیں اگر وہ ہوٹل میں ٹھہرنا ہی پسند کریں تو وہ ان کے اعزاز میں پارٹی دیں اور ان کے اس کام میں تعاون کریں جس کام کے لئے وہ اس مُلک میں آئے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام اسلامی ممالک زیادہ سے زیادہ آپس میں متحد ہوتے جائیں گے اور چند ہی سالوں میں ایک زبردست اسلامی حکومت پیدا ہو جائے گی جسے چھیڑنے کا کسی دشمن کو حوصلہ نہ پڑے گا۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ مسلمان حکومتوں میں سے کوئی ایک بھی تو ایسی نہیں جو دنیا کی بڑی حکومتوں میں شامل کئے جانے کی مستحق ہو۔ آبادی کے لحاظ سے، اقتصادی لحاظ سے، قومی تنظیم کے لحاظ سے مسلمان حکومتیں دوسری بہت سی حکومتوں سے پیچھے ہیں۔ ان کو صف اوّل میں لانے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ساری مسلمان طاقتیں متحد ہو جائیں اور سیاسی معاملات میں ایک ہی آواز اُٹھائیں اگر وہ ایسا کر لیں تو کم سے کم اپنی متحدہ حیثیت میں وہ دنیا کی بڑی حکومتوں میں شمار ہونے لگ جائیں گی۔

دوسری خبر اسی سلسلہ میں ہمیں یہ ملی ہے کہ اب تک سعودی عرب سے بھی تعلقات پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی حالانکہ سعودی عرب وہ مُلک ہے جس میں ہمارا مقدس مقام مکہ مکرمہ اور ہمارا قبلہ گاہ بیت اللہ اور ہمارے آقا کا مقامِ ہجرت اور مدفن مدینہ منورہ واقعہ ہیں۔ ہم خواہ کسی مذہب اور فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں ہم ان مقامات کی طرف سے اپنی نظریں نہیں ہٹا سکتے اور جس حکومت کے ماتحت بھی یہ مقامات ہوں اُس کیساتھ تعلق پیدا کرنا ہمارا ضروری فرض ہے کیونکہ مسلمانوں کا حقیقی اتحاد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ذریعہ سے ہی ہوسکتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ستمبر کے آخر میں سلطان ابن سعود[۸] عرب کے تیل کے چشموں کے پاس حفوف مقام پر کچھ دنوں کے لئے آ کر قیام پذیر ہوئے۔ عبدالرشید صاحب گیلانی سابق وزیراعظم عراق جو جرمن کی جنگ کے وقت جرمنی سے ساز باز کرنے کے الزام کے نیچے آ گئے تھے اور عراق سے بھاگ کر جرمنی چلے گئے تھے اور آجکل سلطان ابن سعود کے پاس رہتے ہیں، ان کے ساتھ تھے۔ کچھ ہندوستانی جو عبدالرشید صاحب گیلانی کے اُس وقت کے واقف تھے جب وہ جرمنی

میں تھے اُن سے ملنے کے لئے گئے اور اُن کی وساطت سے سلطان ابن سعود سے بھی ملے۔ ان لوگوں نے پنجاب کے واقعات ہائنہ سلطان اور ان کے وزیروں اور شہزادوں کو سنائے۔ اس کے جواب میں سلطان ابن سعود اور ان کے وزیروں نے کہا کیا وجہ ہے کہ پاکستان حکومت اپنا سفیر ہمارے ہاں نہیں بھجواتی تا کہ ہم لوگوں کو بھی پاکستان کے حالات معلوم ہوتے رہیں اور موقع مناسب پر ہم ان کی تائید میں آواز بلند کرسکیں۔ پھر اُنہوں نے ایک معزز ہندوستانی سے کہا کہ اگر وہ اپنا سفیر باہر سے نہیں بھجوا سکتی تو کیوں تم کو ہی وہ اپنا سفیر یہاں مقرر نہیں کر دیتی۔ سیاست سے ناواقف لوگ شاید اِس فقرہ کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔ بات یہ ہے کہ یورپ کی اکثر چھوٹی اور غریب حکومتیں جو زیادہ سفارتوں کا بار نہیں اُٹھا سکتیں اپنی رعایا کے بعض افراد کو جو تجارتوں کی وجہ سے یا پیشوں کی وجہ سے دوسرے ممالک میں رہتے ہیں اپنے قنصل مقرر کر دیتی ہیں کچھ خرچ ماہوار انہیں دفتر اور خط وکتابت اور کلرکوں کے لئے دے دیتے ہیں اور اس طرح ان کے حقوق اس مُلک میں محفوظ کرنے کا ایک ذریعہ نکل آتا ہے۔ وہ تاجر اور پیشہ ور اس لئے اس کام کو قبول کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے اُس کی حیثیت اُس علاقہ میں بہت بڑھ جاتی ہے اور کئی قسم کے فائدے حاصل کر لیتا ہے اور اسے مقرر کرنے والی حکومت کو یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ بغیر زیادہ خرچ کرنے کے اُس کا نمائندہ اُس مُلک میں مقرر ہو جاتا ہے۔ سلطان ابن سعود مغربی تعلیم سے نابلد ہی سہی مگر وہ عملی سیاسیات کو خوب سمجھتے ہیں اس لئے انہیں تعجب ہوا کہ اگر پاکستان کی حکومت زیادہ روپیہ نہیں خرچ کرسکتی تو عرب میں رہنے والے ہندوستانی کو تو اپنا قائمقام مقرر کرسکتی ہے تا کہ وہ محکمانہ طور پر اپنے مُلک کے معاملات سے سعودی عرب کو واقف کرتا رہے۔ آخر حکومتیں اخباری خبروں پر تو کوئی احتجاج نہیں کرسکتیں وہ اُسی وقت احتجاج کرتی ہیں جب ان کو سیاسی راستوں سے اطلاع دی جائے اگر سیاسی سفیر یا قنصل نہ ہوں تو باقاعدہ طور پر دوسری حکومت کے سامنے حالات نہیں پہنچ سکتے اور وہ حکومت بھی آئینی طور پر ان کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کرسکتی۔ اگر پاکستان کے نمائندے سعودی عرب، عراق، شام، ٹرکی، ایران اور مصر میں ہوتے اور مقررہ سیاسی رستوں سے ان حکومتوں کو اپنی مشکلات سے اطلاع دیتے تو وہ حکومتیں بطور حکومت ہندوستانی حکومت کے سامنے احتجاج کرتیں اور اس کا اثر ساری دنیا کی

حکومتوں پر پڑتا۔ اخباروں کی ہمدردی اور بڑے بڑے لیڈروں کے بیانات بھی بے شک بہت فائدہ دیتے ہیں مگر حکومتوں کے باقاعدہ احتجاج اور اخباروں کے مضامین میں بہت بڑا فرق ہے۔ آخر اس میں مشکل ہی کیا ہے ہر مُلک میں کچھ نہ کچھ معزز ہندوستانی موجود ہیں۔ باقاعدہ سفارتیں نہ سہی غیر معمولی نمائندگی کے حقوق اسلامی ممالک میں ایک ایک معزز ہندوستانی کے سپرد کر دیئے جائیں تو سیاسی تعلقات پاکستان اور دوسری اسلامی حکومتوں میں فوراً قائم ہو سکتے ہیں۔ ایسے انتظام پر شاید ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار خرچ ہوگا، اس سے زیادہ نہیں۔

تیسری شکایت ہمیں یہ پہنچی ہے کہ ایبے سینیا میں ہندوستان کی آزادی کا دن منایا گیا اور ہندوستانی جھنڈے تقسیم کئے گئے اور خوشی سے ایبے سینیا کے لوگوں نے ہندوستانی جھنڈے لہرائے لیکن پاکستان کی آزادی کا دن نہ منایا گیا اور نہ پاکستان کے جھنڈے وہاں لہرائے گئے۔ ایبے سینیا کے شاہی خاندان کا ایک حصہ مسلمان ہے اور بعض زبردست فوجی قبائل بھی مسلمان ہیں وہ اس نظارہ کو دیکھ کر بہت مایوس ہوئے اور ایبے سینیا کے ہندوستانی ڈاکٹر جو اتفاقاً احمدی ہے سے پوچھا کہ یہاں پاکستانی جھنڈے کیوں نہیں آئے اور پاکستان کی طرف سے ہم لوگوں کو خوشی میں شامل ہونے کا موقع کیوں نہیں دیا گیا؟ وہ سوائے افسوس کے اور کیا کرسکتا تھا اب اُس نے پاکستان کو لکھا ہے کہ کچھ پاکستانی جھنڈے بھجوا دیئے جائیں تاکہ وہ مسلمانوں میں تقسیم کئے جائیں اور اس کے نمونہ پر وہ اپنے لئے جھنڈے بنوا لیں کیونکہ ایبے سینیا کے مسلمان چاہتے ہیں کہ وہ بھی پاکستان کی خوشی میں شامل ہوں۔ ایبے سینیا گو حکومت کے لحاظ سے عیسائی ہے لیکن اس کو تین عظیم الشان حیثیتیں حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں ایبے سینیا نے ہجرتِ اولیٰ کے مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور اُس وقت کا بادشاہ مسلمان بھی ہوگیا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس بادشاہ اور اُس کی قوم کے لئے خاص طور پر دعا فرمائی تھی آج تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس مُلک میں محفوظ چلا آتا ہے۔

دوسرے ایبے سینیا کے شاہی خاندان کا ایک حصہ مسلمان ہے۔ کبھی کبھی وہ غالب آکر اس مُلک میں اسلامی حکومت بھی قائم کر دیتا ہے۔ ایبے سینیا اپنے معدنی اور

دوسرے ذرائع کی وجہ سے اور اپنے مُلک کی وسعت کی وجہ سے اور اپنے مقامِ وقوع کی وجہ سے ایسی حیثیت رکھتا ہے کہ اگر کسی وقت وہاں اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو وہ اسلامی سیاست کی تقویت میں بہت بڑی ممد ثابت ہوگی۔

تیسرے پاکستان کے محاذ میں ایبے سینیا کا مُلک واقعہ ہے۔ اٹلی کے لوگوں نے اریتھیر یا لے کر اس کو سمندر سے الگ کر دیا ہے لیکن باوجود اس کے وہ مُلک حجاز سے تھوڑی دور ایک پتلی خلیج کے بالمقابل واقع ہے اس لئے اس کے ساتھ تعلقات عرب اور پاکستان کے لئے نہایت ہی مفید نتیجہ خیز ہو سکتے ہیں۔ اگر اس مُلک میں بھی کوئی سیاسی قائمقام مقرر ہو جائے تو آئندہ افریقہ میں اسلام کی اشاعت اور ترقی کے لئے رستہ کھل جائے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان باتوں کی طرف توجہ اس لئے نہیں ہو رہی کہ وزیروں کے سپرد بہت سے کام ہیں اور نائب وزراء مقرر نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک اِس طرف جلد توجہ کرنی چاہیئے اور اسلامی پریس اور ذی اثر مسلمانوں کو بار بار حکومت پر اِس کی ضرورت واضح کرتے رہنا چاہیئے۔

پاکستان کس حکومت سے تعاون کرے؟

مغربی پنجاب کا تعلیم یافتہ طبقہ آجکل اپنی مجالس میں کثرت سے یہ گفتگو کرتا ہوا سنا جاتا ہے کہ پاکستان کو اپنے بقاء کے لئے کسی نہ کسی دوسری قوم سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔ اکثر لوگ انگریز سے بدظن ہیں اور اس کے ساتھ صلح کرنا پسند نہیں کرتے۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کی طرف بھی مسلمان نوجوانوں کی کوئی رغبت نظر نہیں آتی لیکن اکثر نوجوان روس کی مدد لینے کی طرف مائل نظر آتے ہیں ہمارے نزدیک یہ ایک خطرناک بات ہے اور اِس رَو کو جتنی جلدی ہو سکے روکنا چاہیئے۔ ہمارے نزدیک اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگوں کو دو باتیں کبھی نہیں بھولنی چاہئیں۔

اوّل آج تک روس کے ساتھ تعلق رکھنے والی کوئی حکومت آزاد نہیں ہوئی۔ روسی فلسفہ اس پر جبراً ٹھونسا گیا ہے کوئی مُلک ایسا نہیں جس نے روس سے معاہدہ کیا ہو اور اس پر کمیونسٹ حکومت ٹھونس نہ دی گئی ہو۔ کمیونسٹ خیال کا رکھنا اَور چیز ہے اور کمیونسٹ حکومت کا ٹھونسنا اور چیز ہے لمبی تعلیم اور لمبے غور اور لمبے تجربہ کے بعد ایک خیال کو اَپنا لینا بُرا نہیں ہوتا لیکن پیشتر اس

کے کہ مُلک کے لوگوں کی اکثریت ایک بات پر قائم ہو، اقلیت کی مدد کر کے اس کو ایک خاص نظام اختیار کرنے پر مجبور کر دینا نہایت مہلک ہوتا ہے اور مذہبی آزادی کو تباہ کر دیتا ہے۔

دوسری بات یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان ممالک پر روس کی نظر ہے وہ ان کو تباہ کرنا چاہتا ہے اس لئے باوجود انگریزوں کی مخالفت کے وہ روس کی طرف مائل نہیں۔ مصر، شام، حجاز، عراق اور ٹرکی کی حکومتیں سب کی سب روسی نفوذ کے خلاف اور اس سے خائف ہیں۔ پبلک میں سے بھی اکثر اسی خیال کے ہیں۔ ایران بھی روسی دخل اندازی سے نالاں اور گریاں ہے۔ پاکستان کی حقیقی ترقی کا راز مُسلم اقوام کے اتحاد میں ہے اگر ہم اسلام کی سچی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں مسلمان حکومتوں کو اکٹھا کرنا پڑے گا تا کہ اسلام کے اثر اور اس کے نفوذ کو بڑھا سکیں۔ اگر پاکستان کے نوجوانوں کی توجہ روس کی طرف رہی تو لازمی طور پر پاکستان اور مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا اور یہ دونوں مل کر ایک مقصد اور مدعا کے حصول کے لئے کوششیں نہیں کر سکیں گے پس اسلامی اتحاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور اسلام کی ترقی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں اس خیال کے قریب بھی نہیں جانا چاہیئے۔

پاکستان کی مالی حالت

چاروں طرف سے خبریں آ رہی ہیں کہ پاکستان کی مالی حالت کمزور ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ خبریں بہت حد تک درست ہیں۔ پاکستان ریلوں میں بِالعموم بغیر ٹکٹ کے لوگ سوار ہوتے ہیں اور جب اُنہیں پکڑا جائے تو کہتے ہیں کہ اب تو ٹرین ہماری اپنی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ریلوں کی آمدن بالکل گر گئی ہے اور ایک مہینہ میں سے دو کروڑ روپیہ کا خسارہ ہوا ہے اگر یہی حالت رہی تو لازماً حکومت کو ریلیں بند کر دینی پڑیں گی۔ ریلوں کے بند ہونے کے بعد تجارت بھی بند ہو جائے گی اور سفروں کی دِقت کی وجہ سے مُلک میں میل جول بھی بند ہو جائے گا۔ ایک سچے مسلمان کا تو یہ فرض تھا کہ وہ اس بات پر زور دیتا کہ چونکہ پاکستان حکومت کی مالی حالت کمزور ہے ریل کا کرایہ بڑھا دو میں اس موجودہ کرایہ سے زیادہ کرایہ دوں گا۔ بے ٹکٹ ریل میں چڑھنے والا یقیناً پاکستان کا دشمن ہے، وہ مسلمان قوم کا بھی دشمن ہے اور ایسے دشمن کو سمجھانا اور نہ سمجھے تو اس پر قومی دباؤ ڈالنا ہر پاکستان کے خیر خواہ کا فرض ہے۔ پس ہم ریل میں سفر کرنے والے ہر مسلمان

مسافر سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ خود ٹکٹ لے اور اپنے کمرہ میں بیٹھنے والے کسی شخص کو بغیر ٹکٹ کے سفر نہ کرنے دے۔ اب مُلک تمہارا ہے، اب ریل بھی تمہاری ہے اور مُلک کی حفاظت اور ریل کی آمد کی حفاظت اور دوسرے سرکاری محکموں کی آمد کی حفاظت کرنا بھی تمہارا فرض ہے۔ یہ کہنا کہ اب ریل چونکہ پاکستان کی ہے اور ہم بھی پاکستان کے ہیں اِس لئے ہمارا حق ہے کہ جس طرح چاہیں اس ریل کو استعمال کریں عقل کے بھی خلاف ہے اور دیانت کے بھی خلاف ہے۔ اِن لوگوں کے بچے یا بھائی یا بیویاں اگر بیمار ہوتے ہیں تو کیا یہ لوگ ان کے علاج پر روپیہ خرچ کیا کرتے ہیں یا یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ بچہ بھی میرا ہے یہ بیوی بھی میری ہے اب میں جس طرح چاہوں ان کو ماردوں۔ جو شخص پاکستان کی آمد کو نقصان پہنچاتا ہے وہ خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو نقصان پہنچاتا ہے اور عقلمند انسان اپنے مال کو نقصان نہیں پہنچایا کرتے بلکہ اسے بڑھانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

اسی طرح شکایت کی جاتی ہے کہ زمیندار معاملہ ادا نہیں کر رہے۔ یہ بھی نہایت ہی گندی روح ہے اگر انہوں نے ایسا ہی کیا تو پھر پاکستان حکومت قائم نہیں رہ سکے گی۔ اگر وہ اپنے مُلک میں عزت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ان کو اپنی قربانیاں پہلے کی نسبت زیادہ کرنی پڑیں گی۔ اپنی حکومت کے الفاظ کے پردہ میں اپنی ذمہ داریوں سے بچنے کی کوشش کرنا انہیں بہت ہی مہنگا پڑے گا۔

(الفضل لاہور ۱۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پاکستان کا دفاع

پاکستان کے دفاع کا موضوع ہر مجلس میں زیر بحث آ رہا ہے۔ ہر اخبار اس پر بحث کر رہا ہے اور ہر انجمن اس پر اپنے خیالات کا اظہار کر رہی ہے اس موضوع کے متعلق کئی سوال سوچنے والے ہیں اور کئی مشکلات حل کرنے والی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ مسئلہ دیر تک لٹکایا جا سکتا ہے؟ کیا پاکستان کا مستقبل اس سوال کے فوری حل کا تقاضا نہیں کرتا؟ کیا پاکستان چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا نہیں؟ کیا اس کی طرف اعداء کی انگلیاں بُرے ارادوں سے نہیں اُٹھ رہیں؟ اگر ایسا ہے اور ضرور ہے تو ہمیں جلد سے جلد اس بارے میں کوئی تدبیر کرنی چاہیئے۔

پاکستان کی کُل فوج ۸۰ ہزار ہے جس میں سے لڑنے والے سپاہی صرف ۳۴ ہزار ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ۳۴ ہزار آدمی پاکستان کی لمبی سرحد کی حفاظت نہیں کر سکتا اس لئے پاکستان کی فوج کی تعداد اور بھی کم کر دینی چاہیئے اور اسے زیادہ سے زیادہ مشینی جتھوں کی صورت میں تبدیل کر دینا چاہیئے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ جرمن کی جنگ میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مشینی جتھے نہایت ہی کارآمد ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ مشینی جتھے ایسے ہی ممالک میں کام آتے ہیں جہاں دونوں طرف کثرت سے پختہ سڑکیں پائی جاتی ہوں۔ ہندوستان کے مُلک میں پنجاب میں بڑی پکی سڑک تو ایک ہی ہے باقی تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر معمولی قسم کی پکی سڑکیں آتی ہیں اور اکثر کچے راستے ہیں ایسی جگہ پر مشینی دستے عمدہ طور پر کام نہیں کر سکتے اور نہ اپنے عقب کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ایسے مُلک میں گھوڑ سوار فوج اور سائیکل فوج اور پیدل فوج بڑی آسانی سے مشینی دستوں کا رستہ کاٹ سکتی اور ان کے حملہ کو بیکار کر سکتی ہے اس لئے جہاں پاکستان کو کچھ مشینی دستوں کی ضرورت ہے وہاں اسے ایسی فوج کی بھی ضرورت ہے جو بے سڑک والے علاقوں

میں گھوڑوں پر سوار ہو کر دو سڑکوں کے درمیانی علاقہ کو صاف کرتی چلی جائے اور مشینی فوج کے عقب کی حفاظت کر سکے مگر یہ سوال تو اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ پاکستان حملہ آور کی حیثیت میں ہو۔ پاکستان تو کسی پر حملہ کرنے کی نیت ہی نہیں رکھتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ بہترین جرنیلوں کا مقولہ ہے کہ بہترین دفاع حملہ ہے اگر کوئی ہم پر حملہ کرے تو اس حملہ سے بچنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم اس پر حملہ کر دیں تو بھی ہم اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ کوئی فوج محض حملہ کرنے کی تدبیروں سے کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جرمن حکومت گزشتہ دنوں لڑائیوں میں محض اس لئے شکست کھا گئی کہ اس نے صرف حملہ کی تیاریاں کی تھیں دفاع کی کوئی تیاری اس نے نہیں کی تھی۔ دونوں دفعہ جب اس کا حملہ ناکام رہا تو وہ دفاع کی قوت سے بھی محروم ہو گیا کیونکہ دفاع کا پہلو اس نے مدِنظر نہیں رکھا تھا۔ یہ پُرانا مقولہ اب تک بھی درست چلا آ رہا ہے کہ ''جنگ دو سر دارد'' جنگ میں کبھی انسان آگے بڑھتا ہے کبھی پیچھے ہٹتا ہے جب تک پیچھے ہٹنے کے لئے بھی پوری تدبیریں نہ کی گئی ہوں کبھی کوئی فوج کامیاب نہیں ہوتی۔ پس صرف مشینی دستوں پر زور دینا پاکستان کے دفاع کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ کسی دشمن کے حملہ کی صورت میں اس کے حملہ کی شدت کو روکنے کیلئے بِالمقابل حملہ کرنے میں تو یہ دستے کام آ جائیں گے لیکن ان کا فائدہ دیرپا اور دُور رس نہیں ہوگا کیونکہ پاکستان کے اِردگرد جتنے ممالک ہیں اُن میں سڑکوں کا وسیع جال اِس طرح نہیں پھیلا ہوا جس طرح یورپ میں پھیلا ہوا ہے۔ پس اس معاملہ میں یورپ کی نقل کرنا خواہ اس کا فیصلہ بڑے بڑے جرنیل ہی کیوں نہ کریں خلافِ عقل اور نامناسب ہے۔ ہمارے نزدیک پاکستان کی فوج کا بڑھانا نہایت ضروری ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ پاکستانی فوج کی پاکستانی جرنیل ہی راہ نمائی کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اِس وقت ہمارے پاس تجربہ کار افسر بہت کم ہیں لیکن جہاں ناتجربہ کاری نقصان دِہ ہوتی ہے، ہمدردی کی کمی اس سے بھی زیادہ نقصان دِہ ہوتی ہے۔ اگر جاں نثار اور تجربہ کار مل جائیں تو فَبِهَا لیکن اگر ایسے افسر نہ ملیں تو کم تجربہ کار لیکن جاں نثار افسر تجربہ کار لیکن بے تعلق افسر سے یقیناً بہت زیادہ بہتر ہے۔

پولینڈ جب روس اور جرمنی سے آزاد ہوا تو اُس کے پاس تجربہ کار افسر نہیں تھے کیونکہ نہ

جرمن کی فوجوں میں پولش لوگوں کو بڑے عہدے ملتے تھے اور نہ روسی فوجوں میں پولش لوگوں کو بڑے عہدے ملتے تھے اُس وقت پولش نے اپنی فوجوں کی کمانڈ ایک گویے کے سپرد کی اور اس گویے نے تھوڑے بہت فوجی اصول سے واقف پولش افسروں کی مدد سے اپنے مُلک کو آزاد کرالیا۔ کیا پاکستان کے مسلمان افسر اس گویے سے بھی کم قابلیت رکھتے ہیں۔ اس گویے کی کیا قابلیت تھی صرف حب الوطنی، وطن کی محبت کے بے انتہا جذبہ نے اس گویے کو ایک قابل جرنیل بنا دیا۔ کیا ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ پاکستانی فوج کے مسلمان افسروں کے دل سے وطن کی محبت کا جذبہ بالکل مفقود ہے؟ ہم مانتے ہیں کہ پُرانی روایات کا اثر اب تک افسروں کے دل پر باقی ہے۔ ابھی ان کی حب الوطنی کی روح نے ان کی آنکھیں نہیں کھولیں، ابھی اپنی قوم کو سربلند و بالا کرنے کے جذبات ان کے دل میں پوری طرح نہیں اُمڈے مگر پھر بھی ایک پاکستانی، پاکستانی ہی ہے اپنے مُلک کی خدمت کے علاوہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کی جان بچانے کی خواہش بھی اسے زیادہ محنت سے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر پاکستان پر کوئی حملہ ہو تو ایک پاکستانی جرنیل کو صرف اپنے مُلک کی عزت کا ہی خیال نہیں ہوگا بلکہ اسے یہ بھی نظر آ رہا ہوگا کہ اگر دشمن آگے بڑھا تو اُس کے ماں باپ، اُس کی بیوی، اُس کے بھائی، اُس کی بہنیں، اُس کے بچے، اُس کے دوسرے عزیزوں کے بچے، اُس کے پڑوسی، اُس کے املاک اس کی جائدادیں یہ سب تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ پس مُلکی جذبہ کے علاوہ خاندان اور قرابت کے بچانے کا جذبہ بھی اس کے اندر کام کرتا ہوگا۔ پس ہمیں اس بات کی فکر میں زیادہ نہیں پڑنا چاہئے کہ ہمارے مُلک کے آدمی ابھی پوری طرح تجربہ کار نہیں۔

جدید ٹرکی کے بانی کمال اتاترک[۹] صرف ایک کرنیل تھے لیکن وطنی محبت کے جذبہ میں سرشار ہو کر اِس کرنیل نے بڑے بڑے جرنیلوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ فرانس کا مشہور مارشل شہنشاہ نپولین[۱۰] صرف فوج کا ایک لفٹینٹ تھا لیکن اس لفٹینٹ نے دنیا کے مشہور ترین جرنیلوں کی قیادت کی صرف اس لئے کہ اس کا دل وطن کی محبت کے جذبات سے سرشار تھا۔ امریکہ کا پہلا پریذیڈنٹ اور پہلا کمانڈر انچیف جارج واشنگٹن[۱۱] محض ایک سویلین تھا لیکن وطن کی محبت کے جذبات نے اس کے اندر وہ قابلیت پیدا کر دی کہ بڑے بڑے جرنیلوں کی راہ نمائی

کر کے اُس نے اپنے مُلک کو انگریزی غلبہ سے آزاد کروالیا۔ ہٹلر[۱۲] کا انجام چاہے کیسا ہی خراب ہوا ہو لیکن اس میں کیا شک ہے کہ وہ فوج میں صوبیداری کا عہدہ رکھنے والا دنیا کے بہترین جرنیلوں کے پیدا کرنے کا باعث ہوا۔ گوئرنگ[۱۳] محض ایک ہوا باز تھا اور ہوا باز بھی ایسا جو ابھی صرف تجربہ ہی حاصل کر رہا تھا مگر مُلک کی محبت کے جذبات نے پائلٹ گوئرنگ کو دنیا کے سب سے زبردست ہوائی جہاز کے بیڑہ کا مارشل گوئرنگ بنا دیا۔ ہم کیوں خیال کریں کہ پاکستان کے افسر حب الوطنی کے جذبہ سے بالکل عاری ہیں یقیناً ان میں بھی اپنے وطن پر جان دینے کی خواہش رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اگر انہوں موقع دیا جائے کہ وہ اپنے مُلک کی آزادنہ خدمت کریں تو یقیناً وہ مُلک کے لئے بہترین تعویز اور فخر کا موجب ثابت ہونگے۔ فوج میں ایسے کام بھی ہو سکتے ہیں جن کے لئے خاص فنون کے ماہروں کی ضرورت ہو۔ ایسے فنون کے ماہر بے شک باہر سے بھی لئے جا سکتے ہیں اور اگر ضرورت سمجھی جائے تو بعض لڑنے والے افسر بھی باہر سے لئے جا سکتے ہیں لیکن یہ افسر ایسے نہیں ہونے چاہئیں جو تقسیم ہند سے پہلے قائداعظم اور مُسلم لیگ کو سَو سَو گالیاں دیا کرتے تھے اور ہم یقین کے طور پر جانتے ہیں کہ ایسے انگریز افسر پاکستان کی فوج میں موجود ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسے انگریز افسر پاکستانی فوج میں نہ رہیں۔ بے شک اگر ضرورت ہو تو اُن کو رکھا جائے لیکن قومی دفاع کے اہم عہدوں پر ان کو مقرر نہیں کرنا چاہئے۔ ہر فوجی افسر قومی دفاع کے اہم کام پر مقرر نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرے کاموں میں کوئی عہدہ اہمیت والا ہوتا ہے کوئی غیر اہمیت والا ہوتا ہے یہی حالت فوج کی بھی ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ جب ایسے افسر دوسرے غیر اہم کاموں پر لگائے جا سکتے ہیں تو کیوں انہیں ان کاموں پر لگا کر ایسے عہدے جو دفاع کے لحاظ سے بہت اہم ہیں مسلمان افسروں کے سپرد نہ کئے جائیں۔

مگر ایک اور بات بھی ہے اگر یہ اصلاحات کر بھی دی جائیں تب بھی پاکستان کی فوج پورے طور پر اپنی مُلکی سرحدوں کا دفاع نہیں کر سکتی۔ پاکستان کی سرحد کوہِ ہندوکش سے شروع ہو کر مانسہرہ، ہزارہ، راولپنڈی، جہلم، گجرات اور سیالکوٹ کے ساتھ ہوتی ہوئی، منٹگمری، بہاولپور، سکھر، خیر پور سے گزرتی ہوئی امر کوٹ کی تحصیل کے خاتمہ پر سمندر سے جا کر ملتی ہے۔

اس تمام سرحد کی لمبائی کوئی ایک ہزار میل کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کی وہ سرحد بھی ہے جو افغانستان کے ساتھ ملتی ہے۔ اگر خدا کرے کشمیر پاکستان میں شامل ہو جائے تو پاکستان کی سرحد چھوٹی ہو کر چھ سَو میل کے قریب رہ جائے گی لیکن اگر کشمیر نہ ملا تو ہزار میل کی سرحد ہوگی۔ اگر لڑنے والی فوج ۳۴ ہزار ہے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ صرف ایک یا ڈیڑھ ڈویژن یعنی ۱۲ یا ۱۸ ہزار آدمی اگلی صف میں کام کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ایک میل کی حفاظت کیلئے ہمارے پاس ۱۲ یا ۱۸ سپاہی ہیں۔ فرانس کی جرمن سے جو سرحد ملتی تھی وہ کوئی اڑھائی سَو میل کے قریب تھی اور جرمن کی جو سرحد روس سے ملتی تھی وہ بھی کوئی تین ساڑے تین سَو میل تھی۔ ان پانچ چھ سَو میل کی سرحدات کے لئے جرمن نے ۸۰ لاکھ فوج تیار کی تھی۔ اسی طرح فرانس نے اپنی سرحدوں کی حفاظت کیلئے ۷۰ لاکھ فوج تیار کی تھی۔ اگر ان فوجوں کا بیس فیصدی حصہ ایک وقت میں جنگی محاذ پر لڑتا ہو تو جرمن کی سرحدوں کے ہر میل کی حفاظت کیلئے تین ہزار آدمی کا ایک وقت میں انتظام تھا لیکن پاکستانی حدود میں فی میل کی حفاظت کیلئے صرف ۱۸ آدمی مہیا ہو سکیں گے۔ فرق ظاہر ہے اور نتائج کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہمارے پاس روپیہ نہیں یہ بات بھی ٹھیک ہے، لیکن جب مشکلیں پڑتی ہیں، جب قوموں کی زندگی اور موت کا سوال پیدا ہوتا ہے تو حکومتوں اور مُلک کے باشندوں کا فرض ہوتا ہے کہ روپیہ کی عدم موجودگی کی صورت میں وہ قومی کاموں کو قومی قربانیوں سے پورا کریں۔ پاکستان کے لئے اِس سے زیادہ نازک وقت اور کونسا ہوگا اگر پاکستان کے باشندے اب بھی بیدار نہ ہوئے تو کب بیدار ہونگے۔ یہ جو ۲ لاکھ آدمی بے کار مشرقی پنجاب میں مارا گیا ہے اور وہ اربوں کی جائدادیں جو مشرقی پنجاب میں تباہ ہوئی ہیں اگر وہی آدمی اور وہی جائدادیں اور وہی روپیہ مُلکی دفاع میں صَرف کیا جاتا تو پاکستان یقیناً ایک لمبے عرصہ کیلئے اپنے مُلک کی بنیادوں کو مضبوط کر لیتا۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ کیا صورت ہے جس سے یہ ضرورت پوری کی جا سکے۔ ہم اس بارہ میں اپنے خیالات اگلے مقالہ میں اِنْشَاءَ اللّٰہ ظاہر کریں گے۔

(الفضل لاہور ۱۵/ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

ہم اپنے پہلے مقالہ میں لکھ چکے ہیں کہ پاکستان کی سرحد کشمیر اور افغانستان کی سرحدوں کو ملا

کر سولہ سَو میل لمبی ہے بلکہ بلوچستان اور افغانستان کی سرحدوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو انیس سَو میل لمبی ہے اگر کشمیر پاکستان میں شامل ہو جائے اور اس کی سرحد کو نکال دیا جائے تو پھر یہ سرحد پندرہ سَو میل لمبی ہے اور اگر افغانستان کی سرحد کو بھی نکال دیا جائے تو پھر بھی ہندوستان سے ملنے والی سرحد چھ سَو میل ہے اور پاکستان کی موجودہ فوج میں سے جو فوج ایک وقت میں سرحد پر رکھی جا سکتی ہے اُس کی تعداد کسی وقت میں ۱۸ ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتی بلکہ یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ ایک وقت میں صرف ۱۲ ہزار فوج استعمال کی جا سکے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر میل کی حفاظت کیلئے صرف تیس سپاہی ہونگے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ کوئی فوج ساری سرحد پر پھیل کر کھڑی نہیں ہوتی لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اتنی لمبی سرحد میں بیسیوں چوکیاں بنانی پڑیں گی اگر پچاس چوکی رکھی جائیں اور فی چوکی دو پلٹنیں رکھی جائیں تو سات ہزار فوج تو صرف اسی میں لگ جائے گی۔ باقی پانچ ہزار فوج رہ گئی، پانچ ہزار فوج اتنے بڑے علاقہ میں لڑ ہی کیا سکتی ہے۔ صرف چھ سَو میل لمبی سرحد کی حفاظت کے لئے بھی ہمارے پاس کم سے کم ایک لاکھ سپاہی اگلی صف میں ہونا چاہئے۔ پاکستان کی آبادی صوبہ سرحد اور سندھ کو ملا کر دو کروڑ ۸۰ ہزار رہے۔ اگر قبائلی علاقوں کو بھی ملا لیا جائے تو تقریباً ۳ کروڑ ہو جائے گی۔ اگر کشمیر بھی شامل ہو جائے تو کشمیر کی ۳۲ لاکھ مسلمان آبادی مل کر یہ تعداد ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس آبادی میں سے صرف ۶۰ لاکھ آبادی ایسی ہے جس میں سے اچھا سپاہی نہیں مل سکتا۔ باقی ۲ کروڑ ۷۰ لاکھ کی آبادی ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت ہی شاندار سپاہی پیدا کرتی رہی ہے اور کر سکتی ہے۔ سرحد کا پٹھان، آزاد علاقہ کا قبائلی، پونچھ، میرپور، کوٹلی اور مظفر آباد کا پہاڑی، پنجاب کا پٹھان، راجپوت، بلوچ اور جاٹ یہ سب کے سب نہایت اعلیٰ درجہ کے سپاہی ہیں اور صرف مرنا ہی نہیں جانتے بلکہ دشمن کو مارنا بھی جانتے ہیں۔ قومی جنگوں میں چھ فیصدی سے لے کر ۱۶ فیصدی تک کی آبادی لڑائی میں کار آمد ہوتی ہے اوسطاً اگر ۱۰ فیصدی سمجھی جائے تو مشرقی پاکستان میں سے ۲۷ لاکھ سپاہی مہیا کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مقابل میں ہندوستان کی جنگی نفری بہت کم ہے۔ ہندوستان کا ساٹھ فیصدی آدمی ایسا ہے جو جنگ کے قابل نہیں۔ ریاستوں کو نکال کر ہندوستان کی آبادی کوئی ۲۰ کروڑ ہے جس میں سے ۱۲ کروڑ آدمی تو کسی صورت میں بھی لڑنے کے قابل

نہیں۔ باقی رہ گئے آٹھ کروڑ ان میں سے بھی اکثر حصہ ناقص سپاہی ہے صرف تین چار کروڑ آدمی ان کا ایسا ہے جس میں سے اچھا سپاہی لیا جا سکتا ہے۔ مگر وہ بھی اس پایہ کا نہیں ہے جس پایہ کا مسلمان سپاہی ہے۔ پس ہندوستان میں سے بھی پورا زور لگانے کے بعد ۳۰،۳۵ لاکھ سپاہی مل سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں لیکن جب لڑائی کے سوال پر غور کیا جاتا ہے تو صرف نفری نہیں دیکھی جاتی بلکہ سرحد کی لمبائی بھی دیکھی جاتی ہے۔ جس طرح لمبی سرحد کی حفاظت تھوڑے سپاہی نہیں کر سکتے اس طرح چھوٹی سرحد پر ساری فوج استعمال نہیں کی جاتی۔ چھ سَو میل لمبی سرحد پر ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ ۶۔ ۷ لاکھ فوج استعمال کی جا سکتی ہے۔ باقی ساری فوج ریزرو میں رہے گی اور راستوں کی حفاظت کا کام کرے گی۔ پس اگر خدانخواستہ کبھی ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ جائے تو جہاں تک نفری کا سوال ہے ان دونوں کے درمیان کی سرحد کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی آبادی کی کثرت ہندوستان کو یہ نفع تو پہنچا سکتی ہے کہ وہ جنگ کو زیادہ دیر تک جاری رکھ سکے یا زیادہ آدمیوں کی قربانی برداشت کر سکے لیکن جہاں تک جنگ کا تعلق ہے وہ پاکستان کی فوج سے زیادہ تعداد والی فوج نہیں بھیج سکتا کیونکہ درمیان کی سرحد کی لمبائی اِس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی کہ ایک وقت میں اس جگہ اتنی فوج کو استعمال کیا جا سکے خصوصاً اس لئے کہ جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے یہ دونوں مُلک عمدہ سڑکوں سے محروم ہیں اور گو سرحد چھ سَو میل لمبی ہے لیکن ایک مُلک سے دوسرے مُلک تک پہنچنے کے جو راستے ہیں وہ بہت محدود ہیں اور جنگ زیادہ تر رستوں سے ہی کی جا سکتی ہے۔ جہاں سے توپ خانہ اور سامان وغیرہ موٹروں پر آگے پیچھے بھیجا جا سکتا ہے اور جہاں پر سے فوج قطاروں میں مارچ کر سکتی ہے۔ غرض جہاں تک فوجی نفری کا سوال ہے، صرف مشرقی پاکستان ہی تمام پاکستان کی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے اور اس معاملہ میں کسی مایوسی کی ضرورت نہیں۔ ہاں سوال صرف یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ دونوں مُلکوں میں جنگ چھڑ جائے تو اتنی فوج مہیا کس طرح کی جائے گی۔ سپاہیانہ قابلیت کا آدمی موجود ہونا اور بات ہے اور سپاہی کا موجود ہونا اور بات ہے۔ ہر جاٹ اور بلوچ سپاہی بننے کی قابلیت رکھتا ہے لیکن ہر جاٹ اور بلوچ سپاہی تو نہیں اس لئے بغیر فوجی مشق کے جنگ کے وقت میں وہ کام نہیں آ سکتا۔ اور جنگ کے وقت فوری طور پر سپاہی کو فنونِ

جنگ سکھائے نہیں جا سکتے اور اس سے بھی زیادہ مشکل یہ ہے کہ افسر فوراً تیار کئے جا سکیں۔ افسروں کی تعداد بِالعموم ڈیڑھ فیصدی ہوتی ہے۔ ۲۷ لاکھ فوج کے لئے چھوٹے بڑے افسر ۴۰ ہزار کے قریب ہونے چاہئیں۔ ہماری تو ساری فوج ہی ۳۰ ہزار ہے اگر خطرے کا موقع آیا تو کسی صورت میں بھی اس فوج کو معقول طور پر وسیع نہیں کیا جا سکتا اور اس کا علاج ضروری ہے۔ یہ علاج کس طرح ہوسکتا ہے اس کے لئے یہ مختلف سکیمیں پیش کی جا رہی ہیں اور پیش کی جا سکتی ہیں۔

اوّل: مُلک کے تمام افراد کو رائفلیں رکھنے کی کھلی اجازت دی جائے اور جہاں تک ہو سکے گورنمنٹ خود رائفلیں سستے داموں پر مہیا کرے۔

دوم: نیشنل گارڈز کے طریق کو رائج کیا جائے جو مسلم لیگ کے ماتحت ہو۔

سوم: ہوم گارڈز کے اصول پر نوجوانوں کو فوجی ٹریننگ دی جائے جو گورنمنٹ کی نگرانی میں ہو۔

چہارم: ایک ٹیریٹوریل فورس فوجی انتظام کے ماتحت تیار کی جائے۔

پنجم: جبری بھرتی مُلک میں جاری کی جائے اور اس کا انتظام ملٹری کے ماتحت ہو۔

یہ پانچ طریق ہیں جن سے مُلک کی جنگی نفری کو منظّم کیا جا سکتا ہے اور وقت پڑنے پر اس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اب ہم اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ ان پانچوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ زیادہ بہتر اور مناسب ہوگا۔

(ا) پہلا مجوزہ طریق یہ ہے کہ مُلک میں کثرت سے رائفلیں رکھنے کی تحریک کی جائے اور گورنمنٹ سستے داموں لوگوں کو رائفلیں مہیا کر کے دے۔ یہ طریق جس مُلک میں بھی رائج ہوا ہے کامیاب نہیں ہوا اور ہمیشہ اس کے نتیجہ میں فساد اور دنگے کا رستہ کھلتا رہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہتھیار رکھنے کا حق عام شہریوں کو حاصل ہونا چاہئے اور صرف ان لوگوں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہ دینی چاہئے جو مجرمانہ حیثیت رکھتے ہیں یا ناقابلِ اعتبار ہیں اور جب یہ شرط ہو تو لازماً یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہتھیار کے لئے لائسنس ضروری ہے اور ہتھیار رکھنے کے متعلق کچھ نہ کچھ نگرانی کی طاقت گورنمنٹ کے ہاتھ میں ضرور ہونی چاہئے ورنہ بدمعاش اور چور طبقہ مُلک

کے امن میں خلل ڈال دے گا بلکہ زیادہ تر ہتھیار یہی لوگ رکھیں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض باغیانہ ذہنیت والی انجمنیں پیدا ہو جائیں اور وہ اسلحہ کی طاقت سے مُلک کی جائز حکومت کو توڑنے کی کوشش کریں۔ پس یہ تجویز مُلک کے لئے مضر ہے اور یقیناً ہر سمجھدار انسان کو اس کی مخالفت کرنی چاہیئے۔ لائسنس ضرور رہنا چاہیئے گو اس سختی سے لائسنس نہیں دینے چاہئیں جس سختی سے برطانوی حکومت ہندوستانیوں کو لائسنس دیا کرتی تھی اس سے بہت زیادہ لائسنس ملنے چاہئیں۔ غریب اور امیر کی کوئی تمیز نہیں ہونی چاہیئے۔ اس بات کی کوئی شرط نہیں ہونی چاہیئے کہ جو شخص ڈپٹی کمشنر کا منہ چڑھا ہو یا افسروں کو خوشامد کرتا ہو یا پولیس کے ساتھ کام کرتا ہو صرف اُس کو لائسنس دیا جائے۔ جیسے یورپ میں قاعدہ ہے عام طور پر نام رجسٹرڈ کرانے سے لائسنس مل جاتا ہے اور نام رجسٹرڈ ہونے کی وجہ سے گورنمنٹ کو موقع حاصل رہتا ہے کہ وہ ایسے شخص کی نگرانی کر سکے اور دیکھ سکے کہ وہ ہتھیار کا ناجائز استعمال تو نہیں کرسکتا۔

(۲) یہ تجویز کہ نیشنل گارڈز کی سکیم کو مسلم لیگ کی نگرانی میں منظّم کیا جائے جمہوری اصول کے خلاف ہے۔ جمہوری اصول کے مطابق پارلیمنٹ کے انتخابات تک پارٹیاں الگ الگ کام کرتی ہیں جب کوئی پارٹی برسر اقتدار آ جاتی ہے تو اُسی دن سے وہ سارے مُلک کی نمائندہ بن جاتی ہے صرف اپنی پارٹی کی نمائندہ نہیں ہوتی۔ پس کوئی فوجی تنظیم کسی پارٹی کے قبضہ میں نہیں ہونی چاہیئے ورنہ جمہوریت ختم ہو جائے گی اور فاسزم اور نازیزم شروع ہو جائے گا۔ کسی حکومت کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنی سیاسی پارٹی کو فوجی تنظیم کی اجازت دے اور دوسروں کو اس سے منع کر دے اگر وہ ایسا کرے گی تو لازمی طور پر دوسری پارٹیاں مخفی طور پر اپنی تنظیم شروع کر دیں گی تاکہ وقت آنے پر وہ اپنی حفاظت کرسکیں پھر یا تو گورنمنٹ کو ایسی پارٹیوں کو دبانا پڑے گا اور اس پر بے جا رعایت اور بے جا دشمنی کا الزام لگے گا اور یا وہ دوسری پارٹیوں کے فعل پر چشم پوشی سے کام لے گی۔ اس صورت میں قانون کا احترام مُلک سے جاتا رہے گا اور قانون شکنی کی روح مُلک میں بڑھتی جائے گی۔

(۳) تیسری تجویز ہوم گارڈز کی ہے جو ایک قسم کی ملٹری ملیشیا ہوتی ہے اور صوبہ جاتی حکومتوں کے انتظام کے نیچے ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تجویز بھی ناقص ہے۔ اوّل تو ہوم گارڈز

کی ٹریننگ بہت ادنیٰ ہوتی ہے دوسرے ہوم گارڈز چونکہ سول اور صوبہ جاتی گورنمنٹ کے ماتحت ہوتے ہیں ان میں اور فوج میں اکثر رقابت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کا وجود فوج کو سیاسی کاموں میں دخل دینے کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ اس سے پوری طرح بچنا چاہئے۔

(۵،۴) چوتھی تجویز ٹیرٹیوریل فورس کی ہے اور پانچویں عام جبری فوجی تعلیم کی۔ یہ دونوں تجویزیں چونکہ آپس میں ملتی ہیں اس لئے ہم ان کا اکٹھا ذکر کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ابھی وقت نہیں آتا کہ عام جبری فوجی تعلیم دی جائے۔ نہ اتنے افسر ہمارے پاس مہیا ہیں اور نہ ابھی اتنا روپیہ ہے۔ پس ہمارے نزدیک بہترین تجویز ٹیرٹیوریل فورس کی ہے۔ ٹیریٹوریل فورس دفاعِ مُلکی کے اصول پر تیار کی جاتی ہے یعنی اس فوج کو اور اس کے افسروں کو حملے کا کام تو نہیں سکھایا جاتا لیکن دفاع کے تمام ہنر اُن کو سکھائے جاتے ہیں اس لئے اس میں شامل ہونے والے لوگ بغیر اپنے نجی کاموں کو نقصان پہنچانے کے فوجی ٹریننگ حاصل کر لیتے ہیں اور اس ٹریننگ میں مناسب تعداد میں افسر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اس فوج کی موجودگی میں باقاعدہ فوج کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں مشینی دستوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ حملہ کرنے کے اصول میں ماہر بنانے پر زور دیا جا سکتا ہے کیونکہ جنگ کی صورت میں دفاع کے مورچے فوراً ٹیریٹوریل فوج سنبھال لیتی ہے اور باقاعدہ فوج آگے بڑھنے کے لئے آزاد ہو جاتی ہے۔ ٹیریٹوریل فوج چونکہ بہت حد تک فوجی فنون سے واقف ہوتی ہے اور مختلف قسم کے دستوں میں تعاون بھی قائم ہو چکا ہوتا ہے اس لئے صرف تین تین چار چار مہینہ کی ٹریننگ سے یہی فوج حملہ آور فوج کی شکل میں تبدیل کی جا سکتی ہے۔ اس فوج کی ٹریننگ سے کسی قسم کی بغاوت وغیرہ کا خطرہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ فوجی سپاہی کا ہتھیار اس کے پاس نہیں ہوا کرتا۔ پریکٹس کے بعد اس سے ہتھیار لے لیا جاتا ہے اور فوجی مخزن میں رکھ دیا جاتا ہے جس پر گورنمنٹ کی نگرانی ہوتی ہے اور ٹیریٹوریل فورس پر خرچ بھی بہت کم ہوتا ہے۔ اگر طوعی طور پر ایسی بھرتی شروع کر دی جائے تو پہلے سال پچاس ہزار آدمی کی فوج کا تیار کرنا مناسب ہوگا۔ جسے ہر سال بڑھایا جا سکتا ہے اور چار پانچ سال میں دس لاکھ تک فوج تیار کی جا سکتی ہے۔ اس فوج کی ٹریننگ کے دو حصے کئے جا سکتے ہیں۔ عام سپاہی روزانہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ فوجی تربیت

کے لئے دے۔ یہ ٹریننگ مقامی ہونی چاہئے یعنی کسی سپاہی کو اپنا شہر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے کی ضرورت محسوس نہ ہو تا کہ وہ اپنا کام چھوڑے بغیر ایسی ٹریننگ حاصل کر سکے۔ اس صورت میں زیرِ تعلیم سپاہیوں پر کچھ بھی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور چھ ماہ کی ٹریننگ کے بعد وہ ایک اوسط درجہ کے سپاہی بن جائیں گے۔ افسروں کی ٹریننگ کا اصول یہ ہو کہ اس طرح چھ مہینہ کی ٹریننگ لینے کے بعد دو مہینے کا مستقل کورس ان کے لئے مقرر کیا جائے جس پر انہیں کمان کرنے کے اصول سکھائے جائیں۔ اگر اس تجویز کے مطابق پچاس ہزار کی ٹریننگ کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلے بیس ہزار آدمی کی ٹریننگ شروع کی جائے تو ایک ہزار معلم رکھنا پڑے گا جن کا عہدہ جمعدار کا ہوگا اور ایک لاکھ روپیہ ماہوار ان لوگوں کی تنخواہوں اور راشنوں پر خرچ ہوگا۔ بیس ہزار رائفل اور وردی وغیرہ پر کوئی ۳۰۔۳۵ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا چونکہ سکھانے والے افسر تنخواہ دار ہوں گے وہ ایک حصہ کی صبح ٹریننگ کر سکتے ہیں اور ایک حصہ کی شام کو۔ اس طرح آدھے افسر کام آ سکتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ بجائے ایک ہزار آدمی کے پانچ سَو آدمی سے ہی کام چل سکتا ہے اور بجائے ایک لاکھ روپیہ کے پچاس ہزار روپیہ ماہوار سے کام چل سکتا ہے۔ اتنے افسر چھ ماہ میں بیس ہزار آدمی کو ٹریننگ دے سکتے ہیں اور سارا خرچ اس ٹریننگ پر کوئی چالیس لاکھ روپیہ سالانہ ہوگا۔ جب مقامی لوگ کام سیکھ جائیں تو اگلے چھ ماہ میں ان میں سے ہوشیار آدمیوں کو ایک ایک مہینہ کی خاص تعلیم دلا کر فوجی معلّم کا کام سکھایا جا سکتا ہے اور پھر اپنے اپنے علاقہ میں ان کو فوجی معلّم مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص طوعی طور پر کام کرنے کیلئے تیار نہ ہو تو اسے ۲۰، ۲۵ روپے ماہوار الاؤنس دینے سے کام لیا جا سکے گا۔ ایسے لوگوں کی امداد کے ساتھ سال نہیں تو ڈیڑھ سال میں ایک لاکھ آدمی ٹیریٹوریل فورس کا تیار کیا جا سکتا ہے اور پھر اگلے سالوں میں یہ طاقت اور بھی وسیع کی جا سکتی ہے۔ دوسرے اس ٹیریٹوریل فورس کے علاوہ تمام مُلک میں فوجی کلبیں بنا دینی چاہئیں۔ ان فوجی کلبوں کا اصول یہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ اس کے ممبر ہوں وہ اپنے خرچ پر ٹریننگ لیں۔ گورنمنٹ ان کے لئے صرف معلّم مہیا کرے یا رائفل اور کارتوس، باقی وردی وہ خود اپنے روپیہ سے خریدیں۔ یہ فوجی کلبیں بڑے اور چھوٹے شہروں میں ہو سکتی ہیں۔ گاؤں میں ان کا چلنا ممکن نہیں لیکن پاکستان

کے شہروں کی آبادی بھی ۳۵۔۴۰ لاکھ کے قریب ہے۔ اگر فوجی کلبوں کا رواج قائم کر دیا جائے تو صرف ۲۰۔۳۰ لاکھ روپیہ سالانہ کے خرچ سے دو لاکھ کے قریب سپاہی اور افسر اَور تیار ہو جائے گا جو ٹیریٹوریل فورس کے برابر تو تجربہ کار نہیں ہوگا لیکن ایسا ضرور ہوگا کہ جنگ کے موقع پر دو تین مہینہ کی تربیت کے بعد وہ ٹیریٹوریل فورس کی جگہ کام کرنے کے قابل ہو جائے جبکہ اس عرصہ میں ٹیریٹوریل فورس اعلیٰ تربیت کے بعد حملہ آور فوج کی جگہ لینے کیلئے تیار ہو جائے گی۔ اگر یہ ہو جائے تو یقیناً جنگ کی صورت میں مُلک کو اتنا وقت مل جائے گا کہ آرمی کلب کے ممبر دفاع سنبھالنے کے قابل ہو جائیں اور دفاع کے لئے تیار کی ہوئی ٹیریٹوریل فورس حملہ آور فوج کی صورت میں تبدیل ہو جائے۔ اس عرصہ میں نئی ٹیریٹوریل فورس کی تیاری کا موقع مل جائے گا اور ضرورت کے مطابق نئی فوج تیار ہوتی جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مُلک میں اسلحہ کو بالکل آزاد کر دینا اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ مُلکوں میں بھی کبھی بابرکت ثابت نہیں ہوا۔ لائسنس کی شرطیں ضرور رہنی چاہئیں۔ فسادی یا غیر معتبر لوگوں کو لائسنس نہیں ملنے چاہئیں۔ نیشنل گارڈز جو ایک سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں ان کی اجازت ہرگز نہیں ہونی چاہیئے اگر ایک سیاسی پارٹی کو فوج بھرتی کرنے کی اجازت ہو تو ہر پارٹی کو فوج بھرتی کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ یہ درست نہیں کہ جو پارٹی برسر اقتدار آ جائے اسے تو فوج بھرتی کرنے کی اجازت ہو اور دوسری پارٹیوں کو نہ ہو۔ اس طرح سیاسی آزادی خطرہ میں پڑ جائے گی اور ڈکٹیٹرشپ اور فاسزم کے اصول جاری ہو جائیں گے۔ ہوم گارڈز کا اصول بھی غلط ہے کیونکہ ایک تو ان کی ٹریننگ ناقص ہوتی ہے دوسرے ان کا انتظام سویلین لوگوں کے ماتحت ہونے کی وجہ سے ان کا فوج کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے اور فوج کو اس بات کی تحریک ہوتی ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں دخل دینے لگ جائے اور یہ نہایت خطرناک بات ہے۔ جبری بھرتی بھی نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ مُلک ابھی اس کے لئے تیار نہیں لیکن ٹیریٹوریل فورس اور فوجی کلبوں کا اجراء فوراً شروع ہو جانا چاہیئے۔ ان دونوں چیزوں پر ایسی صورت میں کہ دو تین لاکھ آدمی کی ٹریننگ مدِنظر ہو۔ ایک کروڑ روپیہ سالانہ سے زیادہ خرچ نہیں ہوگا کیونکہ سوائے معلّموں اور سوائے رائفل اور کارتوس کے خرچ کے اور ایک حصہ کے وردی کے خرچ کے اور

کوئی بوجھ مُلک پر نہیں ہوگا۔اس فوج کی بڑی تعداد ایسے خدمتگاروں کی ہوگی جو اپنی وردیوں کا خرچ خود اُٹھائیں گے اور جب تک ٹریننگ کا سوال ہے ۲۵ رائفلیں سَو آدمیوں کو کام سکھائیں گی کیونکہ پریڈیں مختلف وقتوں میں اور آگے پیچھے ہونگی اور ایک ہی رائفل چار دفعہ استعمال ہو سکے گی۔اس طرح لوگوں کو حب الوطنی کے جذبات دکھانے کا بھی موقع مل جائے گا اور پاکستان کی آبادی میں جنگی فنون کا میلان بھی پیدا ہو جائے گا اور ہر محلے اور گلی میں ایک طوعی سپاہی کی موجودگی اور بیسیوں آدمیوں کے دلوں میں فوجی زندگی کی خواہش پیدا کر دے گی اور موت کے ڈر کو دلوں سے نکالتی چلی جائے گی۔

(الفضل لاہور ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پاکستانی فوج اور فوجی مخزن

کل ۱۵؍ تاریخ کو پاکستانی فوج کے ایک سَو چودھویں بریگیڈ کا مظاہرہ ہوا اس میں پاکستانی فوج نے وزیر دفاع نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب کو سلامی دی۔ پاکستانی فوج کی راہنمائی بریگیڈیر نذیر احمد نے کی جو اِس وقت پاکستانی فوج کے سب سے سینئر مسلمان بریگیڈیر ہیں۔ جہاں تک مظاہرہ کی شان اور عظمت کا سوال ہے ہمارے نزدیک اس موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اور لاہور شہر کی بڑائی کو دیکھتے ہوئے یہ مظاہرہ اس سے زیادہ شاندار ہونا چاہئے تھا جتنا کہ ہوا۔ اس مظاہرہ میں مختلف بٹالینز (Batalians) کے نمائندوں کی کُل تعداد اندازاً آٹھ سَو کے قریب تھی اور مظاہرہ کی لمبائی اور وسعت صرف موٹروں ٹینکوں کے استعمال اور ان کی سست رفتاری کے سبب سے تھی۔ بعض پاکستانی افسر بشمولیت بریگیڈیر نذیر نہایت چست اور اپنے کام کے قابل اور اہل نظر آتے تھے اور بعض افسروں کے اندر وہ چستی نظر نہ آتی تھی جو ہونی چاہئے تھی۔ دو تین افسروں نے تو یہاں تک غفلت کی کہ وزیر دفاع کے پاس سے گزر گئے اور سلامی تک نہ دی۔ بعضوں نے سلامی میں اتنی جلد بازی سے کام لیا کہ وزیر دفاع کے پاس پہنچنے سے بہت پہلے ہی سلامی دینی شروع کر دی حالانکہ مناسب طریق یہ تھا کہ وہ وزیر دفاع کے پاس پہنچتے وقت دو تین گز پہلے سے سلامی دینی شروع کرتے۔ بعض لطائف بھی اس موقع پر ہو گئے۔ کرنل فلچ ایک انگریز افسر مجمع کو دیکھتے ہوئے مسکراتے چلے جاتے تھے اور نظارہ کی کیفیت نے اُن پر کچھ ایسا اثر کیا ہوا تھا کہ سلامی کا اُن کو خیال ہی نہیں آیا۔ مسکراتے مسکراتے وہ عین وزیر دفاع کے سامنے پہنچ گئے اور یکدم انہیں اپنے فرض کی طرف توجہ ہوئی۔ چہرہ سنجیدہ بنا لیا اور سلامی کی جگہ سے آگے گزرتے ہوئے سلام کرتے چلے گئے۔ بہرحال عام اثر یہی تھا کہ پاکستانی سپاہیوں نے بہت اچھی نمائش کی ہے۔ ان کے سُتے ہوئے جسم اور بَل کھاتے ہوئے

پیٹھے اس بات کے شاہد تھے کہ پاکستان پر حملہ کرنا کسی کے لئے آسان بات نہ ہوگی۔ ان لوگوں کی آنکھوں سے ظاہر تھا کہ وہ پاکستان کی فوج کا حصہ ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور وقت آنے پر پاکستان کی عظمت کے قیام کے لئے ہر قربانی کرنے کیلئے تیار ہوں گے۔ ایک بڑا فائدہ اس مظاہرہ کا یہ بھی ہوا کہ لوگوں میں جو بے چینی پیدا تھی کہ پاکستان کی سرحدیں غیر محفوظ ہیں، اس کا ایک حد تک ازالہ ہوگیا اور پاکستان کے باشندوں کو معلوم ہوگیا کہ ان کے گھروں کی حفاظت کے لئے ان کے محافظ سپاہی سرحد پر موجود ہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ پاکستانی سپاہی سکھ سپاہی کی طرح موٹے نہیں تھے ان کا عام قد بھی اتنا لمبا نہیں تھا جتنا کہ عام سکھ سپاہی کا ہوتا ہے لیکن ان کا جسم بہت گٹھا ہوا اور ورزشی تھا اور ہر دیکھنے والا یہ محسوس کرتا تھا کہ استقلال کے ساتھ لمبا کام کرنے کی اہلیت مسلمان سپاہی میں سکھ سپاہی سے زیادہ پائی جاتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ سکھ سپاہی کی ساری بہادری اس کی وحشت اور درندگی پر مبنی ہے اور اس وحشت اور درندگی کا کمال بھی اس کی اندرونی طاقتوں سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ شراب کے استعمال سے اس کے اس جوہر کو مدد پہنچائی جاتی ہے جو سپاہی موت کا خوف شراب کے نشہ سے دور کرنا چاہتا ہے وہ ہرگز بہادر سپاہی نہیں کہلا سکتا۔ وہ انسان نہیں ایک مشین ہے جسے دوسرا ہاتھ چلاتا ہے۔ مسلمان سپاہی کی بہادری اُس کا ذاتی جوہر ہے لڑائی کے وقت اس کا دماغ صاف ہوتا ہے، شراب نے اُس کے حواس پر قابو نہیں پایا ہوتا، وہ سارے نتائج کو دیکھتے ہوئے اور سارے خطرات کو جانچتے ہوئے دشمن کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھتا ہے اور بسا اوقات اگر وہ دشمن پر غالب نہیں آ سکتا تو اپنی جان کو قربان کر کے اس کے بڑھنے کی رفتار کو سست کر دیتا ہے اور اسی طرح اپنے مُلک کے لئے دفاع کی تیاری کا ایک موقع پیدا کر دیتا ہے اس وقت ساری دنیا میں مسلمان سپاہی ہی ایک ایسا سپاہی ہے جو غیر طبعی ذرائع کے استعمال کئے بغیر بہادری کا نمونہ دکھلاتا ہے۔ مسلمان کے سِوا ساری دنیا میں شراب کا عام رواج ہے اور حکومتیں سپاہیوں کو لڑائی کے وقت خاص طور پر شراب مہیا کر کے دیتی ہیں تا کہ موت کا ڈر ان کے دل سے جاتا رہے اور وہ شراب کے نشہ میں دشمن کی طرف آگے بڑھیں، انسانوں کی طرح نہیں بلکہ درندوں کی طرح۔ پس ہم یقین رکھتے ہیں کہ مسلمان فوجوں کی تربیت جب بھی مکمل ہو جائے گی وہ دنیا کے

دوسرے سپاہیوں سے بہتر ثابت ہوں گی کیونکہ انسان ہمیشہ درندوں پر فوقیت رکھتا چلا آیا ہے۔ شراب کے نشہ میں مخمور ہو کر لڑنے والا سپاہی اور شراب کو چھوئے بغیر اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے والا سپاہی مساوی نہیں ہو سکتے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس ہمارے لئے امیدوں کا ایک وسیع دروازہ کھلا ہے، ہماری ترقی کی راہیں بہت زیادہ کشادہ اور بہت دور تک جانے والی ہیں کیونکہ ہمارے دشمن نے وہ تمام ذرائع استعمال کر لئے ہیں جو اس کی ترقی میں مدد دے سکتے تھے مگر ہمارے خزانے ابھی زمین میں مدفون ہیں جب ہم وہ تمام ذرائع استعمال کر لیں گے جن سے ایک اچھا سپاہی بہت ہی اچھا بنایا جا سکتا ہے تو ہمارا سپاہی یقیناً دوسری قوموں کے سپاہی سے بہت اچھا ثابت ہوگا۔

اس مظاہرہ کے دیکھنے والوں کے لئے ایک اور امر بھی نہایت خوشی کا موجب تھا لاکھوں مسلمان اس مظاہرہ کو دیکھنے کے لئے میلوں میل سڑکوں پر کھڑے تھے ان میں سے اکثر نوجوان تھے جن کے جسموں کی بناوٹ اور جن کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ سب یا ان میں سے اکثر سپاہی ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں یہ میلوں میل لمبا انسانوں کا مجموعہ ہندوؤں اور سکھوں کے وجود سے کُلّی طور پر خالی تھا۔ اس میں مسلمان ہی مسلمان تھے گو اکثر کے سر ننگے تھے بہتوں کے کپڑے بوسیدہ تھے لیکن پھر بھی جو اختلاف ایسے مجمعوں میں پہلے زمانوں میں نظر آتا تھا، ان میں نظر نہ آتا تھا۔ وہ مرجھائے ہوئے چہرے اور ڈرتی ہوئی آنکھیں جو دوسری اقوام کے اختلاف کی وجہ سے بڑے بڑے مجمعوں کی خوبصورتی کو خراب کر دیا کرتی تھیں وہ کل مفقود تھی۔ مجمع کا ہر شخص سپاہی بننے کے قابلیت رکھتا تھا اور آئندہ ہونے والا سپاہی نظر آتا تھا۔ اگر ان نوجوانوں کی صحیح تربیت کی جائے اور ان کے اخلاق کو بلند کیا جائے اور ٹیریٹوریل فورس[۱۴] اور فوجی کلبوں کے ذریعہ سے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، ان کو مُلک کی فوجی خدمت میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے تو یقیناً لاہور ہی سے ایک لاکھ پاکستانی سپاہی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ لاہور کے ضلع کی سرحد جو ہندوستان سے ملتی ہے، وہ پچاس میل کے قریب ہوگی۔ اگر لاہور سے اتنا سپاہی پیدا ہو جائے تو لاہور، قصور، اور چونیاں کی تحصیل سے بھی یقیناً پچاس ساٹھ ہزار سپاہی مل سکتا ہے۔ ان سپاہیوں کے ذریعہ سے نہ صرف لاہور کی حفاظت کی جا سکتی ہے بلکہ سارا پاکستانی مُلک محفوظ ہو

سکتا ہے اور پاکستانی فوج کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک ٹیریٹوریل فورس اور فوجی کلبوں کے قیام میں بالکل دیر نہیں کرنی چاہئے۔ فوج کے مہیا کرنے کا یہ ایک بہترین اور سہل ترین ذریعہ ہے اس کا انتظام کُلّی طور پر فوج کے محکمہ کے ماتحت ہونا چاہئے اور سول محکموں کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے تا کہ دو عملی پیدا نہ ہو اور فوج کو سیاسی مسائل سے بالکل الگ رکھا جا سکے۔ ہمارے پاس سپاہیوں کا ایک وسیع مخزن ہے اگر اس وسیع مخزن کو استعمال نہ کیا گیا اور وقت پر اسے کام میں لانے کے لئے کوشش نہ کی گئی تو یہ پاکستان سے غداری ہوگی اور ذمہ دار لوگوں کا یہ قصور قوم کبھی معاف نہیں کر سکے گی۔ ذمہ دار لوگوں کو یہ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ قوم کی جہالت سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ ایک وقت میں اگر قوم جاہل ہو اور اپنے فوائد کو نہ سمجھتی ہو تو دوسرے وقت میں وہ بیدار اور ہوشیار بھی ہو سکتی ہے۔ اس بیداری اور ہوشیاری کے زمانہ میں وہ ہرگز یہ عذر نہیں سنے گی کہ چونکہ ہم غافل اور حالات سے جاہل تھے اس لئے ہمارے ذمہ دار حُکّام نے کام کو صحیح طریقوں پر نہیں چلایا وہ اپنے ذمہ دار افسروں پر یہ اعتراض کرے گی کہ اگر ہم غافل اور جاہل تھے تو تمہاری ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ جب قومیں ہوشیار ہوتی ہیں تو وہ اپنے حقوق کی خود نگہداشت کر لیتی ہیں لیکن تربیت اور تنظیم کی طرف سے جب قومیں غافل ہوتی ہیں تو مُلک کے افسروں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے اور ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو خود بھی ادا کریں جو بیدار قومیں حکومت کی مدد کے بغیر ادا کرتی ہیں۔

(الفضل ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کشمیر اور حیدر آباد

حیدر آباد اور کشمیر کے حالات بالکل ایک سے ہیں۔ حیدر آباد کے والی مسلمان ہیں وہاں کی آبادی کی اکثریت ہندو ہے یعنی قریباً ۸۵ فیصدی ہندو اور ۱۵ فیصدی مسلمان۔ جاگیر دار زیادہ تر مسلمان ہیں اور تجارت میں مسلمانوں کا کافی حصہ ہے۔ یہ مُلک بہت وسیع ہے پونے دو کروڑ کے قریب اس کی آبادی ہے اور مُلک کی آمد ۲۵ کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ کشمیر کا حال اس کے اُلٹ ہے کشمیر کا رقبہ حیدر آباد سے بھی زیادہ ہے لیکن آبادی صرف چالیس لاکھ ہے آبادی کے لحاظ سے کشمیر کی ریاست ہندوستان میں تیسرے نمبر پر ہے۔ دوسرے نمبر پر میسور ہے جس کی آبادی ۷۳ لاکھ ۲۸ ہزار ہے۔ صنعت وحرفت اور جنگلات اور جڑی بوٹیوں کے لحاظ سے کشمیر حیدر آباد پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ پھلوں کی پیداوار اور یہاں کی تجارت سارے ہندوستان میں اوّل نمبر پر ہے۔ اس کی سرحدیں چونکہ روس سے ملتی ہیں اس لئے سیاسی طور پر یہ ایک نہایت ہی اہم مرکز ہے پنجاب کے ساتھ ساتھ اس کی سرحدیں پانچ سَو میل تک لمبی چلی گئی ہیں۔ اگر کشمیر انڈین یونین میں چلا جائے تو پنجاب کا دفاع قریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ حیدر آباد کے برخلاف کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور راجہ ہندو ہے مسلمان ۸۰ فیصدی اور ہندو ۲۰ فیصدی ہیں۔ اِس وقت یہ دونوں ریاستیں محلِ نزاع بنی ہوئی ہیں حیدر آباد بھی پوری آزادی کا مطالبہ کرتا ہے اور کشمیر بھی پوری آزادی کے ارادے ظاہر کر چکا ہے۔ بعد کے حالات نے دونوں ریاستوں کے ارادوں میں تذبذب پیدا کر دیا ہے۔ حیدر آباد اور کشمیر دونوں محسوس کر رہے ہیں کہ اقتصادی دباؤ سے ان دونوں حکومتوں کو تباہ کیا جا سکتا ہے اس لئے لازمی طور پر ان کو کوئی نہ کوئی سمجھوتہ ہندوستان یا پاکستان سے کرنا پڑے گا۔ کشمیر کی سرحدیں چونکہ دونوں مُلکوں سے ملتی ہیں۔ ہندوستان سے کم اور پاکستان سے زیادہ اس لئے بوجہ اس کے کہ اس کا راجہ ہندو ہے اس

کی کوشش یہ ہے کہ اگر کسی حکومت سے ملنا ہی پڑے تو وہ ہندوستان سے ملے۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر ان میں سے ایک حصہ کو ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کی تائید میں کھڑا کیا جا رہا ہے۔ مگر ظاہری طور پر ان سے یہ اعلان کرایا جا رہا ہے کہ وہ کسی کے ساتھ ملنا نہیں چاہتے اور آخری فیصلہ اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں مگر حقیقت یہ نہیں، حقیقت یہی ہے کہ کشمیر مخفی سمجھوتہ ہندوستان سے کر چکا ہے اور دنیا کو یہ دکھانے کے لئے کہ کشمیر نے جو فیصلہ کیا ہے مُلک کی اکثریت کی رائے کے مطابق کیا ہے اس فیصلہ کو چھپایا جا رہا ہے اور یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کا کچھ حصہ توڑ کر مُلک کی اکثریت سے بھی یہ اعلان کروا دیا جائے کہ وہ انڈین یونین میں ملنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ مسلمان اِس وقت اس فیصلہ کے ساتھ اتفاق ظاہر کرنے کیلئے تیار نہیں پہلے ان سے یہ منزل طے کروائی جا رہی ہے کہ ہم نہ ہندوستان میں ملنا چاہتے ہیں نہ پاکستان میں۔ جب یہ منزل طے ہو جائے گی اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا تو پھر اس تفرقہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ مسلمان جو اپنے بھائیوں سے پھٹ چکے ہونگے اور پاکستان کی مخالفت کر چکے ہونگے انہیں ہندوستان یونین میں شامل ہونے کے فیصلہ پر آمادہ کر لیا جائے گا۔

ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حیدر آباد اور کشمیر کے سوال متوازی ہیں اور ایک کا فیصلہ دوسرے کے فیصلہ کے ساتھ بندھا ہوا ہے جب تک ان میں سے کوئی ایک حکومت فیصلہ نہیں کرتی اُس وقت تک پاکستان کے ہاتھ مضبوط ہیں۔ عقلی طور پر ان دونوں ریاستوں کے فیصلے دو اصول میں سے ایک پر مبنی ہو سکتے ہیں یا تو اس اصل پر کہ جدھر راجہ جانا چاہے اُس کو اجازت ہو۔ اگر یہ اصل تسلیم کر لیا جائے تو حیدر آباد پاکستان میں شامل ہوسکتا ہے یا آزادی کا اعلان کر کے پاکستان سے معاہدہ کر سکتا ہے اور کشمیر ہندوستان یونین میں شامل ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں پاکستان کی آبادی میں پونے دو کروڑ کی زیادتی ہو جائے گی اور ایک طاقتور حکومت جس میں کثرت سے معدنیات پائی جاتی ہیں پاکستان کو مل جائیں گی اور بوجہ پاکستان میں شمولیت کے ہندوستان اس کے ذرائع آمد و رفت کو بھی بند نہیں کر سکے گا کیونکہ اس طرح وہ پاکستان سے جنگ کرنے والا قرار پائے گا دوسرے اس اصل پر فیصلہ ہوسکتا ہے کہ

مُلک کی اکثریت جس امر کا فیصلہ کرے اُسی طرف ریاست جاسکتی ہے اگر اس اصل کو تسلیم کر لیا جائے تو کشمیر پاکستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوگا اور حیدرآباد ہندوستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوگا اگر ایسا ہوا تو پاکستان کو یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ ۳۲ لاکھ مسلمان آبادی اس کی آبادی میں اور شامل ہو جائے گی۔ لکڑی کا بڑا ذخیرہ اس کو مل جائے گا، بجلی کی پیداوار کے لئے آبشاروں سے مدد حاصل ہو جائے گی اور روس کے ساتھ اس کی سرحد کے مل جانے کی وجہ سے اسے سیاسی طور پر بڑی فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ پس پاکستان کے لئے ان دونوں ریاستوں میں سے کسی ایک کا مل جانا نہایت ہی ضروری ہے لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس معاملہ کی طرف پاکستان گورنمنٹ نے توجہ نہیں کی اور ہندوستانی گورنمنٹ جلد جلد ایسے حالات پیدا کر رہی ہے کہ شاید دونوں ریاستیں ہی ہندوستان میں شامل ہو جائیں۔ پاکستان گورنمنٹ کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ ان دونوں ریاستوں کے متعلق ویسی ہی جلدی سے کام لیتی جیسا کہ ہندوستان لے رہا ہے اور ہندوستان پر یہ زور ڈالتی کہ ان دونوں ریاستوں کے متعلق ایک ہی اصل سے کام لیا جائے گا یا دونوں ریاستوں کا فیصلہ حکمران کے فیصلہ کے مطابق ہوگا یا دونوں ریاستوں کا فیصلہ آبادی کی اکثرت کے فیصلہ کے مطابق ہوگا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اب یہ تشویشناک اطلاعیں آ رہی ہیں کہ چار پانچ دن کے اندر اندر حیدرآباد اپنا آخری فیصلہ کر دے گا بلکہ شاید آج ۱۶ تاریخ کو ہی اس کا آخری فیصلہ شائع ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا اور حیدرآباد ہندوستان کے ساتھ مل گیا تو دنیا دیکھ لے گی کہ ہندوستان یونین رعایا کی اکثریت کے فیصلہ کو نظر انداز کر کے اس امر پر زور دینے لگے گی کہ جو والی ریاست کہے اسی کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے اور کشمیر کا والی ریاست یقیناً ہندوستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کرے گا۔ جب تک حیدرآباد ہندوستان یونین میں شامل نہیں ہوتا ہندوستان یونین اس دلیل کو کبھی تسلیم نہیں کرے گی کیونکہ اگر وہ کشمیر کو ملانے کے لئے اس دلیل پر زور دے تو حیدرآباد اس کے ہاتھ سے جاتا ہے لیکن جب حیدرآباد اس کے ساتھ مل گیا تو پھر وہ اسی دلیل پر زور دے گا خصوصاً اس لئے کہ پاکستان کے بعض لیڈر یہ اعلان کر چکے ہیں کہ موجودہ قانون کے لحاظ سے فیصلہ کا حق والی ریاست کو ہے نہ کہ مُلک کی اکثریت کو۔ اس صورت میں کشمیر کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے ہمارے پاس کوئی دلیل

باقی نہیں رہے گی۔ پس ہمارے نزدیک پیشتر اس کے کہ حیدر آباد کے فیصلہ کا اعلان ہو حکومتِ پاکستان کو اعلیٰ سیاسی سطح پر ان دونوں ریاستوں کے متعلق ایک ہی وقت میں فیصلہ کرنے پر اصرار کرنا چاہئے اور ہندوستانی یونین سے یہ منوالینا چاہئے کہ وہ دونوں طریق میں سے کس کے مطابق فیصلہ چاہتا ہے کہ آیا والیٔ ریاست کی مرضی کے مطابق یا آبادی کی کثرت رائے کے مطابق۔ اگر والیٔ ریاست کی مرضی کے مطابق فیصلہ ہو تو حیدر آباد اور جوناگڑھ کے متعلق ان کو اصرار کرنا چاہئے کہ یہ پاکستان میں شامل ہوں اور اگر آبادی کی کثرتِ رائے کے مطابق فیصلہ ہو تو پھر کشمیر کے متعلق ان کو اصرار کرنا چاہئے کہ وہ پاکستان میں شامل ہو۔

ہم جو کچھ اوپر لکھ آئے ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان کا فائدہ اسی میں ہے کہ کشمیر اس کے ساتھ شامل ہو۔ حیدر آباد کی حفاظت کرنی اس کے لئے مشکل ہے اور پھر کسی ایسی حکومت کو دیر تک قابو میں نہیں رکھا جا سکتا جس کی آبادی کی اکثریت ایسے اتحاد کے مخالف ہو۔ تیسرے حیدر آباد چاروں طرف سے ہندوستان یونین میں گھرا ہوا ہے اس کے برخلاف کشمیر کی اکثر آبادی مسلمان ہے کشمیر کا لمبا ساحل پاکستان سے ملتا ہے۔ کشمیر کی معدنی اور نباتاتی دولت ان اشیاء پر مشتمل ہے جن کی پاکستان کو اپنی زندگی کے لئے اشد ضرورت ہے اور کشمیر کا ایک ساحل پاکستان کو چین اور روس کی سرحدوں سے ملا دیتا ہے۔ یہ فوائد اتنے عظیم الشان ہیں کہ ان کو کسی صورت میں بھی چھوڑنا درست نہیں۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ پاکستان کی سرحدیں کشمیر کے ہندوستان یونین میں مل جانے کی وجہ سے بہت غیر محفوظ ہو جاتی ہیں۔ پس مُلک کے ہر اخبار، ہر انجمن، ہر سیاسی ادارے اور ہر ذمہ دار آدمی کو پاکستان حکومت پر متواتر زور دینا چاہئے کہ حیدر آباد کے فیصلہ سے پہلے پہلے کشمیر کا فیصلہ کروالیا جائے ورنہ حیدر آباد کے ہندوستان یونین سے مل جانے کے بعد کوئی دلیل ہمارے پاس کشمیر کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے باقی نہیں رہے گی۔ سوائے اس کے کہ کشمیر کے لوگ خود بغاوت کر کے آزادی حاصل کریں لیکن یہ کام بہت لمبا اور مشکل ہے اور اگر کشمیر گورنمنٹ ہندوستان یونین میں شامل ہوگئی تو پھر یہ کام خطرناک بھی ہو جائے گا کیونکہ ہندوستان یونین اس صورت میں اپنی فوجیں کشمیر میں بھیج دے گی اور کشمیر کو فتح کرنے کا صرف

یہی ذریعہ ہوگا کہ پاکستان اور ہندوستان یونین آپس میں جنگ کریں، کیا ایسا کرنا دُوراندیشی کے مطابق ہوگا؟ کیا ایسا کرنا موجودہ وقت میں ہمارے لئے مناسب ہوگا۔ جو کام تھوڑی سی دُوراندیشی اور تھوڑی سی عقلمندی سے اِس وقت آسانی سے ہوسکتا ہے، اسے تغافل اور سستی کی وجہ سے لٹکا دینا ہرگز عقلمندی نہیں کہلا سکتا۔

(الفضل لاہور ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کشمیر کی جنگ آزادی

ایک ماہ کے قریب عرصہ سے کشمیر کے لوگوں نے اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کرنی شروع کی اور یہ جدوجہد ان مظالم کے نتیجہ میں ہے جو ریاست کشمیر کی طرف سے مسلمانوں پر کئے جا رہے تھے۔ پٹھان کشمیر کا ہمسایہ ہونے کی وجہ سے قدرتی طور پر ان مظالم سے متأثر ہوئے خصوصاً اس لئے کہ مظفر آباد، ریاست کشمیر اور ہزارہ علاقہ سرحد کے ہزاروں آدمی آپس میں رشتہ داری کا تعلق رکھتے ہیں۔ بِالخصوص ضلع مظفر آباد کے مسلمان رؤساء اور ضلع ہزارہ کے مسلمان رؤساء کے درمیان کثرت سے شادی بیاہ ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کشمیر سے اوپر کے رہنے والوں کے نہایت ہی قریبی تعلقات سرحد کے بعض قبائل سے ہیں ان تعلقات کی بناء پر یہ ممکن نہ تھا کہ کشمیر کے واقعات سے صوبہ سرحد متأثر نہ ہوتا یا پونچھ اور میرپور کے واقعات سے راولپنڈی، جہلم اور گجرات متأثر نہ ہوتے تو لازماً ان علاقوں میں بھی جوش پھیلا اور سرحد کے کچھ قبائل کشمیر میں اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے داخل ہو گئے۔ کشمیر کی حکومت نے بجائے اصلاح کرنے کے ہندوستان یونین کے ساتھ اِلحاق کا فیصلہ کر دیا اور اس کی مدد طلب کی اور ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ صاحب مشہور لیڈر کشمیر اس موقع پر صحیح طریق عمل اختیار کرنے سے قاصر رہے اور انہوں نے کشمیر کے راجہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کے طور پر کام کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ دنیا کی ساری حکومتوں میں شاید کشمیر ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اِس میں ایک وقت میں دو وزیراعظم ہیں۔ مسٹر مہر چند مہاجن دیوان کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور شیخ عبداللہ صاحب پرائم منسٹر کے نام سے۔ حالانکہ دیوان اور پرائم منسٹر ایک ہی چیز کا نام ہے۔ ہمیں اس واقعہ پر ایک پُرانا لطیفہ یاد آتا ہے۔ آج سے ساٹھ ستر سال پہلے جب پنجاب میں انجمنوں کا نیا نیا رواج شروع ہوا تو ایک بزرگ جو بھیرہ کے رہنے والے تھے اور جموں میں ایک بہت بڑے عہدہ پر ملازم تھے

جب کچھ دنوں کے لئے اپنے وطن بھیرہ میں آئے تو انہیں ایک نئی انجمن اسلامیہ کی بنیاد رکھے جانے کی خبر ملی اور اس کے عہدہ داروں کو اُن سے ملوایا گیا۔ ایک صاحب کو پیش کیا گیا کہ یہ صاحب صدر مجلس اسلامیہ ہیں۔ دوسرے صاحب کو پیش کیا گیا کہ یہ پریذیڈنٹ مجلس اسلامیہ ہیں۔ اسی طرح ایک مجلس اسلامیہ کے مربی کے طور پر اور ایک صاحب پیٹرن [۱۵] کے طور پر پیش کئے گئے۔ ان بزرگ نے علیحدگی میں سیکرٹری سے پوچھا کہ یہ کیا تماشہ ہے ایک مجلس کے دو دو صدر تو ہم نے کبھی سنے نہ تھے۔ سیکرٹری نے جواب دیا کہ صاحب! جانے دیجئے جاہلوں کو اسی طرح بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ جب ہم نے انجمن اسلامیہ کی بنیاد رکھی تو ہمیں محسوس ہوا کہ فلاں فلاں دو شخصوں کو ملائے بغیر کام نہیں چل سکے گا مگر وہ دونوں صاحب برابر کے جوڑ تھے اس لئے ان میں سے کسی ایک کو صدر اور کسی کو نائب صدر نہیں بنایا جا سکتا تھا اس پر ہم نے ان کی جہالت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ تدبیر کی کہ ایک کا نام صدر رکھ دیا اور ایک کا نام پریذیڈنٹ رکھ دیا اور صدر صاحب کے کان میں یہ کہہ دیا کہ یہ انجمن اسلامیہ ہے اور صدر اسلامی نام ہے اس لئے یہی عہدہ بڑا ہے اور پریذیڈنٹ صاحب کے کان میں کہہ دیا کہ آجکل انگریزی راج ہے عربی کے ناموں کو کون پوچھتا ہے اصل عہدہ تو پریذیڈنٹ کا ہی ہے۔ اب ان دونوں صاحبان سے ہم کام لے رہے ہیں اور ہمارا کام چل رہا ہے۔ کانگرس اور مہاراجہ جموں نے بھی اسی تدبیر سے کام لیا ہے ایک صاحب کو دیوان کا عہدہ ملا ہوا ہے اور ایک صاحب کو پرائم منسٹر کا۔ اعلان پرائم منسٹر سے کروائے جا رہے ہیں اور کام دیوان سے لیا جا رہا ہے۔ ایک شہرت کی رشوت کا شکار ہے اور ایک اقتدار کے حاصل ہونے میں مگن ہے۔ یہ دونوں خوش ہیں تو باقی لوگوں کے اعتراض کی حقیقت ہی کیا ہے۔ بہرحال اس چال سے ایک طرف مہاراج نے اپنے اختیارات اپنے ہی ہاتھ میں رکھے ہوئے ہیں تو دوسری طرف وہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں مگر یہ چال اتنی خطرناک نہیں جتنی خطرناک یہ بات ہے کہ بوجہ آزاد حکومت کشمیر کے منظّم نہ ہونے کے کشمیر اور پاکستان دونوں جگہوں پر گھبراہٹ کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ لاہور تو اس وقت غلط افواہوں اور جھوٹی خبروں کا مرکز بن رہا ہے۔ ذرا کسی شخص کو کشمیر کے معاملات سے دلچسپی لیتے ہوئے دیکھیں تو لوگ جھٹ اس کے پیچھے دَوڑ پڑتے ہیں اور

تجسس شروع کر دیتے ہیں ۔ ہمارے نزدیک مسلمانوں کو اپنے فائدہ کے لئے اس سے بچنا چاہئے ۔کام کرنے والے ناتجربہ کار ہیں آگے ہی ان پر حد سے زیادہ بوجھ ہے ۔اگر ان سے یہ امید کی جائے کہ وہ ہر تجویز کو عَلَی الْاِعلان بیان کریں تو وہ کام کر ہی کس طرح سکتے ہیں ۔اگر یہی کنسوئیاں لینے اور ہر کسی کے پھٹے میں پاؤں اَڑانے کا سلسلہ جاری رہا تو کشمیر کی آزادی کی بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی ۔

ہمارے نزدیک اس وقت خبر دینے والوں اور خبریں لینے والوں اور خبریں چھاپنے والوں کا سب سے اہم فرض یہ ہونا چاہئے کہ سچی خبریں دیں ۔ سچی خبریں سنیں اور سچی خبریں چھاپیں ۔ ہمارے بعض اخبارات میں کشمیر کی فتوحات کے متعلق بعض خبریں قبل از وقت شائع ہو گئیں ۔ اخبارات تو مجبور تھے ان کو جو خبریں آئیں انہوں نے چھاپ دیں لیکن خبریں بھجوانے والے خدا تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے ۔ان کی غلط خبروں نے آخر قوم کے حوصلہ کو پست کرنا شروع کر دیا جو لوگ دس دن پہلے سے سرینگر کی فتح اور ایروڈروم کے قبضہ کی خبریں سنا رہے تھے جب دن کے بعد دن گزرتا گیا اور وہ اپنے سروں پر ہندوستان کے ہوائی جہازوں کو اُڑتے ہوئے دیکھتے رہے اور تازہ دم فوجوں کے پہنچنے کی خبریں سنتے رہے اور سرینگر میں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کی گورنمنٹ کے کام کی اطلاعات پڑھتے رہے اور مسٹر پٹیل [16] اور سردار بلدیو سنگھ کے سرینگر کے دورہ کا حال انہوں نے پڑھا تو انہوں نے لازمی طور پر یہ سمجھا کہ آزاد کشمیر کی فوجیں کشمیر فتح کرنے کے بعد شکست کھا گئی ہیں اور واپس لوٹ آئی ہیں ۔کشمیر ایک مُلک ہے اور مُلکوں کا فتح کرنا چند دن کا کام نہیں ہوتا ۔ بارہ مولا پر آزاد فوجوں کا قبضہ دیر سے ہوا ہوا ہے ۔اگر آج بھی اس بات کا اعلان کیا جاتا کہ بارہ مولا آج فتح ہوا ہے تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوتا اور یقیناً مسلمانوں کے حوصلے اس سے گھٹتے نہ بلکہ بڑھتے لیکن سرینگر کی فتح کی خبریں سننے کے دس دن بعد یہ خبریں سننا کہ ابھی مجاہد فوج بارہ مولا کے اِردگرد پھر رہی ہے اور یہ کہ ہندوستانی یونین کی فوجیں برابر اڈہ میں اُتر رہی ہیں ایک سخت ہمت توڑنے والی بات تھی ۔نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی زبان چاٹنے والے چیتے کی طرح وہ لوگ بھی جو حقیقت حال سے واقف تھے پہلے تو ان خبروں کے اشاعتی اثر کا خیال کر کر کے مزے لیتے رہے مگر کچھ دنوں کے بعد خود ہی روایتی چیتے کی طرح

اپنی زبان کو کھوئے جانے پر حسرت سے ہاتھ ملنے لگے اور اِدھر اُدھر گھبرائے ہوئے پھرنے لگے کہ اب کیا ہوگا۔ یہ حالت اگر دُور نہ ہوئی تو اس سے آزادی کشمیر کی کوششوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ پس ہم باادب تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ:۔

اوّل اخباروں یا دوسرے اداروں کو ہرگز کوئی ایسی خبر نہ بھیجیں جو ثابت شدہ حقیقت نہ ہو جس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہو، ایسی خبروں سے قوم کے حوصلے نہیں بڑھتے بلکہ جب اُن کی غلطی ثابت ہوتی ہے تو قوم کے حوصلے گر جاتے ہیں اور عارضی طور پر بڑھا ہوا حوصلہ ایک مستقل شکست خوردہ ذہنیت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور قوم ایک ایسے گڑھے میں گر جاتی ہے جس میں سے اُس کا نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

دوم اخبارات کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہر نامہ نگار کی خبر کو تسلیم نہ کر لیا کریں بلکہ اگر کوئی نامہ نگار غلط خبر دے تو اس سے سختی سے باز پُرس کیا کریں تا کہ آئندہ کیلئے نامہ نگاروں کو کان ہو جائیں اور وہ اخبار کی بدنامی اور قوم کی تباہی کا موجب نہ بنیں۔

سوم ہمیں یہ عادت ترک کر دینی چاہئے کہ چاروں طرف سے حقیقت حال کے معلوم کرنے کے لئے قوتِ شنوائی کا جال پھیلاتے پھریں یا تو کام کرنے والوں پر ہمیں اعتبار ہے یا ہمیں اعتبار نہیں۔ اگر کام کرنے والوں پر ہمیں اعتبار ہے تو ہمیں اُن کو کام کرنے دینا چاہئے اور ان کے راستہ میں مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں اور اگر ہمیں کام کرنے والوں پر اعتبار نہیں تو ہمیں دوسرے کام کرنے والے پیدا کرنے چاہئیں یا کوئی ایسا فیصلہ کرنا چاہئے جس سے کام کرنے والوں کی اصلاح ہو لیکن جہاں معلوم ہو کہ کوئی شخص کشمیر کا کام کر رہا ہے اور اس کے پیچھے بیسیوں جاسوس دَوڑ پڑے اور چاروں طرف سے سوالات کی اُس پر بھرمار ہوگئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس کا اس کام سے تعلق نہیں اُسے بیسیوں خبریں اِن سوال کرنے والوں سے مل جائیں گی اور خود سوال کرنے والوں کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کا اس کام سے کوئی تعلق ہے تو اُسے یکدم یوں معلوم ہوگا کہ وہ ایک شیشہ کی دیواروں والے حمام میں ننگا نہا رہا ہے جس کے چاروں طرف کھڑے ہوئے لوگ اُسے دیکھ رہے ہیں۔ ایسا آدمی نہا نہیں سکتا اور اگر یہ آدمی نہا نہیں سکتا تو وہ آدمی ایک اہم سیاسی کام کس طرح کر سکتا ہے۔ قوم کے

وفاداروں کا کام تو یہ ہوتا ہے کہ اگر اُن کی نظر اتفاقی طور پر کسی ایسی چیز پر پڑ بھی جائے تو وہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ ہمیں یہ سن کر تعجب ہوا کہ ایک محکمہ جسے خبروں کے معلوم کرنے کے بہت سے ذرائع حاصل ہیں جب اُس کے افسر سے کسی نے یہ کہا کہ ہماری اس معاملے میں مدد کریں کہ فلاں بات بغیر مشہور ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچ جائے تو اُس افسر نے آگے سے یہ جواب دیا کہ یہ احتیاط فضول ہے آجکل کونسی بات چھپی رہتی ہے۔ دیکھئے تو فلاں نے فلاں کو اس اس قسم کی ہدایت جاری کی اور وہ بھی سب کو معلوم ہوگئی۔ وہ بات جو بتانے والے نے بتائی نہایت ہی اہم تھی۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ جب وہ ہدایت منزلِ مقصود تک پہنچی تو ایک ذمہ دار افسر نے ایک اور ذمہ دار افسر کو یوں فون کیا کہ ہمیں بڈھے نے فلاں کام کرنے کا حکم دیا تھا مگر ہم نے وہ کام نہیں کیا۔ یہ فون کرنے والا پاکستان کا افسر تھا اور جس کو فون گیا گیا تھا وہ انڈین یونین کا افسر تھا۔ ہر ایک پاکستان کا خیر خواہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ صورتِ حالات ناقابلِ برداشت ہے ہم اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں یہ ذہنیت بدلنی چاہئے یہ حالات تبدیل ہونے چاہئیں ورنہ کام کو نقصان پہنچے گا۔ یہ اصول جو ہم نے بیان کئے ہیں ایسے نہیں جن سے صرف رازدانوں کو واقفیت ہو ہم نہ کشمیر میں ہیں نہ آزاد گورنمنٹ سے ہمارا کوئی تعلق ہے مگر ہم اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے ان باتوں کو سمجھ رہے ہیں اور ہر مسلمان ہماری طرح سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ سمجھنا چاہے اور بشرطیکہ اپنی قوم کی وفاداری کا جذبہ اس کے دل میں موجزن ہو۔

(الفضل ۷؍نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پاکستان کی اقتصادی حالت

جب ہندوستان کے دوٹکڑے ہونے کا سوال پیش تھا اُس وقت متحدہ ہندوستان کے مدعی اسی بات پر زور دیا کرتے تھے کہ اگر ہندوستان کے دوٹکڑے ہوئے تو پاکستان اقتصادی طور پر اتنا کمزور ہوگا کہ وہ اپنی آزاد ہستی کو قائم نہیں رکھ سکے گا۔ انگریز کا بھی یہی خیال تھا اور اسی وجہ سے وہ پاکستان کا مخالف تھا اس لئے نہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے بلکہ اس لئے کہ انگریز ہندوستان کو آزادی صرف روس کے ڈر کی وجہ سے دے رہا تھا۔ انگریز اس بات کو سمجھ چکا تھا کہ آئندہ جنگ میں روس ہندوستان کو لپیٹ میں لانے کی ضرور کوشش کرے گا۔ جرمن کے ساتھ جنگ میں ہندوستان کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا کیونکہ وہ جرمنی سے بہت دور تھا۔ جاپان کے ساتھ جنگ میں بھی ہندوستان ایسی اہمیت نہیں رکھتا تھا کیونکہ جاپانی فوجیں ہندوستان میں صرف ایک لمبا اور دشوار گزار راستہ طے کر کے داخل ہوسکتی تھیں اور اس وجہ سے کوئی بڑی فوج ہندوستان پر حملہ آور نہیں ہوسکتی تھی لیکن روس کی سرحدیں ہندوستان سے ملتی ہیں۔ پامیر کی طرف سے گو ایک دشوار گزار پہاڑی راستہ طے کرنا پڑتا ہے اور افغانستان کی طرف سے۔ گو ایک آزاد قوم کے ساتھ ٹکرانا پڑتا ہے لیکن بہرحال یہ مشکلات اتنی سخت نہیں جتنی کہ جرمن اور جاپان کے راستہ میں تھیں۔ پس آئندہ جنگ جو روس کے ساتھ ہوتی نظر آتی ہے اس میں ہندوستان ایک نہایت ہی اہم حیثیت رکھے گا۔ انگریز سمجھتا تھا کہ پاکستان کی اقتصادی حالت اچھی نہ ہونے کی وجہ سے وہ مضبوط اور بڑی فوج نہیں رکھ سکتا اور ہندوستان اپنے اعلیٰ رنگروٹوں سے محروم ہو جانے کی وجہ سے باوجود وسیع مالی ذرائع کے کوئی بڑی فوج نہیں رکھ سکتا۔ ہندوستان بڑی فوج تبھی رکھ سکتا ہے جب کہ ہندوستان کا وہ حصہ جو اَب پاکستان کہلاتا ہے اس کے ساتھ شامل ہو۔ روپیہ ہندو قوم مہیا کرے اور سپاہی مسلمان قوم مہیا کرے۔ روس جیسے مُلک کے ساتھ لڑائی کرنے کے

لئے پندرہ بیس لاکھ کی فوج ضروری ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اتنی فوج انگریز کے نزدیک پاکستان کبھی بھی نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے انگریز چاہتا تھا کہ کسی طرح ہندو اور مسلمان اکٹھے رہیں اور ہندوستان تقسیم نہ ہو اور جب یہ نہ ہوا تو پھر اس نے یہ خواہش شروع کی کہ کسی طرح پاکستان کمزور ہو کر ہندوستان کیساتھ دوبارہ مل جانے کی طرف مائل ہو جائے۔ چنانچہ یہ کھیل جاری ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ پاکستان کی اقتصادی حالت کو درست کیا جائے لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کی طرف پوری توجہ نہیں کی جا رہی۔ پاکستان کی سب سے بڑی صنعت اور اس کی دولت کا مدار کپاس پر ہے کپاس کے کارخانے اکثر ہندوؤں کے پاس تھے جو انہیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ یہ کارخانے اب تک مقاطعہ پر لوگوں کو نہیں دیئے گئے اور کپاس زمیندار چننے لگ گئے ہیں چونکہ زمیندار زیادہ دیر تک گھر میں جنس نہیں رکھ سکتا زمینداروں نے تنگ آ کر کپاس سستے نرخوں پر بیچنی شروع کر دی ہے اور چونکہ گاہک کو نہیں پتہ کہ کارخانہ کب شروع ہوگا اور آیا اسے کوئی نفع مل سکے گا یا نہیں وہ دبا کر بہت ہی سستے داموں پر کپاس لے رہا ہے۔ اِس وقت منٹگمری میں آٹھ روپے من، سرگودھا میں چار روپے من اور شیخوپورہ میں پانچ روپے من کپاس بِک رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اِن حالات میں زمیندار کو اتنی رقم بھی نہیں ملے گی جتنی کہ اس نے گورنمنٹ کو بطور معاملہ ادا کرنی ہے۔ ان پریشان کُن حالات میں جب کہ انسان پہلے ہی دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اُٹھتا ہے اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوتا ہے اگر زمیندار پر ایسی تباہی آئی تو اس کے نتائج ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے۔ گزشتہ سال کپاس کی قیمت ۲۲ روپے کے قریب تھی کُجا بائیس روپیہ اور کُجا سات آٹھ روپیہ دونوں قیمتوں میں کوئی بھی تو نسبت نہیں۔ سندھ کے کارخانوں کو چلے ہوئے پندرہ بیس دن گزر چکے ہیں سینکڑوں بیلز وہ نکال چکے ہیں اور ان کی روئی منڈی میں جا رہی ہے۔ وہاں اس سال بھی بائیس روپے من کپاس کی قیمت مل رہی ہے۔ اب قیمتوں کے اس اختلاف کی وجہ سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا تو سندھ کے روئی کے تاجر جو اس سال کثرت سے مسلمان ہونگے، بالکل تباہ ہو جائیں گے کیونکہ اُنہوں نے بائیس روپیہ پر روئی خریدی ہوگی اور پنجاب کی قیمتیں منڈی کی قیمتوں کو گرا دیں گی یا پھر پنجاب کی روئی تاجر سستے داموں خرید کر بڑی قیمتوں پر بیچے گا اور

پنجاب کا زمیندار بالکل تباہ ہو جائے گا۔ بہر حال یا سندھ کا تاجر تباہ ہو گا یا پنجاب کا زمیندار تباہ ہوگا۔ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ پنجاب کے روئی کے کارخانے فوراً چلنے شروع ہو جائیں اور اتنی کثرت سے کارخانے چلیں کہ مقابلہ قائم رہے۔ اگر ہر منڈی میں ایک ایک کارخانہ چلایا گیا اور جو کارخانے کھلے وہ ایک دوسرے سے دُور دُور واقع ہوئے تو پھر بھی کارخانہ دار قیمتوں کو بزور گرانے کی کوشش کریں گے۔ پس پنجاب کے زمیندار کی حالت کو درست رکھنے کیلئے کپاس کے کارخانے فوراً چلائے جانے چاہئیں اور اتنی تعداد میں چلائے جانے چاہئیں کہ کارخانوں کا مقابلہ قائم رہے اور زمیندار کو مناسب قیمت مل سکے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پنجاب گورنمنٹ جننگ کے کارخانوں کو بھی ایک قومی صنعت بنانا چاہتی ہے اس میں تو کوئی شُبہ نہیں کہ مُلک کی چند صنعتوں کو قومی بنانا مفید ہو سکتا ہے لیکن تمام صنعتوں کو قومی بنانا کبھی بھی مفید نہیں ہوتا۔ اس سے مقابلہ کی روح ماری جاتی ہے اور جمہوریت کو سخت نقصان پہنچتا ہے مگر اس مضمون کے بارہ میں ہم اِس وقت کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔ ہم صرف اِس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اگر روئی کے کارخانے سرکاری ہوئے تو لازماً روئی کی قیمتیں گر جائیں گی کیونکہ قیمتیں گاہکوں کی زیادتی کی وجہ سے بڑھتی ہیں۔ جب ایک چیز کے حد سے زیادہ گاہک ہوں تو اُس کی قیمت حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور جب ایک چیز کے حد سے کم گاہک ہوں تو اُس کی قیمت حد سے زیادہ گر جاتی ہے۔ اگر جننگ کے کارخانوں کی مالک گورنمنٹ ہوئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ سارے پنجاب میں گاہک ایک ہی شخص ہوگا یعنی حکومت۔ اور جب گاہک ایک شخص ہوا تو لازماً ہر زمیندار کو اس کے پاس اپنی کپاس بیچنی پڑے گی اور جب گاہک کو پتہ ہوگا کہ میرے سوا یہ زمیندار کسی اور کے پاس کپاس نہیں بیچ سکتا تو یقیناً گاہک جو چاہے گا قیمت تجویز کرے گا اور زمیندار مجبور ہوگا کہ اُسی قیمت پر اپنی جنس کو بیچے اور اس سے پاکستان کی اقتصادیات بالکل تباہ ہو جائے گی اور انگریز کا وہ خدشہ بلکہ اب تو یوں کہنا چاہئے کہ وہ خواہش جو وہ پاکستان کی اقتصادی تباہی کے متعلق اپنے دل میں رکھتا تھا اور جس کے بغیر ہندوستان کے اتحاد اور روس کے دفاع کے مسائل حل نہیں ہوتے تھے پوری ہو جائے گی اور مسلمان اس آزادی کو کھو بیٹھیں گے جس کے لئے اُنہوں نے اتنی قربانی اور جدوجہد کی ہے۔

پس پاکستان کی اقتصادی حالت کو درست کرنا گورنمنٹ کے اہم ترین فرائض میں سے ہے اور اس کی طرف جتنی بھی توجہ دی جائے کم ہے لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ اب تک فیکٹریاں کرائے پر بھی نہیں دی گئیں اور نہ لوہے کی پتیوں کا انتظام کیا گیا ہے نہ کوئلے کا انتظام کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کارخانوں کے تقسیم ہو جانے کے بعد بھی کام فوراً نہیں چل سکے گا۔ اوّل تو کم سے کم دو ہفتے کارخانوں کی صفائی پر لگیں گے پھر عملہ تلاش کرنے میں بھی ٹھیکیداروں کا وقت خرچ ہوگا بلکہ اگر ہماری اطلاعات ٹھیک ہیں تو بہت سی جگہوں پر ہندو مالکانِ کارخانہ نے بعض اہم پُرزے مشینوں میں سے نکال کر چھپا دیئے ہیں جس کی وجہ سے کارخانوں کے چلانے میں دِقّت ہوگی اور جب انجینئر مشینوں کو صاف کرنے لگیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ وہ مشینیں اس وقت تک چلنے کے قابل ہی نہیں جب تک کہ بیرونی ممالک سے نئے پُرزے لا کر ان میں نہ ڈالے جائیں۔ جس کے دوسرے معنی یہ ہونگے کہ اس سال روئی کے بہت سے کارخانے چل ہی نہیں سکیں گے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو زمیندار کی تباہی میں کوئی شُبہ ہی نہیں رہتا اور پاکستان کی مالیات کو بھی سخت نقصان پہنچنے کا امکان ہے کیونکہ پاکستان کی بڑی دولتوں میں سے ایک دولت اس کی کپاس ہے لیکن اگر یہ اطلاعات درست نہیں، تب بھی بغیر کوئلہ اور بغیر لوہے کی پتیوں اور بغیر ان کے وقت پر مہیا ہو جانے کے اور کارخانوں کے فوراً جاری ہو جانے کے زمیندار کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ پس ہم حکومت کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اس معاملہ میں زیادہ دیر نہ کرے اور فوراً کارخانے جاری کروا دے ورنہ زمیندار تو تباہ ہی ہو جائیں گے، حکومت کی اپنی مالی حالت کو بھی سخت دھکا لگے گا اور اسے بہت سے مقامات پر معاملہ اور آبیانہ معاف کرنا پڑے گا کیونکہ ان حالات میں زمیندار معاملہ دے کر اگلے چھ مہینے روٹی نہیں کھا سکتا اور اگلے چھ مہینے وہ روٹی کھائے گا تو گورنمنٹ کا معاملہ ادا نہیں کر سکے گا۔

ہماری سب سے بڑی طاقت قرآن کریم ہے

الفضل کی کسی گزشتہ اشاعت میں ہم نے ان کالموں میں لکھا تھا کہ پاکستان کی سب سے بڑی دولت قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ زندگی کا کوئی پہلو نہیں جس کے متعلق ہم کو ایک بنا بنایا اصول اس تعلیم میں نہ ملتا ہو۔ انسان کے بنائے

ہوئے قانونوں میں افراط تفریط کا خدشہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ انسانی عقل ایک نہایت ہی محدود چیز ہے اور چونکہ ایک وقت میں ایک سوال کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھنا اس کے احاطۂ اقتدار سے باہر ہے اس لئے عقل جو بھی اصول بناتی ہے اس میں کچھ نہ کچھ خامی رہ جاتی ہے۔ دنیا کی تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ ایک وقت اور ایک حالات میں جو بات نہایت مستحسن معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے وقت اور دوسرے حالات میں وہی بات غلط ثابت ہوتی ہے۔ ایک زمانہ میں سائنس اور فلسفہ کے جو نتائج ہم کو آخری معلوم ہوتے ہیں زمانہ مابعد میں ان کی تردید ہو جاتی ہے لیکن قرآن کریم میں جو باتیں کہی گئیں ہیں اَٹل ہیں۔ زندگی کے جو اصول بیان کئے گئے ہیں وہ آخری ہیں۔ یہ صرف زبانی دعویٰ نہیں بلکہ چودہ سَو سال کی اسلامی تاریخ کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو نظر آئے گا کہ جب کبھی انسانی عقل نے اس آفتاب کے چہرے پر پردے ڈالنے کی کوشش کی ہے تو اس کی جاودانی شعاعوں نے ان پردوں کو تار تار کر کے ہوا میں اُڑا دیا ہے۔ ہندوستان میں شہنشاہِ اکبر [۱۷] کے عہد میں اسلامی تعلیم کو سیاسی مصالح پر قربان کرنے کی انتہائی کوشش ہو چکی ہے، شاہی دربار سے الحاد کی جو تاریک گھٹا اُٹھی تھی اُس نے ایک وقت کے لئے تو بے شک آفتاب کی روشنی کو دنیا کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا مگر تاریکیوں کے یہ بادل زیادہ دیر تک مطلع پر چھائے نہ رہ سکے۔ حضرت سیّد احمد سرہندی [۱۸] مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ایک ہی اشارے میں ان بادلوں کو پھاڑ کر رکھ دیا اور آفتابِ اسلام کا درخشاں چہرہ دنیا کے سامنے کر دیا اور اس کی روح پرور شعاعیں کوہ و دمن کو منور کرنے لگیں۔ یہ چشمۂ فیض حضرت سیّد احمد بریلوی علیہ الرحمۃ [۱۹] کے عہد سعید تک جاری رہا۔ پھر مغربی الحاد کا طوفان اُٹھا جس نے ایک دفعہ پھر مسلمانانِ ہند کی نگاہوں سے آفتابِ عالمتاب کو پنہاں کر دیا۔ یہ سب سے بڑا طوفان ہے جو دنیا کی پیدائش سے لے کر عقل کے طاغوت نے آج تک بپا کیا ہے لیکن آثار بتا رہے ہیں کہ اس طوفان کی بھی آخری گھڑیاں آن پہنچی ہیں۔ دنیا میں جو انقلابات رونما ہو رہے ہیں اگرچہ بظاہر وہ نہایت بھیانک مناظر کے حامل نظر آتے ہیں لیکن صرف انسانی تجربہ کی کسوٹی پر رکھنے سے بھی ہر صاحب ادراک محسوس کر سکتا ہے کہ طاغوتی طاقتیں اپنے حدِ کمال کو عبور کر کے انحطاط کی طرف مائل ہو چکی ہیں اور عقل و خرد کے بلبلے پھٹ جانے کے لئے ایک ذرا سی ٹھیس

کے منتظر ہیں۔

قدرت نے خالص مسلمانوں، فدایانِ نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بستی یونہی اتفاقاً آباد نہیں کر ڈالی، اُس نے اِس وقت ہماری آزمائش کے لئے ہمیں چنا ہے، اِس وقت پاکستان کے مسلمان سب سے بڑے میدانِ امتحان میں ہیں، اگر ہم میں ذرا بھی اسلامی حمیت باقی ہے، اگر ہماری رگوں میں زندگی کی رمق موجود ہے، اگر اس راکھ کے ڈھیر میں ایک بھی جلتی ہوئی چنگاری بچی ہوئی ہے تو یقیناً ہم ایک بار پھر وہی شعلہ اُٹھا سکتے ہیں جس میں بھسم ہونے کے لئے طاغوتی عقل نے اتنا ایندھن اکٹھا کر دیا ہے کہ جتنا اس نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ شیطان نے اپنی آخری بازی لگا رکھی ہے اگر ہم جیت گئے، کاش ہم جیت جائیں تو پھر قیامت تک وہ سر نہیں اُٹھا سکے گا۔ دریودھن نے فریب کا پانسا پھینک کر بے شک ہمارا سب کچھ ہتھیا لیا ہوا ہے، دنیاوی لحاظ سے ہم بے شک کنگال ہو چکے ہیں، بے شک دشمن نے ہمیں اپنی دانست میں ہلاک کر کے غار میں پھینک دیا ہے لیکن یہ ہم سے کیوں ہوا؟ اس لئے کہ ہم نے اپنے اٹل اصولوں کو چھوڑ کر اس کے فنا ہونے والے اصولوں کو مان لیا۔ ہم اپنے سیدھے راستے سے بھٹک کر اُس کی پیچ در پیچ پگڈنڈیوں پر چل پڑے جہاں چپہ چپہ پر اس نے اپنے تیر انداز متعین کر رکھے ہیں۔ جن کی بوچھاڑ نے ہماری روحوں تک کو مجروح کر دیا ہے لیکن باوجود اس کے کہ ہم کو ہمارے املاک سے محروم کر کے بن باس کی طرف دھکیل دیا گیا ہے پھر بھی ہمارے لئے ناامید ہونے اور حوصلہ ہارنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ہماری کمک آسمان سے آتی ہے زمین سے نہیں۔ اس کمک نے آڑے وقت کبھی کوتاہی نہیں کی۔ وہی جس نے کورکشتر کے میدان میں پانڈو کے بیٹوں کی کرشن کو بھیج کر مدد کی تھی، وہی جس نے ابراہیم کے لئے نمرودی آتش کدے کو لہلہاتے ہوئے پھولوں کا دامن بنا دیا تھا، وہی جس نے نوح کی کشتی کو ساحل پر لگایا اور جس نے موسیٰ کے لئے سمندر کو دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔ جس نے ہمیں خود تاتاری طوفان سے بال بال بچا کر نکال لیا تھا وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح زندہ ہے، اُس کا آخری پیغام زندہ ہے، اُس پیغام کا لانے والا خاتم النبیین کہلانے والا زندہ ہے، وہ منبع قوت جو کبھی ختم نہیں ہوتا ہم کو مفت دیا گیا تھا لیکن افسوس کہ ہم نے دھوکے میں آ کر اپنی زندگی کے تار اس سے منقطع کر لئے۔ ہمارے فانوس جس نور سے

روشن ہوئے تھے ہم نے اس نور سے رشتہ توڑ لیا اگر ہم آج پھر اس منبع قوت سے اپنے فانوسوں کے تار جوڑ لیں تو یقیناً ہمارا گم ہوا ہوا نور پھر ہم کو ایک آن میں واپس مل سکتا ہے کیونکہ وہ منبع قوت ہمیشہ کیلئے ہمارے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ پاکستان کے مسلمانوں نے پاکستان اسلام کے نام پر، اسلامی تہذیب وتمدن کے قیام کے نام پر لیا ہے اس لئے جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے آج پاکستان کا مسلمان خدا تعالیٰ کی امتحان گاہ میں ہے۔ خدا تعالیٰ کا نور قرآن پاک اور اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی راہنمائی کے لئے موجود ہے۔ اگر اس نے اس کی رہنمائی کو قبول کر لیا تو یقیناً پاکستان ہی نہیں تمام دنیا اس کے قدموں کے نیچے آ جائے گی۔ ورنہ وہ بھی جو اس کے پاس ہے اس سے چھین لیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے کام کو کسی دوسری قوم کے سپرد کرے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کے کام کے مقابل کسی فرد یا کسی بڑی سے بڑی قوم کی پَر کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں۔

(الفضل ۹ ر نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

کشمیر

کشمیر کے متعلق نہایت متوحش خبریں آ رہی ہیں جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہوا تھا کہ کشمیر کا سوال چند دنوں میں حل کیا جا سکتا ہے نہ صرف ان کی غلطی ان پر واضح ہوگئی بلکہ دوسرے لوگ بھی ان کی غلطی کا خمیازہ بھگتنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ بڑھی ہوئی اُمیدوں کا نتیجہ جب حسبِ امید نہیں نکلتا تو لوگ اس بات کے سوچنے کی طاقت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں کہ حالات کے مطابق کتنا نتیجہ نکلنا چاہئے تھا اور وہ صرف یہی سوچتے ہیں کہ جو کچھ ہمیں کہا گیا تھا اتنا نتیجہ نہیں نکلا۔ خواہ وہ نتیجہ جس کی وہ امید کر رہے تھے عقل اور واقعات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور اس کی وجہ سے وہ لوگ دل چھوڑ بیٹھتے ہیں اور مجبوری کے بغیر کمزوری دکھانے لگ جاتے ہیں۔

ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے اور ہوا ہے کہ جب مبالغہ آمیز خبریں شائع کی جائیں تو دشمن بہت زیادہ ہوشیار ہو جاتا ہے جب کشمیر میں انڈین یونین کی فوجیں آئیں تو شروع میں وہ صرف ایک بریگیڈ بھجوانا کافی سمجھتے تھے لیکن پاکستان سے جب یہ آوازیں اُٹھنی شروع ہوئیں کہ پچاس ہزار مجاہد سرینگر کے میدان کی طرف بڑھ رہا ہے تو انڈین یونین نے تین ڈویژن کشمیر بھجوانے کا فیصلہ کر دیا اور تمام ڈکوٹا ہوائی جہاز جو ہندوستان میں میسر آ سکتے تھے ان کو اس کام پر لگا دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ جتنی فوج بھجوانے کا ارادہ نہیں تھا اتنی فوج بھیج دی گئی اور جس عرصہ میں فوج بھیجنے کا ارادہ تھا اس سے پہلے بھیج دی گئی۔ ہماری طرف سے صرف فخر کا اظہار ہوا اور اُدھر سے کام ہو گیا۔ اس فخر کا ہم کو کیا فائدہ ہوا؟ صرف مخالف نے اس سے فائدہ اُٹھایا اور ہمارے دوستوں کو اس سے سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

یہ تو ایک کھلی ہوئی صداقت ہے جس کا انکار نہ حکومت پاکستان کرتی ہے نہ کوئی مسلمان کر سکتا ہے کہ گو پاکستان عَلَی الۡاِعۡلَان جنگ میں شامل نہیں لیکن وہ کشمیر کو اپنا حق سمجھتا ہے اور کشمیری

مسلمانوں کی آزادی اسے مطلوب ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی پسند نہیں کر سکتا کہ کشمیر کا مسلمان ڈوگروں کا غلام بنا کر رکھا جائے یا سکھوں کی کرپانوں کا نشانہ بنتا رہے۔ جب یہ ایک حقیقت ہے تو اس حقیقت کو عملی جامہ پہنانے کیلئے بھی تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں اور جنگ سے اُتر کر جتنی تدابیر اس کام کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں وہ استعمال کر جانی چاہئیں۔ مثلاً اخباری پروپیگنڈا حکومت پاکستان کی نگرانی میں آ جانا چاہئے۔ سنسر نہ ہو مگر حکومت پاکستان کا پریس نمائندہ اخبارات کو خفیہ طور پر ایسی ہدایتیں دیتا رہے کہ کس قسم کی خبریں شائع کرنا تحریک کشمیر کے مخالف ہوگا اور کس قسم کی خبریں شائع کرنا تحریک کشمیر کے مخالف نہ ہوگا۔ یورپ اور امریکہ کا پریس بالکل آزاد سمجھا جاتا ہے لیکن وہاں بھی امور خارجہ کا ایک نمائندہ پریس کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے اور وہ ہر اہم موقع پر پریس کو توجہ دلاتا رہتا ہے کہ اس مسئلہ کے کونسے پہلوؤں کی اشاعت آپ کے مُلک کے مفاد کے لئے مضر ہوگی اور کونسے پہلوؤں کی اشاعت آپ کے مُلک کے مفاد کیلئے مفید ہوگی۔ پریس بے شک آزاد ہوتا ہے مگر وہ اپنے مُلک کا دشمن تو نہیں ہوتا۔ امور خارجہ کے نمائندہ کی طرف سے جب ان کے سامنے حقیقت کو واضح کر دیا جاتا ہے تو نوّے فیصدی پریس وہی طریق اختیار کرتا ہے جس کی سفارش امور خارجہ نے کی ہوتی ہے۔ دس فیصدی پریس جو اس کے خلاف کرتا ہے اس کی آواز نوّے فیصدی کی آواز کے نیچے دَب جاتی ہے اور مجموعی طور پر پبلک گمراہ نہیں ہوتی اور دس فیصدی پریس کی آواز کو دوسرے ممالک مُلک کی آواز نہیں سمجھتے اس لئے اس کی آواز سے بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہی طریقہ یہاں بھی اختیار کرنا ضروری تھا۔ چاہئے تھا کہ پاکستان حکومت کے محکمہ امور خارجہ کا ایک افسر فوراً مقرر کر دیا جاتا جو پاکستان کے پریس کو براہِ راست یا اپنے نمائندوں کے ذریعہ ان کے فرائض کی طرف توجہ دلاتا رہتا۔ اس کے نتیجہ میں لازماً پاکستان کے پریس کا اکثر حصہ اس طریق کو اختیار کر لیتا اور ایسے مضامین یا ایسی خبریں شائع نہ کرتا جن سے کشمیر کے مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچتا اور اگر کوئی حصہ اس کے مخالف بھی چلتا تو اکثر پریس کی خبریں چونکہ اس کے خلاف ہوتیں اور ان کے مضامین بھی اس کے خلاف ہوتے، نہ مُلک کی عام رائے اس سے متأثر ہوتی اور نہ دوسرے ممالک اس کی آواز سے متأثر ہو کر کوئی ایسا قدم اُٹھاتے جو کشمیر کے مسئلہ کو پیچیدہ بنا دینے والا ہوتا۔ بہرحال اس وجہ سے کہ پریس کو کوئی راہ

نمائی حکومت کی طرف سے حاصل نہ ہوئی (گو ہمیں معلوم ہے کہ بعض دوسرے لوگوں نے پاکستان کے پریس کے ایک حصہ کے سامنے یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ اس قسم کی خبروں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمن ہوشیار ہو جائے گا اور پاکستان اور کشمیر کے افراد کے حوصلے بعد میں جا کر پست ہو جائیں گے) پریس نے اپنے لئے خود ایک طریقہ انتخاب کیا جس کا نتیجہ ہمارے نزدیک مُلک کیلئے مضر نکلا۔ مگر بہر حال پریس پر کوئی الزام نہیں کیونکہ اُنہوں نے اپنے لئے ایک ایسا طریق اختیار کر لیا تھا جو اُن کی سمجھ میں مُلک کے لئے مفید تھا۔ ان کو تحریک کشمیر کے ذمہ دار افسروں کی طرف سے ایسی ہی اطلاعات پہنچتی رہی تھیں جن کی وجہ سے وہ کشمیر کے کام کو نہایت ہی معمولی سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ غالباً چند دن میں سارا کشمیر صاف ہو جائے گا بعد کے واقعات نے اس خیال کی تردید کر دی اور اب یہ معاملہ نہایت ہی پیچیدہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ درست نہیں کہ یہ مسئلہ کامیاب طور پر حل ہی نہیں کیا جا سکتا یقیناً یہ مسئلہ کامیاب طور پر حل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ عقل اور سمجھ سے کام لیا جائے اور بشرطیکہ پاکستان کا مسلمان کشمیر کی تحریک چلانے والوں کی پوری طرح امداد کرے۔ اب سردیاں آ رہی ہیں اور اگر کشمیر کی تحریک جاری رہی تو برف میں تحریک کشمیر کی فوجوں کو کام کرنا پڑے گا۔ تحریک کشمیر میں کام کرنے والے لوگ برفانی علاقوں کے ہیں۔ مظفر آباد، پونچھ، ریاسی، میر پور، کشمیر اور سرحدی قبائل کے لوگ سب برفانی علاقوں کے ہیں مگر باوجود اس کے وہ بغیر سامان کے ان علاقوں میں کام نہیں کر سکتے۔ انہیں گرم جرابوں، گرم سویٹروں، بوٹوں، پینٹوں اور بھاری کمبلوں کی ضرورت چند دن میں پیش آئے گی۔ اگر چند دن میں یہ چیزیں ان تک نہ پہنچیں تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور یہ امر ظاہر ہے کہ طبعی تقاضوں کا مقابلہ کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ بغیر کھانے کے سپاہی لڑ نہیں سکتا اور بغیر سردی گرمی کے مقابلہ کا سامان ہونے کے سپاہی لڑ نہیں سکتا۔ ایک سپاہی سردی میں رات تو گزار سکتا ہے بلکہ متواتر راتیں گزار کر اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہے مگر وہ تمام اخلاص اور تمام جذبۂ ایثار کے باوجود اپنی صحت اور اپنی طاقت کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ہمیں اس امر میں خوشی نہیں ہو سکتی کہ ہمارے افراد نے قربانی کر کے اپنی جانیں دے دیں۔ ہمیں اگر خوشی ہو سکتی ہے تو اس بات میں کہ ان کی قربانی کے نتیجہ میں ہمارے بھائی آزاد ہو گئے اور یہ نتیجہ تبھی نکل سکتا ہے

جب کہ آزاد کشمیر کے سپاہیوں کی صحتیں درست رہیں اور ان کی طاقت قائم رہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی صحتوں کی درستی اور طاقت کے قیام کا مدار عمدہ غذا اور سردی کو برداشت کرنے والے لباس کے مہیا ہونے پر ہے۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ مغربی پاکستان کے لوگوں کے ذمہ اِس وقت مشرقی پاکستان کے پناہ گزینوں کے لباس کے مہیا کرنے کا بہت بڑا کام ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اگر کشمیر کے مجاہدین کے لئے گرم جرابوں اور گرم کپڑوں کا سامان مہیا نہ کیا گیا تو وہ ہرگز سردی میں اس جنگ کو جاری نہ رکھ سکیں گے۔ پس اس کے لئے ابھی سے مُلک کو تیار ہو جانا چاہئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غلط امیدوں کے خلاف نتائج نکلے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ خبریں جو شائع ہو رہی تھیں درست ثابت نہیں ہوئیں اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ ایسے لوگوں پر کام کو چھوڑ دیا گیا تھا جو پورے طور پر اس کام کے اہل نہیں تھے۔ ایسے سرحدی قبائل لڑائی کے لئے آگے چلے گئے جو اپنے مُلک سے دور رہ کر لڑنے کے عادی نہیں اور جو صرف پندرہ بیس دن تک ایک وقت میں لڑائی کر سکتے ہیں وہ بہادر بھی ہیں، وہ جانباز بھی ہیں، وہ لڑائی کے دھنی بھی ہیں، وہ جان دینے سے بھی نہیں ڈرتے ان کے حوصلے اور ان کی قربانیوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن وہ ہمیشہ سے ہی ایسی جنگ کے عادی ہیں جو ان کے گھروں کے آس پاس لڑی جائے۔ وہ سَو دو سَو میل باہر جا کر لڑنے کے عادی نہیں۔ نسلاً بعد نسلٍ وہ ان پہاڑیوں میں لڑنے کے عادی ہیں جن میں وہ پیدا ہوئے جن کے کونے کونے سے وہ واقف ہیں، جن کے ہر نشیب وفراز کا ان کو علم ہے، جن کی ہر وادی اور ہر چوٹی کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ پھر ان لڑائیوں میں جو لوگ لڑتے رہتے ہیں ان کا عقب ہمیشہ محفوظ رہا ہے کیونکہ وہ اپنے گھروں سے دور کبھی نکلے ہی نہیں اور اس وجہ سے وہ جانتے ہی نہیں کہ عقب کی حفاظت کتنی ضروری ہے کیونکہ ان کے راستے یا تو خود ان کے بیوی بچوں کی نگرانی میں ہوتے تھے یا ان کے دوست قبائل کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ ان کے رستوں کو وہی توڑ سکتا تھا جو ان کے گھروں میں داخل ہو اس لئے اپنے رستوں کی حفاظت کا خیال کبھی سرحدی قبائل کے دلوں میں پیدا ہی نہیں ہوتا لیکن اپنے گھر سے دور جا کر لڑنے والی فوجوں کے لئے سب سے اہم سوال ان رستوں کی حفاظت کا ہوتا ہے جہاں

سے اُن کو رسد پہنچتی ہے اور جن کی حفاظت کے بغیر ان کا پیچھا محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس قسم کی تربیت سرحدی قبائل کی نہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرحد کے قبائل بے تحاشا آگے بڑھتے چلے گئے انہوں نے یہ نہ سوچا کہ ان کا پیچھا کون سنبھالے گا کیونکہ پیچھا سنبھالنے کا خیال کبھی ان کے دل میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ اپنے گھر کی پہاڑیوں میں لڑتے رہے اور ایسی پہاڑیوں میں وہ لڑتے رہے جن کی چپہ چپہ زمین کے وہ واقف ہیں۔ جب وہ اپنے مُلک سے دور جا کر اپنی عادت کے مطابق لڑے تو دشمن کو کئی موقعوں پر ان کا پیچھا روک لینے کا موقع مل گیا اور اس سے ان کو بہت نقصان پہنچا۔ دوسرے کئی لوگ جو اپنے گھروں سے اِس خیال سے نکلے تھے کہ پندرہ بیس دن کی لڑائی کے بعد ہمارا کام ختم ہو جائے گا۔ بعض دفعہ وہ اچانک میدانِ جنگ سے واپس آ گئے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم اپنی لڑائی کی مدت کو پورا کر چکے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے قبائل پونچھ اور کشمیر کے یا سرحد کے جو میدانِ جنگ میں لڑ رہے تھے ان کا پہلو یکدم ننگا ہو گیا اور باوجود مضبوط ارادہ کے وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے اور فتح شکست سے بدل گئی۔ اس کے سِوا بھی بعض اور باتیں اور خبریں ہمیں موثق ذرائع سے معلوم ہوئی ہیں مگر ان کا ذکر کرنا مناسب نہیں کیونکہ ان باتوں کے اظہار سے آزادیٔ کشمیر کی تحریک کا کام کرنے والوں کو نقصان پہنچے گا۔ ہمارے دل میں دُکھ ہے کہ ایسا کیوں ہوا مگر ہم یہ بے وقوفی کرنا نہیں چاہتے کہ پچھلے نقصان پر واویلا کر کے آئندہ کی کامیابی کو اور بھی مخدوش بنا دیں۔ بہرحال جہاں تک ہمیں علم ہے آزادیٔ کشمیر کی تحریک میں کام کرنے والے اپنی سابقہ غلطیوں کی اصلاح میں مشغول ہیں اور آئندہ کے لئے نئی جدوجہد کے مستقل ارادے رکھتے ہیں مگر جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں وہ بغیر سامانوں کے کچھ نہیں کر سکتے اور یہ سامان بغیر روپیہ کے میسر نہیں آ سکتے۔ پس ہم تمام مسلمانوں کی توجہ اس طرف پھراتے ہیں کہ اِس وقت بخل سے کام نہ لیں کیونکہ کشمیر کا مستقبل پاکستان کے مستقبل سے وابستہ ہے۔ آج اچھا کھانے اور اچھا پہننے کا سوال نہیں پاکستان کے مسلمانوں کو خود فاقے رہ کر اور ننگے رہ کر بھی پاکستان کی مضبوطی کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں پاکستان کی مضبوطی کشمیر کی آزادی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہم تمام پاکستان کے رہنے والوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آزادیٔ کشمیر کی جدوجہد میں حصہ لینے والوں کی

کمبلوں، گرم کوٹوں، برساتی کوٹوں، زمین پر بچھانے والی برساتیوں، برفانی بوٹوں، گرم جرابوں اور گرم سویٹروں سے امداد کریں۔ یہ چیزیں کچھ تو ان دُکانوں سے مہیا کی جاسکتی ہیں جنہوں نے گزشتہ زمانہ میں ڈسپوزل کے محکمہ سے سامان خریدا تھا اور کچھ سامان ابھی ڈسپوزل کے سٹوروں میں پڑا ہوگا جو مُلک کے پاس فروخت کرنے کیلئے ہے وہاں سے بھی سامان خریدا جاسکتا ہے اور کچھ سامان خود سرحد، کشمیر اور پونچھ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے صحیح جگہ روپیہ بھجوا دینا نہایت ضروری ہے۔ ہم پاکستان کے تمام اخباروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے خریداروں سے روزانہ اس کام کے لئے چندہ کی اپیل کریں یا سارے اخبار مل کر ایک کمیٹی بنا لیں جو مشترکہ طور پر روپیہ جمع کرے اور ایسے ضروری سامان خریدے جو مغربی پاکستان میں مل سکتے ہیں اور جو مغربی پاکستان میں نہیں مل سکتے لیکن خود کشمیر اور پونچھ اور سرحد میں مل سکتے ہیں، ان کے لئے روپیہ عارضی حکومت کو بھجوائیں یا عارضی حکومت کی ان شاخوں کو بھجوائیں جو مُلک کے مختلف حصوں میں کام کر رہی ہیں۔ ہم الفضل کے خریداروں اور الفضل کے پڑھنے والوں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ جو کچھ انہیں توفیق ہو اس کام کے لئے بھجوائیں مگر اتنی بات کافی نہیں اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر الفضل کا خریدار اور ہر الفضل کا پڑھنے والا اپنے اپنے علاقہ کے لوگوں سے بھی چندہ کی اپیل کرے۔ اگر ہمارے اخبار کے خریدار اور ہمارے اخبار کے پڑھنے والے لوگوں پر ساری حقیقت واضح کر دیں تو یقیناً لوگ دل کھول کر چندہ دیں گے لیکن سوال زیادہ روپیہ کا بھی نہیں جو زیادہ دے سکتا ہے وہ زیادہ دے جو زیادہ نہیں دے سکتا یا زیادہ دینا نہیں چاہتا وہ اگر ایک پیسہ بھی دیتا ہے تو اپنے مُلک کی خدمت کرتا ہے۔ اگر ہزار آدمی ایک ایک پیسہ دے کر بھی ایک سپاہی کی جان بچا لیتے ہیں تو یقیناً وہ فتح کو قریب کر دیتے ہیں اس لئے کمر ہمت کس کر کھڑے ہو جائیں اور اپنے علاقہ کے تمام لوگوں سے خواہ وہ کسی قوم اور کسی فرقہ اور کسی خیال کے ہوں، چندہ جمع کریں اور جلد سے جلد بھجوائیں اِس تمام چندے کا حساب رکھا جائے گا اور بعد میں حساب شائع کیا جائے گا یاد رکھیں کہ الفضل ایسے چندے کو اور ایسی چیزوں کو جو اس چندہ میں آئیں سَو فیصدی اس جگہ پر پہنچا دے گا جہاں پہنچ کر وہ کشمیر کی تحریک کو اِنْشَاءَ اللّٰہ فائدہ پہنچا سکیں گی۔ (الفضل لاہور ۱۲ر نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کشمیر اور پاکستان

یوں تو مسلمان عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ کشمیر کا معاملہ نہایت اہم ہے لیکن اس کی اہمیت کا پورا انکشاف انہیں حاصل نہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیر کا ہندوستان سے الحاق شاید کوئی نیا مسئلہ ہے مگر یہ بات درست نہیں حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کے ہندوستان سے الحاق کی داغ بیل بہت عرصہ پہلے پڑ چکی تھی۔ باؤنڈری کے فیصلہ سے عرصہ پہلے ہندوستان کی تقسیم کے سوال کا فیصلہ ہوتے ہی لارڈ مونٹ بیٹن کشمیر گئے اور ان کے سفر کا مقصد وحید یہی تھا کہ وہ مہاراجہ کشمیر کو ہندوستان میں شامل ہونے کی تحریک کریں۔ حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن کُلّی طور پر ہندوؤں کی تائید میں رہے ہیں اور مسلمانوں کے مفاد کی اُنہوں نے کبھی بھی پرواہ نہیں کی۔ اگر انہوں نے پاکستان کے بنانے کے حق میں رائے دی تو اس یقین کے ساتھ دی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں پاکستان تباہ ہو کر پھر ہندوستان میں شامل ہو جائے گا اور ان کا سارا زور اسی بات کے لئے خرچ ہوتا رہا۔ جب لارڈ مونٹ بیٹن کشمیر کے راجہ کو نصیحت کرنے کیلئے وہاں گئے اور اسی طرح کانگرس کے اور لیڈر بھی جیسے مسٹر گاندھی وہاں گئے تو لازمی بات ہے کہ ان بحثوں میں گورداسپور کے ضلع کا سوال بھی پیدا ہوا ہوگا۔ کشمیر اگر ہندوستان یونین سے ملتا اور تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور ہندوستان یونین میں شامل نہ ہوتے تو اس کے معنی یہ تھے کہ کشمیر کا ہندوستان سے تعلق صرف ضلع کانگڑہ کے ذریعہ پیدا کیا جا سکتا تھا۔ ہر شخص جو پنجاب کے جغرافیہ سے واقف ہے سمجھ سکتا ہے کہ کانگڑہ کے ذریعہ سے کشمیر کا صحیح تعلق ہندوستان سے پیدا ہونا قریباً ناممکن ہے۔ نہ کانگڑہ کے ذریعہ سے ہندوستان کی چیزیں کشمیر پہنچ سکتی تھیں نہ کشمیر کی چیزیں ہندوستان پہنچ سکتی تھیں اس لئے اُسی وقت یہ بھی فیصلہ کر دیا گیا کہ تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ ہندوستان میں شامل کی جائیں تا کہ مادھو پور کے رستے پٹھانکوٹ سے کشمیر کا تعلق

پیدا ہوا اور پٹھانکوٹ سے ریل کے ذریعہ سے باقی ہندوستان سے۔

تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ کا ہندوستان کے ساتھ شامل کرنا باوجود اس کے کہ ان میں مسلمانوں کی اکثریت تحصیل شکر گڑھ سے زیادہ ہے اور تحصیل شکر گڑھ کو پاکستان میں شامل کرنا صاف بتاتا ہے کہ اس تقسیم میں کشمیر کے لئے رستہ بنانا مدنظر تھا۔ مسٹر ریڈکلف نے بے شک گورداسپور اور بٹالہ کو ہندوستان میں شامل کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ لوئر باری دوآب کا علاقہ تقسیم نہ ہو لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ یہ محض بہانہ تھا کیونکہ لوئر باری دوآب پھر بھی تقسیم ہوگئی۔ لوئر باری دوآب کا وہ حصہ جو تحصیل لاہور کو سیراب کرتا ہے وہ پھر بھی پاکستان میں آیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ درحقیقت لوئر باری دوآب کا محض ایک بہانہ تھا۔ تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ کو ہندوستان میں شامل کرنے کی وجہ لوئر باری دوآب کی تقسیم کا خوف نہیں تھا کیونکہ یہ تقسیم خود اسی ایوارڈ میں موجود ہے۔ ان دونوں تحصیلوں کو ہندوستان میں شامل کرنے کا باعث صرف بٹالہ پٹھانکوٹ ریلوے کو ہندوستان یونین میں لانا تھا۔ اس ریل کے ہندوستان یونین میں جانے کے بغیر کشمیر ہندوستان کے ساتھ مل نہیں سکتا تھا۔ پس جب لارڈ مونٹ بیٹن کشمیر گئے تو ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ کشمیر کو ہندوستان یونین سے ملانے کے لئے بٹالہ اور گورداسپور کی تحصیلوں کو ہندوستان یونین میں ملانا ضروری ہوگا اور جب سر ریڈکلف نے اپنا ایوارڈ دیا تو ان کے ذہن میں بھی یہ بات تھی کہ کشمیر کو ہندوستان یونین میں ملایا جائے گا اس لئے تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ کی مسلم اکثریت کو عقل اور انصاف کے خلاف قربان کر دینا ضروری ہے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس جب لارڈ مونٹ بیٹن مہاراجہ کشمیر سے ملنے کیلئے گئے اور کانگرس نے مہاراجہ کشمیر پر زور دینا شروع کیا کہ وہ ہندوستان یونین کے ساتھ شامل ہوں تو اس کے معنی یہ تھے کہ ان لوگوں نے گورداسپور اور بٹالہ کو ہندوستان یونین میں شامل کرنے کا پہلے سے فیصلہ کیا ہوا تھا اور جب سر ریڈکلف نے گورداسپور اور بٹالہ کو خلافِ انصاف اور خلافِ عقل ہندوستان یونین میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے یہ معنی تھے کہ کشمیر کو ہندوستان یونین میں شامل کرنے کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان نتائج کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں انگلستان کی دو بڑی ہستیوں پر خطرناک الزام عائد ہوتا ہے مگر اس میں بھی کوئی شُبہ

نہیں کہ مندرجہ بالا واقعات کی بناء پر اس نتیجہ کے سِوا کوئی اور نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ بات ممکن تھی اور اگر عقل اور انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلیں پاکستان میں شامل ہوں تو سر ریڈکلف کے ایوارڈ سے پہلے لارڈ مونٹ بیٹن، مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگرسی اکابر کا مہاراجہ کشمیر کے پاس جانا اور انہیں ہندوستان یونین میں شامل ہونے کی تحریک کرنا بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی عقلمند آدمی اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن، مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگرسی اکابر ایک ایسی بات منوانے کے لئے کشمیر گئے تھے جو تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ میں مسلم اکثریت کے ہونے کی وجہ سے بالکل ناممکن تھی، ان کا جانا بتاتا ہے کہ یہ بات پہلے سے طے پا چکی تھی اور تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور باوجود مسلم اکثریت کے ہندوستان یونین میں شامل کی جائیں گی اور اگر یہ بات پہلے سے طے کی جا چکی تھی تو سر ریڈکلف کا ایوارڈ محض ایک دکھاوا تھا۔ ایک طے شدہ بات کے اعلان سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سازش میں کون کون آدمی شامل تھا مگر ایوارڈ سے پہلے لارڈ مونٹ بیٹن، مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگرسی اکابر کا کشمیر جا کر مہاراجہ کشمیر پر انڈین یونین میں شامل ہونے کے لئے زور دینا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ سازش ضرور تھی اور ایوارڈ سے پہلے یہ بات جانی بوجھی ہوئی تھی کہ کشمیر کا ہندوستان یونین سے ملنا ممکن ہوگا اور تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور اس بات میں روک نہیں ڈالیں گی۔ تاریخ اس ڈرامہ کو کھیلنے والوں کو یقیناً مجرم گردانے گی۔ وہ لاکھوں آدمی جو اس بددیانتی کی وجہ سے مظالم کا شکار ہوئے ہیں اُن کی روحیں عرش کے پائے پکڑ کر خدا تعالیٰ کی غیرت کو بھڑکاتی رہیں گی اور تمام دنیا کے دیانتدار مؤرخ برطانوی گورنمنٹ کے ہندوستان میں اس آخری فعل کی شناعت اور بُرائی کو آئندہ نسلوں کے سامنے بار بار پیش کرتے رہیں گے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے اس جگہ برطانوی گورنمنٹ کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ یقیناً ساری برطانوی گورنمنٹ اس سازش میں شریک نہیں ہو سکتی اور ہمیں یقین ہے کہ وہ شامل نہیں ہوگی لیکن اس امر کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ڈرامہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھیلا گیا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ اس ڈرامہ کی حقیقت کو سمجھ سکتی تھی اور سمجھتی تھی اور اس نے ان ایکٹوں کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کوئی شخص یہ نہیں

کہہ سکتا تھا کہ یہ لوگ صرف اس خیال سے کشمیر جاتے تھے کہ ممکن ہے گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلیں ہندوستان یونین میں چلی جائیں۔ جب لارڈ مونٹ بیٹن کا یہ اعلان موجود تھا کہ کسی جگہ کی کسی قوم کی اکثریت کو دوسری قوم کا غلام نہیں بنایا جائے گا تو اپنے اس اعلان کے بعد لارڈ مونٹ بیٹن کو یہ شُبہ ہی کس طرح ہوسکتا تھا کہ تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ کی مُسلم اکثریت ہندوستان یونین میں چلی جائے گی اور اس طرح کشمیر کو ہندوستان یونین میں ملانے کا موقع مل جائے گا۔ جب لارڈ مونٹ بیٹن نے یہ اعلان کیا تھا کہ گورداسپور میں مسلمانوں کی اکثریت ۵۱ فیصدی سے بھی کم ہے تو اُسی وقت احمدیہ جماعت کی طرف سے اُن کو تار دی گئی تھی کہ ضلع گورداسپور میں مسلمانوں کی تعداد ۵۳ فیصدی ہے مگر آپ نے اپنے اعلان میں ۵۱ فیصدی سے بھی کم قرار دیا ہے۔ آپ گورنمنٹ آف انڈیا کی شائع شدہ مردم شماری کی رپورٹ دیکھیں اس میں صاف طور پر ضلع گورداسپور کی مسلم آبادی ۵۳ فیصدی سے زیادہ لکھی ہوئی ہے یا تو آپ اپنے بیان کی تردید کریں ورنہ دنیا یہ شُبہ کرے گی کہ آپ نے بیان دیدہ دانستہ دیا ہے اور ضلع گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کرانے کی بنیاد ڈالی ہے۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے احمدیہ جماعت کے اس احتجاج کا کوئی جواب نہ دیا اور واقف کاروں کے دل میں اُسی وقت یہ احساس پیدا ہوگیا کہ تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور کے ہندوستان میں شامل ہونے کا فیصلہ ہوچکا ہے اور آئندہ جو کچھ بھی ہوگا محض ایک ڈرامہ ہوگا، ایک کھیل ہوگا اور اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ کیا لارڈ مونٹ بیٹن میں یہ جرأت ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ وہ اعداد و شمار جو انہوں نے گورداسپور کی مسلم آبادی کے متعلق پریس کانفرنس میں بیان کئے تھے سنسس رپورٹ (CENSUS REPORT) کے مطابق ہیں اور کیا وہ اس بات کا انکار کر سکتے ہیں کہ احمدیہ جماعت نے اُسی وقت ان کے سامنے پروٹسٹ کیا تھا اور انہوں نے پروٹسٹ کا جواب تک نہ دیا۔

بہرحال جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کشمیر کو ہندوستان یونین میں ملا دینے کا فیصلہ برطانوی حکومت کے بعض نمائندے اور کانگرس مشترکہ طور پر پہلے سے کر چکے تھے اس کے بعد جو کچھ کیا گیا ہے وہ محض دکھاوا اور کھیل ہے مگر بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی۔ کشمیر کو ہندوستان یونین میں ملا

دینے کا فیصلہ صرف کشمیر کی خاطر نہیں کیا گیا بلکہ اس لئے کیا گیا ہے کہ صوبہ سرحد کے ساتھ ہندوستان یونین کا تعلق قائم ہو جائے۔ صوبہ سرحد میں سرخ پوشوں (RED SHIRTS) کے ذریعہ سے کانگرس کی تائید میں ایک جال پھیلایا گیا ہے۔ عبدالغفار خان[20] کے ذریعہ سے لاکھوں روپیہ کانگرس سرحد پر تقسیم کر رہی ہے۔ نومبر ۱۹۴۶ء میں بعض انگریز اور امریکن اخبار نویسوں نے ہمارے نمائندہ سے خواہش کی تھی کہ وہ اس بات کا پتہ لے کہ فقیرا پی حقیقت میں کانگرس کے ساتھ ہے یا مُسلم لیگ کے ساتھ اس پر ہمارا نمائندہ پشاور اور پشاور سے ہوتے ہوئے ڈیرہ اسماعیل خان گیا تھا وہاں اسے ایک ذمہ دار افسر نے فقیرا پی کے ایک رشتہ کے بھائی سے ملوایا اور اس نے یہ بات بیان کی کہ چند دن پہلے کانگرس کا ایک نمائندہ پینتالیس ہزار روپیہ لے کر فقیرا پی کو دینے کیلئے گیا ہے مگر ساتھ ہی اس نے یہ بات بھی بڑھا دی کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ فقیرا پی بڑے جوشیلے مسلمان ہیں، وہ کانگرس کا روپیہ نہیں لیں گے مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنہوں نے روپیہ لیا اور اَب وہ کانگرس کی طرف سے کام کر رہے ہیں۔

اب تین طاقتیں پاکستان کے خلاف صوبہ سرحد میں کام کر رہی ہیں۔ پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبہ میں سرخ پوشوں کی جماعت، آزاد سرحد میں فقیرا پی کے لوگ اور افغانستان میں وہ پارٹی جو افغانستان کی سرحدوں کو سندھ تک بڑھا دینے کی تائید میں آوازیں اُٹھا رہی ہے۔ افغانستان کی فوجی طاقت ہرگز اتنی نہیں کہ وہ پاکستان میں داخل ہو کر سندھ کو فتح کر سکے۔ یہ فریب اسے ہندوستان کے بعض آدمیوں نے دیا ہے اور سکیم یہ ہے کہ خدانخواستہ اگر کشمیر کی آزادی کی تحریک کو کچل دیا جائے اور ہندوستان یونین کا اثر کشمیر کی آخری سرحدوں تک پہنچ جائے تو وہاں سے روپیہ اور اسلحہ شمال مغربی صوبہ میں پھیلایا جائے اور سرحد پار کے قبائل میں پھیلایا جائے۔ اس اسلحہ اور روپیہ کے قبول کرنے کیلئے زمین تیار ہے اور اس اسلحہ اور روپیہ کو پھیلانے کیلئے آدمی بھی میسر ہیں۔ جب یہ سکیم مکمل ہو جائے گی تو اُدھر سے سرحد میں بغاوت کرا دی جائے گی۔ اِدھر سے فقیرا پی کے ساتھ سرحدی صوبہ میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے اور تیسری طرف کشمیر کی طرف سے ڈوگرے اور سِکھ سپاہی فوج سے چوری بھاگ بھاگ کر ضلع ہزارہ اور راولپنڈی پر حملے شروع کر دیں گے۔ نتیجہ ظاہر ہے پاکستان کی حالت اگر مشرقی سرحد

سے سِکھ بھی حملے کرنے لگ جائیں تو صرف اس مصالحہ کی سی رہ جائے گی جو شامی کباب (سینڈوچ) کے پیٹ میں بھرا ہوا ہوتا ہے اور ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایسی خطرناک صورت ہوگی کہ اس سے بچنا نہایت اور نہایت ہی مشکل ہوگا۔ تقسیم پنجاب سے پہلے کی سوچی ہوئی یہ سکیمیں ہیں اور شطرنج کی سی چال کے ساتھ ہوشیاری کے ساتھ اس سکیم کو پورا کیا جا رہا ہے۔ ہم نے وقت پر اپنے اہل وطن کو ہوشیار کر دیا ہے زمانہ بتا دے گا کہ جو بات آج عقل کی آنکھوں سے نظر آ رہی ہے، کچھ عرصہ کے بعد واقعات بھی اس کی شہادت دینے لگیں گے۔ ہمارے نزدیک اِس کا علاج یقیناً موجود ہے اور حکومت پاکستان اب بھی اپنی مات کو جیت میں تبدیل کر سکتی ہے۔ اب بھی وہ ان منصوبوں کے بد اثرات سے محفوظ رہ سکتی ہے کیا کسی کے کان ہیں کہ وہ سنے، کسی کی آنکھیں ہیں کہ وہ دیکھے، کوئی دل گردے والا انسان ہے جو ہمت کر کے اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے کھڑا ہو جائے؟

(الفضل لاہور ۱۴؍نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سپریم کمانڈ کا خاتمہ

اخبارات میں یہ اعلان ہوا ہے کہ ۳۰ رنومبر سے سپریم کمانڈ کا خاتمہ کر دیا جائے گا ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ سپریم کمانڈ کے خاتمہ کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان یونین سپریم کمانڈر کے ساتھ تعاون نہیں کرتی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب کہ ہندوستان یونین سپریم کمانڈ کے ختم کر دینے پر راضی ہے، پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے سپریم کمانڈ کے ختم کرنے پر اعتراض کیا گیا ہے۔ مسلمان اخبارات میں سے بعض نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا ہے کہ سپریم کمانڈ کو ختم کر دیا گیا ہے۔ سپریم کمانڈ کے ختم کرنے کی رپورٹیں دیر سے آرہی ہیں۔ اکتوبر کے شروع میں یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ سپریم کمانڈ کو اکتوبر کے آخر میں ختم کر دیا جائے گا۔ اُس وقت ہم نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے اس خبر کی تصدیق کرنی چاہی تو ہمیں بتایا گیا کہ سپریم کمانڈ کے خاتمہ پر ہندوستان یونین اور پاکستان دونوں متفق ہوگئے ہیں ہم نے ذمہ دار افسروں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ یہ قدم غلط ہے افسروں اور سامان کے تقسیم کرنے کے بغیر مُلک کے تقسیم کرنے سے جو دھکا پہنچا ہے، وہی بات سپریم کمانڈ کے ختم کرنے پر پیدا ہو جائے گی۔ جو کچھ مشرقی پنجاب میں ہوا اس کی وجہ زیادہ تر یہی تھی کہ پاکستان اور ہندوستان کے سامان اور سپاہیوں کے تقسیم ہونے سے پہلے ہی دونوں حکومتیں آزاد ہوگئیں۔ پاکستان کا سپاہی ہندوستان میں تھا، ان کا سامان بھی ہندوستان میں تھا اس لئے سکھ خوب سمجھتا تھا کہ میں جتنا بھی خون خرابہ کروں گا اُس کو روکنے والا کوئی نہیں۔ باؤنڈری فورس کا خاتمہ بھی اِس کا بہت کچھ ذمہ دار تھا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باؤنڈری فورس چونکہ لارڈ مونٹ بیٹن کے ماتحت رکھی گئی تھی اِس لئے اُس نے بہت کچھ ہندوستان یونین کی رعایت کی لیکن پھر بھی بوجہ اس کے کہ اس میں مسلمان فوج بھی کچھ نہ کچھ موجود تھی اس کے ہوتے ہوئے اتنا ظلم نہیں ہوسکا جتنا کہ اس کے بعد

ہوا۔ باؤنڈری فورس کے ختم ہوتے ہی تباہی پر تباہی آنی شروع ہو گئی۔ ہم حیران تھے کہ باؤنڈری فورس کو امن کے قیام سے پہلے ختم کیوں کیا گیا ہے حالانکہ مشکلات کا اصل حل یہ نہیں تھا کہ باؤنڈری فورس کو ختم کیا جائے بلکہ اصل حل یہ تھا کہ باؤنڈری فورس گورنر جنرل ہندوستان اور گورنر جنرل پاکستان دونوں کے ماتحت ہو۔ تیسرے ممبر اس میں سپریم کمانڈر شامل کر لئے جاتے یا اگر دونوں گورنر جنرل اِس قدر وقت نہ دے سکتے تو دونوں گورنر جنرلوں کے نمائندے سپریم کمانڈر کے ساتھ مل کر اِس فورس کا انتظام کرتے اور یہ فورس اُس وقت تک نہ ہٹائی جاتی جب تک کہ دونوں مُلکوں کے پناہ گزین اپنی اپنی جگہوں پر نہ پہنچ جاتے۔ اگر ایسا کیا جاتا تو ہمارا خیال ہے کہ نہ اتنی خونریزی ہوتی اور نہ اتنا علاقہ خالی ہوتا۔ ایسی صورت میں ہمارے نزدیک کچھ نہ کچھ مسلمان مشرقی پنجاب میں بیٹھے رہنے اور کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کے جوش ٹھنڈے ہو جانے کی وجہ سے وہ مستقل طور پر وہاں بیٹھ سکتے تھے۔ باؤنڈری فورس کا خاتمہ ایسی جلدی سے ہوا کہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں میں سے اکثر باوجود اس کے کہ دو دن پہلے وہ اپنے شہر میں بیٹھ رہنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس دہشت کی وجہ سے کہ باؤنڈری فورس ختم ہوگئی، اب خبر نہیں کیا ہوگا، دو دن کے اندر اندر شہروں سے نکل کر کیمپوں میں چلے گئے۔ جتنی دہشت باؤنڈری فورس کے ختم ہونے سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئی ہے اور کسی بات سے اُتنی دہشت پیدا نہیں ہوئی سوائے گورداسپور کے جس کا فیصلہ یکدم ہوا۔ باقی لوگ پہلے سے جانتے تھے کہ ہم مشرقی پنجاب میں آ چکے ہیں لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ کچھ عرصہ تک باؤنڈری فورس کی وجہ سے ایک قسم کی حفاظت ان کو حاصل رہے گی لیکن یہ اعلان ہوتے ہی کہ دو دن کے اندر باؤنڈری فورس ختم ہو جائے گی ان کے سوچنے کی قوت بالکل ماری گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ہمارے لئے قیامت آ گئی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کچھ تو یوں بھی تباہی آنی تھی رہی سہی کسر باؤنڈری فورس کے اتنی جلدی ٹوٹنے نے نکال دی۔ اگر باؤنڈری فورس کی اصلاح کی جاتی۔ مسلمان فوج کی نسبت بڑھانے پر اصرار کیا جاتا اور اس کی نگرانی لارڈ مونٹ بیٹن کی بجائے دونوں گورنر جنرل یا ان کے نمائندوں اور سپریم کمانڈر کے سپرد کی جاتی تو یہ خونریزی جو اَب ہوئی ہے ہمارے خیال میں اس سے بہت کم ہوتی۔ یقیناً خونریزی باؤنڈری فورس کی موجودگی

میں بھی ہوتی اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ خونریزی بہر حال ہونی تھی اور ہوئی مگر سوال صرف اس بات کا ہے کہ تیس اور اکتیس اگست کو جو دہشت مشرقی پنجاب کے مسلمانوں میں پیدا ہوئی وہ باؤنڈری فورس کے توڑنے کا خالص نتیجہ تھا اور اُس نے اِس تمام مقاومت کی کمر توڑ دی جو بعض جگہ کے مسلمان پیش کرنے کیلئے تیار تھے۔

سپریم کمانڈ کے توڑنے میں بھی یہی خطرات ہیں پاکستان کی فوج کا بہت سا حصہ تو اِدھر آ چکا ہے لیکن پاکستان کا بہت سا سامان ابھی ہندوستان میں پڑا ہے بعض غیر ضروری سامان ایسا بھی ہے جو پاکستان کے پاس زیادہ ہے اور ہندوستان میں کم ہے لیکن ضروری سامان زیادہ تر ہندوستان یونین میں پڑا ہے۔ پاکستان کے گولہ بارود کا حصہ پچھتر ہزار ٹن یعنی قریباً ۲۱ لاکھ من اب تک ہندوستان یونین میں ہے اور توپ خانے کا بہت سا سامان اور ہوائی جہازوں کا بہت سا سامان اور بحری فوج کا بہت سا سامان ابھی انڈین یونین کے پاس ہے۔ اس سامان کے بغیر پاکستان کی حفاظت کی کوئی کوشش نہیں کی جاسکتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سپریم کمانڈ نے پورے انصاف سے کام نہیں لیا اور جس سرعت سے پاکستان کو سامان مہیا ہونا چاہئے تھا اُس سرعت سے پاکستان کو سامان مہیا نہیں کیا اور جس نسبت سے پاکستان سے سامان نکالنا چاہئے تھا اس نسبت سے زیادہ تیزی کے ساتھ پاکستان سے سامان نکالا گیا ہے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ نسبت قائم رکھی گئی ہے۔ اگر سپریم کمانڈ ختم ہوگئی تو پاکستان کے سامان کا بھجوانا کُلّی طور پر ہندوستان یونین کے ہاتھ میں ہوگا۔ کیا کوئی سمجھدار انسان کہہ سکتا ہے کہ جنرل آخنلیک پاکستان کے جس سامان کو ہندوستان یونین سے پاکستان کی طرف نہیں بھجوا سکتا، اس کو سردار بلدیو سنگھ بھجوا دیں گے۔ یہ اتنی غلط بات ہے جس کو ہر چھوٹی سے چھوٹی عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان گورنمنٹ جو پہلے خود سپریم کمانڈ کے توڑنے کی تائید میں تھی اب اُس وقت تک اس کمانڈ کے توڑنے کی تائید میں نہیں جب تک کہ پاکستان کا سامان پاکستان کو نہ مل جائے اور یہ فیصلہ پاکستان گورنمنٹ کا بالکل عقل کے مطابق ہے اور ہمارے نزدیک پاکستان گورنمنٹ کو اصرار کرنا چاہئے کہ جب باہمی سمجھوتہ سے ایک تاریخ مقرر ہو چکی ہے تو اُس وقت تک سپریم کمانڈ کو توڑنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اگر ہندوستان یونین اس سے پہلے

سپریم کمانڈ کو توڑنا چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ جلدی سے ہمارا سامان ہمارے حوالے کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو وہ خود سپریم کمانڈ کو قائم رکھنے کے سامان پیدا کرتی ہے۔ آخر ہندوستان یونین اکیلے تو کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی۔ پاکستان گورنمنٹ کو برٹش گورنمنٹ پر زور دینا چاہئے کہ اگر تم سپریم کمانڈ کو ہمارے سامان کے ملنے سے پہلے ختم کرتے ہو تو تم نہ صرف ایک معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہو بلکہ ان خطرناک نتائج کے پیدا کرنے کے بھی ذمہ دار ہو جو سپریم کمانڈ کے خاتمہ کے نتیجہ میں پیدا ہوں گے۔ اگر تم اس کو ختم کرنا چاہتے ہو تو ہمارا حصہ جو ہندوستان یونین سے ہمیں ملنے والا ہے یا ان سے فوراً دلواؤ یا اپنے پاس سے دو۔ آخر برطانوی گورنمنٹ کے وعدہ کی کوئی تو قیمت ہونی چاہئے اگر وہ اتنی ہی نامرد ہوچکی ہے اور اتنی ہی بے بس ہوچکی ہے تو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سمجھوتہ کرانے میں اُس نے دخل ہی کیوں دیا۔ جب ہندوستان یونین کے ظلموں پر پاکستان شکایت کرتا ہے تو برطانوی گورنمنٹ اور برطانوی ڈومینین اپنی بے بسی کا اظہار کر دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ تمہارا اندرونی معاملہ ہے اور جب ایک ایسا معاہدہ جو ہندوستان اور پاکستان اور برطانیہ کے مشورہ سے ہوا تھا اسے توڑا جاتا ہے تو برطانوی گورنمنٹ یہ کہہ دیتی ہے کہ چونکہ ہندوستان نہیں مانتا اس لئے ہم سپریم کمانڈ کو ختم کرتے ہیں۔ کیا برطانوی گورنمنٹ کی سیاست آئندہ اسی نقطہ پر چکر کھائے گی کہ ہندوستان یونین کیا چاہتی ہے اور کیا نہیں چاہتی اگر برطانوی گورنمنٹ کی آئندہ یہی پالیسی ہوگی تو اسے اس کا اعلان کر دینا چاہئے۔ آخر ایک ایسا فیصلہ جو تین طاقتوں نے مل کر کیا تھا اسے ایک طاقت کے کہنے سے کس طرح توڑا جاسکتا ہے اور انصاف کا کون سا قانون ایسا کرنے کی تائید کرتا ہے۔ ہم ان مسلمان اخبارات سے بھی پوچھتے ہیں جو سپریم کمانڈ کے توڑنے پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں بتائیں کہ پاکستان کا اتنا سامان جو ابھی ہندوستان یونین کے پاس ہے، سپریم کمانڈ کے ٹوٹنے کے بعد اس کے لانے کی کیا ترکیب ہوگی۔ کیا ان کے نزدیک فیلڈ مارشل آخنلیک جو سامان نہیں بھجوا سکا، سردار بلدیو سنگھ اس کو بھجوا سکیں گے؟ اگر ان کے نزدیک سردار بلدیو سنگھ پر زیادہ اعتبار کیا جاسکتا ہے تو ہمارے نزدیک پاکستان کے قیام کی غرض ہی کوئی نہ تھی اور اگر سردار بلدیو سنگھ صاحب کے ہاتھوں سے اس سامان کا پاکستان کی طرف آنا زیادہ

مشکل ہو جائے گا تو سپریم کمانڈ کے توڑنے پر خوشی کے اظہار کے معنے کیا ہیں کیا ہم صرف اس لئے کہ انگریز نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے اپنا نقصان کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے؟ اگر تو سوال یہ ہو کہ معاملہ انگریز کے ہاتھ میں رہے یا مسلمان کے ہاتھ میں؟ تو ہم سمجھتے ہیں کہ سارے مسلمان اِس بات پر اتفاق کریں گے کہ مسلمان کے ہاتھ میں رہنا زیادہ بہتر ہے لیکن اگر سوال یہ نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ ہندوستان یونین سے پاکستان کا مال بھجوانے کا اختیار فیلڈ مارشل آخنلیک کے ہاتھ میں ہو یا سردار بلدیو سنگھ کے ہاتھ میں؟ تو جواب بالکل ظاہر ہے۔ جس طرح پہلے سوال کے جواب میں مسلمانوں کے اندر اختلافِ رائے کم ہی ہوگا، اسی طرح ہمارے نزدیک اس سوال کے جواب میں بھی کوئی سمجھدار انسان اختلاف نہیں کرسکتا قریباً سب مسلمانوں کا جواب یہی ہوگا کہ اگر سردار بلدیو سنگھ اور فیلڈ مارشل آخنلیک کا سوال ہے تو ہم فیلڈ مارشل آخنلیک پر زیادہ اعتبار کر سکتے ہیں بہ نسبت سردار بلدیو سنگھ صاحب کے۔ پاکستان ابھی کمزور ہے اور وہ اپنا حق اس دلیری سے نہیں لے سکتا جیسا کہ دیر سے قائم شدہ حکومتیں لیا کرتی ہیں لیکن یہ بات صاف اور سیدھی ہے کہ اگر فیلڈ مارشل آخنلیک ہمارا تیس فی صدی نقصان کریں گے تو سردار بلدیو سنگھ ہمارا ستر فی صدی نقصان کریں گے۔ پس اس صورت حالات کے ہوتے ہوئے پاکستان کے دوستوں میں سے بعض کا یہ کہنا کہ شکر ہے سپریم کمانڈ توڑ دی گئی، صرف اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے واقعات کو پورے غور سے نہیں دیکھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان میں جو ہندوستان یونین کا سامان ہے ہم اسے روک سکتے ہیں ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ پاکستان میں ہندوستان یونین کا جو سامان ہے وہ زیادہ تر دوائیوں وغیرہ کی قسم کا ہے لیکن ہندوستان یونین میں جو پاکستان کا سامان ہے وہ گولہ بارود اور توپوں اور طیاروں اور بحری جہازوں کی قسم کا ہے۔ دونوں کی قیمت کا کوئی موازنہ ہی نہیں جو چیزیں ہمارے پاس ہیں ان کے بغیر ہندوستان یونین ایک حد تک گزارہ کرسکتی ہے لیکن جو چیزیں ان کے پاس ہیں ان کے بغیر پاکستان گزارہ نہیں کرسکتا۔ ہم اگر حقیقت حال پر پوری روشنی ڈالیں تو اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم ایک ایسی چیز کو ظاہر کر رہے ہیں جو حکومت کا راز ہے۔ ہم نے بعض ذرائع سے پاکستان کی طاقت جو سامان کے لحاظ سے ہے، وہ معلوم کر لی ہے

لیکن ہم اس کا ظاہر کرنا نہ دشمن کے نقطۂ نگاہ سے درست سمجھتے ہیں نہ دوست کے نقطۂ نگاہ سے، اس لئے ہم اس کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ مگر ہم یہ ضرور کہہ دینا چاہتے ہیں کہ پاکستان کو ان سامانوں کی اشد ضرورت ہے جو اس کے حصہ میں آ تو گئے ہیں لیکن ہندوستان یونین میں پڑے ہیں۔ پاکستان کے توپ خانہ والا حصہ بہت ہی کمزور ہے نہ اس کے پاس پورا سامان ہے، نہ پورا گولہ بارود ہے، نہ مسلمان ٹرینڈ افسر ہیں کسی صورت میں بھی توپ خانہ کے حصہ کو مسلمان افسر سنبھال نہیں سکتا۔ توپ خانہ کا بڑے سے بڑا مسلمان افسر میجر کی حیثیت رکھتا ہے حالانکہ تجربہ کار کمانڈ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک میجر جنرل کے ہاتھ میں ہو۔ پیادہ فوج میں ایسے مسلمان افسر موجود ہیں جو یا تو میجر جنرل ہیں یا میجر جنرل بنائے جا سکتے ہیں لیکن توپ خانہ میں نہ تو بڑے درجہ کے مسلمان افسر موجود ہیں نہ اتنے افسر موجود ہیں جو سارے توپ خانہ کے کام کو چلا سکیں اور نہ اتنا سامان موجود ہے جس سے توپ خانہ کے حصہ کو محفوظ سمجھا جا سکے۔ افسر تو ہندوستان یونین ہمیں دے نہیں سکتی نہ ہم اس سے لے سکتے ہیں مگر اتنی کمزوری کے باوجود اگر سامان کی بھی کمزوری پیدا ہوگئی تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ پس ہمارے نزدیک مسلمان پبلک کو ایک آواز کے ساتھ پاکستان گورنمنٹ پر زور دینا چاہئے کہ وہ برطانوی گورنمنٹ پر زور دے کہ وہ ہندوستان یونین کے معاہدہ کے توڑنے کی بناء پر وہ سپریم کمانڈ کو توڑنے کا کوئی حق نہیں رکھتی۔ اسے یا تو ہندوستان یونین سے ہمارا سامان تیس نومبر سے پہلے دلوانا چاہئے یا اپنے پاس سے وہ سامان ہم کو دینا چاہئے۔ نہیں تو اگر اس کے اندر کوئی شرافت باقی ہے تو اسے صاف کہہ دینا چاہئے کہ سپریم کمانڈ کو نہیں توڑا جائے گا، جب تک پاکستان کا کل سامان ہندوستان یونین اس کو ادا نہیں کر دیتی۔

جوناگڑھ، انڈین یونین اور گاندھی جی

گاندھی نے ۱۱؍ نومبر کی شام کو پرارتھنا[۲۱] کے بعد تقریر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

''کل کے اخبارات میں مندرجہ بیانات کے مدنظر جوناگڑھ کے وزیراعظم اور نائب وزیر کا ہندوستانی حکومت کو ریاست جوناگڑھ کے اختیارات سونپ دینا میرے نزدیک ہرگز

بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آزاد ہند میں تمام علاقے عوام کی مُلکیت ہیں اور کوئی شہزادہ یا فردِ واحد اس مُلکیت کی اجارہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نواب جوناگڑھ، مہاراجہ کشمیر اور نواب حیدرآباد تینوں میں سے کسی کو حق نہیں کہ وہ اپنے عوام کی مرضی کے خلاف کسی یونین سے الحاق کا فیصلہ کر لے''۔

ہم حیران ہیں کہ گاندھی جی نے یہ دو متضاد باتیں ایک ہی وقت میں کس طرح فرما دیں۔ اگر یہ درست ہے کہ آزاد ہند میں تمام علاقے عوام کی ملکیت ہیں اور کوئی شہزادہ یا فردِ واحد اس ملکیت کی اجارہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ وہ عوام کی مرضی کے خلاف کسی یونین میں شامل ہوسکتا ہے تو پھر بلا منطقی تخالف کے یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جوناگڑھ کے وزیراعظم اور نائب وزیر کا ہندوستانی حکومت کو ریاست کے اختیارات سونپ دینا درست ہے۔ کیا جوناگڑھ کا وزیراعظم یا نائب وزیر جوناگڑھ کے عوام کے نمائندہ ہیں یا کیا وہ نواب صاحب جوناگڑھ کے نمائندہ ہیں؟ اگر یہ درست ہے کہ وہ عوام کے نمائندہ نہیں اور نواب صاحب کے نمائندہ ہیں تو ظاہر ہے کہ گاندھی جی کے پہلے اصول کے مطابق کہ آزاد ہند کے علاقے عوام کی ملکیت ہیں اور کوئی شہزادہ یا فردِ واحد اس ملکیت کی اجارہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ کسی ڈومینین[22] سے اپنے عوام کی مرضی کے بغیر الحاق کر سکتا ہے تو ایک فردِ واحد یا دو افراد جو عوام کے نمائندے نہیں کس طرح ریاست کی ریاست کسی یونین کے حوالے کر سکتے ہیں کیا جو بین الاقوامی اصول خود گاندھی جی نے پیش کیا ہے اس کے رو سے وزرائے جوناگڑھ کا یہ فعل اس قانون کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے خاص کر جبکہ جوناگڑھ کے معاملہ میں ریاست کا حکمران پاکستان سے اِلحاق کر چکا ہے اگر حکمران کا اِلحاق درست نہیں تو حکومت ہند کا خاص کر ایسی صورت میں اختیارات پر ریاست نواب جوناگڑھ کے مقرر کردہ وزراء کے توسط سے قبضہ کر لینا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ خواہ کوئی وزیر، وزیراعظم ہی کیوں نہ ہو ہمیں تو گاندھی جی کی اِس منطق کی سمجھ نہیں آئی۔ کیا گاندھی جی اِن دونوں متضاد باتوں میں تطبیق دے سکتے ہیں۔

اس بے اصولی اور متضاد بیانی کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ہندوستانی حکومت طاقت کے دکھاوے اور غلط منطق کے بل پر نہ صرف جوناگڑھ اور حیدرآباد کو جہاں مسلم حکمران ہیں اور

ہندوؤں کی اکثریت ہے بلکہ مسلمان اکثریت والی ریاست کشمیر کو بھی جس کا حکمران ہندو ہے بیک وقت ہڑپ کر جانا چاہتی ہے اور اس سیاسی قمار بازی میں جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے فریب کا پانسہ پھینکتی چلی جاتی ہے اور آخر کار پاکستان کو کمزور کر کے مسلمانوں سے وہ پانچ صوبے بھی ہتھیا لینا چاہتی ہے جو لنڈورے[۲۳] کر کے ان کو ملے ہیں۔

اسی بیان میں گاندھی جی نے جونا گڑھ کے اختیارات پر غاصبانہ قبضہ جمانے پر انتہائی خوشی کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس معاملہ کا یہ پہلو نہایت خوشکن ہے کہ انجام اس طرح ہوا ہے افسوس ہے کہ ہم آپ کی اس خوشی میں شامل نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر گاندھی جی ہندوستانی حکومت کو دستی وار کرنے سے روک سکتے تو ہمارے لئے بھی باعث صد مسرت ہوتا کیونکہ ہندوستان کے موجودہ مصائب حکومت ہندوستان کی متواتر ٹیڑھی رفتار کا براہِ راست نتیجہ ہیں۔

(الفضل لاہور ۱۵ر نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مسٹر ایٹلی[۲۴] کا بیان

مسٹر ایٹلی انگلستان کے وزیرِاعظم نے پاکستان اور ہندوستان کے متعلق حال میں جو بیان ایک مجلسی تقریب میں دیا ہے، اس میں کہا ہے کہ ہندوستانی لیڈروں کے باہمی فیصلہ کے مطابق ہندوستان تقسیم ہوا اور دو علیحدہ علیحدہ ڈومینن وجود میں آئیں اب یہ ہمارے لئے سخت تکلیف کا باعث ہے کہ تقسیم کے بعد ایسے خطرناک فرقہ وارانہ اختلافات نے سر اُٹھایا ہے جو شدید قسم کے جانی نقصان کا موجب ہو رہے ہیں۔

اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وزیرِاعظم مسٹر ایٹلی بھی ان واقعات کو جو تقسیم ہندوستان کے بعد یہاں رونما ہوئے ہیں اچھی طرح جانتے ہیں اگرچہ آپ نے اپنے بیان میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے کسی واحد ڈومینن کو ان ہولناک واقعات کا ذمہ دار ٹھہرانے سے گریز کیا ہے پھر بھی یہ ناممکن ہے کہ آپ کو اب تک صحیح صورتِ حال کی تفہیم نہ ہوئی ہو۔

آپ نے اپنے بیان میں ان ہولناک واقعات کی تمام ذمہ داری دونوں ڈومنینز پر مشترکہ طور پر ڈالی ہے اور ان فرائض کو جو حکومت برطانیہ پر بوجہ برطانوی دولت مشترکہ کے مرکز ہونے کے عائد ہوتے ہیں اُن کو اپنے بیان میں بالکل نہیں چھیڑا حالانکہ پاکستان اور ہندوستان نو آبادیوں کا اس دولت مشترکہ کا حصہ ہونے کی وجہ سے برطانوی حکومت کا فرض ہے کہ موجودہ ہولناک واقعات کے متعلق برطانوی حکومت کی پالیسی پر پوری پوری روشنی ڈالے اور جو کچھ اس سے ہوسکتا ہے ان ہولناک واقعات کو روکنے کیلئے کوئی معین قدم اُٹھائے۔

مسٹر ایٹلی کی نظر سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہونی چاہئے کہ شروع ہی سے ہندوستانی ڈومینن نے جارحانہ روش اختیار کی ہوئی ہے اور جہاں تک ممکن ہے پاکستان کو کمزور اور ناکارہ بنانے کے لئے جائز و ناجائز ہر قسم کے طریقے اختیار کر رہی ہے ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ برطانوی مقتدر

سیاسی لیڈروں نے اس حقیقت کو جانتے ہوئے اس کے متعلق کیا سوچا ہے اور عملاً کیا قدم اُٹھایا ہے۔ ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ بظاہر وہ بے تعلق تماشائیوں کی سی روش اختیار کئے ہوئے ہیں اور ان فرائض سے بالکل بے پروا ہیں جو دولت مشترکہ میں مرکزی حیثیت رکھنے کی وجہ سے ان پر عائد ہوتے ہیں۔ دنیا کے سیاسی حلقوں میں برطانوی حکومت کی یہ بے حسی ضرور قابل پُرسش سمجھی جائے گی اور اس کو اس بات کو واضح کرنے کیلئے ضرور توقع کی جائے گی کہ وہ اپنے فرائض کو جو بوجوہاتِ بالا اس پر عائد ہوتے ہیں ادا کرنے کیلئے کیا کیا اقدامات لے رہی ہے۔ بفرض محال اگر کینیڈا اور آسٹریلیا کے درمیان اس قسم کی کشمکش شروع ہو جائے جس قسم کی کشمکش اب ہندوستان اور پاکستان کے مابین ہو رہی ہے تو کیا حکومت برطانیہ اس قسم کی بے حسی کا مظاہرہ کرے گی جس قسم کی بے حسی وہ ان دونوں ڈومینینز کی صورت حال کے متعلق دکھا رہی ہے۔ یقیناً اس کا رویہ موجودہ رویہ سے اس صورت میں بالکل مختلف ہوگا اور وہ کینیڈا اور آسٹریلیا کے باہمی آویزش [۲۵] کے وقت ضرور حرکت میں آئے گی اور ضرور دونوں کے تعلقات کے مسائل کو سلجھانے کے لئے مؤثر طریقے اختیار کرے گی۔ کیا یہ بات تعجب میں ڈالنے والی نہیں ہے کہ وہ پاکستان اور ہندوستان کی باہمی آویزش کے متعلق بے تعلق تماشائیوں کی سی حیثیت اختیار کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر رہی۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سوال معین صورت میں کسی ڈومینن کی طرف سے اس کے سامنے پیش نہیں ہوا۔ پاکستان حکومت نے پچھلے دنوں خاص طور پر ان معاملات کی طرف اس کی توجہ دلائی تھی اور دولت مشترکہ کے تمام ممبروں سے فرقہ وارانہ سوال کو حل کرنے کی استدعا کی تھی۔ اُس وقت برطانوی حکومت کے لئے صریحاً ایک ایسا موقع پیدا ہو گیا تھا کہ اگر اس معاملہ میں اُس کی نیتیں درست ہوتیں تو وہ کوئی نہ کوئی عملی قدم اُٹھاتی اور اس خدا کی مخلوق کو کسی حد تک ان مصائب سے بچا لیتی جن کا سلسلہ دن بدن بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور کسی طرح کم ہوتا نظر نہیں آتا حالانکہ اس کا فرض تھا کہ دولت مشترکہ کے ان دو ممبروں کے درمیان توازن قائم کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتی۔

ان وجوہات کے پیش نظر مسٹر ایٹلی کا بیان کم از کم پاکستان کے نقطۂ نظر سے نہایت مایوس کُن ہے کیونکہ تمام دنیا اب اس حقیقت کو جان چکی ہے کہ ہندوستانی حکومت کی جارحانہ

روش ہی ان تمام مصائب اور ہولناک واقعات کی ذمہ دار ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان کی تقسیم ہندوستانی لیڈروں کی باہمی رضامندی سے عمل میں آئی تھی لیکن محض اس کا ذکر کر دینے سے برطانیہ ان ہولناک واقعات کی جواب دہی سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ اس سے تو اُلٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دیدہ دانستہ اپنے فرائض کی ادائیگی سے گریز کر رہا ہے۔ دو ڈومینینز کی باہمی چپقلش کا تماشہ اس کی ضیافت دیدہ وگوش کے لئے دلچسپ سامان سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا اور ان کو خاص کر پاکستان کو ان کے باہمی رضامندانہ فیصلہ پر متفق ہونے کی سزا دے رہا ہے کیونکہ متفقہ فیصلہ کی وجہ سے ہندوستان کی آزادی کو مزید التواء میں ڈالنے کے لئے اس کے پاس کوئی وجہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔ بظاہر بے حسی کی یہ پالیسی جو اس نے اختیار کر رکھی ہے یقیناً اس کے انتقامی جذبہ کی طرف انگشت نمائی کر رہی ہے اور وہ گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہے ''دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ غلام ہندوستان کی بیماری کیلئے آزادی کا نسخہ راس نہیں آئے گا اُلٹا بیماری کو بڑھانے والا ثابت ہوگا'' ہم کو تسلیم ہے کہ ہندوستان کے موجودہ کشت وخون کے کھیل کے لئے خود اس براعظم کے ناعاقبت اندیش کھلاڑیوں کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے لیکن غور سے دیکھنے والے آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں کہ انتقالِ اختیار کے عمل میں برطانیہ کے اربابِ حل وعقد[۲۶] نے دیدہ دانستہ ایسی روش اختیار کی جس سے ان ہولناک نتائج کا پیدا ہو جانا یقینی تھا۔ اگر پچھلی جانبدارانہ کارروائیوں کو نظر انداز کر بھی دیا جائے اور صرف ۳؍جون ۱۹۴۷ء کے بعد کے حالات کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے تقسیم کو تکمیل تک پہنچانے میں برطانیہ کی طرف سے حصہ لیا، لارڈ مونٹ بیٹن سمیت پاکستان کو کمزور سے کمزور بنانے کے لئے نہایت جانبدارانہ روح سے کام لیتے رہے ہیں۔ جس اصول پر لارڈ مونٹ بیٹن نے دونوں طرف کے لیڈروں سے رضامندانہ فیصلہ کی دستاویز پر دستخط کرائے تھے، اس اصول کی خود ہی اپنے دوسرے دن والے بیان میں لارڈ موصوف نے دھجیاں اُڑا دی تھیں جب اُنہوں نے یہ کہہ دیا کہ بعض اضلاع مثلاً گورداسپور کی صورت میں جہاں اکثریت کنارے پر ہے ردّوبدل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح پر آپ نے خود ان غیر منصفانہ دھکے شاہی کے لئے راستہ کھول دیا جس کے نتیجہ میں گورداسپور، بٹالہ اور دوسری

تحصیلوں کی مُسلم اکثریت بالکل بے دست و پا ہو کر رہ گئی اور ان مظالم کا نشانہ بنی جو سکھ اور ہندو لیڈروں نے ان پر ڈھانے کے لئے پہلے ہی سوچ رکھے تھے۔ ہم مانتے ہیں کہ جو بے انصافیاں مسلمانوں کے ساتھ ہوئی ہیں، حکومت برطانیہ مجموعی طور پر ان کے لئے قابل الزام نہیں ٹھہرائی جا سکتی اور اس کی زیادہ ذمہ داری ان دیگر مخفی یا ظاہر وجوہات پر ہے جو ہندوستانی لیڈروں کی ریشہ دوانیوں نے پیدا کیں اور تقسیم کرنے والوں پر جا و بیجا اثر ڈال کر ایسا فیصلہ کروا لیا جو ہر طرح نہ صرف انصاف کے اصولوں کے خلاف تھا بلکہ خود لارڈ مونٹ بیٹن کے ۳ /جون والے اعلان کے بھی سراسر اُلٹ تھا لیکن اس کے باوجود برطانیہ اب صرف یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا کہ یہ فیصلہ ہندوستان کے لیڈروں کی باہم رضامندی سے ہوا تھا محض اس لئے کہ مسلم لیگ نے اس فیصلہ کے خلاف اتنا شدید احتجاج نہیں کیا جتنا اس کو کرنا چاہئے تھا۔ اِس کو رضامندانہ فیصلہ نہیں کہا جا سکتا۔ ایسی صورت میں کیا برطانیہ کے لئے لازم نہ تھا کہ کم از کم لارڈ مونٹ بیٹن کے ۳ /جون والے متفقہ اعلان کی کسوٹی پر اس فیصلہ کو پرکھتا اور اپنی منصفانہ رائے کا اظہار کرتا۔ خاص کر اب جب کہ اس غیر منصفانہ فیصلہ کے بدیع نتائج روز روشن کی طرح اس کے سامنے آ چکے ہیں۔ کیا برطانیہ کا فرض نہیں ہے کہ پاکستان کے ان حدود کو قائم رکھنے کیلئے ہی اب دخل اندازی کرے جو نہایت کتر و بیونت [۲۷] کے بعد پاکستان کو حاصل ہوئے ہیں اور جس پر اس نے طوعاً و کرہاً قناعت اختیار کر لی تھی۔ اور باتوں کو چھوڑ دیجئے صرف ہندوستانی ڈومینین کی ان چیرہ دستیوں ہی کو لیجئے جو وہ اب ریاستوں کے معاملات میں پیچیدگیاں پیدا کر کے پاکستان کی ہستی کو خطرے میں ڈال رہی ہے اور اس کو کمزور سے کمزور تر کرنے کے درپے ہو رہی ہے۔ اس نے پاکستان سے جنگ برپا کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور ایسے مجرمانہ اقدامات کئے ہیں کہ ہمیں حیرانی ہے کیوں پاکستان اب تک خاموشی اختیار کئے چلا جاتا ہے اور ہندوستان کی حکومت تمام بین الاقوامی رواداریوں کو اس طرح پس پشت ڈال رہی ہے کہ اگر پاکستان کو برطانیہ سے وہ تعلق نہ بھی ہوتا جو دولت مشترکہ کا ممبر ہونے کی وجہ سے اس کو ہے تو محض انسانیت کے لحاظ سے ہی اس کا دخل دینا ناواجب قرار نہیں دیا جا سکتا تھا اس لئے مسٹر ایٹلی کے بیان سے ہم یہ نتیجہ برآمد کرنے کے ہر طرح حقدار ہیں کہ

برطانیہ خود حکومت ہندوستان کی جارحانہ کارروائیوں کو پاکستان کے **عَلَی الرَّغم** مستحسن خیال کرتا ہے اس لحاظ سے مسٹر ایٹلی کا بیان دنیائے انصاف کی عدالت میں اس کی بے حسی اور اپنے فرائض کی ادائیگی سے دیدہ و دانستہ گریز پر مبنی قرار دیا جائے گا۔

(الفضل لاہور ۱۶ رنومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

صوبہ جاتی مسلم لیگ کے عہدہ داروں میں تبدیلی

پچھلے چند دنوں سے یہ شور سنا جا رہا تھا کہ ایک طرف صوبہ جاتی مسلم لیگ کے اندر اختلافات پیدا ہو رہے ہیں تو دوسری طرف صوبائی وزارت کے اندر بھی اختلافات پیدا ہو رہے ہیں مختلف لوگوں نے ان اختلافات کو مختلف نگاہوں سے دیکھا ہوگا ایک غیر جانبدار اخبار اِن اختلافات کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوسکتا اس لئے ہم اس بارہ میں اپنے خیالات ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارے نزدیک وزارت کے اختلافات اور صوبائی مسلم لیگ کے اختلافات کی جڑ ایک ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مُسلم لیگ پاکستان کے حصول کے بعد ایک نئی تبدیلی کی محتاج ہے۔ پاکستان کا خیال ایسے وقت میں پیدا ہوا جب کہ مسلمان یہ محسوس کر چکے تھے کہ اُن کی قومی زندگی خطرہ میں ہے۔ گویا پاکستان کا خیال ایک منفی خیال تھا، مثبت خیال نہیں تھا۔ پاکستان کے خیال کی بنیاد اس امر پر نہیں تھی کہ ہم نے یہ یہ کام کرنے ہیں جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر ہم نہیں کر سکتے بلکہ پاکستان کے خیال کی بنیاد اِس بات پر تھی کہ مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان خواہ وہ کسی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھتے ہوں ترقی اور پھیلاؤ کے ذرائع ہندوؤں کے ساتھ مل کر رہتے ہوئے میسر نہیں آ سکتے تھے۔ یہ سوال کہ مسلمانوں کی ترقی کس رنگ میں ہوسکتی ہے، کیا کیا تدابیر اختیار کرنے سے مسلمانوں کے مختلف گروہ اور مختلف علاقے عزت اور آرام اور سکون حاصل کر سکتے ہیں نہ پیدا ہوا نہ اس سوال پر غور کرنے کا موقع تھا جیسے ڈاکو رات کے وقت حملہ کرتے ہیں تو شہر کے لوگ اُس وقت یہ نہیں سوچنے بیٹھتے کہ یہ کس گھر کو لوٹیں گے اگر شہر کے لوگ مقابلہ کا فیصلہ کرتے ہیں تو غریب اور امیر سارے مقابلہ میں لگ جاتے ہیں۔ غریب یہ نہیں سوچا کرتے کہ ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں ہمیں لوٹنا اُنہوں نے کیا ہے اور اگر شہر کے لوگ بھاگنے کا فیصلہ

کرتے ہیں تو امیر یہ نہیں سوچتا کہ میں اپنے مال کو خالی چھوڑے جا رہا ہوں اور غریب یہ نہیں سوچتا کہ میرے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں، ڈاکوؤں نے مجھے چھیڑنا ہی کیوں ہے یہی حال پچھلے تین چار سال میں مسلمانوں کا رہا ہے اُنہیں یہ نظر آ گیا کہ ہماری زندگی خطرہ میں ہے۔ یہ نظریہ ایک قسم کا فطری نظریہ تھا اور فطری نظریے دلیلوں کے ماتحت نہیں ہوتے۔ ماں اپنے بچہ کی آنکھوں کی طرف مذاق سے تیزی سے اُنگلی کرتی ہے تو بچہ یکدم سر پیچھے کرتا ہے اور آنکھیں بھینچ لیتا ہے۔ ماں اپنے بچہ کی آنکھ نکالنا نہیں چاہتی مگر انسان کے اندر یہ طبعی جذبہ ہے کہ جب کوئی ایسی صورت پیدا ہو جس کے نتیجہ میں نقصان کا احتمال ہو تو بغیر اس بات کے سوچنے کے کہ واقعہ میں نقصان ہوگا یا نہیں انسان کا جسم اُس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اگر فعل مذاق میں کیا گیا ہو تو اس احتیاط سے حرج کوئی نہیں ہوتا اور اگر یہ فعل نقصان پہنچانے کے لئے کیا گیا ہو تو اس پیش بندی سے خطرہ سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ اسی قسم کا ایک طبعی جذبہ تھا جو مسلمانوں کے اندر پیدا ہوا اور ان میں سے بیشتر حصہ پاکستان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا اب جبکہ پاکستان مل گیا ہے مُلک کا ایک حصہ تو یہ کہتا ہے کہ لو جی جو چیز ملنی تھی وہ مل گئی اور یہ نہیں سوچتا کہ منفی نظریہ گری ہوئی قوموں کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھا کرتا۔ گری ہوئی قوموں کی ترقی کیلئے مثبت نظریوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ ایک امیر کے لئے یہ منفی نظریہ کافی ہے کہ اس کی دولت میں زاول نہ پیدا ہو، ایک غریب کے لئے اس منفی نظریہ کے معنے ہی کوئی نہیں کہ اس کی دولت میں زوال نہ پیدا ہو، اس کے لئے یہی نظریہ کارآمد ہو سکتا ہے کہ وہ کس طرح اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے گزارہ کیلئے آمد پیدا کرے۔

پس پاکستان کے مسلمان جو تنزل کی منزلوں کو طے کر رہے ہیں ان کے لئے اب اس نظریہ کے کوئی بھی معنی نہیں کہ وہ ہندو کے ضرر سے بچ گئے ہیں وہ تو ایسی تدابیر کے محتاج ہیں جن سے وہ اپنی گرتی ہوئی حالت کو سنبھال لیں اور سنبھلی ہوئی حالت کو ترقی کی طرف لے جائیں۔ پاکستان اپنی ذات میں اس نظریہ میں ممد تو ضرور ہو سکتا ہے مگر وہ اس نظریہ کا قائمقام نہیں ہو سکتا۔

ان حالات میں طبعی طور پر بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہونا تھا کہ ہمیں اپنے لئے ایک پروگرام مقرر کرنا چاہئے۔ مسلم لیگ کے لیڈر جو اَب گورنمنٹ پر قابض ہو چکے تھے اُنہیں

ایسی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا کہ وہ اپنے عام محکمانہ کاموں کی طرف بھی پوری توجہ نہیں دے سکتے تھے ان کو یہ موقع میسر ہی کب آ سکتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے لئے کسی آئندہ پروگرام پر غور کریں اور اسے قوم کے سامنے پیش کریں۔ اس وجہ سے وہ لوگ جو جلد سے جلد کسی پروگرام کے بنانے کے حق میں تھے بے تاب ہو رہے تھے اور اپنی خواہشات کو پورا ہوتے نہ دیکھ کر بغاوت کی روح ان میں پیدا ہو رہی تھی۔ مسلم لیگ حکومت پارٹی کو آج سے کہیں پہلے اس طبعی تقاضے کا احساس ہونا چاہئے تھا اور آج سے کہیں پہلے اُنہیں مُسلم لیگی عہدوں کو چھوڑ دینا چاہئے تھا لیکن اُنہوں نے ایسا نہیں کیا جس کی وجہ سے دَبے ہوئے جذبات اُبھرنے لگے اور اُبھرے ہوئے جذبات مجالس میں اور اخباروں کے صفحات پر پھیلنے لگے۔ یہی نظریہ وزارت کے اندر بھی اختلافات پیدا کرنے کا موجب ہوا۔ وزارت کے بھی دو حصے تھے ایک حصہ تو وہ تھا جو یہ سمجھ رہا تھا کہ مسلمان آزاد ہو گئے ہیں اب آہستہ آہستہ تجربہ کے بعد وہ خود ایک ایسا پروگرام مرتب کر لیں گے جو ان کی ترقی کا موجب ہوگا۔ دوسرا حصہ ایسا تھا جو ایک پروگرام پہلے سے طے کر کے لایا تھا۔ وہ بضد تھا کہ اس کے پروگرام کو حکومت اپنا لے اور وہ دوسرے وزراء کے اس نظریہ سے متفق نہیں تھا کہ موجودہ شورش کے بعد مُلک آرام اور اطمینان سے اپنے لئے کوئی پروگرام تجویز کر لے گا۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں نظریے بے نقص نہیں تھے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ پیشتر اس کے کہ مُلک پورے طور پر ایک نظریہ کی چھان بین کرے اور اس کے حسن و قبح سے واقف ہو جائے اور اسے اختیار کرنے یا ردّ کرنے کا فیصلہ کرے اسے قبول کر لینا ذہنی اور مادی طور پر سخت مضر ہوتا ہے۔ اگر وہ نظریہ بُرا ہے تو مادی طور پر مُلک کو نقصان پہنچ جائے گا اور کسی ایک شخص کو خواہ وہ کتنا بھی بڑا ہو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مُلک کی غفلت میں اس پر ایک ایسا قانون ٹھونس دے جس قانون کو ابھی مُلک اچھی طرح سمجھ نہیں سکا اور ذہنی طور پر اس لئے کہ اگر وہ قانون اچھا بھی ہے تب بھی مُلک پر ایک ایسا قانون ٹھونسنا جس کو مُلک نے خود سوچ سمجھ کر اپنے لئے پسند نہیں کیا، مُلک کے افراد کے اندر غلامانہ ذہنیت پیدا کرتا ہے۔ ہمارے لئے یہی ضروری نہیں ہوتا کہ ہم اچھا کام کریں، ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ ہم اس کام کو سوچ سمجھ کر اختیار کریں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی خوبی یہ بیان فرماتا ہے کہ

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ ۟ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ ۲۸ تُو کفار سے کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان یہی فرق نہیں کہ میں سچ پر ہوں اور تم غلطی پر ہو بلکہ میرے اور تمہارے درمیان یہ بھی فرق ہے کہ تم جس چیز کو سچ قرار دے کر اس کی تائید کر رہے ہو تم نے اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے اور خود سوچ سمجھ کر اسے اختیار نہیں کیا لیکن میں نے اور میرے ساتھیوں نے جن عقیدوں اور جن طریقہ ہائے عمل کو اختیار کیا ہے سوچ اور سمجھ کر اور سارے پہلوؤں کا جائزہ لے کر اور ہر رنگ میں انہیں مفید پا کر اختیار کیا ہے۔ یہی وہ اسلامی اصول ہے جس پر چل کر مسلمان ہمیشہ ذہنی غلامی سے آزاد رہ سکتا ہے۔ ہمارا یہی فرض نہیں کہ ہم قوم کو ایک ایسے راستہ پر چلائیں جو ٹھیک ہو بلکہ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم قوم کو ایسی تربیت دیں کہ وہ خود سوچنے اور سمجھنے کی اہل ہو جائے اور پھر ہر نئے مسئلہ کو ایسے رنگ میں اس کے سامنے پیش کریں کہ وہ عمدگی اور خوبی کے ساتھ اس پر غور کر کے ایک نتیجہ پر پہنچے اور جب وہ ہمارے خیالات سے متفق ہو جائے تو ہم اس خیال کو جاری کر دیں یہی وہ اسلامی جمہوریت ہے جو دنیا کی دوسری جمہوریتوں سے مختلف ہے لیکن یہی وہ جمہوریت ہے جو ساری جمہوریتوں کے عیوب سے پاک ہے۔ اچھی سے اچھی چیز کو غفلت اور گھبراہٹ کے موقع پر قوم پر ٹھونس دینا اور یہ خیال کرنا کہ ہم قوم کی خیرخواہی کر رہے ہیں کسی رنگ میں بھی قوم کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔ اگر بعض صورتوں میں قوم کو مادی فائدہ پہنچے گا تو اس کی ذہنیت پست ہو جائے گی اور وہی اچھی غذا اس کے لئے زہر بن جائے گی اور وہ خود سوچنے کی عادت سے محروم رہ جائے گی۔ ایک تندرست ہٹے کٹے انسان کے منہ میں لقمہ دینا کسی قدر بدتہذیبی کا فعل سمجھا جاتا ہے۔ لقمہ بھی وہی ہوتا ہے دانت بھی وہی ہوتے ہیں لیکن دوسرے ہاتھ سے جو شاید بعض حالات میں اپنے ہاتھ سے بھی زیادہ صاف ہو وہ لقمہ کھانا ایک تندرست و توانا آدمی کے لئے کتنا گھناؤنا معلوم ہوتا ہے۔ چاول کا دانہ مکھی سے زیادہ معدہ میں گڑ بڑ پیدا کر دیتا ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان سے سب مقصد حاصل ہو گئے اب ہمیں فوری طور پر کسی نئے پروگرام کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، وہ بھی غلطی کرتے ہیں اگر بڑی اور اصولی باتوں کے لئے ہمیں نہ صرف خود سوچنے کی ضرورت ہے بلکہ قوم کو خود سوچنے کا موقع دینے کی ضرورت ہے بلکہ اہم مسائل کے

متعلق مُلک سے رائے عامہ لینے کی ضرورت ہے تو بعض باتیں ایسی بھی تو ہیں جن کو مُلک سوچ چکا ہے اور جو دیر سے زیر بحث چلی آتی رہی ہیں کیوں نہ ان کے متعلق فوری طور پر کوئی تدابیر اختیار کی جائیں مثلاً یہی لے لو کہ گو پاکستان ایک جمہوری اصول پر قائم شدہ حکومت ہے لیکن بہر حال وہ مسلمانوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے تو کیوں نہ فوری طور پر ان امور کے متعلق کوئی قانون جاری کر دیا جائے جن میں کوئی دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ مثلاً کیوں نہ فوری طور پر یہ قانون پاس کر دیا جائے کہ ورثہ کے متعلق اسلامی قانون مسلمانوں میں جاری ہو، اسی طرح طلاق اور خلع کے متعلق اسلامی قانون جاری ہو۔ اسی طرح شراب کا پینا یا بیچنا مسلمان کے لئے منع ہو یہ قانون بہر حال مسلمان کے لئے ہوتے۔ اس پر ہندو یا عیسائی کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ ایک ہندو کو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے کہ ایک مسلمان شراب نہیں پیتا یا اپنی جائداد کا حصہ اپنی بیٹی کو کیوں دیتا ہے یا ایک مرد کو طلاق کا اور عورت کو خلع کا خاص شرائط کے ماتحت حق حاصل ہے اسی طرح یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں تھا کہ مُلک کے آزاد ہوتے ہی مُلک میں اسلحہ کو قیود سے آزاد کیا جاتا۔ لائسنس کے بغیر تو کسی مہذب مُلک میں بھی اسلحہ کی اجازت نہیں لیکن ان مہذب ممالک میں لائسنسوں پر ایسی قیود نہیں لگائی گئیں جیسی کہ اس مُلک میں۔ حکومت کو فوراً ہی لائسنس پر سے قیود ہٹانی چاہئے تھیں اور اس قسم کا قانون پاس کرنا چاہئے تھا کہ سوائے بدمعاشوں اور فسادیوں کے ہر شریف شہری ہتھیار رکھ سکے اور اسے ہتھیار چلانا آتا ہو۔ اسی طرح سالہا سال سے کانگرس بھی اور مُسلم لیگ بھی اس بات پر لڑتی چلی آئی تھیں کہ جلسہ اور تقریر اور تحریر کی عام آزادی ملنی چاہئے۔ اس بات کے متعلق بھی کسی نئے غور کی ضرورت نہیں تھی یہ تو ایک انسانی حق ہے جس کا مطالبہ دنیا کی ہر قوم کرتی چلی آئی ہے۔ حکومت کو چاہئے تھا کہ فوراً ان امور کے متعلق احکام نافذ کر دیتی اور مُلک کے اندر یہ احساس پیدا کر دیتی کہ اب وہ آزاد ہیں پہلے کی طرح غلام نہیں ہیں۔ اسی طرح ایگزیکٹو اور جوڈیشل کو جدا کرنے کا مسئلہ ہے۔ سالہا سال سے اس پر بحثیں ہوتی چلی آئی ہیں۔ کانگرس نے بھی اس کی تائید کی ہے، مسلم لیگ نے بھی اس کی تائید کی ہے، اسلامی قانون کے مطابق بھی یہ ایک تسلیم شُدہ حقیقت ہے کہ ایگزیکٹو کا محکمہ الگ ہونا چاہئے اور قضاء کا محکمہ الگ ہونا چاہئے۔ جب تک ان دونوں محکموں کو

آزاد نہ کیا جائے، افراد میں آزادی کی روح پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ ہر شخص کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ قضاء کے ذریعہ سے اپنا حق لے سکتا ہے اور ہر افسر کو محسوس ہونا چاہئے کہ اگر وہ کسی کا حق مارے گا تو اسے اس کی جواب دہی بھی کرنی پڑے گی۔ ان امور اور ایسے ہی کئی امور کے متعلق حکومت فوری کارروائی کرسکتی تھی لیکن ہوا یہ کہ وہی پُرانے قانون اور وہی پُرانے طریق باقی رہے اور ابھی تک مُلک کے باشندوں نے پوری طرح یہ بھی محسوس نہیں کیا کہ ان کا مُلک آزاد ہو چکا ہے۔ پس ہمارے نزدیک دونوں فریق کی غلطی تھی۔ اس نقص کی اصلاح کا یہ بھی ایک طریقہ تھا کہ مُسلم لیگ کے عہدے ایسے لوگوں کو دیئے جاتے جو وزارت کے ممبر نہ ہوتے۔ ۱۶ ؍تاریخ کو یہ نیک قدم اُٹھایا گیا ہے ہمیں اس سے تعلق نہیں کہ کون صدر ہوا ہے کون نہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ مُلک کے فائدہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ مُلک کی سیاسی انجمن پر مُلک کے وزراء قابض نہ ہوں لیکن جس طرح یہ ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مُلک کی آئین ساز مجلس مُلک کی وزارت اور اس کے افسروں کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔ ان تین آزاد یا نیم آزاد اداروں کے باہمی تعاونوں سے ہی مُلک کی حالت درست ہوا کرتی ہے۔ سیاسی انجمن کو حکومت کے افسروں کے اثر سے آزاد ہونا چاہئے۔ مجلس آئین ساز کو سیاسی ادارے کے حکم سے آزاد ہونا چاہئے اور حکومت اور حُکّام کو سیاسی انجمن کی دخل اندازی سے آزاد ہونا چاہئے بے شک اگر سیاسی انجمن یہ سمجھتی ہے کہ مجلس آئین ساز اس کی پالیسی کو ٹھیک طرح نہیں چلائے گی تو آئندہ انتخاب کے موقع پر وہ اس کے ممبروں کی جگہ دوسرے ممبر کھڑے کر دے۔ آئین ساز اسمبلی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ سمجھتی ہے کہ وزراء اس کی مرضی کے مطابق کام نہیں کر رہے تو وہ ان کے خلاف عدمِ اعتماد کا ووٹ پاس کر دے۔ اگر حُکّام صحیح طور پر کام نہ کر رہے ہوں تو پلیٹ فارم پر سے ان کے خلاف آواز اُٹھائی جاسکتی ہے لیکن خفیہ دباؤ یا مستقل طور پر اس کے کام میں دخل اندازی کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہوسکتی۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو نظام کی کَل بالکل ڈھیلی پڑ جائے گی اور دنیا کا بہترین قانون بھی پاکستان کو مضبوط نہ بنا سکے گا۔

اسلامی قانون اور غیر مسلم اقلیتیں

پنجاب مسلم لیگ کونسل میں یہ قرارداد بھی پاس کی گئی ہے کہ پاکستان میں اسلامی شریعت کو نافذ کرنا چاہئے اس ضمن میں اس حقیقت کو نظر انداز نہ کیا جائے کہ غیر مسلموں نے بوجہ ناواقفیت اسلامی قانون یا مذہبی قانون کے خلاف اکثر اظہارِ رائے کیا ہے۔ ان کے خیال میں اگر پاکستان میں اسلامی شریعت جاری کی گئی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ غیر مسلموں کے لئے کوئی سامان ترقی اپنی تہذیب، اپنے مذہب اور دوسرے کاروبار کے لئے نہیں رہے گا اور یہ غیر مسلموں پر سختی ہوگی اور ان کے لئے ایسی حکومت کے زیر سایہ جس میں اسلامی قانون رائج ہو زندگی دوبھر ہو جائے گی۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے یہ محض ایک غلط فہمی ہے جو اسلامی قانون کو صحیح طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے غیر مسلموں کے دماغ میں پیدا ہوگئی ہے یا پیدا کی گئی ہوئی ہے کچھ تو خود لکھے پڑھے غیر مسلموں نے اسلامی قانون کے متعلق دیدہ دانستہ یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً عیسائی پادریوں نے یورپ میں اسلام کو اس طرح پیش کیا کہ گویا اس میں کوئی خوبی ہے ہی نہیں بلکہ یہ مذہب صرف وحشیوں میں پنپ سکتا ہے مہذب اقوام کے لئے اس میں کوئی پیغام نہیں۔ ان عیسائیوں کی تقلید میں ہندوستان میں پنڈت دیانند اور اس کے پیراؤں نے ہندوؤں میں اس غلط فہمی کو پھیلانے میں بڑا حصہ لیا۔

غیر مُسلموں میں اس خیال کو دو وجوہات سے پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ ایک تو یہ ہے کہ مسلمان دنیا کے اکثر ممالک میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے یہ ایک رَو تھی کہ جس مُلک میں بھی مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوا، وہاں اکثر لوگ اپنے پُرانے مذہب کو چھوڑ کر اسلام اختیار کرتے رہے لیکن ان میں سے جو لوگ اپنے قدیم مذہب کے لئے تعصب رکھتے تھے اُنہوں نے بجائے اس کے کہ اسلام کی داخلی خوبیوں پر قبولِ اسلام کو محمول کرتے اس کو محض مسلمانوں کے دنیوی اقتدار پر محمول کیا اور یہ غلط خیال دل میں جما لیا کہ ان کے بھائی بندوں نے محض جبر کے سامنے اپنے ہتھیار ڈالے ہیں۔ مذہب کے علاوہ اس تعصب کی بناء حُب الوطنی کے غلط جذبات

کی بھی مرہون منت ہے۔ چنانچہ آپ غور سے پنڈت دیانند کی تحریریں پڑھیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آپ اتنے مذہب کیلئے نہیں جتنے آریہ ورت کیلئے بیقرار تھے اور آریہ تحریک مذہبی نہیں بلکہ وطنی اور قومی تحریک ہے۔ مذہب کو محض مُلکی اور قومی مقاصد کا ذریعہ سمجھ کر اُچھالا گیا ہے اور اسلام اور عیسائیت کے خلاف نفرت مذہبی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ سیاسی نقطۂ نظر سے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی تعصب نے جو دیدہ دانستہ غیر مسلموں میں ان کے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں نے پھیلایا ان کو اسلامی قانون کے صحیح تصور کے ادراک سے محروم کر دیا ہے۔

دوسری بات جو اس تعصب کو غیر مسلموں کے دلوں میں پختہ کرنے اور تقویت دینے میں بڑی حد تک ممد و معاون ثابت ہوئی خود مسلمانوں کا عمل ہے۔ جوں جوں اسلام نئی قوموں میں پھیلتا گیا توں توں اسلام کی ہیئت کذائی ہر قوم کی ذہنیت کے مطابق بدلتی چلی گئی۔ مختلف قوموں نے اسلام کی چند ظاہری خوبیوں سے متأثر ہو کر اس کو قبول تو کر لیا مگر اس کے مقتضیات کی کُنہہ پر حاوی نہ ہوسکیں اور اس کے مرکزی اصولوں کو جذب نہ کر سکیں بلکہ اُلٹا اسلام کے چہرے پر اپنی قدیم رسم و رواج اور معتقدات کے پردے چڑھا دیئے اور اسلامی شریعت میں ایسی باتیں اپنی طرف سے داخل کر لیں جن کو اسلام سے دُور کا تعلق بھی نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اسلام کی حقیقت ان لوگوں پر واضح نہیں ہوسکتی تھی جن تک اسلام ایسی قوموں کے ذریعہ پہنچا جنہوں نے اسلامی شریعت کے آفتاب کو اپنے پُرانے خیالات کے بادلوں سے ڈھانپ دیا تھا۔

غیر مسلموں میں اسلامی شریعت کے متعلق غلط فہمی پھیلنے کی یہ دو موٹی وجوہات ہیں اور ان کے دلوں میں اسلامی شریعت کے خلاف نفرت کی گرہ ایسی مضبوط پڑ گئی ہے کہ وہ اس کے نام سے بھی چڑ جاتے ہیں اس لئے اس بدظنی کو دور کرنے کیلئے اوّل تو خود مسلمانوں کو اپنے اعمال کے ذریعہ اسلام کا صحیح نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے مسلمانوں کا یہ بھی فرض ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کی اشاعت کی طرف کماحقہٗ توجہ مبذول کریں۔ غیر مسلموں میں سادہ اور آسان طریقوں سے اسلامی شریعت کے موٹے موٹے اصولوں کو پھیلانے کے لئے ایک شعبہ نشر و اشاعت کا قائم کیا جائے جس کی غرض صرف اتنی ہو کہ جو تعصب کا جن غیر مسلموں کے

دلوں میں اسلامی شریعت کے خلاف بیٹھا ہوا ہے، اس کو نکالا جائے لیکن یہ کام اُس وقت تک کامیابی سے نہیں ہوسکتا جب تک ہم خود اسلامی شریعت کا عملاً صحیح نمونہ بن کر نہ دکھائیں۔ ہر نیک اور بد بات کا اثر الفاظ سن کر نہیں اعمال کے دیکھنے سے ہوتا ہے محض اسلام کی خوبیوں کے متعلق لن ترانیاں [۲۹] کوئی مفید اثر پیدا نہیں کر سکتیں اس لئے ضروری ہے کہ جو لوگ پاکستان میں اسلامی شریعت رائج کرنے کے مشتاق ہیں ان کو پہلے اپنے آپ کا جائزہ لینا چاہئے اور اپنے اخلاق کو اس معیار تک بلند کرنا چاہئے جہاں پہنچ کر بغیر الفاظ کے دوسروں کو متأثر کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اس طرح غیر مسلموں کو اسلام سے متأثر کرنے میں ہم کامیاب ہو جائیں تو اسلامی شریعت کی سادگی خود بخود ان کے دلوں کو کھینچ لے گی کیونکہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ اقلیتوں کے متعلق اسلامی شریعت میں اتنی رواداری سے کام لیا گیا ہے کہ دنیا کی کوئی شریعت اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔

(الفضل لاہور ۲۰ رنومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کانگرس ریزولیوشن

۱۴؍ نومبر کو کانگرس ورکنگ کمیٹی نے ایک ریزولیوشن آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کیلئے منظور کیا ہے۔ ہماری پرائیویٹ اطلاع یہ ہے کہ یہ ریزولیوشن خود مسٹر گاندھی کا تیار کردہ ہے۔ ۱۴؍ تاریخ کو کانگرس ورکنگ کمیٹی نے مسٹر گاندھی سے خواہش ظاہر کی کہ چونکہ وہ رات اور دن میٹنگ کر رہے ہیں ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ اس اہم ریزولیوشن کے الفاظ اس احتیاط سے تیار کر سکیں جس احتیاط کی اس ریزولیوشن کے تیار کرنے میں ضرورت ہے مسٹر گاندھی نے ان کی اس درخواست کو منظور کر لیا اور تمام دوسرے کام بند کر کے اس ریزولیوشن کے الفاظ تیار کر کے ورکنگ کمیٹی میں بھجوا دیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اصل ریزولیوشن تو مسٹر گاندھی نے تیار کیا تھا اس میں خفیف سی اصلاحات کی گئی ہیں۔ غالباً مسٹر گاندھی نے ان اصطلاحات کو تسلیم کر لیا ہوگا کیونکہ بعد میں مسٹر گاندھی نے اس ریزولیوشن کی تصدیق کر دی ہے۔ اس ریزولیوشن کے الفاظ یہ ہیں۔

وہ خطرناک واقعات جو پنجاب اور بعض دوسری جگہوں پر گزشتہ مہینوں میں ہوئے ہیں ان کے نتیجہ میں ان علاقوں کی آبادیوں کو وسیع تعداد میں نقل مکانی کرنی پڑی ہے اور لاکھوں آدمیوں کو ناقابل بیان نقصان پہنچا ہے۔ امداد اور دوبارہ آباد کرنے کے مسائل ایسی اہمیت پکڑ گئے ہیں کہ ان کی مثال تاریخ میں بالکل نہیں مل سکتی۔ ہندوستان گورنمنٹ نے ہمت اور عزم کے ساتھ ان نئے حالات کا مقابلہ کیا ہے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں یہ واضح کر دینا چاہئے کہ ان معاملات کو حل کرتے وقت قومی پالیسی کیا ہوگی۔

’’آل انڈیا کانگرس کمیٹی اس وسعت کے ساتھ نقل مکانی کو جس کے نتیجہ میں لاکھوں لاکھ انسانوں کو تکلیف پہنچی ہے اور جس کے نتیجہ میں قوم کی اقتصادی حالت کو سخت دھکا لگا ہے اور جو

کانگرس کے ان بنیادی اصولوں کو جو ابتداء ہی سے کانگرس نے اختیار کر رکھے ہیں، سخت نقصان پہنچاتی ہے، ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی رائے میں یہ تبادلۂ آبادی روکا جانا چاہئے اور ہندوستان یونین میں بھی اور پاکستان میں بھی ایسے حالات پیدا کئے جانے چاہئیں کہ اقلیتیں امن اور حفاظت کے ساتھ رہ سکیں۔ اگر اس قسم کے حالات پیدا کر دیئے جائیں تو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف منتقل ہونے کی خواہش آپ ہی آپ سرد پڑ جائے گی۔ کمیٹی کی رائے میں پاکستان کے ہندو اور سکھ باشندوں کو مجبور کرنا کہ وہ اپنے گھر چھوڑ دیں اور ہندوستان یونین کی طرف چلے جائیں اور ہندوستان یونین کے مسلمانوں کو مجبور کرنا کہ وہ پاکستان کی طرف ہجرت کر جائیں ایک ناواجب فعل ہے۔

کمیٹی یہ محسوس کرتی ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے اس کا پورا ازالہ کرنا ناممکن ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس بارہ میں ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ دونوں ڈومینین کے مہاجرین آخرکار اپنے اپنے گھروں میں جا کر آباد ہو جائیں اور اپنے پیشوں اور فنوں کو ان علاقوں میں جا کر امن اور حفاظت کے حالات میں اختیار کریں۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے گھر ابھی تک نہیں چھوڑے اُن کو وہیں رہنے پر آمادہ کرنا چاہئے سوائے اِس کے کہ وہ اپنی ذاتی خواہش کے ساتھ نقل مکانی پر مصر ہوں اگر ایسا ہو تو ان کے سفر کو آسان بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے۔ دونوں حکومتوں کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ ان اصول پر باہمی گفت وشنید شروع کریں اور ایسے حالات پیدا کریں جن کے ماتحت دونوں طرف کے مہاجر اپنے وطنوں میں پورے اطمینان کے ساتھ پھر جا کر آباد ہو سکیں۔

بہرحال ہندوستان یونین کو ہماری مقررہ پالیسی پر عمل کرنا چاہئے اور ان اقلیتوں کی پوری حفاظت کرنی چاہئے جو ابھی تک ہندوستان یونین میں بس رہی ہیں اور انہیں جبر کے ساتھ اپنے گھروں سے نہیں نکالنا چاہئے اور نہ ایسے حالات پیدا کرنے چاہئیں کہ جن کی وجہ سے لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہوں۔ کانگرس کی چونکہ یہ فیصل شدہ پالیسی ہے اس لئے وہ لوگ جو انڈین یونین کو چھوڑنے کا ارادہ کر رہے ہیں ان کی ہر طرح خبر گیری کرنی چاہئے اور یونین کے باشندوں کو ان کا جب تک کہ وہ لوگ ہندوستان میں بستے ہیں خیال رکھنا چاہئے ایسے لوگوں کی

نسبت یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے کہ گویا وہ ناخواندہ مہمان ہیں اور صرف ایک مہربانی کے طور پر ان کی موجودگی کو برداشت کیا جا رہا ہے۔ ایسے لوگ وہی اختیارات رکھیں گے اور ویسی ہی ان پر ذمہ داریاں ہوں گی جیسی کہ دوسرے شہریوں پر، جہاں پر وہ کیمپوں میں رہ رہے ہوں ان سے یہ امید کی جائے گی کہ وہ اپنے ساتھی مہاجرین سے مل کر کوئی نہ کوئی مُلکی خدمت کریں اور کیمپوں کے اچھے انتظام کی خاطر جو قوانین بنائے جائیں، ان کی پابندی کریں۔ وہ لوگ جو کیمپوں کی نگرانی کرنے کے اہل سمجھے جائیں اُن کی نگرانی کے ماتحت کیمپوں کے رہنے والوں کو حفظانِ صحت اور دوسری خدمات کو بخوشی بجالانا چاہئے اور جو لوگ کیمپوں پر نگران مقرر کئے گئے ہوں ان کو چاہئے کہ ایسے کاموں میں خود بھی شریک ہوا کریں۔ پناہ گزینوں کو ایسے کام سپرد کئے جانے چاہئیں جن سے نفع حاصل ہو اور اُس نفع میں اِن لوگوں کو بھی شریک کیا جانا چاہئے۔ مغربی پنجاب کے پناہ گزینوں کو عام حالات میں مشرقی پنجاب میں ہی بسانا چاہئے اور پاکستان کے دوسرے حصوں کے پناہ گزینوں کو ایسے علاقوں میں بسانا چاہئے جن کا فیصلہ مرکزی حکومت صوبجاتی حکومتوں کے ساتھ مل کر کرے۔ اس بات کا خیال رکھا جانا چاہئے کہ خاص علاقہ کے لوگ جہاں تک ہو سکے اکٹھے ہی بسائے جایا کریں۔ اس کام میں صوبجاتی حکومتوں کو چاہئے کہ وہ مرکزی حکومت کے ساتھ پورا تعاون کریں اور پناہ گزینوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو جگہ دینے کیلئے رستہ نکالیں۔ کوئی گھر جس کو کسی مسلمان نے اپنی مرضی سے نہیں چھوڑا اس میں کوئی پناہ گزیں نہ بسایا جائے۔ پناہ گزینوں کی نقل و حرکت جس کا پہلے ہی سے ریلوں کے ذریعہ سے یا لاریوں کے ذریعہ سے یا اور دوسرے ذرائع سے انتظام کیا جا رہا ہے آئندہ اوپر کے بتائے ہوئے قانون کے ماتحت ہونی چاہئے اور کسی شخص کو اپنی جگہ سے نہیں نکالنا چاہئے جب تک کہ وہ ایسا کرنے کی خود خواہش نہ رکھتا ہو۔ یہی قانون ان ریاستوں کے متعلق بھی جاری ہونا چاہئے جو انڈین یونین میں شامل ہوئی ہیں اور جن میں سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یا تو نکل گئی ہے یا نکال دی گئی ہے۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی یقین رکھتی ہے کہ ہندوستان یونین کی مرکزی حکومت، مشرقی پنجاب کی حکومت اور ان ریاستوں کی حکومتیں جن پر اس نقل مکانی کا اثر پڑا ہے، اوپر کی بیان کردہ پالیسی کو فوراً جاری کریں گی اور اپنے تمام افسروں کو حکم دیں گی کہ وہ

مذکورہ بالا پالیسی کی لفظ بلفظ پیروی کریں‘‘۔

اس ریزولیوشن کے الفاظ میں تھوڑی بہت تبدیلی کی گنجائش تو موجود ہے جیسا کہ ہم اپنے دوسرے آرٹیکل میں بیان کریں گے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس ریزولیوشن میں نہایت ہی اچھے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور پاکستان کی حکومت کو فوراً ان خیالات کی تائید کرنی چاہئے یہ سوال کہ ہندوستان کی حکومت نے اب تک اس پر عمل کیا ہے یا نہیں یا پاکستان کی حکومت نے اب تک اس پر عمل کیا ہے یا نہیں ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے ہم ماضی کو بعض حالات میں بھول نہیں سکتے۔ ہم بعض حالات میں ماضی کو بھولنا نہیں چاہتے۔ ہم بعض حالات میں ماضی کو بھول جانا بے غیرتی سمجھتے ہیں۔ یہ باتیں ہمارے مدنظر ہیں اور ہر ایک عقلمند کو مدنظر رہنی چاہئیں لیکن بعض ذمہ داریاں متوازی طور پر ادا کی جاسکتی ہیں۔ہمیں ماضی کے ان حصوں کو یاد رکھتے ہوئے جن کے بداثرات کا ازالہ کرنا ہمارے ذمہ فرض ہے مستقبل کے لئے کسی راستہ کے کھولنے سے دریغ نہیں ہونا چاہئے۔ سیاست دان اور مقالہ نویس مستقبل قریب میں اور مؤرخ مستقبل بعید میں ان واقعات پر بحثیں کرتے چلے جائیں گے جو گزشتہ مہینوں میں ہندوستان میں پیش آئے ہیں اس بارہ میں نہ ہم اپنا حق چھوڑنا چاہتے ہیں۔ نہ انڈین یونین کے لوگوں سے ان کا حق چھڑوانا چاہتے ہیں لیکن اس حق کو قائم رکھتے ہوئے بھی ہم آئندہ کے متعلق کوئی مناسب سمجھوتہ کر سکتے ہیں اور ہمیں ایسا ضرور کرنا چاہئے۔

ہمارے نزدیک چاہئے یہی تھا کہ پاکستان کی حکومت پہلے اِس سوال کو اُٹھاتی کیونکہ بہت سی باتیں جو اِس ریزولیوشن میں بیان کی گئی ہیں وہ اسلامی اصول کے مطابق ہیں اور اسلام کی پیش کردہ ہیں۔ امن اور انصاف کو قائم کرنا سب سے پہلا فرض اسلامی حکومتوں کا ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو امن کے قیام کے لئے سنہری قواعد پیش کرتا ہے اور اسلام کا لانے والا مقدس وجود ہی وہ ہے جس نے ان سنہری قواعد پر خود عمل کر کے دکھایا ہے اور وہی ایسا کر بھی سکتا تھا کیونکہ دنیا میں ایک ہی شخص گزرا ہے جو نبوت اور کامل اقتدار والی حکومت پر ایک ہی وقت میں فائز رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے نبی موسیٰ اور عیسیٰ، ایران کے نبی زرتشتؑ ، ہندوستان کے نبی کرشنؑ اور رام چندرجیؑ اور چین کے نبی کنفیوسشؑ کو یہ مواقع میسر نہیں آئے۔ ہم اس بات پر

فخر کر سکتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر اور ایامِ ابتلاء بھی ایسے دیکھے کہ جن کی مثال دنیا کے کسی اور نبی کی زندگی میں نہیں پائی جاتی۔ اور ان ایام میں وہ اعلیٰ درجہ کا نمونہ صبر، برداشت اور استقلال کا دکھایا کہ جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ اور اس نے ایک غالب اور فاتح کے ایام بھی دیکھے اور عفو اور رحم اور انصاف اور درگزر اور شفقت اور ہمدردی اور ایسی تنظیم کا جس کا نیک اثر بڑوں اور چھوٹوں سب پر پڑتا ہے ایسا شاندار نظارہ دکھایا کہ اس کی مثال بھی دنیا کی تاریخ میں کسی اور جگہ نہیں ملتی۔ ہمارا خزانہ ہمارے گھر سے نکلنا چاہئے اور ہمیں کبھی یہ موقع نہیں دینا چاہئے کہ ہمارے نبی کا ورثہ دوسرے لوگ دنیا کے سامنے پیش کریں ہم اور صرف ہم اس بات کے حقدار ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اور کہا وہ سب سے پہلے ہماری زبانوں اور ہمارے ذہنوں سے دنیا کے سامنے آئے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہ باتیں ہمارے آدمیوں نے بھی پیش کی ہیں۔ یہ بالکل درست ہے راجہ غضنفر علی صاحب نے جو کوشش کی ہے اس کے مقابلہ میں ہندوستان یونین کا کوئی وزیر اپنی خدمات پیش نہیں کر سکتا۔ راجہ غضنفر علی صاحب [۳۰] ہزار تحسین اور آفرین کے مستحق ہیں۔ ادھر مسٹر گاندھی نے بھی بہت کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان کے اثر اور ان کے سمجھانے سے مسٹر نہرو اور دوسرے ہندو لیڈروں نے بھی وقتاً فوقتاً بعض اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن راجہ غضنفر علی صاحب آخر راجہ غضنفر علی صاحب ہیں اور مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو آخر مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو ہی ہیں۔ بڑے سے بڑے فرد کی آواز قوم کی آواز کا قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ ہمارا فرض تھا کہ گزشتہ ایام میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس کر کے ان خیالات کو اپنی قوم کی طرف سے پیش کرتے۔ راجہ غضنفر علی صاحب کے خیالات کو ہندوستان یونین کے لوگ یہ کہہ کر نظر انداز کر سکتے تھے کہ ایک شخص تھا جس کے دل میں اچھے خیالات پیدا ہوئے مگر اس کی قوم نے ان خیالات کو اپنایا نہیں اور یہی بات مسٹر گاندھی کے متعلق بھی کہی جا سکتی تھی۔ اِدھر راجہ غضنفر علی صاحب کے خیالات کے متعلق کئی دفعہ ہمارے اخبارات نے مخالفانہ تنقید کی ہے اُدھر مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو کے خیالات کے خلاف ہندوستان کے اخبارات نے تنقید کی ہے۔ پس انفرادی خیالات کا اظہار اور چیز ہے اور قومی طور پر ایک بات کہنا اور چیز ہے۔ ہمارے نزدیک اب بھی موقع ہے

لیگ کو فوراً اس کے جواب میں ایک اعلان شائع کرنا چاہئے جس میں اپنی قومی پالیسی کو قومی مجلس کے ذریعہ سے شائع کر دینا چاہئے تاکہ دنیا پر یہ بداثر نہ پڑے کہ کانگرس تو صلح کا ہاتھ بڑھا رہی ہے لیکن لیگ ایسا کرنا نہیں چاہتی۔ لیگ یقیناً ان خیالات کی کانگرس سے بھی زیادہ حامی ہے کیونکہ یہ خیالات اسلامی ہیں بلکہ لیگ کو چاہئے کہ ان خامیوں کی بھی اصلاح کر دے جو اس ریزولیوشن میں پائی جاتی ہیں اور کانگرس سے بھی زیادہ وسیع حوصلہ کے ساتھ صلح اور آشتی کا ہاتھ بڑھائے۔ اس کے بعد عمل کا سوال پیدا ہوگا۔ اگر کانگرس نے لیگ کی تائید کے بعد عمل کی طرف قدم نہ اُٹھایا تو دنیا کو یہ جاننے کا موقع مل جائے گا کہ کانگرس نے وہ بات کہی جس پر وہ عمل کرنا چاہتی تھی۔ جب لیگ نے اس کی پالیسی کی تائید کر دی تو اس نے اپنا قدم پیچھے ہٹا لیا۔ اگر ایسا ہوا تو لیگ کی عزت دنیا کی نظروں میں بڑھ جائے گی اور مسلمانوں کو پھر ایک بار اُس عزت سے حصہ مل جائے گا جو ان کے نبی مکرم نے ان کے ورثہ میں چھوڑی ہے اور اگر کانگرس نے لیگ کے اعلان کا خیر مقدم کیا اور اپنی شائع کردہ پالیسی پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگئی تو اِس سے بہتر بات ہندوستان کے لئے اور کیا ہوگی۔ بہت سے جھگڑے آپس میں طے کرنے والے باقی ہیں۔ بہت سی شکایتوں کا ازالہ ہونے والا ہے۔ مگر بسا اوقات جب لوگ ایک بات کو محبت سے طے کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں تو دوسری باتوں کا تصفیہ بھی آپ ہی آپ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک نیکی دوسری نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ صلح کے لئے بڑھایا ہوا ایک قدم دو اور قدموں کے بڑھانے کے لئے رستہ صاف کر دیتا ہے۔ آؤ ہم ان لاکھوں غریبوں اور مسکینوں کا خیال کریں جو اپنے وطنوں سے دور اِدھر اُدھر دھکے کھاتے پھرتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک بھی کیا جاتا ہے اور جن پر زبانِ طعن بھی دراز کی جاتی ہے۔ بعض لوگ بھائیوں کی طرح ان سے بغلگیر ہو رہے ہیں تو بعض ان سے فقیروں اور بِھک منگوں کا سا سلوک کر رہے ہیں۔ آؤ ہم ان لوگوں کو پھر اپنے گھروں میں بسانے کے لئے ایک جدوجہد کریں اور ایک ایسا قدم اُٹھائیں جس سے مُلک میں امن کی فضا پیدا ہو جائے۔ شاید دلوں میں نرمی پیدا ہونے کے بعد وہ دوسرے سیاسی اور اقتصادی جھگڑے بھی طے ہو جائیں جو اِس وقت ہندوستان کے خیالات کو مشوش کر رہے ہیں۔ (الفضل لاہور ۲۱ رنومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کانگرس ریزولیوشن کی کمزوریاں

ہم لکھ چکے ہیں کہ کانگرس ریزولیوشن میں پاکستان اور ہندوستان میں امن کے قیام کے لئے جو تجاویز پیش کی گئی ہیں وہ نہایت مناسب ہیں مگر اس کے ساتھ ہی اس میں کچھ کمزوریاں بھی باقی رہ گئی ہیں۔ اس ریزولیوشن میں اس امر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ ان حالات کے پیدا کرنے والوں کو جن کی وجہ سے اقلیتوں کو گھر چھوڑنے پڑے پکڑا جائے اور انہیں سزا دی جائے دنیا کا کوئی انسان بھی اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ ایک کروڑ کے قریب آدمی جس نے اپنے وطن کو چھوڑا ہے بغیر کسی وجہ کے اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری طرف چلا گیا ہے یا ان لوگوں کی ہم مذہب حکومتوں نے انہیں اپنی طرف بلایا ہے اور یا پھر غیر مذاہب کے لوگوں نے یا غیر مذاہب کی اکثریت والی حکومتوں نے انہیں مجبور کر کے اپنے گھروں سے نکالا ہے ان دو صورتوں کے سوا کوئی تیسری صورت ممکن نہیں۔ اگر تو پاکستان کی حکومت نے ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کو بُلایا ہے یا پاکستان کی مسلم انجمنوں نے ہندوستان کے رہنے والے مسلمانوں کو بُلایا ہے یا پاکستان میں رہنے والے ہندوؤں کو ہندوستان کی گورنمنٹ نے بلایا ہے یا ہندوستان کی ہندو یا سکھ انجمنوں نے بلایا ہے تو کانگرس کا ریزولیوشن بالکل اُدھورا رہ جاتا ہے کیونکہ کانگرس کے ریزولیوشن میں اس قسم کی نقل مکانی کے خلاف کوئی بات نہیں پائی جاتی حالانکہ اس کے خلاف ضرور آواز اُٹھائی جانی چاہیئے تھی۔ اگر اس کے برخلاف حکومتوں یا حاکموں یا غیر مذاہب کے افراد نے ہندوستان سے مسلمانوں اور پاکستان سے ہندوؤں اور سکھوں کو نکلوایا ہے تو وہ لوگ جنہوں نے ایسا کیا، ان کے خلاف بھی تو کوئی قدم اُٹھانا چاہیئے۔ کانگرس جب یہ کہتی ہے کہ وہ حالات بدلے جائیں جن کے باعث ہندوستان اور پاکستان سے مسلمان اور ہندو نکلنے پر مجبور ہوئے ہیں تو اِس کے معنی اِس کے سِوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے ہندوستان سے

مسلمانوں کو اور پاکستان سے ہندوؤں یا سکھوں کو نکالا آئندہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے لیکن کیا اس ریزولیوشن کا ان لوگوں پر کوئی بھی اثر ہو سکتا ہے جنہوں نے پچاس لاکھ مسلمانوں کو گورنمنٹ کی آنکھوں کے سامنے پنجاب سے نکال دیا یا چالیس لاکھ ہندوؤں اور سکھوں کو گورنمنٹ کی آنکھوں کے سامنے پاکستان سے نکال دیا۔ اگر یہ سب کے سب لوگ غیر مذاہب کے ظلموں کی وجہ سے نکلے تھے تو ان ظلم کرنے والوں کے خلاف دونوں حکومتوں نے کیا کارروائی کی ہے۔ اگر آئندہ کسی کارروائی کے کرنے کا کانگرس حکم دیتی ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ سمجھتی ہے کہ ہمیں یہ طاقت حاصل ہے کہ ہم ان لوگوں کو سزا دے سکیں۔ اور اگر واقعہ میں کانگرس یہ سمجھتی ہے کہ وہ ان مجرموں کو سزا دے سکتی ہے تو کیوں وہ ان جرائم پر سزا نہیں دیتی جو اِس وقت تک صادر ہو چکے ہیں۔ مشرقی پنجاب میں اب مسلمان رہ ہی کتنے گئے ہیں آٹھ یا دس لاکھ آدمی ریفیوجی کیمپوں میں پڑے ہوئے ہیں اور جالندھر ڈویژن میں سوائے قادیان کے اور کسی گاؤں یا قصبہ میں مسلمان نہیں۔ انبالہ ڈویژن کے بعض شہروں اور قصبوں میں مسلمان ابھی پائے جاتے ہیں لیکن نکالے جانے والوں اور مارے جانے والوں کی تعداد سے ان کی کوئی بھی نسبت نہیں۔ پس یہ اعلان کرنا کہ یہ جو تھوڑے سے آدمی رہ گئے ہیں اگر ان پر کوئی ظلم کرے گا تو ہم سختی سے کام لیں گے ایک بے معنی سا اعلان ہے۔ وہ لاکھوں آدمی جو مارا جا چکا ہے اور وہ ہزارہا عورت جس کو زبردستی چھین لیا گیا ہے اور وہ اربوں روپیہ کی جائداد جو جبراً ہتھیا لی گئی ہے اگر یہ فعل بُرا تھا تو کیوں اس کے خلاف کارروائی نہیں کی جاتی۔ کیا یہ بات عجیب نہیں معلوم ہوگی کہ ایک قصبہ جس میں سے سَو مسلمان نکل چکا ہے اور دس مسلمان باقی ہیں اور ان سَو مسلمانوں کے گھروں پر سکھ اور ہندو قابض ہو چکے ہیں۔ کانگرس کے اعلان کے بعد وہی ہندو اور سکھ جو پہلے مسلمانوں کو نکال کر ان کے گھروں پر قابض ہو چکے ہیں نئے آنے والے سکھوں اور ہندوؤں سے لڑ رہے ہوں گے کہ یہ جو دس مسلمان رہ گئے ہیں ان کو گھروں سے نہ نکالو کیونکہ کانگرس کا ریزولیوشن ہو گیا ہے اور جب وہ نئے آنے والے ہندو اور سکھ کہیں گے کہ تم بھی تو مسلمانوں کو نکال کر ان کے گھروں میں بیٹھے ہو تو وہ پُرانے غاصب اِن نئے غاصبوں کو کہیں گے کہ کانگرس کا ریزولیوشن پچھلے واقعات کے متعلق نہیں آئندہ کے واقعات کے متعلق ہے ہم نے

جتنے آدمی مارے اور جتنے گھر ضبط کئے ان سب کو کانگرس ریزولیوشن نے معاف کر دیا ہے اور آئندہ کے لئے حکم دیا ہے کہ ایسا کام نہیں ہونا چاہئے۔ کیا ان حالات میں کانگرس کے ریزولیوشن پر کامیابی سے عمل کیا جا سکتا ہے؟ یہی بات ہم پاکستان کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ پاکستان میں بھی ایسے مقام ضرور ہیں جہاں سے ہندوؤں کو جبراً نکالا گیا ہے یا ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ وہ نکل جائیں۔ اگر پاکستان گورنمنٹ ہندوؤں کو اپنے مُلک میں رکھنا چاہتی ہے تو ان کو بھی یہی طریق اختیار کرنا ہوگا کہ جو پچھلے مجرم ہیں اُن کو پکڑیں اور سزا دیں۔ آخر لاکھوں آدمی پھونکوں سے تو نہیں مر گئے۔ لوگ اربوں کی جائداد چھوڑ کر بلاوجہ تو نہیں بھاگ گئے۔ کوئی مارنے والا آدمی ضرور تھا، لوگوں کے پاس ایسے ہتھیار ضرور تھے جن سے قتل کی وارداتیں ہوئیں اور حالات ضرور اِس طرح بگڑے کہ غیر قوموں کے لوگوں نے اپنے لئے اس مُلک میں پناہ کی کوئی صورت نہ دیکھی اور اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ جب تک ان حالات کے پیدا کرنے والوں اور ان قاتلوں اور ان عورتوں کو پکڑنے والوں کو سخت سزائیں نہ دی جائیں گی جن کے افعال نے پاکستان اور ہندوستان سے نکلنے پر اقلیتوں کو مجبور کر دیا ہے، اُس وقت تک امن کے ریزولیوشن کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ کل کو پھر ایک جوش اُٹھے گا اور پھر دونوں طرف خون خرابہ شروع ہو جائے گا اور پھر مُلک کی سیاسی انجمنیں ایک ریزولیوشن پاس کر دیں گی کہ آئندہ خبردار ایسا مت ہو۔ کبھی پچھلے حساب کی صفائی کے بغیر آئندہ کی کوئی صفائی ہوا کرتی ہے؟ لاکھوں لاکھ قاتل ہندوستان یونین میں پھر رہا ہے وہ سٹیجوں پر کھڑے ہو کر تقریریں بھی کر رہا ہے، وہ اخباروں میں مضامین بھی لکھ رہا ہے، وہ کانگرس کے جلسوں میں ممبروں کے طور پر شامل بھی ہو رہا ہے لیکن ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ لاکھوں لاکھ مسلمان جو مارا گیا ہے اس کے خون کی تحقیقات کوئی نہیں ہو رہی۔ ضلع گورداسپور میں ہی جس سے سات لاکھ کے قریب مسلمانوں کو مار کر نکال دیا گیا ہے، دو اڑھائی سَو مسلمان اس لئے جیل خانوں میں سڑ رہے ہیں کہ اُنہوں نے سکھوں کو یا ہندوؤں کو مارنے کی کوشش کی لیکن سکھ ایک بھی اِس جرم میں قید نہیں ہے کہ اس نے مسلمانوں کو مارا اور ان کے گھروں کو لوٹا اور اُن کی جائدادوں پر قبضہ کیا۔ کیا کوئی عقلمند انسان اس بات کو باور کر سکتا ہے کہ حکومت کو اس قوم کے مجرم تو نظر آ سکتے تھے جن کو

ہزاروں کی تعداد میں قتل کیا گیا، جن کی سینکڑوں کی تعداد میں عورتیں چھین لی گئیں، جن کی سَو فیصدی جائدادوں پر قبضہ کرلیا گیا لیکن اس قوم کے مجرم اسے بالکل نظر نہیں آئے جنہوں نے ایک ہزار سے زیادہ مسلمان گاؤں کو تباہ کر دیا۔ پانچ سات ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کر دیا، تین چار لاکھ سے زیادہ مویشی ان کے چھین لئے۔ پانچ لاکھ ایکڑ زمین پر قبضہ کرلیا، ایک کروڑ سے زیادہ قیمت کے اَثَـاثَةُ الْبَیْت کو ہتھیا لیا ہمیں حکومت یا کانگرس بتائے تو سہی کہ کم سے کم بھی ایک ضلع میں مسلمانوں کی موت کا اور عورتوں کے نکالے جانے کا اور جائدادوں پر قبضہ کا اندازہ لگانے کے بعد ان افعال کے مرتکب آخر کتنے آدمی قرار دیئے جا سکتے ہیں اور جتنے انسانوں کی طرف یہ جرم منسوب کیا جا سکتا ہے ان میں سے کتنے آدمی اِس وقت حوالات میں ہیں۔ اگر ان تمام حرکات کے بعد ہندو اور سکھ تو حوالات میں نہیں مگر مسلمان حوالات میں ہیں تو کیا کوئی مان سکے گا کہ حکومت ہند نے امن کے قیام کے لئے پوری کوشش کی تھی اور کانگرس کے ریزولیوشن کے مطابق وہ تعریف کی مستحق ہے؟ مگر گزشتہ کو جانے دو کیا کانگرس کے ریزولیوشن میں اس بات کا انتظام کیا گیا ہے کہ اب اس ریزولیوشن کے بعد ان مجرموں کو پکڑا جائے اور ان کو سزا دی جائے؟ اور ان مسلمان ملزموں کو چھوڑا جائے جن کا صرف اتنا قصور تھا کہ وہ مار کھانے والے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے زبان کھول سکتے تھے اور شور مچا سکتے تھے یا ایک تنظیم کے ماتحت ان کو ان مظالم کی جگہوں سے نکال کر لے جانا چاہتے تھے۔ ہم ہندوستان ہی کے متعلق ایسا نہیں سمجھتے، پاکستان گورنمنٹ میں بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں اور پاکستان گورنمنٹ کا بھی یہی فرض ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ پاکستان میں سے کچھ ہندو اور سکھ پہلے سے سوچی ہوئی تدبیروں کے ماتحت نکل گئے تھے، ہم مانتے ہیں کہ کچھ ہندو اور سکھ اِردگرد کے ہندو اور سکھ ہمسایوں کو انگیخت اور ان کے اشارہ سے ہندوستان چلے گئے تھے لیکن ہم اس کا بھی انکار نہیں کر سکتے کہ پاکستان میں سے کچھ ہندو اور سکھ مسلمانوں کے دباؤ اور ان کی سختی کی وجہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے، کچھ ہندوؤں اور سکھوں کی عورتیں اُٹھا لی گئیں۔ کچھ ہندوؤں اور سکھوں کی جائدادیں لُوٹی گئیں، کچھ ہندو اور سکھ قتل کئے گئے یہ کام پبلک کی ایک جماعت نے کیا اور بعض افسروں کے اشارہ سے ہوا لیکن ہمیں پاکستان کے متعلق یہ بھی اطلاع نہیں کہ اس میں ان

مسلمان مجرموں اور ان افسر مجرموں کو پکڑ کر ان پر مقدمات چلائے گئے ہوں جنہوں نے یہ حرکات کیں۔ جن لوگوں نے ہندوؤں اور سکھوں پر ظلم کیا، ان کو مارا، اُن کی عورتیں نکالیں، اُن کی جائدادوں کو لُوٹا وہ چند افراد نہیں ہو سکتے تھے وہ یقیناً ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں تھے مگر اس الزام میں تو سینکڑوں بھی نہیں پکڑے گئے۔ آئندہ کا اطمینان گزشتہ جرائم پر ندامت کے اظہار سے پیدا ہوسکتا ہے۔ اگر پاکستان اور ہندوستان کی مجلسوں میں مسلمان اور ہندو اور سکھ مجرم اپنی دھوتیاں پھیلائے اور تہبندیں لٹکائے اور چھاتیاں تانے بیٹھے ہوئے پبلک سے تحسین و آفرین کا انعام حاصل کر رہے ہوں تو ایسے ریزولیوشن کا نتیجہ نکل ہی کیا سکتا ہے۔ دنیا لفظوں کو نہیں دیکھا کرتی وہ عمل کو دیکھا کرتی ہے۔ جب تک ان مجرموں کو پکڑنے کا انتظام نہیں کیا جائے گا خواہ وہ لاکھوں کی تعداد میں کیوں نہ ہوں، جب تک قاتلوں اور لٹیروں کو سزا نہ دی جائے گی اُس وقت تک نیک سے نیک نیت سے پاس کئے ہوئے ریزولیوشن بھی بیکار اور بے فائدہ ثابت ہوں گے۔

حسین رضی اللہ عنہ

وہ نام جن کے زبان پر آنے کے ساتھ رفیع و بلند کیفیتیں اور تعظیم و تکریم کے عظیم الشان جذبات دل میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان ناموں میں سے ایک وہ نام بھی ہے جس کو آج ہم نے زیب عنوان بنایا ہے۔ کونسا مسلمان ہے جس کے دل و دماغ پر حسینؓ کے نام کو سنتے ہی ایک غیر معمولی کیفیت طاری نہیں ہو جاتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس نام کے حروف اور ان کی ترکیب میں کوئی ایسی بات ہے جو یہ اثر ہمارے دلوں پر کرتی ہے ان میں کوئی شک نہیں کہ بعض وقت محض حروف کا حسن ہی کسی لفظ کی کشش کا باعث ہوتا ہے اور حسین کے لفظ میں بھی وہ حسن ضرور موجود ہے لیکن وہ خاص کیفیت جو اس نام کے لینے اور سننے سے ہمارے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے وہ یقیناً صرف اس حسن آواز اور لوچ کی پیداوار نہیں ہے جو ان حروف یا ان کی ترکیب میں ہے جن سے حسین کا لفظ بنا ہے۔

تھوڑے سے غور سے ہم کو معلوم ہوگا کہ اس لفظ یا نام کے ساتھ کچھ ایسے عظیم الشان واقعات وابستہ ہوگئے ہیں کہ گو ان واقعات کا پورا پورا نقشہ ہمارے سامنے نہ بھی آئے لیکن جب ہم اس نام کو زبان سے دُہراتے ہیں تو جو کیفیت ہمارے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے اس کی

ساخت میں ان واقعات کا سایہ ضرور گزر رہا ہوتا ہے جو اس انسان کو پیش آئے تھے جس نے میدانِ کربلا میں صداقت کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے نہ صرف اپنی جان کو قربان کر دیا تھا بلکہ اپنے خاندان کے قریباً تمام نرینہ افراد کو اس غرض کے لئے اپنی آنکھوں سے خاک و خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ ہے وہ مدھم سا پس منظر جو اس لفظ یا نام کی پُراثر طاقت کا حقیقی منبع ہے اور اس کو دُہراتے ہی ہماری آنکھوں کے سامنے اُبھر آتا ہے۔ عربوں میں ویسے تو یہ نام کوئی خاص نام نہ تھا بلکہ عام تھا کئی اشخاص کے نام حسین تھے۔ اس میں کوئی خاص کیفیت یا کشش نہ تھی اب یہ نام صرف ایک عظیم الشان ہستی کا نام ہونے کی وجہ سے کچھ ایسی کیفیتوں کا حامل ہو گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان یہ نام سنتا ہے یا اپنی زبان سے دُہراتا ہے تو اس کے رگ و پے میں ایک ہیجان سا پیدا ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نام میں کچھ نہیں ہوتا۔ یہی نام اب اس قدر عام ہو گیا ہے کہ شاید ہی کوئی گاؤں ہوگا جہاں تین چار نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اشخاص ایسے نہ ہوں جن کا نام حسین ہو لیکن جب ان میں سے ہم کسی کو اس نام سے پکارتے ہیں تو وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جو اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب اِس نام سے ہماری مراد وہ خاص ہستی ہوتی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اس کو یہ قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نام اپنی ذات میں خواہ کتنا بھی اچھا ہو جب تک اس نام کے ساتھ اس شخص کا کام بھی ہمارے دل کی آنکھ میں متشکل نہ ہو محض نام کوئی خاص کیفیت پیدا نہیں کر سکتا۔

ایک پُراثر اور دلکش شعر میں جو الفاظ ہوتے ہیں وہی معمولی الفاظ ہوتے ہیں جو ہم اپنے روزمرہ میں استعمال کرتے ہیں لیکن آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ شاعر کو بعض وقت اس طرح بھی داد دی جاتی ہے کہ ''صاحب! آپ نے فلاں لفظ میں جان ڈال دی ہے'' یہاں جان ڈالنے کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ شاعر نے اس خاص لفظ کو لفظوں کے ایسے ماحول میں رکھ دیا ہے کہ گویا اس میں جان پڑ گئی ہے۔ لفظ کی ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ ماحول کی وجہ سے کسی لفظ میں جان پڑتی ہے۔ اسی طرح کسی نام میں اس شخص کے کام کی وجہ سے جان پڑتی ہے جس کا وہ نام ہوتا ہے۔

اب اگر ہم ہزار بار نہیں لاکھ بار حسین حسین اپنی زبان سے رَٹیں اور وہ واقعات ہمارے ذہن میں نہ ہوں جو میدانِ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آئے تھے، وہ

استقامت، وہ جانبازی، وہ قربانی کی روح جو اُنہوں نے اُس وقت دکھائی اگر ہم کو یاد نہ آئے تو محض حسین حسین پکارنے سے نہ تو اس عظیم الشان نام کی وہ عزت وتکریم ہمارے دل میں پیدا ہوسکتی ہے جس کا وہ مستحق ہے اور نہ ہماری اپنی ذات کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے بلکہ ان واقعات کو دُہرانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ اگر ہم ان واقعات سے سبق حاصل نہ کریں محض ان واقعات کو دُہرا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک ان کو اس طرح پیش نہ کیا جائے کہ سن کر ہم میں بھی ویسے ہی کام کرنے کے جذبات پیدا نہ ہوں، ویسا ہی جوش نہ اُٹھے۔

وہ مثالی قربانی جو خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس عظیم الشان بیٹے نے میدانِ کربلا میں پیش کی ہم اس کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے۔ ایک معمولی لکھا پڑھا انسان بلکہ اَن پڑھ مسلمان بھی کچھ نہ کچھ ان کا علم ضرور رکھتا ہے۔ اِس وقت ہم جو کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آؤ اس نام کو ہم بے فائدہ رَٹ رَٹ کر بدنام نہ کریں بلکہ ان کاموں کی تقلید کی کوشش کریں جو اس ہستی نے میدانِ کربلا میں دکھا کر ایک عالم سے خراجِ تحسین حاصل کیا جن کی وجہ سے یہ معمولی سا نام زندہ ہوگیا۔ اور ہمیشہ کے لئے زندہ ہوگیا اور ان باتوں پر غور کریں جن باتوں سے متاثر ہو کر محمد علی جوہر مرحوم نے یہ شعر کہا تھا۔ ؏

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اِس وقت ہر مسلمان میدانِ کربلا میں ہے اگر ہم کو اس میدان میں مرنا ہی ہے تو آؤ ہم بھی حسینؓ کی موت مریں تا کہ اس کی طرح ہمارا نام بھی زندۂ جاوید ہو۔ ورنہ جو پیدا ہوتا ہے ایک دن مرتا ہی ہے۔ کتنے تھے جن کے نام حسین تھے جو مر گئے مگر ان کو کوئی یاد بھی نہیں کرتا مگر ایک حسینؓ ہے صرف ایک حسینؓ جس کو دنیا بھلانا بھی چاہے تو نہیں بھلا سکتی جس کو دل سے مٹانا بھی چاہے تو نہیں مٹا سکتی کیونکہ اس حسین نے اپنے نام کو اپنے کام سے صفحۂ ہستی پر پتھر کی لکیر بنا دیا ہے کیونکہ اس نام کی پشت و پناہ وہ عظیم الشان قربانی ہے جو مُردہ ناموں کے جسموں میں جان ڈال دیا کرتی ہے کیونکہ اس نے اپنے نام کو ایسے ماحول میں رکھ دیا ہے جس سے وہ روشنی کا مینار

بن گیا ہے اگر تم بھی چاہتے ہو کہ تمہارا نام بھی روشنی کا ایسا مینار بن جائے جو

''شب تاریک و بیم موج و دریائے چنیں حایل''

کے عالَم میں دوسروں کو ساحلِ مراد کا نشان دکھائے تو تم کو بھی وہی کام کرنے ہوں گے جو حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئے۔ (الفضل لاہور ۲۳؍نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تقسیمِ فلسطین کے متعلق روس اور یونائیٹڈ سٹیٹس کے اتحاد کا راز

یہ بات لوگوں کے لئے مُعمہ بن رہی ہے کہ روس جو کل تک عربوں کی دوستی کا دَم بھر رہا تھا یکدم تقسیم فلسطین کا حامی کیوں ہو گیا ہے اور عربوں کی مخالفت کیوں کر رہا ہے؟ یہ مسئلہ اور بھی زیادہ لَایَنۡحَلۡ [۱۳۱] ہو جاتا ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت سب سے زیادہ رقابت روس اور یونائیٹڈ سٹیٹس میں ہے اور یونائیٹڈ سٹیٹس سب سے زیادہ تقسیم فلسطین کا حامی ہے۔ جس چیز کا یونائیٹڈ سٹیٹس حامی ہو روس کے خطرات اس کے متعلق بہت نمایاں ہونے چاہئیں لیکن پچھلے چند ہفتوں سے یکدم روس نے پلٹا کھایا ہے اور وہ اس معاملہ میں یونائٹیڈ سٹیٹس کی پوری مدد کر رہا ہے مگر انگلستان جو اور دوسرے معاملات میں یونائیٹڈ سٹیٹس کا ساتھ دے رہا ہے اس معاملہ میں یونائیٹڈ سٹیٹس کے خلاف چل رہا ہے۔ یہ کایا پلٹ کیوں ہوئی ہے؟ اس کے سمجھنے کیلئے بعض گزشتہ تاریخی واقعات کے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

جس وقت روس میں بالشویک [۱۳۲] نے بغاوت کی تو بہت سے لوگوں کے لئے یہ امر حیرت کا موجب تھا کہ اس بغاوت میں حصہ لینے والے لوگوں میں جو بالشویک پارٹی کے ذمہ دار عہدوں پر متمکن تھے بہت سے یہودی بھی تھے جنہوں نے اپنے نام بدل دیئے ہوئے تھے اُس وقت ایک خفیہ سرکلر بھی پکڑا گیا تھا جس میں کئی سال پہلے یہودیوں کی ایگزیکٹو انجمن نے ایک پروگرام شائع کیا تھا۔ یہ پروگرام ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا تھا اور اس پروگرام میں یہ بتایا گیا تھا کہ روسی حکومت کی حالت ایسی کمزور ہو رہی ہے کہ جلدی ہی وہاں ایک انقلاب رونما ہو گا۔ پس یہودی سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کو چاہئے کہ وہ اس انقلاب کی مدد کریں اور یہودی مصنفوں کو

چاہئے کہ وہ اس انقلاب کی تائید میں اور اس انقلاب کو طاقت دینے کیلئے تصانیف شائع کریں۔ روسی انقلاب کے بعد روسی حکومت کی امداد سے یہودیوں کو فلسطین کی طرف آگے بڑھنا چاہئے۔ یہ پمفلٹ ایک پادری کے قبضہ میں آیا جس نے اس پمفلٹ کو یورپ کے بعض اخبارات میں شائع کرایا لیکن اسے ایک فریب اور یہودیوں کے خلاف سازش قرار دے کر قابل اعتناء نہ سمجھا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں جب بغاوت ہوئی اور بالشویک پارٹی آگے آئی تو اُس وقت اس کے ممبروں میں ایک معتد بہ حصہ یہودیوں کا دیکھ کر پھر بعض لوگوں نے اس پمفلٹ کی طرف توجہ دلائی اور یہ آواز اُٹھائی کہ وہی سکیم اِس موجودہ بغاوت میں کام کرتی نظر آتی ہے لیکن اس وقت انگلستان کی مالی حالت خراب تھی اور یہودی سرمایہ داروں کی امداد کا خواہاں تھا اور امریکہ کا پریذیڈنٹ ڈاکٹر وِلسن [۳۳] دوہی سال بعد اپنے انتخاب کے لئے یہودی ووٹوں اور یہودیوں کی تائید کا محتاج تھا اس لئے اس آواز کو مصلحتاً دبا دیا گیا اور اس اختلاف کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ انگلستان اور امریکہ کی متحدہ کوششیں کامیاب ہوگئیں اور یہ آواز ایک دفعہ پھر دَب گئی اور دنیا کو ایک دفعہ پھر تھپکیاں دے کر سُلا دیا گیا۔ اس وقت روس کی طاقت بالکل کمزور تھی اور خیال کیا جاتا تھا کہ یہ کوشش اگر صحیح بھی ہے تو نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی اس لئے ایک کمزور جدوجہد کو دبانے کے لئے ایک طاقتور قوم کو اپنے خلاف کر لینا عقل کے خلاف ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سکیم آہستہ آہستہ روس میں طاقت پکڑتی گئی۔ آج سے دس سال پہلے روس میں یہودیوں کے خلاف بھی ایک رَو پیدا ہوئی لیکن اس کی حیثیت پارٹی پالیٹکس سے زیادہ نہیں تھی۔ سٹالن [۳۴] اصل میں یہودی ہے اسی طرح اور کئی سوویٹ لیڈر یہودی ہیں کچھ ایسی پارٹیاں بھی روس میں ہیں جو سٹالن اور اس کے ساتھیوں کے خلاف ہیں وہ کبھی کبھی یہ آواز اُٹھاتی ہیں کہ موجودہ گورنمنٹ یہودیوں کی تائید کرتی ہے اور جب یہ آواز ذرا بلند ہونے لگتی ہے تو سوویٹ گورنمنٹ ظاہر داری کے طور پر یہودیوں کو کسی قدر دبا دیتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سوویٹ گورنمنٹ خود اس سکیم کی تائید میں ہے لیکن ہم یہ یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ سوویٹ گورنمنٹ اس تحریک سے فائدہ ضرور اُٹھانا چاہتی ہے۔ سوویٹ گورنمنٹ کی یہ سوچی ہوئی اور فیصلہ شدہ سکیم ہے کہ وہ کسی طرح میڈی ٹرینین (Medi Terranean) پر قبضہ کرے۔ میڈی ٹرینین پر قبضہ

کرنے کے بعد انگلستان اور امریکہ کا تصرف ایشیا پر بالکل ختم ہو جاتا ہے اور مشرقی یورپ اور ایشیا پر اثر پیدا کر لینے کے بعد مغربی یورپ اور امریکہ کی طاقت بالکل ٹوٹ جاتی ہے۔ مشرقِ وسطی پر قابض روس کا مقابلہ افریقہ کے بہت کم آبادی والے علاقے کر ہی کیا سکتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ افریقہ کے ساحلوں پر قبضہ کرنے کے بعد روس اس قابل ہوگا کہ وہ امریکہ کے دل کے سامنے اپنا خنجر نکال کر کھڑا ہو جائے اور امریکہ کی نقل و حرکت کے رستوں کو مسدود کر دے۔ ان سکیموں کے خلاف روسی لیڈر خواہ یہودی تحریک کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں اگر کسی صورت میں بھی مشرقِ وسطی میں یہودیوں کی طاقت انہیں فائدہ پہنچا سکتی ہو تو وہ لازماً یہودی منصوبوں کو نظر انداز کرتے ہوئے یہودیوں کی حکومت کے قیام میں پوری مدد کریں گے اور وہ ایسا کر بھی رہے ہیں۔ مگر ایسی راہوں سے کہ ان کی تدبیریں ضائع نہ ہو جائیں اور وہ یہودیوں کے ہاتھ میں نہ کھیلیں بلکہ یہودی ان کے ہاتھ میں کھیلیں۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے بعد مشرقی جرمنی، پولینڈ، رومانیہ، بلغاریہ اور زیکوسلویکیا کے یہودیوں کو کوئی سال بھر تک روسی ایجنٹوں نے اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کی اور جب وہ لوگ روسی پروپیگنڈا سے متأثر ہو گئے اور ان کی ہمدردیاں روسی مقاصد کے ساتھ وابستہ ہوگئیں تو روس نے اُن کو اس روپیہ سے امداد دے کر جو جرمن اور آسٹرین سے انہوں نے لوٹا تھا اور جو زیادہ تر اُن نوٹوں پر مشتمل تھا جو ان ممالک میں انگریزوں اور امریکنوں نے اپنے پروپیگنڈہ کی خاطر پھیلائے تھے اُنہیں مغربی یورپ کے طرف دھکیلنا شروع کیا۔ وہ لوگ ظاہر یہ کرتے تھے کہ روس کے مظالم سے تنگ آ کر وہ مغربی ممالک کی طرف بھاگ رہے ہیں جہاں سے وہ فلسطین جائیں گے۔ بعض لوگوں نے روسیوں کی اس چالا کی کو سمجھ لیا چنانچہ وہ امریکن جرنیل جو اُس وقت یورپ کی دوبارہ آبادی کے کام پر یو۔ این۔ اے کی طرف سے مقرر تھا اس نے ایک اخباری نمائندہ کے سامنے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہزاروں یہودی اس کے علاقے سے بھاگتے ہوئے مغربی یورپ کی طرف آ رہے ہیں اور یہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کو روسیوں نے لوٹ لیا ہے اور ان کے ظلموں سے تنگ آ کر وہ اِدھر بھاگے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کے بٹوے روپوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ایسے روپیہ سے بھرے ہوئے ہیں جو صرف روسی حکومت ہی اُن کو دے سکتی تھی اس لئے یہ

ہجرت دیانتدارانہ ہجرت نہیں بلکہ اس کے پیچھے کوئی اور سکیم مخفی ہے۔ امریکن جرنیل کے اس بیان پر روسی مقبوضہ جرمنی کے کمانڈر اور روس کے بہت سے سیاسی افسروں نے بڑے زور سے پروٹیسٹ کیا اور اس پر اتنا شور پڑا کہ یو۔این۔اے کی تقسیم امداد کی انجمن کو اُس جرنیل کے خلاف ایکشن لینا پڑا لیکن چونکہ وہ جرنیل بہت بارسوخ تھا اُس نے اپنی عزت بچانے کیلئے کچھ مدت کی مہلت حاصل کر لی اور چند مہینوں کے بعد خود ہی کام سے الگ ہو گیا مگر اس نے اتنی ہمت ضرور کی کہ اپنے بیان کو واپس لینے سے انکار کر دیا لیکن روسی پروپیگنڈا کی وجہ سے امریکن گورنمنٹ کے نمائندوں کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اس جرنیل کا یہ بیان کہ بہت بڑی تعداد میں لوگ اُدھر سے آرہے ہیں درست معلوم نہیں ہوتا مگر یہ واقعہ درست تھا اور یہ تحریک ضرور جاری تھی۔ ذرا سے غور سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ تحریک کیوں جاری کی گئی تھی۔اس کے جاری کرنے کی اس کے سِوا اور کوئی غرض نہ تھی کہ بالشویک خیالات سے متأثر یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد فلسطین میں آباد کرا دی جائے تا کہ آئندہ فلسطین روس کے ساتھ متحد ہو اور روس کو فلسطین میں پاؤں جمانے کا موقع مل جائے۔ روس سے براہِ راست اس قسم کی جماعتیں بھجوانے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگوں کی توجہ فوراً اس راز کی طرف مائل ہو جاتی اس لئے تجویز یہ کی گئی کہ پہلے وہ لوگ اپنے آپ کو روسی ظلموں کا شکار قرار دے کر مغربی یورپ میں جائیں اور پھر وہاں سے فلسطین کی طرف ہجرت کریں تا کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان کی نقل وحرکت کسی روسی سکیم کے ماتحت ہے۔ان لوگوں نے جب فرانس، اٹلی اور جرمنی کے مغربی حصوں کی طرف سے فلسطین کی طرف یورش کی تو انگریزوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ فلسطین میں جا کر ہمارے خلاف منصوبہ بازی کریں گے اس لئے اُنہوں نے ایسے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر جزیرہ سائپرس میں قید کرنا شروع کر دیا اور اس وجہ سے یہودیوں کو عام طور پر اور ان لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ برطانوی حکومت سے بغض پیدا ہو گیا۔

دوسرا رُخ اس کشمکش کا یہ ہے کہ امریکہ کی اقتصادی مشین بہت حد تک یہودیوں کے قبضہ میں ہے چونکہ امریکہ ایک نو آبادی ہے اور نو آبادیوں میں ہر قسم کے لوگ کثرت سے آ کر بس سکتے ہیں اور اپنے وطن کو وہی لوگ زیادہ تر چھوڑتے ہیں جن کو اپنے وطن میں تکالیف ہوں اس

لئے یورپ کے جن مُلکوں میں یہودیوں کو تکلیفیں پہنچی تھیں وہ وہاں سے ہجرت کر کے امریکہ میں چلے جاتے تھے اور چونکہ امریکہ نے ہر مُلک کے مہاجرین کے لئے ایک کوٹہ مقرر کر دیا تھا اور چونکہ یہودی یورپ کے تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اس لئے جب کہ جرمن، اٹیلین، فرانسیسی، انگریزوں، ڈچوں اور دوسرے ممالک کے لئے ہجرت میں روکیں اور حد بندیاں تھیں یہودی بوجہ سارے مُلکوں میں پھیلے ہونے کے سب مُلکوں کے کوٹہ سے فائدہ اُٹھاتے تھے اس لئے دوسری ساری قوموں کی نسبت یہودیوں کا داخلہ امریکہ میں زیادہ سرعت اور زیادہ تعداد میں ہو رہا تھا پس یہودیوں کا قبضہ دوسری قوموں کی نسبت امریکہ میں زیادہ تھا۔ علاوہ اس کے کہ باہر کی قوموں میں سے نئی آنے والی قوموں میں ان کو بڑی کثرت حاصل ہے وہ تجارتی طور پر بھی امریکہ کی منڈیوں پر بڑا قبضہ رکھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی کبھی بھی نیشنلسٹ خیالات کا نہیں ہوا۔ یہودی دماغ ہمیشہ قومیت کی طرف راغب رہا ہے اس لئے کسی مُلک کا فرد ہونے کی وجہ سے وہ اپنی قومی ذمہ داریوں کو بھول نہیں جاتا۔ ایک امریکہ کو جانے والا انگریز ایک دو نسلوں میں انگلستان کو بھول جاتا ہے۔ اسی طرح ایک جرمن اور ایک اٹیلین بھی لیکن ایک یہودی ایک ہزار سال میں بھی اپنے یہودی ہونے کو نہیں بھولتا۔ سینکڑوں سال کے بعد بھی اگر امریکہ کے ایک یہودی کو جرمن کا ایک یہودی ملتا ہے تو وہ اُس کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے بہ نسبت امریکہ کے رہنے والے شخص کے۔ اِس وجہ سے یہودی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر کے ہمیشہ بین الاقوامی منڈیوں پر قابض رہے ہیں اِن کی اس طاقت کی وجہ سے بھی امریکن یہودیوں کی طاقت بڑھ گئی ہے۔ پس ان کی مدد حاصل کرنے کیلئے امریکن حکومتوں نے یکے بعد دیگرے یہودیوں کی فلسطین کو یہودی آبادی بنانے کی سکیم کی تائید کرنی شروع کی۔ پہلے تو یہ تائید صرف اپنے لوکل حالات کی وجہ سے تھی لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد جب امریکنوں نے دیکھا کہ انگریزوں کی طاقت کمزور ہوگئی ہے اور وہ اپنی دور کی چھاؤنیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے اور اس وجہ سے بعض ممالک میں خصوصاً مشرقِ وسطی میں روسیوں کے تصرف کے بڑھ جانے کا خطرہ ہے تو اُنہوں نے فلسطین میں یہودیوں کے آباد کرانے کی سکیم کی خاص طور پر تائید کرنی شروع کر دی۔ اس خیال سے کہ چونکہ یہودی ہمارے ممنونِ احسان ہیں اور فلسطین کی نو آبادی

کے ترقی دینے میں امریکہ کے روپیہ کا خاص حصہ ہے اس لئے اگر کبھی عرب ممالک روس کی طرف مائل ہوئے تو یہودیوں کی یہ چھاؤنی امریکہ کی فوجوں کے لئے ایک کارآمد اڈہ ثابت ہوگی۔ اس طرح دو متضاد چلنے والی نہریں قدرتی حالات کی مجبوری سے ایک ہی سمت بہنے لگیں۔ روس جو کچھ ہی عرصہ پہلے عربوں کی تائید کر رہا تھا اس نے یہ محسوس کیا کہ فلسطین میں اس کے بھجوائے ہوئے یہودیوں کی کافی تعداد پہنچ چکی ہے اور کچھ نئے یہودی اس نے اپنے مُلک سے بھجوانے کے لئے بھی تیار کر لئے جیسا کہ یو۔ این۔ اے میں مصری نمائندہ کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوڈیسا[۳۵] میں بہت سے یہودی نما یہودی فلسطین میں آنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں (یہودی نما یہودیوں سے مصری نمائندہ کا یہ منشاء ہے کہ ان میں سے بعض جھوٹے بنائے ہوئے یہودی ہیں اصلی یہودی نہیں) بہرحال روس نے چند مہینے پہلے تو یہودیوں کی اس لئے مخالفت کی تا کہ لوگوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ روس فلسطین کے یہودیوں سے کچھ کام لینا چاہتا ہے اور اپنے ہم خیال لوگوں کو فلسطین میں داخل کر رہا ہے اور عرب لوگ اِس دھوکا میں رہے کہ روس ان کی امداد کر رہا ہے۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ کافی تعداد ایسے یہودیوں کی فلسطین میں گھس گئی ہے جو روسی اثر کو غالب کر سکتے ہیں تو اس نے یکدم اپنی روش بدل لی اور عربوں کی بجائے یہودیوں کی تائید کرنی شروع کر دی۔ اِدھر امریکہ والے بھی یہ سمجھتے ہوئے کہ فلسطین تو انہی کے روپیہ سے ترقی کر رہا ہے اگر یہودی حکومت الگ بنی تو وہ یقیناً امریکہ ہی کی مدد کرے گی، یہودیوں کی علیحدہ حکومت کے قیام کی تائید میں بڑھتے چلے گئے۔ بظاہر دونوں حکومتیں ایک مقصد کی حمایت کر رہی ہیں لیکن دونوں حکومتیں اس لئے اس ایک مقصد کی حمایت کر رہی ہیں کہ روس سمجھتا ہے کہ اب میرا کافی اثر فلسطین پر ہو چکا ہے اور میں فلسطین سے اپنی مرضی کا کام لے سکتا ہوں اور امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ فلسطین کی تمام ترقی میری ہی امداد پر منحصر ہے اس لئے میں جس طرح چاہوں گا فلسطین کی یہودی آبادی سے کام لوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دونوں میں سے کس کا اندازہ صحیح ہے۔ بہرحال دونوں کا مقصد ایک ہے گو ایک دوسرے کے خلاف ہے۔ دونوں ہی قوموں کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین کو دوسری قوم سے جنگ کے وقت اپنے اڈہ کے طور پر استعمال کریں۔ روس یہ خیال کرتا ہے کہ میری تدبیر کامیاب ہو چکی اور اب

فلسطین کا اڈہ میرے کام آئے گا اور امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ میری سکیم زیادہ مؤثر ہے اور فلسطین کا یہودی مجھ سے آزاد ہو کر روس کی طرف نہیں جا سکتا۔ انگریز یہ دیکھ رہا ہے اس کا مقام ان دونوں سکیموں میں کہیں بھی نہیں اس لئے اب وہ فلسطین کی تقسیم کا مخالف ہو رہا ہے لیکن امریکہ کے ڈر کے مارے مخالفت کر بھی نہیں سکتا اس لئے وہ غیر جانبدارانہ حیثیت اختیار کر رہا ہے مگر اوپر کی تفاصیل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ درحقیقت سب نفسانفسی کی مرض میں مبتلا ہیں عربوں اور مسلمانوں سے کسی کو ہمدردی نہیں ہے مسلمان صرف اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے اور اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پاکستان میں عالمگیر اسلامی تنظیم کا قیام

ہمیں یہ سن کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ لاہور میں مُملکت پاکستان کی پہلی عالمگیر اسلامی تنظیم اسلامک ورلڈ ایسوسی ایشن آف پاکستان کے نام سے قیام پذیر ہوئی ہے جس کا مقصد دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی مراسم کا استحکام ہوگا۔

اس قسم کی تنظیم کا قیام آج سے مدتوں پہلے ہو جانا چاہئے تھا۔ کئی اسلامی مفکر اس قسم کی تنظیم کی ضرورت دیر سے محسوس کر رہے تھے اور بعض نے انفرادی طور پر کوششیں بھی کیں لیکن عالَم اسلام کے مختلف اجزاء کے اضطرابی ماحول نے جو مغربی اقوام کی ریشہ دوانیوں اور زیادہ تر خود مسلمانوں کی ذاتی کمزوریوں کا نتیجہ ہے ان انفرادی کوششوں کو کبھی بارآور ہونے نہیں دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ انجمن ان مقاصد کے حصول کے لئے جو اس نے اپنے سامنے رکھے ہیں پورے انہماک سے جدوجہد کرے تو تھوڑی مدت میں تمام اسلامی دنیا ایک نہایت پائیدار اور مضبوط رشتہ میں منسلک ہو سکتی ہے اور ایک ایسا ٹھوس اور ناقابلِ ہزیمت وجود بن سکتی ہے کہ جس کو دنیا کی تمام مخالف طاقتیں بھی مل کر ہلا نہیں سکتیں اگر اس کام کا بیڑا اُٹھانے والوں نے استقلال اور ہمت سے کام لیا تو اس کی کامیابی یقینی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ایسوسی ایشن کا آئین مرتب کرنے کیلئے جو ابتدائی کمیٹی مقرر کی گئی ہے وہ آئین مرتب کرتے وقت نہایت وُسعت نظر اور کشادہ دِلی سے کام لیتے ہوئے اپنے میدانِ عمل کو مسلمان اقوام کے ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی مقاصد کے رشتۂ اشتراک کو مضبوط و مربوط

کرنے تک ہی محدود رکھے گی اور اعتقادات کے فردی اختلافات کو اپنے راستہ میں حائل نہیں ہونے دے گی۔ اسلام میں عقیدۂ توحید ایک ایسی چٹانی بنیاد ہے کہ جس پر اتحادِ باہمی کی عمارت اُٹھانا کچھ بھی مشکل نہیں۔

اِس وقت تمام دنیا کے مسلمان کچھ ایسے مشترکہ مصائب میں گرفتار ہیں کہ ان سے نجات حاصل کرنا بغیر تمام اسلامی اقوام کے اشتراکِ عمل کے ممکن نہیں۔ کبھی وہ زمانہ تھا کہ اسلامی مساوات اور اسلامی طور وطریق کی یکسانی اور آپس میں میل جول کی آسانیاں غیروں سے تحسین وستائش کا خراج حاصل کرتی تھیں جس کے مٹے ہوئے آثار اب بھی کہیں کہیں نظر آ سکتے ہیں لیکن موجودہ قیامت خیز حالات نے کچھ ایسی نفسانفسی کا عالَم پیدا کر دیا ہے کہ ہم نے وہ تمام باتیں فراموش کر دی ہیں جو انسان کو انسان سے قریب کرنے والی ہم کو اسلام نے عطا کی تھیں اور ہم ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہ گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ باطل پرست طاقتیں یکے بعد دیگرے سب کو نگلتی چلی جارہی ہیں۔

(الفضل لاہور ۲۷ رنومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مسلم لیگ پنجاب کا نیا پروگرام

ہم پہلے بھی کئی دفعہ توجہ دلا چکے ہیں کہ بے سوچ سمجھے قوم کے اوپر کسی پروگرام کا ٹھونسا عقل اور دانائی کا طریق نہیں ہوتا۔ اب پھر ایک دفعہ ہم وزارت پنجاب اور تمام مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ یہ راہ نہایت ہی خطرناک اور مُہلک ہے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہمارے قومی کارکنوں کو یہ بات تو بُری لگے گی لیکن مسلمانوں کے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس تلخ سچائی کے کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اِس وقت پنجاب کی حکومت کی عنان ہے وہ ابھی معمولی ادارے چلانے کا تجربہ نہیں رکھتے بڑی بڑی سکیموں کے ایجاد کرنے اور ان کو چلانے کا سوال تو بالکل الگ ہے۔ انگریز جس حالت میں حکومت کی مشینری چھوڑ کر گیا تھا آج اُس سے بہت بدتر حالت میں ہے۔ پنجاب کا تعلیم یافتہ طبقہ ہی نہیں بلکہ حکومت پاکستان کے بڑے بڑے ذمہ دار افسر بھی یہ شکایت کر رہے ہیں کہ پنجاب کا انتظام خرابی کی طرف جا رہا ہے اور اسکے ذمہ دار افسر اصلاح کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو رہے۔ سندھ کی گورنمنٹ بدنام چلی آتی تھی مگر سندھ کی حالت پنجاب سے بہت بہتر ہے اور اسی طرح صوبہ سرحد کی حالت پنجاب سے بہتر ہے اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ سندھ اور صوبہ سرحد نئے نئے تجربے کرنے کی طرف متوجہ نہیں۔ وہ عملی جدوجہد کے ساتھ اصلاح کر کے مُلک کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ اصلاح کا پہلا قدم یہی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے وہ پنجاب کی نسبت زیادہ کامیاب ہیں۔ سندھ کے روئی کے کارخانے مدت ہوئی چل چکے اور بعض کارخانے تو اب کام ختم کر کے بند بھی ہونے والے ہیں۔ کئی کارخانے دسمبر کے آخر تک اپنا کام ختم کر دیں گے لیکن پنجاب میں ابھی روز اوّل ہے ٹھیکے ابھی تقسیم نہیں کئے گئے اور بند دُکانیں ابھی کھولی نہیں گئیں۔ خفیہ طور پر ہندو تاجروں سے سمجھوتے کئے جا رہے ہیں کہ کسی طرح

وہ واپس آ کر پھر اپنے کام سنبھال لیں اور لیگ اور حکومت پنجاب کے ذمہ دار حُکّام اپنی پرائیویٹ مجلسوں میں اس بات کا اقرار کر رہے ہیں بلکہ بعض تو پلیٹ فارم پر بھی اس کا اعلان کر چکے ہیں کہ ہندوؤں نے پھر آ کر کام شروع نہ کیا تو پاکستان کی مالی حالت بالکل تباہ ہو جائے گی۔ایک طرف تو یہ حالت ہے کہ جو کام پہلے سے چل رہے تھے اُنہی کو سنبھالا نہیں جا سکتا اور وہ خلا جو ہندوؤں کے بھاگ جانے سے پیدا ہو چکا ہے اُس کا ۱۰۰/۱ حصہ بھی اِس وقت تک پُر نہیں ہوا۔ بنکوں کی بزنس رُکی ہوئی ہے لوگ چیک لئے پھرتے ہیں اور اُن کو توڑنے والا کوئی نہیں۔ بنک شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں ٹرینڈ آدمی نہیں مل رہے۔ کارخانوں والے رو رہے ہیں کہ اوّل تو مشینری لوگوں نے اِدھر اُدھر کر لی ہے دوسرے کارخانوں کے نام بدل کر جھوٹی فہرستیں تیار کر لی گئی ہیں۔ اصل کارخانہ کا سامان تو اِدھر اُدھر کر دیا گیا ہے، جھوٹے نام کا کارخانہ جب انڈسٹریل ڈیپارٹمنٹ کسی کو تقسیم کرتا ہے تو وہاں انسپکٹر آف انڈسٹریل لکھ دیتا ہے کہ اس نام کا کوئی کارخانہ ہے ہی نہیں۔ دو مہینے خراب کرنے کے بعد یہ جواب جتنا دل شکن اور ساتھ ہی آنکھیں کھولنے والا ہے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جو بے چینی ان حالات سے پیدا ہو رہی ہے اس کا علاج نئی نئی سکیموں سے کرنا بالکل غلط طریق اور قوم کے لئے مُہلک ہے۔ پہلے اُن رخنوں کو بھرنا چاہئے جو مُلک کی اقتصادی حالت میں پیدا ہو چکے ہیں۔ جو کارخانے اور جو صنعتیں اور جو تجارتیں ہندوؤں کے پاس تھیں اگر وہ مسلمان سنبھال لیں اور صحیح طور پر ان کے ٹیکسوں کی تشخیص ہو جائے تو صوبہ جاتی حکومتوں اور مرکزی حکومت کی مالی حالت نہایت ہی شاندار ہو جاتی ہے۔ اِس وقت صنعتی کارخانوں کو مُلکی اور قومی بنانے کی سکیمیں ایسی ہیں جیسا کہ کسی شخص کا مکان ٹپک رہا ہو اور وہ بجائے چھت پر تین چار ٹوکریاں مٹی ڈال کر اپنے بیوی بچوں کو اور اپنے اسباب کو ضرر سے بچانے کے کسی انجنیئر کی طرف دوڑ جائے کہ ہم آئندہ ایک کوٹھی تیار کریں گے اس کا نقشہ کیسا ہونا چاہئے اور کس کس قسم کا میٹریل اس میں ہونا چاہئے۔ جو کچھ خدا نے دے رکھا ہے پہلے اُس کو سنبھالو وہ ہاتھوں سے نکل رہا ہے اور اقتصادی نظام تہہ و بالا ہو رہا ہے۔ جو کام ہندو افراد آج سے پہلے پنجاب میں کر رہے تھے اور جو یورپین کاموں کے مقابلہ میں کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا جب وہی کام نہیں سنبھالا جا سکتا تو آئندہ ان کی

تعمیروں کے خواب دیکھنا جو تعمیریں کہ بیسیوں سال کی کشمکش اور جدوجہد اور غور وفکر کے بعد یورپ کے فلاسفر اب کھڑی کرنے لگے ہیں اور جس کی خوبی کا مغرب کا کثیر حصہ بھی ابھی قائل نہیں ہوا اور اس کے مُلک کے لئے مضر ہونے پر مصر ہے کہاں تک معقول کہا جا سکتا ہے اور کہاں تک مُلک کے مفاد کے مطابق ہوسکتا ہے۔ مُلک کی اہم صنعتوں کی اصطلاح بھی ایک نہایت پیچیدہ اصطلاح ہے۔ یورپ کی چند مغربی کتابوں میں اہم صنعتوں کی اصطلاح پڑھ کر لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ شاید اہم صنعتوں کی اصطلاح چند مخصوص صنعتوں کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے حالانکہ یہ درست نہیں۔ ہر مُلک کی اہم صنعتیں الگ الگ ہیں اور اہم صنعتوں کا فیصلہ کرنا آسان کام نہیں۔ اہم صنعتوں کا فیصلہ ہوائی، بحری اور برّی فوجوں کے بڑے افسر اور ان کے اقتصادی مشیر مرکز اور صوبہ جات کے مالی افسروں اور پبلک کے اقتصادی ماہروں کے ساتھ مل کر کیا کرتے ہیں۔ ہر مُلک کی اہم صنعتیں دوسرے مُلک کی اہم صنعتوں سے مختلف ہوا کرتی ہیں۔ اہم صنعت کی کوئی ایسی جامع مانع تعریف نہیں ہے جو ہر مُلک پر یکساں چسپاں ہو سکے۔ مغربی ممالک کے اقتصادی ماہر اس ابتدائی نکتہ کو سمجھتے ہیں مگر ہمارے مُلک کی بدقسمتی ہے کہ ہم حقیقت کو سمجھے بغیر صرف الفاظ کے پیچھے چل پڑتے ہیں جس طرح ہمارے مُلک کا عامل نعرے لگا کر یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے دشمن کو قتل کر دینے اور مار دینے میں کامیاب ہو گیا ہے اور موچی دروازہ کے باہر کی میٹنگ میں جو اس نے شور کیا ہے اس شور کی وجہ سے اس کی قوم ہر ایک خطرہ سے محفوظ ہوگئی ہے اسی طرح ہمارے مُلک کا لیڈر یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس نے یورپ کی کوئی کتاب پڑھ لی ہے یا اس نے بعض اخباروں کا مطالعہ کیا ہے اور اس میں سے بعض الفاظ جو اِس وقت مغرب میں یا مغرب کے ایک طبقہ میں مقبول ہو رہے ہیں اسے پسند آ گئے ہیں خصوصاً اس حال میں کہ کالج کے ناتجربہ کار طلباء بھی ان الفاظ کی خوبصورتی سے متأثر ہوکر موقع اور بے موقع ان الفاظ کو استعمال کرنے لگ گئے ہیں تو ان الفاظ کو اپنے پروگرام میں شامل کر دینا گویا مُلک کی ترقی کا راستہ کھول دینا ہے۔ ہماری اس حالت پر خدا ہی رحم کرے ہماری گاڑی دریا کے منجدھار میں پھنسی ہوئی ہے ہم اس گاڑی کو اس دریا سے نکالنے کی کوشش تو نہیں کر رہے اور دوسَو میل کے فاصلہ پر ایک بجلی سے چلنے والی ریل کی سکیم بنا رہے ہیں۔ جس ریل کے چلانے کے

لئے جو مشکلات پیش آتی ہیں ہم ان سے ذرا بھی واقفیت نہیں رکھتے نہ ہماری قوم ان مشکلات سے کوئی واقفیت رکھتی ہے کہ وہ صحیح فیصلہ ہمارے لئے کر سکے۔ مگر ہم ہیں کہ اِس وقت جب کہ گاڑی دریا کی تیز دھار کی مار سے اُلٹنے والی ہے ہماری بیوی اور بچے خوف سے چیخیں مار رہے ہیں۔ بیلوں کے جسم ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہے ہیں، اپنے خیالی پلاؤ کے مزے اُڑا رہے ہیں اور گردوپیش کے تمام خطرات سے آنکھیں بند کر کے مزے سے سر ہلا رہے اور چٹکیاں بجا رہے ہیں۔

(الفضل لاہور ۲۹ ر نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کشمیر کے متعلق صلح کی کوشش

آج کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کے متعلق صلح کی گفتگو ہو رہی ہے اور یہ بھی انہی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں شیخ عبداللہ صاحب کو اس غرض کیلئے بلایا گیا ہے۔ خبر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صلح اس اصول پر ہو رہی ہے کہ پاکستان زور دے کر قبائلی لوگوں کو واپس کرا دے۔ ہندوستان کی فوج کی واپسی کا کوئی ذکر نہیں۔ مسٹر گاندھی بھی بہت خوش نظر آتے ہیں کہ صلح کے امکانات روشن ہو رہے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن کی کوشش سے ہندوستان میں امن کے قیام کی صورت نکل آئے گی۔ شرائطِ صلح جو بتائی گئی ہیں وہ کشمیر کے مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک ہیں۔ کشمیر کے مسلمانوں نے جو قربانیاں کی ہیں وہ ایسی نہیں کہ ان کو یونہی نظر انداز کر دیا جائے۔ خصوصاً پونچھ کے مسلمانوں نے سردھڑ کی بازی لگا دی ہے کوئی ایسا سمجھوتہ جو ان کے حقوق کی حفاظت نہ کرے یقیناً پونچھ کے بہادر جانبازوں کی زندگی ختم کرنے والا ہوگا۔ اس جنگ کے بعد اگر کشمیر پر کوئی ایسی حکومت قابض ہوئی جو ڈوگرہ راج کے تسلسل کو جاری رکھنے والی ہوئی یا جس میں آزاد مسلمانوں کا عنصر بڑی بھاری تعداد میں نہ ہوا تو پونچھ، میرپور اور ریاسی کا بہادر مسلمان ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گا وہ کسی صورت میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ خدا کرے کہ یہ خبر غلط ہو لیکن چونکہ پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے اس کے خلاف کوئی اعلان نہیں ہوا اس لئے ہمیں شبہ ہے کہ یہ خبر اگر ساری نہیں تو کچھ حصہ اس کا ضرور سچا ہے۔ پاکستان گورنمنٹ نے بار بار اعلان کیا ہے کہ وہ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ نہیں لے رہی اور اگر یہ بات درست ہے تو پاکستان گورنمنٹ کو آزاد کشمیر تحریک کے راستہ میں روڑے اٹکانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ پبلک کی ہمدردیاں آزاد مُلکوں میں ہمیشہ ایسے ممالک کے حق میں جاتی ہیں جن سے کہ ان کا کوئی تعلق ہوتا ہے۔ انگلستان، یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ، فرانس، جرمنی

اور دوسرے ممالک باوجود اس کے کہ ان کی حکومتیں بعض حالات میں شامل نہیں ہوئیں دو جنگ کرنے والے فریق میں سے ایک کی مدد کرتی رہی ہیں۔ اگر پاکستان کی آبادی بھی اسی طرح کشمیر کی تحریک آزادی میں حصہ لینے والوں کی مدد کرے تو وہ اپنے جائز حقوق سے کام لیتی ہے اور اسے روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ کشمیر کا پاکستان کے ساتھ ملنا یا کُلّی طور پر آزاد ہونا۔ لیکن پاکستان کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات کا ہونا پاکستان کی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہے اس کے بغیر پاکستان ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس کوئی ایسی تجویز جو اس کے خلاف ہو وہ ہرگز پاکستان کے لئے قابل قبول نہیں ہونی چاہئے۔ پٹھانوں کو جو کشمیر کے معاملہ میں گہری دلچسپی ہے اس کے ثبوت کے طور پر کرنل شاہ پسند صاحب کا وہ خط پیش کیا جا سکتا ہے جو الفضل کے ہفتہ کے ایڈیشن میں شائع ہو چکا ہے۔ کرنل شاہ پسند صاحب اس میں لکھتے ہیں کہ ان کو اور دوسرے پٹھانوں کو کشمیر کے معاملہ میں اتنی دلچسپی اور اتنا گہرا تعلق ہے کہ وہ اور ان کی قوم ان مظالم کو کسی صورت میں بھی بھولنے کیلئے تیار نہیں جو ڈوگرہ راج کی طرف سے مسلمانوں پر کئے گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ اس جنگ میں ہمیں فتح ہوگی یا شکست لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ چاہے سال دو سال یا تین سال لگ جائیں ہم کشمیر کی تحریکِ آزادی کی امداد کو ترک نہیں کریں گے۔ اُنہوں نے اس راز کو بھی افشاء کیا ہے کہ دو سال پہلے خود اُن کو بھی بیس ہزار روپے کی ایک پیشکش کی گئی تھی جس کو اُنہوں نے ٹھکرا دیا اور یہ کہ فقیر اپی صاحب نے بھی ان کو کانگرس کے حق میں کرنے کی کوشش کی تھی اور قائداعظم مسٹر جناح کے خلاف اُکسایا تھا کہ وہ ایک شیعہ ہیں اور تم ایک شیعہ کی اتباع کیوں کرتے ہو۔ کرنل شاہ پسند صاحب ایک مشہور فوجی جرنیل ہیں اور ان کا یہ خط ایک بہادر جرنیل کے خیالات کا آئینہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ اُنہوں نے لکھا ہے وہ ان کے دلی جذبات کا اظہار ہے اور اس میں کسی قسم کی بناوٹ اور تکلّف نہیں ہے۔ کرنل شاہ پسند صاحب نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ مہمندوں اور آفریدیوں کے خیالات بھی ایسے ہی ہونگے۔ یہ لوگ ہماری سرحدوں کے محافظ ہیں اور ان کے جذبات کا خیال رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ پٹھانوں کی جانیں جس طرح بمبئی اور جالندھر اور لدھیانہ میں لی گئی ہیں اور ہندوستان کے بعض اور مقامات میں جس طرح ان کے خون کے ساتھ ہولی کھیلی گئی

ہے، اس کو دیکھتے ہوئے پٹھان کبھی بھی تسلی نہیں پا سکتے کہ اس قسم کے ظالم لوگ ان کی سرحد پر آ بسیں اور ان کے معاملات میں دخل اندازی کرتے رہیں۔ پس کسی قسم کی صلح کی گفتگو سے پہلے پٹھان قبائل سے رائے لینا نہایت ضروری ہے۔ پٹھان قبائل کچھ تو آزاد ہیں اور کچھ نیم آزاد اور ان کا تعلق پاکستان سے ایک رنگ میں اتحادی تعلق ہے۔ دنیا کی حکومتیں کبھی بھی اپنے اتحادیوں سے رائے لئے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھایا کرتیں کیونکہ اگر وہ ایسا کریں تو پھر اتحاد بے معنی ہو جاتا ہے اور اس سے نیک نتائج کا پیدا ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گو کشمیر کی آزاد تحریک کو اس وقت تک پاکستان نے تسلیم نہیں کیا لیکن اس سے مشورہ لینا بین الاقوامی قانون کے خلاف نہیں۔ حال ہی میں سپین کی ایسی حکومت جس کے پاس سپین کے مُلک کا ایک انچ بھی نہیں ہے، اس کے ایک وزیر کو حکومت برطانیہ کے بعض عہدہ داروں نے بُلایا اور اس سے مشورہ لیا۔ سپین کی گورنمنٹ نے اس پر احتجاج بھی کیا لیکن حکومت برطانیہ نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ اس سے پہلے اسی آزاد حکومت سے فرانس کے وزراء مشورے کر چکے ہیں۔ پس گو کشمیر کی آزاد حکومت پاکستان کے نزدیک ایک تسلیم شدہ حکومتِ نہیں لیکن سیاسی رواج کے مطابق ان سے غیر آئینی گفتگو کرنا پاکستان کے لئے منع نہیں اور کشمیر کے متعلق کسی فیصلہ سے پہلے ان لوگوں کے خیالات کا معلوم کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو کشمیر کی آبادی کا وہ حصہ جو شیخ عبداللہ کے ساتھ ہے وہ تو پہلے ہی پاکستان کا مخالف ہے، اس غلطی کی وجہ سے وہ حصہ بھی مخالف ہو جائے گا جو اِس وقت پاکستان کے حق میں ہے اور پاکستان کی سرحد نہ صرف حکومت کے تعلقات کے لحاظ سے بلکہ رعایا کے تعلقات کے لحاظ سے بھی غیر محفوظ ہو جائے گی۔ ہم پھر یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اِس وقت تک جو خبریں ہیں وہ غیر سرکاری ہیں ممکن ہے وہ جھوٹی ہوں اور خدا کرے وہ جھوٹی ہوں لیکن چونکہ یہ خطرہ ہے کہ ان کے اندر کوئی سچائی بھی پائی جاتی ہو اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم وقت سے پہلے حکومت اور پبلک کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلا دیں۔ بڑے بڑے سمجھدار بعض دفعہ غلطیاں کر جاتے ہیں اور حکومت کے وزراء کا اندرونی اور بیرونی حالات سے واقف ہونا اس بات کی ضمانت نہیں ہوتا کہ وہ کبھی غلطی نہیں کریں گے جمہوری حکومتوں میں اخبارات کا یہ حق سمجھا جاتا ہے کہ وہ حکومت کو اس کے فرائض کی طرف توجہ

دلائیں ۔کبھی اخبارات حق پر ہوتے ہیں اور کبھی حکومت حق پر ہوتی ہے اِن دونوں کی آزادانہ رائے ایک دوسرے کی رائے کی اصلاح کر کے مُلک کی بہتری کا موجب ہوتی رہتی ہے ۔ پس ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ حکومت ہمارے مخلصانہ خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی ایسی غلطی نہیں کرے گی جو آئندہ پاکستان کے لئے نقصان کا موجب ہو جائے اور جس کی وجہ سے کشمیر اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں سے اس کے تعلقات بگڑ جائیں ۔ پاکستان اس سے پہلے کشمیر کے متعلق یہ تجویز پیش کر چکا ہے کہ ہندوستان یونین کی فوجیں وہاں سے واپس بُلا لی جائیں اور ادھر پاکستان اپنا اثر اور رسوخ استعمال کر کے افغان قبائل کو وہاں سے واپس لوٹنے پر مجبور کرے ۔ اس کے بعد ایک آزاد ماحول کے ماتحت ریاست کشمیر اور جموں کے لوگوں سے رائے لی جائے ۔ پھر جس طرف ان کی اکثریت ہو اس کے مطابق کشمیر کی حکومت کا فیصلہ کیا جائے ۔ یہ تجویز بالکل معقول اور انصاف کے مطابق اور دُور اندیشانہ تھی ۔ اگر یہی تجویز اس وقت پاس ہوئی ہے تو ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے بشرطیکہ ایک اور امر کا بھی اس میں خیال رکھا جائے اور وہ یہ ہے کہ جموں اور کشمیر میں بسنے والی قوم ایک نہیں جموں اور کشمیر کی قومیں اسی طرح مختلف مذہب اور مختلف نسل رکھتی ہیں جس طرح کہ ہندوستان کی قومیں ۔ جموں کا ڈوگرہ الگ نسل سے تعلق رکھتا ہے اور الگ مذہب سے تعلق رکھتا ہے ، جموں کا مسلمان الگ نسل اور الگ مذہب سے تعلق رکھتا ہے ، ریاسی اور میر پور کا مسلمان بالکل الگ قوم اور نسل کا ہے ، مگر ایک حد تک پونچھ کے لوگوں سے اس کا تعلق ہے ۔ پونچھ ، میر پور اور ریاسی کے مسلمانوں کو ایک گروپ میں شامل کیا جا سکتا ہے ۔ اِن لوگوں کی رشتہ داریاں راولپنڈی ، جہلم اور گجرات کے ساتھ ہیں ۔ کشمیر ویلی کے مسلمان بالکل علیحدہ ہیں ان کی زبان اور ہے اور ان کی قوم اور ہے اور ضلع مظفر آباد کے لوگ بالکل الگ قوم کے ہیں وہ ہزارہ کے لوگوں سے رشتہ داری رکھتے ہیں اور سواتی قوم سے ان کے تعلقات ہیں اس لئے وہ پٹھانوں کی طرف زیادہ مائل ہیں بہ نسبت پونچھوں اور کشمیریوں کے ۔ بارہ مولا کے اوپر کے علاقے پہاڑی ہیں اور گلگت تک ان علاقوں کی بسنے والی قومیں ایک طرف تو چینی نسل کے اثرات کے نیچے ہیں تو دوسری طرف افغانی نسل کے اثرات کے نیچے ہیں ۔ بہرحال یہ قومیں مخلوط ہیں مگر کسی صورت میں بھی ڈوگروں یا کشمیریوں

کے ساتھ ان کا واسطہ نہیں۔ یہ پانچ علاقے ہیں اگر ہندوستان کی حکومت کا فیصلہ کرنے سے پہلے سندھ، پنجاب اور نارتھ ویسٹرن پراونس کی رائے کو ہندوستان کے دوسرے لوگوں کی رائے سے علیحدہ رکھنے کی اہمیت تسلیم کی گئی تھی تو کوئی وجہ نہیں کہ ان لوگوں کی رائے بھی علیحدہ علیحدہ نہ لی جائے۔ پس ہمارے نزدیک میر پور، ریاسی اور پونچھ کی رائے شماری الگ ہونی چاہیے اور بالغ افراد کے حق رائے شماری پر اس کی بنیاد ہونی چاہئے۔ اسی طرح ضلع جموں اور ضلع اودھم پور کی رائے شماری الگ ہونی چاہئے۔ ضلع مظفر آباد کی الگ ہونی چاہئے اور کشمیر ویلی کی الگ ہونی چاہئے اور بارہ مولا کی اوپر کی پہاڑیوں کے باشندوں کی جو گلگت اور تبت تک چلے جاتے ہیں الگ رائے شماری ہونی چاہئے۔ اگر کسی مُلک کے تمام باشندوں کی اکٹھی رائے شماری ہی قانون ہے تو ہندوستان میں ہندوؤں کی رائے مسلمانوں سے زیادہ تھی تو پھر پاکستان کے علیحدہ کرنے کا حق کس طرح پیدا ہوا۔ اگر پاکستان کو علیحدہ کرنے کا حق جائز حق تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ جموں اور ریاست کشمیر کے اندر بسنے والے پانچ علاقوں کا الگ الگ حق نہ سمجھا جائے۔ یہ لوگ رائے دینے کے بعد پھر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا وہ اکٹھے رہنا چاہتے ہیں یا الگ حکومتیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ موجودہ حالات کے لحاظ سے ہم سمجھتے ہیں کہ یقیناً پونچھ، ریاسی اور میر پور پاکستان میں شامل ہو جائیں گے۔ اِسی طرح مظفر آباد بھی پاکستان کے حق میں ووٹ دے گا اور بارہ مولا سے اوپر کے پہاڑی لوگ جن کی سرحد روس اور چین کی سرحد سے ملتی ہے، وہ بھی یقیناً پاکستان کے حق میں ووٹ دیں گے۔ ان علاقوں کا بدھ بھی مسلمانوں کے ساتھ ہے ڈوگروں کے ساتھ نہیں۔ ریاست کی مدد سے وہاں کی تمام تجارت سکھوں کے قبضہ میں ہے اور ان کی لوٹ مار انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ نہایت سُستی قیمتوں پر چیزیں خریدی جاتی ہیں اور بیس گنے زیادہ قیمت پر لا کر کشمیر اور پنجاب میں بیچی جاتی ہیں حالانکہ یہ تجارت وہاں کے باشندوں کا حق ہے جو بدھ اور مسلمان ہیں مگر حکومت کی مشینری ان لوگوں کو آگے نہیں آنے دیتی۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان لوگوں کو جب وہ نسلی اور لسانی طور پر باقی کشمیر کے لوگوں سے الگ ہیں، آزادانہ طور پر رائے دینے کا حق نہ دیا جائے اور اگر ان کے مُلک کی رائے دوسرے صوبوں سے الگ فیصلہ کرے تو ان کو علیحدگی کا حق نہ دیا جائے۔ پاکستان نے جو حق اپنے لئے مانگا تھا کوئی وجہ نہیں کہ وہی حق

گلگت ،مظفرآباد، کشمیر اور پونچھ، میرپور اور ریاسی کو نہ دیا جائے اور ان کے اس حق کی تائید میں پاکستان کی گورنمنٹ اور پاکستان کی رعایا آواز نہ اُٹھائے۔ہم کشمیر کے متعلق مشکوک ہیں کہ آیا کشمیر ویلی کے لوگ اِس وقت پاکستان کے حق میں ووٹ دیں گے یا نہیں دیں گے کیونکہ کشمیر کے نائب وزیر شیخ عبداللہ نے اپنے چند دنوں کے اقتدار میں بہت سے قومی لیڈروں کو گرفتار کر لیا ہے اور بہت سے قومی لیڈر چھپے پھرتے ہیں جب تک کشمیر ویلی آزادی کے بعد دو تین مہینے غیر جانبدار افسروں کے ماتحت نہ رہے، اس کے باشندوں کی رائے آزادانہ رائے نہیں کہلا سکتی۔ پس انصاف کے مطابق فیصلہ جس کی تائید پاکستان حکومت اور پاکستان کی رعایا کو کرنی چاہئے یہی ہے کہ:۔

(۱) پہلے تو جموں اور کشمیر سے ہندوستانی فوج کو واپس بلایا جائے۔

(۲) افغان اور دوسرے لوگ جو کشمیر کے باہر کے ہیں ان کو بھی واپس کیا جائے۔اس کے بعد ایک غیر جانبدارانہ حکومت قائم کی جائے اور یونان کے بادشاہ کی طرح جموں کے راجہ کو مجبور کیا جائے کہ جب تک مُلک کے بالغوں کی رائے شماری کے بعد جموں اور کشمیر سٹیٹ کی آئندہ ساخت کا فیصلہ نہ ہو جائے۔اور وہ فیصلہ اُس کے حق میں نہ ہو، اُس وقت تک مہاراجہ جموں اور کشمیر سے باہر رہیں۔ جموں اور کشمیر سٹیٹ یونان سے زیادہ آزاد نہیں۔اگر یونان کے بادشاہ پر امریکہ اور انگلستان یہ زور ڈال سکتے تھے کہ تا فیصلہ وہ یونان سے باہر رہے تو کشمیر کے مہاراجہ سے یہ شرط کیوں نہیں کی جاسکتی کہ وہ جموں اور کشمیر کے لوگوں کے فیصلہ تک کشمیر سے باہر رہے اور اُس وقت تک ایک غیر جانبدار حکومت جموں اور کشمیر میں قائم کی جائے۔

(۳) گزشتہ ایک سال کے اندر جتنے سکھ اور ہندو جموں اور کشمیر میں باہر سے آ کر بسے ہیں، اُن سب کو وہاں سے رخصت کر دیا جائے۔

(۴) وہ تمام کشمیری، مظفرآبادی، پونچھی اور جموں کے صوبہ کے مسلمان جو پچھلے بارہ مہینے کے عرصہ میں جموں اور کشمیر سٹیٹ سے چلے گئے ہیں اُن کو دوبارہ لا کر آباد کیا جائے۔اس کے بعد ایک آزاد کمیشن کی نگرانی میں ان پانچوں حلقوں سے جو مذہبی اور نسلی اختلاف رکھتے ہیں الگ الگ رائے شماری کی جائے جو جو علاقہ پاکستان میں ملنے کا فیصلہ دے یا آزاد ہونے کا

فیصلہ دے اُسے پاکستان میں ملنے کی اجازت دی جائے یا آزاد ہونے کی اجازت دی جائے اور جو علاقہ ہندوستان سے ملنے کا فیصلہ کرے اُس کو ہندوستان سے ملنے کی اجازت دی جائے۔ یہی ایک جائز اور منصفانہ طریق فیصلہ کا ہے چونکہ صحیح آراء شماری اُس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ نئے آئے ہوئے آدمیوں کو کشمیر سے نکالا نہ جائے اور پُرانے بھاگے ہوئے لوگوں کو واپس لا کر بسایا نہ جائے اس لئے لازماً مردم شماری سے پہلے پانچ چھ مہینے کا وقفہ دینا ضروری ہوگا۔ اور یہ پانچ چھ مہینے کا وقفہ اگر کسی غیر جانبدار حکومت کے ماتحت نہ دیا گیا تو یہ کام کبھی بھی صحیح طور پر تکمیل تک نہ پہنچے گا۔ پس نہ صرف یہ ضروری ہے کہ آراء شماری ایک آزاد کمیشن کے ماتحت ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ایک غیر جانبدار حکومت فوراً کشمیر میں قائم کر دی جائے جو چھ مہینے کے عرصہ میں تمام نئے آئے ہوئے لوگوں کو کشمیر اور جموں سے نکال دے اور پُرانے باشندوں میں سے بھاگے ہوئے لوگوں کو واپس بُلا کر اپنے اپنے علاقوں میں بسائے تب اور صرف تب آراء شماری مُلک کی حقیقی رائے کا آئینہ ہوگی۔ بلکہ ہمارے نزدیک یہ بھی ضروری ہونا چاہئے کہ قریب میں جو مردم شماری ہو چکی ہے اُس کے مطابق مسلمانوں اور ہندوؤں کو حق دیا جائے کیونکہ وہ لاکھوں مسلمان جو جموں میں مار دیا گیا ہے، اُنہوں نے مسلمانوں کی مردم شماری کو اور بھی کم کر دیا ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد کو مار کر رائے شماری لینا انصاف کا طریقہ ہوسکتا ہے تو پھر مسلمانوں کو بھی موقع دیا جائے کہ وہ بھی دو تین مہینہ کے عرصہ میں جموں سے ہندوؤں کا خاتمہ کر لیں تو اُس کے بعد رائے شماری کی جائے۔ مصنوعی حالات کے ماتحت مردم شماری ہرگز جائز اور درست نہیں ہوسکتی۔ پس اگر آٹھ لاکھ مسلمانوں میں سے آج ایک لاکھ رہ گیا ہے تو یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ جموں کے دس لاکھ ہندوؤں کے مقابلہ میں ایک لاکھ مسلمان ہے بلکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر گزشتہ مردم شماری میں جموں کے صوبہ میں دس لاکھ ہندو تھا اور آٹھ لاکھ مسلمان تھا تو سات لاکھ مسلمانوں کے مار دینے کی وجہ سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اب گیارہ افراد میں سے دس ہندو ہیں۔ بلکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ قاتلوں کو اُن کے جرم کی سزا ملے نہ کہ مظلوموں کو اُن کی مظلومیت کی۔ یہ کوئی انصاف نہیں کہ پہلے ایک قوم کو قتل کر دیا جائے پھر اُس کو اقلیت والے حقوق دے دیئے جائیں پس چاہئے تو یہ کہ ظالم قوم کو خواہ وہ اکثریت میں

ہے اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے مگر کم سے کم یہ تو ہو کہ جو بھی مسلمان بچے ہیں اُن کو اتنی آراء کا حق دیا جائے جتنی آراء کا حق گزشتہ مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کو حاصل تھا اور مرنے والوں کے ووٹ بھی مسلم اکثریت کے حق میں سمجھے جائیں کیونکہ یہ تو صاف اور سیدھی بات ہے کہ وہی مسلمان قتل کئے گئے ہونگے جو ڈوگروں کے خلاف رائے رکھتے ہوں گے۔ پس ہر مسلمان جو مارا گیا یہ سمجھا جانا چاہئے کہ اُس کی رائے یقیناً ڈوگرہ راج کے خلاف تھی۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ مسلمان جس کی رائے ڈوگرہ راج کے مطابق تھی اُس کو ڈوگروں نے مار دیا ہو۔

(الفضل لاہور ۳۰ رنومبر ۱۹۴۷ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ ھُوَ النَّاصِرُ

پاکستان اور ہندوستان یونین
صلح یا جنگ

ہندوستان کے ٹکڑے ہو کر پاکستان اور ہندوستان یونین کا قیام ایسا اچانک اور اتنی جلدی ہوا ہے کہ حالات کو اُن کی اصلی شکل میں دیکھنا بہت سے لوگوں کے لئے ناممکن ہو گیا ہے اور اِسی کا یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ لاکھوں لاکھ آدمی دونوں طرف سے مارا گیا ہے۔ اتنی تعداد میں لوگوں کو اپنا وطن چھوڑ کر اتنے قلیل عرصہ میں ہجرت کرنی پڑی کہ اِس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ کروڑ پتی کنگال ہو گئے ہیں اور غریب فقیر اور بھک منگے۔ عورت کی عزت جو تمام دُنیا میں ایک تسلیم شدہ قیمتی چیز ہے اُسے برباد کرنے کی اتنی وسیع کوشش کی گئی ہیں کہ شاید کئی کئی صدیوں کے واقعات ملا کر بھی اُس کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔ دونوں طرف ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کی سچی خواہش ہے کہ کسی طرح محبت اور آشتی کے ساتھ تمام معاملات کو طے کیا جائے لیکن دونوں طرف ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے کے علاقہ کو فتح کرنے کی خوابیں دیکھ رہے ہیں اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ ہندوستان یونین کی طرف زیادہ ہیں بہ نسبت پاکستان کے۔ اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان یونین رُتبہ کے لحاظ سے اور مال کے لحاظ سے بڑی ہے اور وہاں کا رہنے والا فتح کے خواب بڑی آسانی سے دیکھ سکتا ہے لیکن یہ روح اور ایسے خیالات ہندوستان اور پاکستان دونوں کیلئے مضر ہیں۔ عارضی طور پر دونوں مُلک اگر اپنی اپنی سرحدوں کی حفاظت کریں اور دفاع کے نقطۂ نگاہ کے ماتحت اپنی فوجوں کی تنظیم کا

خیال کریں تو یہ ایک جائز ہی نہیں ضروری بات ہے۔ بڑے سے بڑا امن پسند پاکستان حکومت کو کہہ سکتا ہے کہ تم اپنے دفاع کا انتظام کرو اور بڑے سے بڑا امن پسند ہندوستان یونین کو بھی کہہ سکتا ہے کہ تم اپنے دفاع کا انتظام کرو۔ نہ صرف اس لئے کہ دوستی اور محبت کا تقاضا یہ نہیں ہوتا کہ کوئی مُلک اپنے آپ کو دفاع کے لئے تیار نہ رکھے بلکہ اِس لئے بھی کہ بعض لوگ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ طاقت اور زور سے ہم دوسرے کے علاقہ کو فتح کریں گے۔ مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو اور بہت سے اور کانگرسی جو نیشنلسٹ خیالات کے ہیں وہ بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ ہم ہندوستان کے اتحاد کے متمنی ہیں اور اِس کے لئے کوشش کریں گے لیکن ہماری یہ کوششیں جنگ اور طاقت کی صورت اختیار نہیں کریں گی بلکہ ہم صلح اور محبت اور آشتی کے ساتھ ایسا کرنے کی کوشش کریں گے اور اس بات کا کون انکار کرسکتا ہے کہ اگر صلح اور آشتی کے ساتھ یہ دونوں مُلک اکٹھے ہو جائیں یا بہت حد تک اِن میں اتحاد پیدا ہو جائے تو یہ نہایت ہی اعلیٰ اور نہایت مبارک بات ہوگی۔ مُلک کی تقسیم تو محض اس خیال سے تھی کہ موجودہ حالت میں مسلم اقلیت کو ہندو اکثریت سے اُس کے جائز حقوق نہیں مل سکتے۔ اگر کسی وقت آئندہ جا کر یہ تسلی ہو جائے کہ اب یہ خرابی پیدا نہیں ہوگی تو کم سے کم میری خواہش تو یہی ہوگی کہ یہ اختلاف دور ہو جائے اور کسی نہ کسی اچھی بنیاد پر یا تو دونوں مُلک اکٹھے ہو جائیں یا اپنی یونین بنالیں۔ میں تو ہمیشہ سے اس بات کا قائل رہا ہوں کہ برطانوی کامن ویلتھ کے اصول پر اور آزاد حکومتیں بھی اِس گروہ میں شامل ہوتی چلی جائیں اور ساری دنیا اتفاق کی ایک لڑی میں پروئی جائے۔ برطانوی کامن ویلتھ کے اصول پر کسی حکومت کی آزادی میں کسی قسم کا بھی فرق نہیں پڑتا لیکن اتحاد اور یکجہتی کی ایک صورت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ میں تو کبھی بھی یہ سمجھ نہیں سکا کہ کوئی مُلک جو اپنے لئے آزادی چاہتا ہو وہ کیوں برطانوی کامن ویلتھ میں شامل نہ ہو اور ڈرے کہ اِس طرح اُس کی آزادی میں کسی قسم کا فرق آ جائے گا۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ اور روس، آسٹریلیا اور کینیڈا سے ہرگز زیادہ آزاد نہیں ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ آسٹریلیا اور کینیڈا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے مُلک کے اہم مسائل کے متعلق جو بین الاقوامی سیاسی یا اقتصادی تعلقات یا دفاعِ مُلک کے معاملات کے ساتھ تعلق رکھتے ہونگے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے آپس میں اور دوسری

ڈومینینز سے باہمی مشورہ کرلیا کریں گے گویا اُنہوں نے صرف دو گہرے دوستوں کی طرح ایک دوسرے کو راز دار بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ نہیں کیا کہ اُن میں سے ایک دوسرے کا افسر ہوگا۔ پس اُنہوں نے اپنی آزادی فروخت نہیں کی، دوستی مول لی ہے اور دوستی کا مول لینا قطعاً آزادی کا فروخت کرنا نہیں کہلا سکتا۔ جب یہ میرا خیال دنیا کی آزاد کہلانے والی حکومتوں کے متعلق بھی رہا ہے تو میں اس نظریہ پر کس طرح تسلی پا سکتا ہوں کہ جو مُلک پہلے متحد تھے اُن کو پھاڑ پھاڑ کر اور تقسیم کر دیا جائے۔ یہ میں مانتا ہوں کہ کبھی ایک مُلک یا قوم یا مذہب کے باشندوں کی عزت اور آبرو اور مالی حالت بعض دوسروں قوموں یا مُلکوں کے ہاتھ میں اِس بُری طرح آ جاتی ہے کہ وہ پھنسی ہوئی قوم آزادی کا سانس لینے کے قابل ہو ہی نہیں سکتی۔ جب تک کہ اُسے دوسرے کے قبضہ سے نکال کر باہر نہ کیا جائے۔ اور میرے نزدیک یہی حالت مسلمانوں کی اس وقت ہندوستان کی تھی لیکن اس حالت کے بدل جانے پر اور مسلمانوں کا ایک علیحدہ وجود بن جانے پر اگر کوئی ایسی صورت نکل سکے کہ پاکستان اور ہندوستان اپنی آزادیوں کو قائم رکھتے ہوئے پھر متحد ہو جائیں تو اس سے زیادہ اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ ایسا متحدہ ہندوستان یقیناً ایشیاء میں ایک بہت بڑا درجہ حاصل کرسکتا ہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو جو کچھ چاہئے وہ یہ ہے کہ بوجہ اِس کے وہ ہندوستان میں دس کروڑ کے قریب ہیں۔ ایک ایسا مُلک اُن کو مل جائے جس میں وہ اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کو آزادانہ طور پر ترقی دے سکیں اور اپنی گری ہوئی اقتصادی حالت کو سُدھار سکیں۔ اگر ایسا ہو جائے اور جب ایسا ہو جائے تو پھر وہ اپنے مُلک اور ہمسایہ مُلک کی عزت اور رُتبہ کی ترقی کیلئے اگر اُس مُلک سے کوئی سمجھوتہ کریں اور کسی ایسی صورت کا اُس کے ساتھ تصفیہ کرلیں جس سے وہ دونوں مُلک ایک قسم کی یونین کی صورت اختیار کرلیں بغیر اِس کے کہ ان دونوں مُلکوں میں سے کسی ایک کی آزادی میں بھی کوئی فرق آتا ہو اور پاکستان اس قابل رہے کہ وہ اسلامی سیاسیات میں آزادی سے حصہ لے سکے اور مسلمان ممالک کی تائید ہر میدان میں کرسکے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسے اتحاد کا نتیجہ نہ صرف یہ کہ دونوں مُلکوں کی عزت اور نفوذ کے بڑھنے کی صورت میں پیدا ہوگا بلکہ وہ ساڑھے چار کروڑ مسلمان جو ہندوستان میں رہتے ہیں اُن کی جانیں بھی زیادہ محفوظ ہونگی اور وہ عزت کے ساتھ

ہندوستان میں رہ سکیں گے اور وہ کروڑ، ڈیڑھ کروڑ ہندو جو پاکستان میں رہتا ہے وہ بھی عزت اور آبرو کے ساتھ اِس مُلک میں رہ سکے گا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ فائدہ ہوگا کہ ایشیاء کی غلامی کی زنجیریں جو ایک سَو سال سے بھی زیادہ عرصہ سے ایشیائیوں کے ہاتھوں اور پاؤں میں پڑ چکی ہیں وہ اِس اتحاد کی وجہ سے جلد سے جلد ٹوٹنا شروع ہو جائیں گی اور پھر یہ مزید فائدہ ہوگا کہ ہندوستان جو آئندہ آنے والی جنگ میں یقیناً سخت خطرہ میں پڑنے والا ہے وہ اِس جنگ میں کامیاب مقابلہ کر سکے گا ورنہ اِس وقت تو یہ حالت ہے کہ فوجی طاقت نسبتی طور پر پاکستان کے ہاتھ میں زیادہ ہے اور پاکستان ہی ان سرحدوں پر واقعہ ہے جس طرف سے خطرہ کا امکان ہوسکتا ہے بلکہ جو خطرہ پیش آنے والا ہے اُس کا مقابلہ کرنے کیلئے جتنی رقم کی ضرورت ہے وہ پاکستان کے پاس نہیں ہے نہ قریب کے عرصہ میں ہوسکتی ہے۔ اگر ایسی کوئی جنگ ہوئی تو اُس کے لئے شاید چالیس لاکھ سے بھی زیادہ سپاہی کی ضرورت ہوگی۔ چالیس لاکھ سپاہی کے لڑوانے کیلئے کم سے کم چوبیس ارب سالانہ خرچ ہوگا۔ یہ چوبیس ارب سالانہ پاکستان اپنی تمام قربانی کے باوجود بھی مہیا نہیں کرسکتا لیکن دوسری طرف ہندوستان بھی چالیس لاکھ اچھا سپاہی مہیا نہیں کرسکتا۔ دوسرے سرحد پر پاکستان کا مُلک واقعہ ہونے کی وجہ سے وہ پاکستان سے معاہدہ کئے بغیر سرحدوں کی حفاظت میں حصہ بھی نہیں لے سکتا لیکن پاکستان کی امداد سے ایک ایسی جنگ کے لئے جو قومی جنگ ہوگی وہ چوبیس ارب روپیہ مہیا کرسکتا ہے۔ پس ہندوستان یعنی وہ مُلک جس کو پھاڑ کر پاکستان اور ہندوستان یونین بنایا گیا ہے، اُس کی حفاظت اور آئندہ ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے کہ پاکستان اور ہندوستان یونین کے درمیان باعزت سمجھوتہ ہو۔ غیر مُلکی لوگوں کی ریشہ دوانیاں ابھی سے ہندوستان اور پاکستان میں شروع ہیں وہ سطح کے نیچے دبی ہوئی ہیں لیکن ان کے سطح کے نیچے دبے ہونے کی وجہ سے اُن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ اندر ہی اندر آگ سُلگ رہی ہے دونوں مُلکوں کو ہوشیار ہو جانا چاہئے اور ایک دوسرے سے بے اعتنائی اور بے رُخی برتتے ہوئے اپنے مُلک کی تباہی کے سامان نہیں پیدا کرنے چاہئیں۔ جہاں تک اندرونی حفاظت کا سوال ہے پاکستان کو پورا حق ہے کہ وہ اپنی تمام سرحدوں کی حفاظت کرے۔ ان سرحدوں کی بھی جو ہندوستان یونین کی طرف ہیں اور ان سرحدوں کی بھی جو

دوسری طرف ہیں یہ ایک قومی حق ہے جس پر ہندوستان یونین کو بُرا منانے کی کوئی وجہ نہیں اور اس حق کا استعمال دوستی کے خلاف ہرگز نہیں۔ انگلستان اور یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ دونوں دوست ہیں لیکن دونوں اپنی سرحدوں کی بھی حفاظت کر رہے ہیں اور فوجیں اور جنگی سامان بھی پوری طرح تیار کر رہے ہیں۔ یہی حال عراق، شام، فلسطین اور مصر کا ہے۔ پس ہر مُلک کا اپنے دفاع کے لئے کوشش کرنا ایک طبعی حق ہوتا ہے اس پر بُرا منانا حماقت اور بے وقوفی ہوتی ہے۔ اگر ہندوستان اپنی سرحدوں کی حفاظت کرے جن میں اس کی مغربی سرحد بھی شامل ہے جو پاکستان سے ملتی ہے تو یہ بھی اس کا طبعی حق ہوگا اور پاکستان کو اس کے خلاف کوئی شکایت پیدا نہیں ہونی چاہئے، اسی طرح جس طرح ہندوستان کو پاکستان کے خلاف کوئی شکایت نہیں پیدا ہونی چاہئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ حکومت کی عنان [۳۶] صلح کن لوگوں کے قبضہ میں رہے۔ ہوسکتا ہے کہ جس طرح پچھلے دنوں میں ہندوستان یونین جتھوں کو فسادیوں اور لُوٹ مار سے روک نہیں سکتی تھی اسی طرح آئندہ کوئی تحریک ایسی پیدا ہو جائے جس میں کچھ طاقتیں ہندوستان سے آزاد ہوکر پاکستان پر حملہ کر دیں۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ پاکستان میں کوئی ایسا گروہ پیدا ہو جائے کہ وہ ہندوستان یونین پر حملہ کر دے۔ پس اس احتمال کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر دونوں حکومتیں اپنی اپنی سرحدوں کو مضبوط کریں تو یہ نہ صرف جائز بلکہ ضروری احتیاط ہوگی اور اس پر ہرگز دونوں میں سے کسی فریق کو بھی ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ہی دونوں حکومتوں کو اس بارہ میں زیادہ سے زیادہ تعاون اور اتحاد کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ ان کی سیاسی اور اقتصادی اور دفاعی جدوجہد ایک دوسرے کی تائید کیلئے ہو اور ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ وہ ہندوستان اور ایشیا کے امن کو قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں جس کا سب سے زیادہ فائدہ یقیناً مسلمانوں اور ہندوؤں ہی کو پہنچے گا اس لئے کہ مسلمان مختلف ممالک کی آبادی کو ملا کر ایک بہت بڑی حیثیت ایشیا میں رکھتے ہیں اور ہندو ہندوستان کی آبادی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک بہت بڑی تعداد پر مشتمل ہیں اور تیسرے نمبر پر چینیوں کو بھی فائدہ پہنچے گا کیونکہ وہ بھی بڑی بھاری تعداد میں ہیں۔ ایشیا ایک لمبے عرصہ تک غلام رہ چکا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس کی آزادی کیلئے کوشش کی جائے اور پاکستان اور ہندوستان کی آزادی کا اس کام

کی تکمیل کیلئے ایک خدائی سامان ہے اس سامان کو بیوقوفی کے ساتھ ضائع نہیں کر دینا چاہئے۔

ہندوستان اور پاکستان کے اتحاد کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ دونوں طاقتوں میں سے کوئی بھی اپنی آزادی کو کھودے۔ ان آزادیوں کو قائم رکھتے ہوئے بھی یہ دونوں مُلک ایک ہو سکتے ہیں اس سے بھی زیادہ ایک جتنا کہ وہ ایک ہندوستان کے وقت میں تھے اور پھر یہی قدم مزید اتحاد کے لئے رستہ کھول سکتا ہے۔ ہمیں جذبات کی رَو میں نہیں بہنا چاہئے ہمیں موجودہ صورت حالات کو تسلیم کرتے ہوئے اختلاف کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جو شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ جو اتحاد ہو وہ میری ہی پیش کردہ صورت کے مطابق ہو وہ بے وقوفی کرتا ہے اور وہ کامیاب نہیں ہوسکتا سوائے تشدد اور خونریزی کے۔ لیکن جو شخص واقعات کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر اپنے لئے ان واقعات کی روشنی میں ایک نیا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے وہ شخص اپنے نفس کی عزت نہیں چاہتا بلکہ وہ صرف یہی چاہتا ہے کہ اس کا مُلک جس طرح بھی ہو اتحاد کی راہ پر چل پڑے۔ ایسے شخص کا نظریہ چونکہ خودغرضی کے ماتحت نہیں ہوتا بلکہ قومی خدمت کے اثر کے نیچے ہوتا ہے اس نظریہ کی کامیابی کے بیسیوں سامان پیدا ہو سکتے ہیں اور اس نظریہ پر عمل کر کے کامیابی زیادہ سہولت سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ پس میں پاکستان اور ہندوستان کے سربرآوردہ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان زخموں کو مندمل کرنے کی کوشش کریں جو پیدا ہو چکے ہیں اور ان دونوں مُلکوں کو نئی پیدا شدہ صورتِ حالات کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ متحد کرنے کی کوشش کریں۔ اور ان خیالات کو مُلک میں پنپنے نہ دیں کہ جلد سے جلد نئے نئے کسٹمز لگائے جائیں اور پروانہ راہداری جاری کیا جائے اور ایک دوسرے کی زبان کو کچلا جائے۔ جن چیزوں کے جاری کرنے سے کوئی خاص فائدہ مُلک کی آزادی کو نہیں پہنچتا ان کے جاری کرنے میں آخر کیا لُطف ہے۔ مسدود شدہ اتحاد کے راستوں کو کھولنا ہمارا فرض ہے ان کے بند کرنے سے ہم اپنے راستے میں کانٹے بوئیں گے۔

(الفضل لاہور ۴ر دسمبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خطرہ کی سُرخ جھنڈی

ہم نے پہلے بھی بعض ایسے مواقع پر حکومت اور پبلک کو توجہ دلائی ہے جب کہ پاکستان کیلئے خطرہ کی صورتیں پیدا ہو رہی تھیں اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ پھر خطرہ کے بادل اُمڈ رہے ہیں اور ذہنوں میں تشویش پیدا ہو رہی ہے۔ گاندھی جی نے ہندو مسلمانوں کی صلح کے لئے برت رکھا، کہنے والوں نے کہا کہ اس روزے کے وقت منہ ہندو مسلم جھگڑے کی طرف تھا اور نظریں کشمیر کے مسئلہ پر گڑی ہوئی تھیں جو کچھ کہنے والے نے کہا اُس کے آثار بھی ظاہر ہوگئے۔ یو۔این۔او میں پاکستان کا پلڑا جھکتے جھکتے پھر اونچا اُٹھنے لگا اور گاندھی جی کا روزہ ہندوستان کا پلڑا جھکانے میں کامیاب ہوگیا۔ گویا ایک پتھر سے گاندھی جی نے دو شکار کر لئے۔ ان کے منہ کی بات بھی پوری ہوگئی اور ان کے دماغ کی بات بھی پوری ہوگئی۔ گاندھی جی پر کوئی اعتراض نہیں وہ جس چیز کو اچھا سمجھیں اس کے کرنے کا اُن کو پورا حق حاصل ہے۔ وہ جس تدبیر کو جائز سمجھیں اُس کے اختیار کرنے سے اُنہیں کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ اپنی عقل سے کام لینے کے عادی ہیں اور سوچنے کی اُن کو عادت ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص اپنی عقل سے کام نہیں لیتا اور سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا تو اس کا الزام اُس پر ہے نہ گاندھی جی پر۔ بے عقل انسان، عقلمند انسان پر الزام نہیں لگا سکتا کہ تم نے اپنی عقل کے ذریعہ مجھ سے بازی جیت لی ہے۔ دنیا میں مساوات کی تائید میں کتنی ہی چیخ و پکار کی جائے اور امتیازات کے مٹانے کا کتنا بھی دعویٰ کیا جائے حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ خدا تعالیٰ نے جو فرق پیدا کئے ہیں وہ قائم رہیں گے اور ضرور رہیں گے۔ خدا تعالیٰ نے سب انسانوں کو دماغ دیا ہے کسی شخص کا دماغ زیادہ اچھا ہے کسی شخص کا دماغ کم اچھا ہے مگر ہر شخص کو دماغ ملا ہوا ہے۔ جو اپنے دماغ کو استعمال کرتا ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ روشنی حاصل کر لیتا ہے پیچھے رہ جائے تو رہ جائے مگر بالکل مات نہیں کھا جاتا۔ گاندھی جی پر اعتراض کرنے والے

اتنا تو سوچیں کہ وہ اپنے دماغ کو کیوں استعمال نہیں کرتے۔ اب گاندھی جی کے روزہ کے نتیجہ میں چاروں طرف لوگ دوڑے پھر رہے ہیں کہ ہندو مسلمان کی صلح ہو جائے۔ ہندو مسلمان کی صلح سے زیادہ اچھی چیز اور کونسی ہے۔ ہندو اور مسلمان کی صلح کے بغیر ہمارا مُلک جسے ہندوستان کہا جاتا تھا اور تقسیم کے باوجود اب بھی ہم اپنے ذہنوں سے اس مُلک کے خیال کو بھلا نہیں سکتے کبھی بھی ترقی نہیں کرسکتا۔ ہم نے آزادی اس لئے حاصل کی تھی کہ ہم ترقی کریں گے جب تک ہندوستانی ذہنیت پیدا نہ ہوتی دوقوموں کے نظریہ کے باوجود بھی ہم اتفاق اور اتحاد سے آگے قدم بڑھا سکتے تھے۔ انگلستان اور امریکہ دوقومیں ہیں مگر پھر وہ ایک ہوکر کام کر رہی ہیں۔ آسٹریلیا اور کینیڈا بھی دوقومیں ہیں مگر وہ متفق ہوکر کام کر رہی ہیں۔ ساؤتھ افریقہ اور انگلستان بھی دوقومیں ہیں اور قومیں بھی وہ جو ایک دوسرے کے خون میں نہا چکی ہیں مگر پھر بھی وہ متحد ہوکر کام کر رہی ہیں۔ مسلمان اور ہندو دوقومیں ہی سہی اگر دوقوموں کا نظریہ اُنہیں الگ الگ حکومتیں بنانے پر مجبور کر رہا تھا تو ایک وطن کا نظریہ انہیں متحد ہوکر کام کرنے کی توفیق بھی دے سکتا تھا اور وہ ترقی کی طرف قدم بڑھا سکتے تھے۔ اگر ہم سے کوئی پوچھتا تو ہم تو یہی کہتے کہ ہندوستان کو کامن ویلتھ کی حیثیت میں قائم کیا جائے۔ برٹش کامن ویلتھ کے مما لک نے باوجود ایک دوسرے سے آزاد ہونے کے کیسی طاقت حاصل کی۔ وہ ایک دوسرے کی کمزوری کا موجب نہیں بلکہ ایک دوسرے کی طاقت کا موجب ہوئے ہیں۔ اگر ہندوستان میں بھی ایک کامن ویلتھ بن جاتی کوئی لکھا ہوا وفاق نہیں بلکہ ایک سنجیدہ تعاون کی روح کے ساتھ یکجہتی کے ساتھ کام کرنے کا دلی اقرار ہندوستان کی قوموں کے اندر پیدا کیا جاتا اور اسے ایک نام دے دیا جاتا تو صرف وہ نام ہی بہت سے اختلافات کے مٹانے کا موجب ہو جاتا۔ صرف وہ تعاون کا اقرار ہی مل کر کام کرنے کا راستہ کھول دیتا۔ برطانوی کامن ویلتھ کے مُلکوں کو آخر کس چیز نے اکٹھا کیا ہوا ہے؟ کوئی تحریری معاہدہ نہیں جو ان کو ملائے ہوئے ہے۔ بس ایک ارادہ ہے جب چاہیں وہ جدا ہونے کا ارادہ کرلیں مگر اس ارادے ہی نے ایک ایسی طاقت ان کو بخش دی ہے کہ باوجود جدا ہونے کے وہ ایک ہیں۔ مگر وہ وقت تو گزر گیا اب بھی ہم تعاون کے ساتھ بہت کچھ کام کر سکتے ہیں لیکن جبر اور اِکراہ کے ساتھ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے اور غلط تدبیریں ہمیں

یقیناً ایسی طرف لے جائیں گی جہاں سے لوٹنا ہمارے لئے مشکل ہو جائے گا۔ مشرقی اور مغربی پنجاب کی جبری مہاجرت ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس کو سینکڑوں سال کی تاریخ کے اوراق بھی چھپا نہیں سکیں گے۔ سینکڑوں سیاست دانوں کی تقریریں اِس پر پردہ نہ ڈال سکیں گی۔ اس پر پردہ صرف اسی طرح ڈالا جا سکتا ہے کہ اس ظلم کا ازالہ کیا جائے اور جو لوگ جہاں سے آئے ہیں پھر اُنہیں وہیں بسایا جائے مگر غلط تدبیروں سے نہ یہ کام ہو سکتا ہے اور نہ دونوں قوموں کے زخم مُندمل ہو سکتے ہیں۔ کہتے ہیں گاندھی جی اس مرض کے علاج کے لئے لاہور آئیں گے اور سب سے پہلے ماڈل ٹاؤن میں ہندوؤں اور سکھوں کو بسانے کی کوشش کریں گے اور یہ اُن کا حق ہے کیونکہ دلّی کے مسلمانوں کو محفوظ کرنے کیلئے اُنہوں نے روزہ رکھا۔ بات بظاہر نہایت خوبصورت ہے لیکن ادنیٰ سا تدبر بھی ہمیں اس کے ایک نقص کی طرف توجہ دلا سکتا ہے اور وہ یہ کہ جس آبادی کے تبادلہ کا فیصلہ باہم ہوا تھا وہ مشرقی اور مغربی پنجاب کے درمیان تھا۔ دلی اس فیصلہ سے باہر تھی ہمارے نزدیک تو یہ فیصلہ بھی غلط تھا اس فیصلہ نے لاکھوں مسلمانوں کے قدم مشرقی پنجاب سے دُور اُکھاڑ دیئے اُن کو سوچنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیا گیا۔ اُنہیں کہا گیا کہ تمہاری حکومت تم کو اپنے مُلک میں بلا رہی ہے اور اس سے مراد مشرقی پنجاب کے افراد پاکستان لیتے تھے حالانکہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی حکومت ہندوستان یونین تھی پاکستان نہیں۔ جس طرح پاکستان یونین کے ہندوؤں اور سکھوں کی حکومت پاکستان گورنمنٹ تھی نہ کہ ہندوستان یونین۔ بہرحال غلط معاہدہ تھا یا صحیح اس کے نتائج اچھے نکلے یا بُرے۔ معاہدہ بہرحال یہی تھا کہ مشرقی پنجاب کے مسلمان اگر آنا چاہیں تو مغربی پنجاب اُن کو جگہ دے گا اور مغربی پنجاب کے ہندو اور سکھ اگر جانا چاہیں تو مشرقی پنجاب اُن کو جگہ دے گا۔ سیاسی ہتھکنڈوں سے ''اگر چاہیں'' کے الفاظ کے معنی وہ ''ضرور ایسا کریں'' کے بنا لئے گئے اور لاکھوں لاکھ آدمیوں کو اِدھر سے اُدھر پھینک دیا گیا۔ اب یہ تدبیر کی جا رہی ہے کہ دلی میں مسلمانوں کو امن دیا جائے گا۔ اس کے بدلہ میں لاہور میں اور ماڈل ٹاؤن میں ہندوؤں اور سکھوں کو بسایا جائے۔ دِلّی کے مسلمانوں کو نکالنا معاہدہ کے خلاف تھا۔ دِلّی کے مسلمانوں کا نکلنا بھی معاہدہ کے خلاف تھا، دِلّی کے مسلمانوں کے بدلہ میں لاہور یا ماڈل ٹاؤن کی آبادی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ دِلّی کے مسلمانوں کو کس بناء پر نکالا گیا تھا؟ تقسیم تو پنجاب ہوا تھا دِلّی کا صوبہ تو تقسیم نہیں ہوا تھا۔ تقسیمِ پنجاب کا اثر دِلّی کی آبادی پر جا کر کیوں پڑا؟ کیا دِلّی کے صوبہ کا کوئی ٹکڑا بھی پاکستان کو ملا ہے جس کی آبادی کے تبادلہ کا سوال پیدا ہو۔ صرف اور صرف پنجاب اور بنگال کی آبادی کے تبادلہ کا سوال پیدا ہوسکتا ہے گو جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں یہ بھی غلط ہوگا اور انصاف کے خلاف ہوگا لیکن سَو میں سے اگر ایک وجہ جواز بھی پیدا ہوسکتی ہے تو صرف اس بات کی دِلّی کے لوگوں کے اِدھر اُدھر کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ دِلّی کی آبادی کا تعلق لاہور کی آبادی کے ساتھ ہرگز کوئی نہیں۔ لاہور کی آبادی کا تعلق امرتسر کی آبادی سے ہے۔ اگر لاہور میں ہندوؤں اور سکھوں کے بسانے کا سوال پیدا ہوتا ہے تو ساتھ ہی امرتسر میں مسلمانوں کے بسانے کا سوال اُٹھایا جانا چاہئے۔ اس سے پہلے بھی پاکستانی افسر تساہل سے کام لے کر کام خراب کرتے رہے ہیں اور اب پھر آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ گاندھی جی کے روزہ سے ڈر کر ایسی ہی حماقت ہمارے بعض افسر پھر کریں گے۔ ہم یہ تو کہنے کے لئے تیار ہیں کہ ہندوستان یونین مسلمانوں کو بسائے یا نہ بسائے پاکستانی حکومت اسلامی اخلاق سے کام لیتے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کو لا کر دوبارہ اپنی جگہ پر بسا دے یہ خیال نہ کرے کہ اتنے آدمی کہاں بسیں گے۔ بہرحال جن لوگوں نے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر ظلم کیا وہ مغربی پنجاب کے ہندو اور سکھ نہیں تھے۔ اُن کو کسی صورت میں بھی مشرقی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کی وجہ سے تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے لیکن ہم اخلاق اور مذہبی بناء پر اس کی تائید میں ہیں۔ ہم یہ ہرگز جائز نہیں سمجھ سکتے کہ ہماری مذہبی فوقیت کو اس سیاسی شکست کی شکل میں بدل دیا جائے۔ اگر مغربی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کو بغیر کسی بدلہ کے خیال کے مغربی پنجاب میں بسایا جائے تو یہ ہماری فتح ہوگی، اسلام کی فتح ہوگی، اخلاق کی فتح ہوگی، روحانیت کی فتح ہوگی لیکن اگر دِلّی کے مسلمانوں کے بسائے جانے کی وجہ سے لاہور کی آبادی کی گئی تو یہ ہماری شکست ہوگی مذہباً بھی اخلاقاً بھی اور سیاستاً بھی۔ لاہور پاکستان کی سرحدوں کا ایک شہر ہے ایک سیاسی تدبیر کے ماتحت یہ مان لینا کہ تین سَو میل پر واقعہ دِلّی میں مسلمان آبادی کا بسا دینا جن کا نکالنا کسی معاہدہ کی رُو سے جائز نہیں تھا، لاہور میں ہندوؤں اور سکھوں کے بسا دینے کا بدل ہوسکتا ہے، بدترین حماقت کی مثال

ہوگی۔اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پاکستان اپنی سرحد پر مشرقی پنجاب کے ایجنٹوں کو بسا دے گا اور مسلمان بہرحال پاکستان کی سرحد سے اڑھائی سَو میل کے فاصلہ پر رہے گا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک طرف ہندوؤں سکھوں کو بسانا اور دوسری طرف اُن پر بدظنی کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہندوستان یونین کے مسلمانوں پر اُس وقت تک اعتبار نہ کرنا جب تک وہ لیگ کی دوقوموں کی پالیسی کو بُرا بھلا نہ کہیں اور اگر وہاں کے مسلمانوں کی تلاشیاں لینا اور اُن کو خود مسٹر گاندھی تک کا کہنا کہ ایسے مسلمانوں کی اقلیت اپنے سے نو گنے تعداد والی اکثریت کا ڈر نکالنے اور ان سورماؤں کو اطمینان دلانے کے لئے چھوٹا چاقو بھی اپنے پاس نہ رکھے، بدظنی نہیں تو ایسی تدبیر کے خلاف کہ دِلّی جو معاہدہ انخلاء میں شامل نہ تھا اس کی آبادی کی بناء پر لاہور اور ماڈل ٹاؤن کی آبادی کا سوال اُٹھانا اور امرتسر اور گورداسپور کو بھول جانا ہمارے کان کھڑے ہو جانے پر بدظنی نہیں عقلمندی ہے۔آخر کیوں امرتسر اور گورداسپور کے اضلاع نہ آباد کئے جائیں اور لاہور کو آباد کیا جائے۔ اگر پاکستان کی سرحد کو ہندوؤں اور سکھوں سے آباد کرنا ہے تو لازماً ہندوستان کی سرحد کو بھی مسلمانوں سے آباد کرنا ہوگا اور اگر کسی تدبیر سے اس سوال کو پیچھے ڈالا گیا تو عقل مطالبہ کرے گی کہ ہوشیار باش ونگہ دار۔

غرض اگر اسلامی اخلاق سے کام لے کر ہندوؤں اور سکھوں کو سارے ملک میں بسایا جائے تو یہ اور بات ہے لیکن باہمی سودے کے ساتھ اور اصول تعاون کی شکل دے کر ایک فریق کو لاہور میں اور دوسرے فریق کو دِلّی میں بسایا جائے تو یہ ہرگز سودا نہیں۔اوّل تو دِلّی کا مسلمان اس سودے میں شامل ہی نہیں، جو بدل نہیں اُس کو قیمت کے طور پر پیش کرنے کا سوال ہی نہیں دوسرے لاہور پاکستان کی سرحد پر واقعہ ہے اور دِلّی پاکستان کی سرحد سے دوسَو میل پرے ہے۔ دونوں کو آباد کرنے میں دور کی بھی مشابہت نہیں۔ پھر بعض لوگ یہ سوال کر دیں گے کہ لکھنؤ کے مسلمانوں کو کچھ لوگ اُجاڑنے لگے تھے ہندوستان یونین کے بعض بااخلاق لوگ لکھنؤ کے لوگوں کو اُجڑنے سے روکنے لگے اس کے بدلہ میں سیالکوٹ اور گوجرانوالہ میں سکھوں اور ہندوؤں کو بسا دیا جائے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ الٰہ آباد کے مسلمانوں کو کچھ فسادی اُجاڑنے لگے تھے ہندوستان یونین کے بعض بااخلاق لوگ اُن کو بسانے کے لئے تیار ہوگئے۔

اس کے بدلہ میں ہندوؤں اور سکھوں کو شیخوپورہ اور منٹگمری میں آباد کر دیا جائے۔ ہم اگر اس داؤ میں آ گئے تو اپنی اخلاقی فتح اور مذہبی فتح کو بھی ضائع کر دیں گے اور سیاستاً بھی دنیا کی نظروں میں احمق اور بیوقوف قرار پائیں گے۔

کراچی اور صوبہ سرحد کی آبادی کے متعلق پاکستان کو ہرگز کوئی مطالبہ نہیں کرنا چاہئے یہ مُلک تقسیم نہیں ہوئے پاکستان کو صاف کہہ دینا چاہئے کہ ان ملکوں کا ہر ہندو اور ہر سکھ ہر وقت اگر آباد ہو سکتا ہے اور اس کی جائداد دلانے کا وہ ذمہ دار ہے اور مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال کے متعلق پاکستان کی حکومت کو یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ ان ملکوں میں بھی اگر کوئی شخص آ کر آباد ہوتا ہے تو ہم اُس کو آباد کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن اس کی دو صورتیں ہونگی اگر صرف ہم آباد کریں اور مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو آباد نہ کیا جائے تو ہم پہلے راولپنڈی ڈویژن کو آباد کریں گے اور اس کے بعد مشرق کی طرف بڑھنے شروع کریں گے۔ اس کے برخلاف اگر سمجھوتہ کے ساتھ پاکستان اور ہندوستان اس جبری ہجرت کے نقصانوں کو دور کرانا چاہیں تو انبالہ ڈویژن کی آبادی کے مقابلہ میں راولپنڈی ڈویژن کی آبادی ہوگی اور جالندھر ڈویژن کی آبادی کے مقابلہ میں لاہور ڈویژن کی آبادی ہوگی۔ لاہور، منٹگمری اور سیالکوٹ کی آبادی، فیروز پور، امرتسر اور گورداسپور کی آبادی کے مقابلہ میں ہوگی یہی ایک طریق فیصلہ ہے جس سے سیاستاً پاکستان نقصان سے بچ سکتا ہے۔ ہم مذہبی احکام کے پورا کرنے کیلئے ہر سیاسی خطرہ کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن ہمارا مذہب یہ نہیں کہتا کہ سودا کر کے لوگوں کو لاؤ۔ ہمارا مذہب تو یہ کہتا ہے کہ مُلک سے کسی کو نکالو نہیں اگر اس تدبیر سے ہم کو کوئی نقصان پہنچے تو کم سے کم اسلام کی فوقیت اور برتری تو ثابت ہوگی آنے والے کے دل میں اگر ذرا بھی شرم و حیا ہوگی تو وہ یہ خیال کر کے کہ پاکستان مجھے بغیر کسی مبادلہ کے آباد کر رہا ہے میری قوم کے لوگوں نے مسلمانوں کو آباد کرنے کا ارادہ نہیں کیا مگر پاکستان مجھے اور میرے ہم مذہبوں کو آباد کر رہا ہے، دشمنی کے خیالات چھوڑ کر دوستی کے جذبات محسوس کرنے لگے گا اور جو بدنیت پھر بھی اصلاح نہ کرے گا اُس کے شر سے ہم کو وہ خدا بچائے گا جس کے حکم کی خاطر ہم خطرہ برداشت کریں گے لیکن اگر ایسا ہم نے نہیں کرنا تو پھر سمجھوتہ عقل کے مطابق ہونا چاہئے۔ دِلّی اور لاہور کی آپس میں کوئی

مشابہت نہیں۔ کراچی اور دِلّی کی آپس میں مشابہت ہے جس طرح باہمی سمجھوتہ میں دِلّی سے مسلمانوں کے نکلنے کا کوئی سوال نہیں تھا اِسی طرح کراچی سے ہندوؤں کے نکلنے کا بھی کوئی سوال نہیں تھا۔ دِلّی سے مسلمانوں کو نکالنے کے متعلق خواہ کتنا ہی مخفی دباؤ ہندوؤں نے استعمال کیا ہو وہ ناجائز اور ظالمانہ تھا اور کراچی سے ہندوؤں اور سکھوں کے نکالنے کے متعلق خواہ کتنا ہی مخفی دباؤ مسلمانوں نے استعمال کیا ہو وہ ناجائز اور ظالمانہ تھا۔ دِلّی میں جو سہولت ہندوستان یونین مسلمانوں کو دے کراچی میں وہ سہولت پاکستان کو ہندوؤں کو دینی چاہئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سہولتیں دینی چاہئیں کیونکہ مسلمان کے اخلاق دوسروں سے بڑھ کر ہونے چاہئیں لیکن دِلّی اور مغربی پنجاب کے سرحدی علاقوں کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔ ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اور نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ایسا ہوا تو پاکستان کا دفاع کمزور ہو جائے گا وہ کھڑا ہونے سے پہلے گر جائے گا اور دنیا اُس سے ہمدردی نہیں کرے گی بلکہ اُس پر ہنسے گی اور اُسے کہے گی کہ اپنی حماقت کا خمیازہ آپ ہی بھگت۔

(الفضل ۲۸؍ جنوری ۱۹۴۸ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ ھُوَ النَّاصِرُ

قادیان، ننکانہ اور کشمیر

میں کچھ دنوں کے لئے سندھ گیا ہوا تھا اس دورہ میں ایک ہفتہ کے قریب میں کراچی بھی ٹھہرا۔ ۱۹؍ تاریخ کو کراچی سے روانہ ہو کر ۲۰؍ کی شام کو میں لاہور پہنچا۔ ۲۱؍ تاریخ کے بعض اخبارات میں مَیں نے یہ مضمون پڑھا کہ جماعت احمدیہ قادیان اور ننکانہ کے تبادلہ کی کوشش کر رہی ہے اور یہ کہ اسی سلسلہ میں مَیں کراچی گیا تھا ایک اخبار نے اس طرف بھی اشارہ کیا تھا کہ گویا سر ظفر اللہ خان نے مسٹر آئنگر [۳۷] کو یہ پیشکش کی ہے کہ وہ قادیان احمدیوں کو واپس دے دیں تو کشمیر کے معاملہ میں وہ ان سے سمجھوتہ کر لیں گے۔ یہ باتیں اتنی مضحکہ خیز ہیں کہ عام حالات میں مجھے اس کے متعلق کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ یہ ایام مسلمانوں کے لئے نہایت نازک ہیں اور دشمن چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں اختلافات پیدا کر کے ان کی طاقت کو توڑا جائے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ہر قسم کی بدظنی اور شبہات کو دور کرنے کیلئے میں حقیقت حال ظاہر کر دوں۔

یہ بحث درحقیقت دو متضاد باتوں پر مبنی ہے اور ایک ہی وقت میں ان دونوں باتوں کا پیش کرنا ہی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ اگر قادیان اور ننکانہ کے بارہ میں کوئی سمجھوتہ ہو رہا ہے تو کشمیر کے سوال کو اس میں گھسیٹنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر قادیان کے بدلہ میں سر ظفر اللہ خان کشمیر فروخت کر رہے تھے تو پھر ننکانہ کا بیچ میں کیا سوال پیدا ہوتا ہے اور میرے کراچی جا کر قائداعظم اور محترم لیاقت علی خان صاحب [۳۸] سے ملنے کا کیا مطلب؟ دونوں باتوں میں سے ایک ہی صحیح ہوسکتی ہے دونوں تو صحیح نہیں ہوسکتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں ہی غلط ہیں اور بِالبداہت غلط ہیں۔ میں ان دونوں باتوں کو الگ الگ لیتا ہوں اور اس حد تک حقیقت پر سے پردہ اُٹھاتا ہوں جس حد تک پردہ اُٹھانا پاکستان کے لئے مضر نہیں۔ بعض باتیں ایسی ہیں کہ اگر میں ظاہر کروں تو ان دونوں الزاموں کی لغویت اور بھی ظاہر ہو جائے گی لیکن میں پاکستان کی مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو بیان نہیں کروں گا اور میرے نزدیک جن لوگوں نے ''پرتاب'' جیسے اخبار میں یہ خبر پڑھ کر اسے سچا قرار دیا ہے، اُنہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے مسلمان اخبار ''پرتاب'' اور ''ملاپ'' کی سپیشلوں پر ہنسی اُڑاتے چلے آئے ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اسی ''پرتاب'' کی ایک ایسی خبر جو بِالبداہت غلط ہے بغیر تحقیق کے قبول کر لی گئی ہے حالانکہ قرآن کریم میں صاف حکم موجود ہے کہ بے اعتبار لوگوں کی طرف سے جو بات اُڑائی جائے اُسے تحقیق کے بغیر قبول نہیں کرنا چاہئے۔ [۳۹]

شاید میں کوئی سرکاری راز ظاہر کرنے والا نہیں بنوں گا اگر میں اتنا ظاہر کر دوں کہ پاکستان اور ہندوستان یونین میں مذہبی مقامات کی حفاظت کے متعلق گفت وشنید ہو رہی ہے یہ گفت وشنید نومبر سے شروع ہے جب کہ سر ظفر اللہ خان کی منسٹری کا سوال بھی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ سر ظفر اللہ خان ہندوستان سے باہر تھے۔ اس گفت وشنید کی ابتداء بھی پاکستان کی طرف سے نہیں ہوئی کہ اس میں احمدیہ جماعت کا کوئی دخل سمجھا جائے یہ مسئلہ پہلے اشاروں اشاروں میں انڈین یونین نے چھیڑا اور پھر غالباً دسمبر میں جب کہ ابھی سر ظفر اللہ خان منسٹر مقرر نہیں ہوئے تھے انڈین یونین نے پاکستان گورنمنٹ کے سامنے اس مسئلہ کو باقاعدہ طور پر پیش کیا۔ اس کا ایک حصہ اخبارات میں آ چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ ننکانہ میں جلسہ کرنے کی اجازت پاکستان گورنمنٹ سے ہندوستان یونین نے طلب کی اس کا جواب دینا پاکستان گورنمنٹ کیلئے بہت مشکل تھا۔ اگر وہ اس بات کو مان لیتے تو اس وقت کے حالات کے مطابق خطرہ تھا کہ کسی سکیم کے ماتحت اس جلسہ کو حملہ کا ذریعہ بنا لیا جاتا۔ جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو جماعت احمدیہ نے پاکستانی حکومت کو اس مشکل سے بچانے کیلئے یہ درخواست دی کہ ہمارے سالانہ جلسہ کے دن بھی قریب ہیں ہمیں بھی قادیان میں جلسہ کرنے کی اجازت دی جائے اور جو سہولتیں ننکانہ میں

سکھ مانگتے ہیں وہی سہولتیں قادیان کے جلسہ کے لئے انڈین یونین دے۔ ہم نے صرف پاکستان سے ہی یہ درخواست نہ کی بلکہ انڈین یونین سے بھی یہی مطالبہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انڈین یونین اپنے مطالبہ پر اصرار کرنے سے باز آ گئی کیونکہ یہ بِالمقابل کا مطالبہ ان کی مرضی کے مطابق نہ تھا۔ اس کے بعد جماعت احمدیہ کو معلوم ہوا کہ انڈین یونین نے ننکانہ کی حفاظت کا سوال اُٹھایا ہے اور پاکستان حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ وہاں سکھوں کو رہنے کی اجازت دے اور گوردوارہ کے ساتھ جتنی جائداد ہے وہ سکھوں کو واپس دے دی جائے، ورنہ سکھ آپے سے باہر ہو جائیں گے جب ہمیں کسی ذریعہ سے اس مطالبہ کی خبر معلوم ہوئی تو جماعت احمدیہ نے فوراً پاکستان کے بعض حُکّام کو توجہ دلائی کہ اُنہیں بھی ایسا ہی مطالبہ سرہند، قادیان اور دیگر مقامات مقدسہ کے متعلق کر دینا چاہئے اور قادیان کی طرف سے ایسا مطالبہ ہم نے تحریری طور پر پیش بھی کر دیا۔ پاکستان گورنمنٹ نے دوسرے اسلامی مقدس مقامات کی بھی لسٹیں جمع کرنی شروع کیں اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے قادیان کے ساتھ تین چار اور مقدس مقامات کی لسٹ بھی اب تک تیار ہو چکی ہے اور ابھی اس لسٹ کی تیاری کا کام جاری ہے۔ جب انڈین یونین اپنے مطالبہ کو باقاعدہ طور پر پیش کرے گی تو جہاں تک ہمارا علم ہے پاکستان بھی مختلف اسلامی فرقوں کے مقدس مقامات کی فہرست پیش کرے گا اور مطالبہ کرے گا کہ دونوں فریقوں کے ساتھ ایک سا سلوک ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ سیاسی گفت وشنید میں اس سے زیادہ مؤثر دلیل اور کوئی نہیں ہوا کرتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو انڈین یونین اپنے مطالبہ کو واپس لے لے گی یا وہ پھر مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے حقوق کو بھی تسلیم کرے گی جن میں سے قادیان کا مطالبہ صرف ایک جزو ہے کُل نہیں، اصل مطالبہ تمام اسلامی فرقوں کے مقدس مقامات پر مشتمل ہوگا۔ جہاں تک ہمارا علم ہے اب تک انڈین یونین کی طرف سے آخری مطالبہ اس بارہ میں نہیں ہوا اس لئے پاکستان گورنمنٹ ابھی مسلمانوں کے مطالبات کو جمع کر رہی ہے۔ بجائے اس کے کہ ''پرتاب'' کی غلط خبر پر بعض مسلمان اخبار گھبراہٹ کا اظہار کرتے، چاہئے یہ تھا کہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو بیدار کیا جاتا کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کے مقدس مقامات کی پاکستان حکومت کو اطلاع دیں۔ اس کے بعد پاکستان حکومت ان میں سے ایسے مقامات کو منتخب

کر لیتی جو اِس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ اُنہیں اس گفت وشنید میں شامل کیا جانا چاہئے ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مس مردولا سارا بائی کے ذریعہ سے کوئی معاہدہ کرانے کی احمدیہ جماعت نے کوشش کی ہے ۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ نہ مس سارا بائی کوئی سیاسی اختیار رکھتی ہے نہ جماعت احمدیہ کوئی سیاسی اقتدار رکھتی ہے ۔مس سارا بائی مجھے ملی تھیں اوران کے ساتھ مسٹر پنجا جی ڈپٹی ہائی کمشنر بھی تھے ۔ اُس وقت اُنہوں نے بعض مظالم کا ذکر کیا تھا جو اُن کے نزدیک مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں پر ہو رہے تھے اور مَیں نے اُن سے کہا تھا کہ آپ اپنی حکومت کی فکر کریں ۔ مشرقی پنجاب میں رہنے والے مسلمان انڈین یونین کی رعایا ہیں وہ ان کی فکر تو کرتی نہیں اور مغربی پنجاب کے رہنے والے لوگوں کی جو پاکستان کی رعایا ہیں فکر کر رہی ہے ۔ اس کے بعد مقدس مقامات کا ذکر شروع ہوا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ کی حکومت ننکانہ وغیرہ کے متعلق تو مطالبات کرتی ہے وہ احمدیوں کو قادیان میں حق کیوں نہیں دیتی حالانکہ مطالبہ انصاف پر مبنی ہونا چاہئے اور دونوں فریق سے یکساں سلوک ہونا چاہئے ۔شاید میری پہلی بات سے متأثر ہو کر مس سارا بائی نے اِس کے جواب میں کہا کہ ننکانہ کے سوال کو جانے دیں پاکستان کچھ کرے، انڈین یونین قادیان میں احمدیوں کو آباد کرائے گی ۔مس سارا بائی کی ملاقات غیر رسمی تھی چنانچہ ان کے لاہور سے جانے کے بعد ان کی طرف سے کوئی اطلاع ہمیں نہیں ملی اور نہ ہم امید وار تھے کہ وہ کوئی اطلاع ہمیں دیں گی کیونکہ نہ وہ انڈین یونین کی نمائندہ تھیں اور نہ کسی قسم کے فیصلہ کا ان کو اختیار تھا مگر اس گفتگو سے ظاہر ہے کہ سمجھوتہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ مس سارا بائی نے خود کہا کہ یہ سوال جانے دیں کہ پاکستان کی حکومت سکھوں اور ہندوؤں کے مقدس مقامات سے کیا سلوک کرے گی ۔ انڈین یونین ہر حال اپنے علاقہ کے لوگوں سے انصاف کا سلوک کرے گی اور قادیان میں احمدی بسائے گی ۔ یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ مس سارا بائی نے قادیان جا کر اِس قسم کی کوشش کی بھی تھی گو وہ میری ملاقات سے پہلے کی بات ہے ۔

ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ جماعت احمدیہ نہ حکومتِ پاکستان ہے نہ وہ پاکستان کی اکثریت ہے کہ کسی سے پاکستان کی کوئی چیز دِلوانے کا وہ وعدہ کر سکے اور جاننے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس محکمہ سے جو یہ کام کر رہا ہے سر ظفر اللہ سے کوئی دُور کا بھی تعلق نہیں اِس کام سے تعلق رکھنے

والے محکمہ کا مرکز لاہور ہے اور اس کا انچارج ایک دوسرا منسٹر ہے جو نہایت دیانتداری سے بِلا تفریق مذہب وملت پاکستان کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کوشش کر رہا ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ مَیں کراچی اس غرض کے لئے گیا تھا کہ قائداعظم اور محترم لیاقت علی خان سے مل کر اس تجویز کی منظوری لوں خدا تعالیٰ نے اِس الزام کو اِس طرح جھوٹا کر دیا ہے کہ باوجود اِس کے کہ مجھ سے بعض لوگوں نے خواہش کی کہ مَیں قائداعظم سے ملوں اور بعض امور کا جن کو وہ نہایت اہم سمجھتے تھے اور جن کے متعلق ان کو یہ یقین تھا کہ اُن کے بارہ میں میرے خیالات صحیح ہیں تذکرہ قائداعظم سے کروں۔ میں نے اِس بات سے انکار کیا اور اُن سے کہا کہ قائداعظم پر آجکل جو ذمہ داریاں ہیں اُن کے ہوتے ہوئے غالباً میرا اُن سے ملنے کی کوشش کرنا شاید درست نہ ہوگا اور شاید مفید بھی نہ ہو۔ غرض کراچی کے قیام کے دوران میں نہ مَیں قائداعظم سے ملا نہ محترم لیاقت علی خان سے اور نہ مَیں نے اُن سے ملنے کیلئے درخواست کی۔ قائداعظم سے جو لوگ ملتے ہیں گورنمنٹ کے اعلانوں میں اُن کے نام شائع ہوتے رہتے ہیں چونکہ یہ معترضانہ مضامین میری واپسی پر لکھے گئے ہیں اُس وقت تک ہر اخبار نویس کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ نہ مَیں قائداعظم سے ملا ہوں نہ محترم لیاقت علی خان سے ملا ہوں۔ پس پرتاب کا جھوٹ اُن پر کھل چکا تھا۔ مزید یہ کہ مَیں سفر کراچی میں کسی اور وزیر سے بھی نہیں ملا۔ صرف ایک دعوت میں وزیر خزانہ سے مَیں نے مصافحہ کیا ہے وہ دعوت میں آئے تھے اور کھانے کے کمرہ سے نکلتے وقت دروازہ میں ایک دوست نے ہمیں آپس میں انٹروڈیوس کرایا تھا۔

قادیان اور مسئلہ کشمیر

اَب میں اعتراضات کے دوسرے حصہ کو لیتا ہوں جو یہ ہے کہ سر ظفر اللہ نے مسٹر آئنگر سے کوئی سمجھوتہ کیا ہے کہ قادیان احمدیوں کو مل جائے تو کشمیر کے بارہ میں وہ زور نہیں دیں گے۔ مجھے تعجب ہے کہ کوئی ذمہ دار آدمی بھی یہ بات کس طرح لکھ سکتا ہے۔ وزارت کا عہدہ بے شک بڑا عہدہ ہے لیکن کوئی وزیر بھی اپنی طرف سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتا جب تک کیبنٹ اس کی رضامندی نہ دے۔ سر ظفر اللہ باوجود وزیر خارجہ ہونے کے سیکیورٹی کونسل یا انڈین یونین کی کوئی اہم بات نہیں مان سکتے جب تک پاکستان کی حکومت اس کی تصدیق نہ کرے۔ قادیان کے بِالمقابل کشمیر دینے کی رضامندی

سر ظفر اللہ نہیں دے سکتے اور سیکیورٹی کونسل اگر اس سوال میں پاکستان حکومت کے خلاف بھی فیصلہ کر دے تو بھی پاکستان گورنمنٹ اُس کے ماننے یا نہ ماننے میں آزاد ہے پھر سر ظفر اللہ کیا کر سکتے ہیں اگر وہ کوئی ایسی حرکت کریں گے تو پھر اس کا الزام صرف اُن پر نہیں ہوگا بلکہ قائداعظم اور ساری کیبنٹ پر بھی ہوگا۔ الزام لگانے والوں کو یا تو یہ اعلان کرنا چاہئے کہ قائداعظم اور اُن کی ساری کیبنٹ بھی اندر سے 'مرزائی' ہے اور یا اُن کو یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ یہ الزام سراسر غلط اور ناواجب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ قادیان سے وابستہ نہیں۔ قادیان سے امریکنوں، فرانسیسیوں، چینیوں، کینیڈا اور بیلجیئم والوں کو کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔ سیکیورٹی کونسل کے گیارہ ممبر احمدی نہیں وہ دنیا کی گیارہ حکومتوں کے نمائندے ہیں۔ کیا کوئی عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب تک قادیان کے بارہ میں انڈین یونین سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار نہیں تھی اُس وقت تک امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، فرانس، بیلجیئم اور چین ہندوستان یونین کی مخالفت کر رہے تھے لیکن جونہی انڈین یونین قادیان احمدیوں کو دینے پر تیار ہوگئی (جس کے ظاہر میں کوئی آثار نظر نہیں آتے) فوراً اِن سب حکومتوں نے اپنے پولیٹکل مفاد کو بھلا دیا اور انڈین یونین کی تائید کرنے لگ گئیں گویا پاکستان کے گورنر جنرل اور پاکستان کی وزارت ہی اندرونی طور پر 'مرزائی'' نہیں بلکہ دنیا کی بہت سی حکومتیں اور اُن کی وزارتیں بھی اندرونی طور پر 'مرزائی' ہیں۔ قادیان کی واگزاری کا معاملہ آیا اور سب نے ہتھیار پھینک دیئے اور اپنے تمام سیاسی فوائد قربان کرنے پر تیار ہوگئے جن کی وجہ سے وہ پہلے انڈین یونین کی مخالفت کر رہے تھے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

مَیں جب کراچی میں تھا تو ایک پریس کانفرنس کے دوران میں مجھ سے پریس کے بعض نمائندوں نے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ سیکیورٹی کونسل کشمیر کے مسئلہ کے متعلق کیا فیصلہ کرے گی؟ مَیں نے اُنہیں جواب دیا کہ میرے خیال میں سیکیورٹی کونسل کا فیصلہ عقل اور انصاف پر مبنی نہیں ہوگا بلکہ جو فریق اُن کی جھولی میں زیادہ خیرات ڈالے گا وہ اُس کے حق میں ووٹ دیں گے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ میرے خیال میں انڈین یونین نے اُن کی جھولیوں میں

کچھ ڈال دیا ہے اس لئے مجھے اچھے آثار نظر نہیں آتے۔ پریس کے ایک نمائندہ نے کہا کہ پھر آپ سرظفراللہ کو تار کیوں نہیں دیتے؟ مَیں نے جواباً کہا کہ سرظفراللہ میرے ملازم نہیں بلکہ پاکستان حکومت کے ملازم ہیں اُن کی ملازمت کی ذمہ داریوں میں دخل دینا میرے لئے ہرگز جائز نہیں۔ یہ پاکستان حکومت کا کام ہے کہ وہ اُن کو مشورہ دے کہ اس موقع پر اُن کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

یو۔این۔او میں کشمیر کے مسئلہ نے جو ایک نئی صورت اختیار کی ہے میرے نزدیک اس کا جواب فلسطین اور جیوٹ یعنی سن کَکڑا ہیں۔ دنیا کی تجارت سَن کی بوریوں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ سَن ۸۰ ۔۔۔ اسی فیصد مشرقی پاکستان میں پیدا ہوتی ہے لیکن بوریاں سَو فیصدی مغربی بنگال میں بنتی ہیں۔ دنیا کے چند ممالک کے سوا جو خام سَن منگوا کر اور وہ بھی پکی بیلز کی صورت میں اپنے ملک میں بوریاں بنواتے ہیں باقی سارے ممالک ہندوستان سے بوریاں خریدتے ہیں اکثر زرعی اور خوردنی اجناس ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف بغیر بوریوں کے منتقل نہیں کی جاسکتیں۔ پاکستان بوریاں نہیں دے سکتا، ہندوستان بوریاں دے سکتا ہے۔ حال ہی میں ارجنٹائن نے بوریوں کا معاہدہ ہندوستان سے کیا ہے اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پہلے وہ پاکستان کے حق میں تھا اب وہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ اسی طرح اور مُلکوں کو بھی ضرورت ہے چونکہ خام سَن دوسرے ملکوں میں نہیں جاسکتی اور اکثر پکی بیلز اور تمام سَن کی بوریاں کلکتہ ہی کے اِردگرد تیار ہوتی ہیں اس لئے پاکستان مجبور ہے کہ وہ اپنی سَن مغربی بنگال کی طرف جانے دے۔ پاکستان نے ایسی سَن پر برآمد کا محصول لگا دیا ہے مگر اس محصول سے روپیہ ہی ملے گا سیاسی فائدہ تو نہیں ملے گا۔ سیاسی فائدہ تو بہرحال انڈین یونین ہی اُٹھائے گی جو پکی بیلز بنائے گی اور بوریاں بھی بنائے گی۔

دوسری وجہ اِس پانسہ کے پلٹنے کی یہ ہے کہ فلسطین کے خلاف فیصلہ کرنے کے بعد مغربی حکومتوں نے محسوس کیا کہ مسلمان اُن کی طرف سے ہٹ رہے ہیں اس لئے اُنہوں نے کشمیر کے معاملہ میں مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کی لیکن اِس عرصہ میں اُنہیں معلوم ہوگیا کہ فلسطین کے معاملہ میں اُنہوں نے جو فیصلہ کیا تھا اُس سے روس کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ قابلِ عمل بھی نہیں۔ اِس وجہ سے اُنہوں نے اس فیصلہ میں بظاہر تبدیلی کرنے کا فیصلہ کرلیا (بظاہر اس لئے کہ

بعد میں یہ فیصلہ دھوکا ثابت ہوگا۔ مَیں اِس چال کو سمجھتا ہوں) اور اس طرح اسلامی عالَم کو اپنے ساتھ ملانے کی ایک تدبیر پیدا کر لی۔ اِن حالات میں اُنہوں نے محسوس کیا کہ عرب اپنی کامیابی کی وجہ سے پاکستان کی مصیبت کو اتنا محسوس نہیں کرے گا۔ پس اب اُنہیں انڈین یونین کو خوش کر دینا چاہئے حقیقتاً کشمیر کی تائید فلسطین کے فیصلہ کی وجہ سے تھی اور اب اس کی مخالفت فلسطین کے فیصلہ کے بدلنے اور سَن کی بوریاں حاصل کرنے کیلئے ہے۔ بعض چھوٹے چھوٹے فوائد اور بھی ہیں مگر بڑی باتیں یہ دو ہی ہیں۔ ایک بڑی بات یہ بھی پیدا ہوگئی ہے بلکہ پیدا کی گئی ہے کہ ایسے اوقات میں اس سوال کو دوبارہ پیش کیا گیا ہے جب کہ چین کا نمائندہ جو شروع سے انڈین یونین کا ہمدرد تھا سیکیورٹی کونسل کا صدر ہے۔

میرے نزدیک پاکستان حکومت کو اپنے وفد پر یہ زور دینا چاہئے کہ سرِ دست وہ واپس آ جائے اور وزارت سے بِالمشافہ گفتگو کے بعد نئی پالیسی طے کرے۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس فتنہ سے بچنے کی راہیں نکل سکتی ہیں۔

کشمیر کا مسئلہ ایک نہایت ہی نازک مسئلہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ میرے نزدیک اب بھی یہ مسئلہ کامیابی کے ساتھ طے کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے جن میں سے ایک مسلمانوں کے اختیار میں ہے اور ایک بڑی حد تک غیروں کے اختیار میں ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ دونوں مشکلات دُور کی جا سکتی ہیں اور کشمیر پاکستان کے ساتھ مل سکتا ہے لیکن سیاسی مصلحتیں اِس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ مَیں اُن باتوں کا ذکر کروں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سوال حل کیا جا سکتا ہے لیکن میرا یقین کوئی قیمت نہیں رکھتا کیونکہ نہ اِس معاملہ میں میرا دخل ہے نہ میری آواز کوئی اثر پیدا کر سکتی ہے۔ جو اِس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے اور دوسری صف کے اثر رکھنے والے اشخاص ہیں میں نے اُن سے اِن باتوں کے متعلق گفتگو کی ہے اور وہ میرے خیال سے متفق ہیں لیکن فیصلہ وہی کر سکتے ہیں جن کے ہاتھ میں اختیار ہے اور دوسرے لوگوں کا غور اور فکر خواہ درست بھی ہو جب تک قبول نہ کر لیا جائے اس سے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بات یقینی ہے اور اس میں شُبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اگر کشمیر پاکستان کے ہاتھ سے گیا تو پاکستان بھی گیا۔ پس مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سمجھنی چاہئے اور صحیح طور پر اُسے ادا کرنے کی کوشش کرنی

چاہئے۔ اِس سلسلہ میں بعض نہایت اہم اور نئے خطرات بھی پیدا ہو رہے ہیں مگر سیاسی مصالح مجھے ان خطرات کے متعلق کچھ کہنے کی اجازت نہیں دیتیں اگر وہ خطرات زیادہ معین صورت اختیار کر گئے تو پاکستان کو مصیبت کے ایک نئے دور میں سے گزرنا پڑے گا۔ ہم خدا تعالیٰ سے یہی امید کرتے ہیں کہ وہ ان مصیبتوں سے پاکستان کو بچائے گا اور اگر وہ آ ہی پڑیں تو ان کے مقابلہ میں اسے کامیاب کرے گا لیکن ہمیں اپنی ذمہ داریاں بھلا نہیں دینی چاہئیں۔ اِس وقت ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ دانتوں میں زبان دے کر انتہائی جدوجہد کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ افسوس کہ حکومت کی مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں سمجھتا ہوں کہ مجھے اِس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہئے۔

(الفضل لاہور ۲۳ / مارچ ۱۹۴۸ء)

۱؎ کاکلوں:

۲؎ **منجدھار:** سمندر یا دریا کے بیچ کی دھار۔ مصیبت۔ عین مصیبت کی جگہ

۳؎ **کفگیر:** ڈنڈی والا بڑا چمچہ

۴؎ **الاحزاب:** ۱۱ تا ۱۴

۵؎ **ماؤنٹ بیٹن لارڈ:** (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۷۹ء) پہلا ارل برطانوی منتظم وائسرائے ہند و گورنر جنرل بھارت۔ یہ ملکہ وکٹوریہ کا بیٹا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں بحریہ میں بھرتی ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۲ء میں فوجی نقل وحمل کے سلسلے میں مشترکہ فوجوں کا سربراہ اور ۱۹۴۳ء میں جنوب مشرقی ایشیا میں کمانڈر انچیف بنا دیا گیا۔ ۱۹۴۴ء۔ ۱۹۴۵ء میں اسے برما کو دوبارہ فتح کرنے کا فریضہ سونپا گیا۔ ستمبر ۱۹۴۵ء میں اس نے سنگاپور میں جاپانی فوجوں سے ہتھیار ڈلوائے۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا آخری وائسرائے بنا۔ ۱۵ / اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے بعد جون ۱۹۴۸ء تک بھارت کا پہلا گورنر جنرل رہا۔
(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۷۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۶؎ متی باب ۵ آیت ۳۹۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۷؎

۸؎ **ابن مسعود عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود**۔ معروف ابن مسعود۔ (۱۸۸۱ء۔۱۹۵۳ء) دولتِ عربیہ سعودیہ کا بانی۔ صیہونیت کے خلاف عربی تحریک کا قائد۔ نجد کی آبائی سلطنت اُس وقت چھن چکی تھی جب عبدالعزیز آٹھ سال کا تھا چند سال بہ حالت جلاوطنی کویت میں گزارے۔ ۱۹۰۱ء میں صرف دس آدمیوں کو ساتھ لے کر ریاض کو فتح کیا۔ اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ جاری ہو گیا کئی اور اہم علاقے حاصل کئے اور شاہِ حسین ابن علی کو شکست دے کر حجاز پر بالادستی حاصل کی اس طرح ابن سعود عرب کا سب سے بڑا فرمانروا بن گیا پوری سلطنت کا نام دولت عربیہ سعودیہ قرار دیا۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد۲ صفحہ ۹۶۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۹؎ **کمال اتاترک** (۱۸۸۱ء۔۱۹۳۸ء) ترک رہنما۔ جدید ترکیہ کے بانی۔ ۱۹۳۴ء سے قبل مصطفیٰ کمال پاشا کے نام سے مشہور تھے۔ نوجوان ترکوں کے انقلاب میں حصہ لیا۔ پہلی عالمی جنگ میں امتیاز حاصل کیا اور ترکیہ کی شکست کے بعد مشرقی اناطولیہ میں قوم پرور جماعت اور فوج کو منظّم کیا۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۸ء تک ترکی کے صدر رہے۔ ان کے عہد میں انقلابی اصلاحات نافذ ہوئیں نیز ترکی زبان کے لئے عربی کی بجائے لاطینی رسم الخط اختیار کیا گیا۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد۱ صفحہ ۶۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۱۰؎ **نپولین شاہ فرانس** (۱۷۶۹ء۔۱۸۲۱ء) وینڈیمیئر (Vendemiaire) کی بغاوت (۱۷۹۵ء) میں اس کے زبردست اقدام نے اسے وقت کی اہم ترین شخصیت بنا دیا۔ اطالوی مہم کے قائد کی حیثیت سے اس نے پست ہمت، فاقہ زدہ سپاہیوں کو ایک ناقابلِ تسخیر فوج بنا دیا۔ مسلسل بروقت اقدامات سے نپولین نے افراطِ زر کا تدارک کیا۔ کلیسیا سے صلح کی۔ ایک نیا آئینی ضابطہ وضع کیا۔ ۱۸۰۴ء میں اس نے شہنشاہ فرانس اور ۱۸۰۵ء میں شاہ اٹلی ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۲؍اپریل ۱۸۱۴ء کو تخت سے دست بردار ہوا۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد۲ صفحہ ۱۷۰۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۱؎ **جارج واشنگٹن** (Washington George) (۱۷۳۲ء۔۱۷۹۹ء) امریکہ کا پہلا صدر اور بابائے امریکہ۔ باپ کا نام آگسٹین اور دادا کا نام واشنگٹن تھا۔ وہ ۱۶۵۷ء میں

سلگریو (Sulgrave) سے ہجرت کر کے امریکہ چلا گیا۔ ۱۷۴۳ء میں والد کا انتقال ہو گیا۔ ۱۷۵۵ء تا ۱۷۵۸ء مسلسل فرانسیسیوں کے خلاف جنگ لڑی۔ اس کی کوششوں سے ۱۷۸۳ء میں برطانوی افواج کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ ۱۷۸۹ء تا ۱۷۹۷ء امریکہ کے صدر رہے۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۲؎ **ہٹلر** (Hitler Adolf) (۱۸۸۹ء۔ ۱۹۴۵ء) جرمنی کا آمر مطلق نازی پارٹی کا بانی۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد چند شورش پسندوں سے مل کر میونخ میں نازی مزدور پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۳۳ء میں اسے آمریت کے اختیارات سونپ دیئے گئے۔ ہٹلر جرمنی کے تمام شعبوں کا مختار بن گیا۔ نازی پارٹی کے مخالفین کو کچل دیا گیا۔ اس کی پالیساں بِالآخر دوسری عالمی جنگ پر منتج ہوئیں۔ ۱۹۴۱ء میں روس کے محاذ پر ہٹلر نے جنگ کی خود کمان کی۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۶ء مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۳؎ **گوئرنگ** (Goering) (۱۸۹۳ء۔ ۱۹۴۶ء) جرمنی کا نازی لیڈر پہلی عالمی جنگ میں فضائی فوج کا ہیرو۔ شروع میں ہی نازیوں کے ساتھ مل گیا۔ ۱۹۳۳ء میں جرمنی کا وزیر محکمہ پرواز اور پروشیا (Prussia) کا وزیر اعظم۔ خفیہ پولیس کی بنیاد اسی نے رکھی جس کا ۱۹۳۶ء تک سربراہ رہا۔ جرمنی کا معاشی نظام آمرانہ اختیارات سے چلایا۔ ہٹلر نے اسے اپنا جانشین نامزد کیا۔ دوسری عالمی جنگ میں ہمہ گیر فضائی جنگ کا ذمہ دار تھا۔ ۱۹۴۵ء میں امریکی فوج کے آگے ہتھیار ڈالے۔ جنگی جرائم میں سب سے بڑا ملزم ثابت ہونے پر سزائے موت پائی مگر پھانسی سے قبل خودکشی کر لی۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۲۹۴۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۴؎ **ٹیریٹوریل فورس:** (Territorial Force) برطانیہ کی ایک رضا کار ہنگامی فوج

۱۵؎ **پیٹرن** (Patron)۔ مربی، سرپرست، حامی

۱۶؎ **پٹیل۔ ولبھ بھائی** (Vallabhai Patel) (۱۸۷۶ء۔ ۱۹۵۰ء) بھارتی سیاست دان۔ انگلستان میں بیرسٹری کی سند لی اور واپسی پر بحیثیت وکیل فوجداری کامیاب وکالت کی۔ ۱۹۱۵ء میں گاندھی صاحب سے ملاقات کے بعد پٹیل تھوڑے ہی عرصہ میں قوم پرست اور

انڈین نیشنل کانگرس کا رُکن بن گیا۔ کئی بار جیل کی صعوبتیں اُٹھائیں۔ وہ ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۸ء میں احمد آباد میں رئیس بلدیہ رہا اور ۱۹۳۱ء میں انڈین نیشنل کانگرس کا صدر بنا۔ ۱۹۴۷ء میں نائب وزیراعظم اور وزیر داخلہ بنا اور وفات تک ان عہدوں پر فائز رہا۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۱ صفحہ ۳۲۳۔۳۲۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۱۷ **اکبر، جلال الدین محمد بن ہمایوں** (۱۵/اکتوبر ۱۵۴۵ء۔ ۱۶/اکتوبر ۱۶۰۵) اکبر کے انتظامات سلطنت ہند سنبھالتے ہی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ راجپوتانے کے اکثر راجہ خود ہی فرمانبردار ہو گئے۔ صرف میواڑ نے مقابلے کی ٹھانی اور نقصان اُٹھایا۔ اس نے سلطنت کو اٹھارہ صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبے میں یکساں نظام جاری کیا۔ اس کے عہد میں علوم وفنون نے بے حد ترقی کی۔ ایران کے بڑے بڑے شاعر یہاں آئے اور اعلیٰ منصب پائے۔ اس کا شمار دنیا کے بڑے بادشاہوں میں ہوتا ہے۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۱۸ **سید احمد سرھندی** (۲۶/جون ۱۵۶۴ء۔ ۱۰/دسمبر ۱۶۲۴ء) برصغیر کے ممتاز عالم دین۔ پیدائش سرہند کنیت ابوالبرکات۔ لقب بدرالدین اور نام شیخ احمد تھا۔ شجرۂ نسب ۲۸ واسطوں سے حضرت عمرؓ سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی اور قرآن حفظ کیا۔ پھر مولانا کمال کشمیری اور مولانا یعقوب کشمیری سے فیض حاصل کیا اور فقہ اور حدیث پر عبور حاصل کیا۔ سترہ برس کی عمر میں درس وتدریس شروع کی۔ انہوں نے عربی اور فارسی میں متعدد رسالے رکھے۔ انہوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ صاحب نے جلد ہی انہیں خلافت سے نوازا۔ انہوں نے اکبر اعظم کے خودساختہ دین الٰہی کی بیخ کنی میں اہم کردار ادا کیا اور اسی وجہ سے ایک سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۲۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۹ **سید احمد شہید۔ بریلوی** (۱۷۸۶ء۔۱۸۳۱ء) ان کا سلسلہ نسب حضرت امام حسینؓ تک جاتا ہے۔ بالغ ہو کر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ دہلی میں اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں تبلیغ وتربیت کا کام کیا۔ ۱۸۲۱ء میں حج کیا اور عرب میں

قیام کر کے عرب ممالک میں دعوتِ دین حق کا کام کیا۔ سکھوں نے مسلمان عورتوں کو جبراً سکھ بنا کر محبوس کرنا شروع کیا تو اس بات کا علم ہونے پر آپ نے سکھوں سے جہاد کا اعلان کیا۔ ۲۱؍ دسمبر ۱۸۲۶ء میں زبردست جنگ میں سینکڑوں سکھ مارے گئے۔ مسلمان غداروں کو سکھوں نے اپنے ساتھ ملا لیا اور آپ نے ۶؍ مئی ۱۸۳۱ء کے آخری معرکہ میں بالاکوٹ میں شہادت پائی۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۸۰۹۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۲۰ **عبدالغفار خان** (۱۸۸۱ء۔ ۱۹۸۸ء) صوبہ سرحد کے سیاسی رہنما اور سرخ پوش تحریک کے بانی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب حکومت کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو وہ بھی اس میں شریک ہوئے۔ اس بناء پر انہیں تین سال قید کی سزا سنائی گئی۔ ۱۹۲۹ء میں افغان جرگہ اور سرخ پوش تحریک کی بنیاد رکھی۔ یہ تحریک عام طور پر خدائی خدمت گار کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان کے خلاف ساز باز کرنے کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں کابل چلے گئے اور اسے اپنا صدر مقام بنایا۔ ۱۵؍ نومبر ۱۹۶۹ء کو انہیں بھارتی حکومت نے جواہر لال نہرو انعام سے نوازا۔ سیاسی راہنما عبدالولی خان ان کے بیٹے ہیں۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۹۶۴۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۲۱ **پرارتھنا:** حمد، مناجات، التجا کرنا

۲۲ **ڈومینین** (Dominion) سلطنت یا عملداری۔ ہر ایسا مُلک جو اپنے داخلی معاملات میں آزاد ہو۔

۲۳ **لنڈورے:** لنڈورا۔ دُم کٹا۔ بے بس

۲۴ **ایٹلی کلیمنٹ رچرڈ** (Clement Richard Attlee) (۱۸۸۳ء۔ ۱۹۶۷ء) برطانوی سیاستدان اور لیبر پارٹی کا لیڈر۔ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۹ء کی لیبر حکومتوں میں شامل رہا۔ ۱۹۳۵ء میں پارٹی کا لیڈر بنا۔ زمانۂ جنگ کی مخلوط وزارت میں نائب وزیراعظم تھا۔ ۱۹۴۵ء میں پاسٹڈیم کانفرس میں شرکت کے وقت وزیراعظم بن گیا۔ اس کی حکومت نے بیشتر صنعتوں کو قومی بنا دیا۔ قومی اصول پر طبی امداد کا آغاز کیا۔ فلسطین کی حکمداری اور

ہندوستان پر تصرف ختم کر دیا۔ امریکہ سے تعلقات اُستوار کئے۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۱ صفحہ ۱۶۷ ۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۲۵؎ **آویزش:** چپقلش، لڑائی، فساد

۲۶؎ **اربابِ حل وعقد:** حکومت کے معاملات میں تصرف وتسلط رکھنے والے لوگ۔

۲۷؎ **کتر و بیونت:** کانٹ چھانٹ، تراش خراش

۲۸؎ **یوسف:** ۱۰۹

۲۹؎ **لن ترانیاں:** شیخیاں، ڈینگیں

۳۰؎ **غضنفر علی خان راجا:** ۱۸۹۴ء کو پنڈ دادنخان ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ اپریل ۱۹۶۳ء میں وفات پائی ان کا مقبرہ بھی پنڈ دادنخان میں ہے۔ یہ ایک معزز راجپوت گھرانے کے فرد تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۳ء میں ہندوستان کی مرکزی مجلس وضع قانون کے رُکن بنے۔ ۱۹۳۳ء میں کونسل آف سٹیٹ کے رُکن بنے۔ کچھ مدت مہاراجہ الور کے وزیر بھی رہے۔ ۱۹۳۷ء میں پنجاب کی مجلس وضع قانون کے رُکن رہے اور پارلیمنٹری سیکرٹری بنے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر اسی مجلس کے رُکن ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ پہلے وزیر زراعت وخوراک وصحت بنے۔ پھر وزیر مہاجرین و بحالیات، پھر عراق و ایران میں سفیر اور پھر ہندوستان میں ہائی کمشنر مقرر ہوئے۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۱ ۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۳۱؎ **لَایَنْحَلُّ:** جو حل نہ ہو سکے۔ مشکل

۳۲؎ **بالشویک:** لفظی معنی زیادہ بڑا۔ روس کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا رُکن۔ انتہا پسند اشتراکی انقلاب پسند۔

۳۳؎ **وِلسن۔ وُڈرو** (Woodrow Willson) (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۴ء) امریکہ کا صدر ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۱ء تک رہا۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۱۰ء پرنسٹن یونیورسٹی کا صدر رہا۔ ۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۳ء نیوجرسی کا گورنر رہا۔ ولسن دنیا کو جمہوریت کے لئے محفوظ رکھنے کی خاطر جنگ کو

ضروری سمجھتا تھا۔تصفیہ امن کے لئے چودہ نکات کا خاکہ تیار کیا یہ بہترین امریکی مقرر تھا۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد۲ صفحہ ۱۸۰۷۔۱۸۰۸۔مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۳۴؎ **سٹالن:** روسی کمیونسٹ آمر۔اس کا اصل نام زوگشویلی تھا۔انقلابی تحریک میں شامل ہونے کے باعث اس نے سٹالن (مردِ آہن) کا لقب اختیار کیا۔ پادری بننے کے لئے تعلیم حاصل کی مگر مارکسی ہوگیا اس لئے درسگاہ سے خارج کیا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں مالوٹوف کو معزول کر کے وزارتِ عظمٰی سنبھالی۔روس پر ہٹلر کے حملہ کے بعد اس نے فوجی قیادت بھی سنبھال لی۔(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۷۳۹ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳۵؎ **اوڈیسا:** بحیرہ اسود کے کنارے روس کی اہم بندرگاہ ہے۔صنعتی مرکز۔اٹھارھویں صدی کے اواخر میں ایک قدیم یونانی نوآبادی کے مقام پر تعمیر ہوا۔ ۱۹۰۵ء میں اس شہر سے متعدد یہودی نکل گئے۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک متعدد مملکتیں یکے بعد دیگرے اس پر قابض رہیں۔آخر بولشویکوں کے قبضہ میں آیا۔دوسری عالمی جنگ میں رومانیہ اس پر مسلط ہوگیا اوراس نے اسے تباہ کر کے دو لاکھ اسی ہزار شہریوں کو قتل یا جلاوطن کیا۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۱۵۵۔مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳۶؎ **عنان:** لگام۔باگ

۳۷؎ **آئینگر**۔ایس سرینواس (۱۸۷۴ء۔۱۹۴۱ء) ہندوؤں کے مذہبی اور رواجی قوانین کا ماہر۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۶ء تک مدراس یونیورسٹی کی سینٹ کا ممبر اور ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۰ء تک مدراس سوشل ریفارم سوسائٹی کا صدر رہا۔اسی عرصہ میں ایڈووکیٹ جنرل ہوگیا۔ ۱۹۲۱ء میں سی۔آئی۔ای کے خطاب اور قانون ساز کونسل کی رُکنیت سے دستبردار ہوگیا۔مرکزی اسمبلی میں حزب مخالف کا ڈپٹی لیڈر رہا۔ مدراس کانگرس کی کامیابی اسی کے سبب ہوئی۔ سائمن کمیشن کا سرگرم مخالف تھا۔آزادیٔ ہند لیگ قائم کی اور آزادی کے سوال پر نہرو کمیٹی کی مخالفت کی۔ ۱۹۳۰ء میں سیاست سے دستکش ہوگیا۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۳۹۔مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳۸؎ **لیاقت علی خان** (یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء۔ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۵۱ء) پاکستان کے پہلے وزیراعظم نواب

رستم علی خان کے دوسرے صاحبزادے۔ ۱۹۱۸ء میں ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ سے بی۔اے کیا۔ پھر انگلستان چلے گئے جہاں سے انہوں نے ۱۹۲۴ء میں اِنرٹمپل (Inner Temple) سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ انگلستان میں قیام کے دوران سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۲۶ء میں یو پی اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے اور ۱۴ سال تک اس کے رُکن رہے۔ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل بنے۔ ۱۹۴۰ء میں مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کا رُکن منتخب کیا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے نمائندہ کے طور پر شملہ کانفرنس میں حصہ لیا۔ ۱۹۴۶ء میں ہندوستان کے وزیرخزانہ بنے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے پہلے وزیراعظم بنے۔ دسمبر ۱۹۴۷ء تک وزیرخارجہ بھی رہے۔ ۸/اکتوبر ۱۹۵۰ء مسلم لیگ کے صدر بنے۔ ۱۶/اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ایک شخص سید اکبر نامی کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد۲ صفحہ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۳۹؎ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات: ۷)

۴۰؎ سَن: ایک پودا جس کی چھال سے رسیاں بنتی ہیں۔

پاکستان کا مستقبل

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ ھُوَالنَّاصِرُ

پاکستان کا مستقبل

نباتی، زرعی، حیوانی اور معنوی دولت کے لحاظ سے

میں نے ۷؍ تاریخ کو مینارڈ ہال میں اس مضمون پر ایک تقریر کی تھی چونکہ وقت کم تھا اور مضمون زیادہ اس کے کئی حصے بیان کرنے سے رہ گئے تھے اور کئی کھول کر بیان نہ ہو سکے۔ چونکہ سننے اور پڑھنے میں فرق ہوتا ہے پڑھتے وقت انسان زیادہ غور سے کام لے سکتا ہے اور مختصر اشاروں کو بھی سمجھ سکتا ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی لکھی ہوئی مختصر یادداشت کو شائع کردوں تاکہ مضمون کا ایک مکمل نقشہ بھی ذہن میں آجائے اور یادداشت کے طور پر بھی ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے جو اس میں بیان کردہ مضامین پر مزید غور کرنا چاہتے ہیں۔

پاکستان کا مستقبل بحیثیت نباتی دولت کے

ملک کی حفاظت اور اس کی ترقی کے لئے سوختنی اور تعمیری لکڑی کا وجود نہایت ضروری ہے۔ سوختنی لکڑی کوئلے کا بھی کام دے سکتی ہے۔ پُرانے زمانہ کے تمام بڑے شہروں کے اِردگرد سوختنی لکڑی کے رکھ بنائے جاتے تھے جہاں سے شہروں کو لکڑی مہیا کی جاتی تھی اور قصبات میں زمینداروں کے ذمہ لگایا جاتا تھا کہ وہ درخت لگائیں اور انہیں چھوٹے درخت کاٹنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی تاکہ لکڑی ضائع نہ ہو۔ ہر گاؤں میں اتنے درخت بوئے جاتے تھے کہ اس گاؤں کی سوختنی اور تعمیری ضرورتیں ان سے پوری ہوسکتی تھیں۔ انگریز چونکہ ایک صنعتی ملک کے رہنے والے ہیں ان کی حکومت کے زمانہ میں دیہات کی

اقتصادی اور تمدنی حالت کی طرف توجہ کم ہوگئی اور شہروں کی طرف توجہ بڑھ گئی اس لئے پرانا نظام قائم نہ رہ سکا اور درخت کٹتے کٹتے گاؤں ننگے ہوئے اور مسلمان بھی ہندوؤں کی نقل میں جانور کا گوبر چولہوں میں جلانے لگے حالانکہ گوبر کا جلانا صفائی کے لحاظ سے بھی اور زراعتی لحاظ سے بھی نہایت مضر ہے۔ بائبل میں یہودیوں کی سزا کے متعلق آتا ہے کہ تم انسان کے پاخانہ سے روٹی پکا کر کھاؤ گے[۱] گو یہاں انسانی پاخانہ کا ذکر ہے مگر جانور کا پاخانہ بھی تو گندی شے ہے خواہ نسبتاً کم ہو اور اس سے روٹی پکانی بھی یقیناً ایک سزا ہے۔ اس حوالہ کے مطابق گوبر کا چولہوں میں استعمال خدائی سزا اور قوم کی ذلّت کی علامت ہے۔ پس مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے تھا مگر دیہاتی اقتصادی حالت کے خراب ہو جانے کی وجہ سے وہ بھی مجبور ہو کر ہندوؤں کے پیچھے چل پڑے جو گائے کے گوبر کو متبرک خیال کرتے ہیں اور اسے چولھے میں جلانا تو الگ رہا کھانے کی چیزوں میں ملانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ پاکستانی حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے کہ سوختنی لکڑی کثرت سے تمام دیہات اور قصبات میں مل سکے اتنی کثرت سے کہ زمینداروں کو جلانے کے لئے اوپلوں کی ضرورت پیش نہ آئے۔ میرے نزدیک پاکستانی حکومت کو پانچ پانچ چھ چھ گاؤں کا ایک یونٹ بنا کر ان کی ایک پنچایت بنا دینی چاہئے جو اقتصادی اور صحت انسانی کے قیام کی ضرورتوں کے مہیا کرنے کی ذمہ دار ہو۔ ان گاؤں کے درمیان میں ایک حصہ درختوں کے لگانے کے لئے مخصوص کر دیا جائے یہ درخت تعمیری کاموں کے لئے مخصوص ہوں۔ اس کے علاوہ ہر گاؤں میں چراگاہوں کی حفاظت ان کے سپرد ہو۔ جہاں چراگاہیں ہیں وہ ان پنچایتوں کے سپرد کی جائیں اور جہاں نہیں ہیں حکومت خود چراگاہیں بنا کر ان پنچایتوں کے سپرد کرے اور ہر گاؤں میں حکومت اتنے درخت سوختنی لکڑی کے لگوائے جو اس گاؤں کی ضرورت کو پورا کر سکیں اور ان پنچایتوں کا فرض ہو کہ وہ دیکھتی رہیں کہ ہر گاؤں مقررہ تعداد میں درخت کو لگاتا رہتا ہے۔ اگر یہ انتظام جاری کیا جائے تو یقیناً سوختنی لکڑی کا سوال حل ہو جائے گا اور گوبر کھاد کے لئے بچ جائے گا جس سے ملک کی زراعت کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ ہر ایسے قصبہ کے لئے جس کی آبادی دس ہزار سے زیادہ ہو قصبہ سے کچھ فاصلہ پر ڈسٹرکٹ بورڈوں کی نگرانی میں سوختنی لکڑی کی رکھیں بنوانی چاہئیں بلکہ میرے نزدیک تو جس طرح

ڈسٹرکٹ بورڈ مقرر ہیں اسی طرح ہر ضلع میں اس کی میونسپل کمیٹیوں کا ایک مشترکہ بورڈ ہونا چاہئے جس کے سپرد اس قسم کے رفاہِ عام کے کاموں کی نگرانی ہو اس طرح میونسپل کمیٹیوں کے کاموں میں ہم آہنگی بھی پیدا ہو جائے گی اور باہمی تعاون سے ترقی کے نئے راستے بھی نکلتے جائیں گے۔ پچاس ہزار سے اوپر کے جو شہر ہوں ان کے لئے سوختنی لکڑی کے رکھ بنانا صوبہ داری حکومت کا فرض ہو۔ ان شہروں کے لئے شہر کے ایسی طرف زمین حاصل کر کے جس طرف شہر کے بڑھاؤ کا رُخ نہ ہو دو تین میل فاصلہ پر سوختنی لکڑی کی رکھیں بنا دینی چاہئیں جہاں سے شہر میں لکڑی سپلائی ہوتی رہے۔ پچاس ہزار آدمی کی آبادی یا اس سے زیادہ کے شہروں کے لئے جتنی سوختنی لکڑی کی ضرورت ہوتی ہے اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ایک اقتصادی یونٹ ہوگا اور حکومت کو اس نظام میں کوئی مالی نقصان نہیں ہوگا بلکہ نفع ہی ہوگا۔ اس انتظام کے علاوہ مرکزی حکومت کے انتظام کے ماتحت بعض بڑے بڑے رکھ بنانے چاہئیں تا ضرورت کے موقع پر ملک کو سوختنی لکڑی مہیا کی جاسکے اور اگر کسی وقت کوئلہ کی کمی ہو تو کارخانے اس لکڑی کے ذریعہ سے چلائے جاسکیں۔ دوسرے ڈسٹرکٹوڈ سٹیلیشن (Destructive Distillation) کے ذریعہ بہت سارے کیمیائی اجزاء ملک کے استعمال اور بیرونی دساور[۲] کے لئے پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ ڈسٹرکٹوڈ سٹیلیشن زیادہ تر سخت لکڑی سے کیا جاتا ہے جیسے کیکر، شیشم، پھلائی وغیرہ اس ذریعہ سے سپرٹ بھی پیدا کیا جاسکتا ہے جو جنگی ضرورتوں کے بھی کام آئے گا اور کئی کیمیاوی کارخانوں میں بھی استعمال ہوگا۔ اس کے علاوہ ایسی ٹون، ایسٹک ایسڈ اور فارمیلڈی ہائیڈ بھی اس سے بنائے جاسکتے ہیں۔ اوّل الذکر بارود کے بنانے میں کام آتا ہے اور آخر الذکر پلاسٹک کے بنانے میں کام آتا ہے۔ شیشم اور کیکر کا درخت بہت حد تک تعمیری ضرورتوں کو بھی پورا کر سکتے ہیں۔ آجکل تعمیری ضرورتوں کے لئے زیادہ تر دیودار کی قسم کی لکڑیاں استعمال ہوتی ہیں جیسے دیار، کیل، بڑتل اور چیل یہ لکڑیاں پہاڑوں پر ہوتی ہیں۔ پہلے کشمیر، چنبہ اور منڈی سے یہ مہیا کی جاتی تھیں۔ ریلوں کی لائنیں بنانے میں یہی لکڑی کام دیتی تھی کیونکہ ریل پر بچھائی جانے والی شہتیریاں ہر وقت ننگی رہتی ہیں اور اُن پر بارش کا پانی پڑتا ہے عام لکڑی زیادہ دیر تک گیلی رہنے سے خراب ہو جاتی ہے۔ دیار کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ گیلے ہونے سے خراب نہیں ہوتی ان

لکڑیوں کو بعض ادویہ سے اِس قابل بنایا جاتا ہے کہ ان کو کیڑا نہ لگ سکے اور پھر ریل کی پٹڑی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اچھی عمارتوں کی تعمیر میں بھی یہ کام آتی ہے۔ یہ لکڑی چنبہ اور منڈی کے ہندوستان میں چلے جانے کی وجہ سے اور کشمیر کی حالت مشتبہہ ہو جانے کی وجہ سے اب پاکستان کو نہیں مل سکے گی صرف مری اور ہزارہ سے کچھ لکڑی پاکستان کو مل سکے گی مگر اس کی ضرورتوں کے لئے کافی نہیں۔ اس لکڑی کے مہیا کرنے کے لئے پاکستان کو کچھ اور علاقے تلاش کرنے ہوں گے۔ پاکستان کے ملحقہ علاقوں میں سے چترال اور بالائے سوات کے علاقہ میں یہ لکڑیاں بڑی کثرت سے پائی جاتی ہیں اور بعض بعض حصوں میں تو ہزار ہزار سال کے پرانے درخت پائے جاتے ہیں جن کی قیمت عمارتی لحاظ سے بہت ہی زیادہ ہوتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ ان علاقوں سے لکڑی پاکستان میں پہنچائی نہیں جا سکتی۔ چترال سے صرف ایک دریائی رستہ پاکستان کی طرف آتا ہے اور وہ حکومت کابل میں سے گزرتا ہے اُس کے سوا کوئی دریائی رستہ نہیں خشکی کے رستہ ان لکڑیوں کا پہنچانا بالکل ناممکن ہے۔ دریائے کابل کے ذریعہ سے اس لکڑی کے لانے میں بہت سی سیاسی اور اقتصادی دِقتیں ہوں گی۔ اگر ریاست کابل اجازت بھی دیدے تو لکڑی کا محفوظ پہنچنا نہایت ہی دشوار ہوگا۔ اِسی طرح بالائے سوات کی لکڑی کا پہنچنا اور بھی زیادہ مشکل ہے مگر بہر حال فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پاکستان کو کچھ معاہدوں کے ذریعہ سے اس دِقت کو دور کرنا چاہئے اور ساتھ ہی اس بات کی سروے کرانی چاہئے کہ کچھ پہاڑی کو ملا کر کیا کوئی ایسا نالہ نہیں نکالا جا سکتا جو کہ چترال اور بالائے سوات سے براہِ راست پاکستان میں داخل کیا جا سکے اگر ایسا ہو سکے تو یہ ضرورت پوری ہو جائے گی لیکن اس کے علاوہ جنگلات کے ماہروں کو اس بات کے لئے ہدایت ملنی چاہئے کہ وہ درختوں کی مختلف اقسام پر غور کر کے ایسی اقسام معلوم کریں جو پاکستان کی آب وہوا میں اُگائے جا سکیں اور عمارتوں کی تعمیر اور جہازوں کی ساخت اور ریلوں کی پٹڑیاں بنانے کے کام میں استعمال کئے جا سکیں۔

نرم لکڑی

نرم لکڑی کی ایک قسم بہت ہی نرم ہوتی ہے ان لکڑیوں سے دیا سلائی کی تیلیاں بنائی جاتی ہیں اِس وقت تک یہ لکڑیاں انڈیمان اور نکو بار سے آتی تھیں مگر دریافت سے معلوم ہوا ہے کہ بلوچستان میں بھی ایک اس قسم کا درخت پایا جاتا ہے جس کی لکڑی

سے دیا سلائی کی تیلیاں بن سکتی ہیں اور یہ درخت اتنی مقدار میں پائے جاتے ہیں کہ اگر ان سے دیا سلائی کی تیلیاں بنائی جائیں تو نہ صرف پاکستان بلکہ سارے ہندوستان کی ضرورتیں اس سے پوری ہوسکتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایسا کارخانہ بنایا جائے جو بلوچستان میں یہ تیلیاں بنا کر دیا سلائی کے کارخانوں کے پاس فروخت کرے اور یہ صنعت جس کی سب سے بڑی مشکل ان تیلیوں کا مہیا ہونا ہے پاکستان میں فروغ پا سکے۔ لکڑی کی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان میں فوراً پلاسٹک کے کارخانے جاری کرنے کی کوشش کرنی چاہئے مگر چونکہ یہ سوال میری تقریر کے زراعتی حصہ کے ساتھ متعلق ہے میں اس کا ذکر آگے چل کر کروں گا۔

جڑی بوٹیاں

نباتی دولت کا ایک بڑا جزو جڑی بوٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ شمالی جڑی بوٹیاں کشمیر، چنبہ، چترال، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ملتی ہیں۔ کشمیر کا سوال مشتبہ ہے اور چنبہ قطعی طور پر انڈین یونین میں شامل ہو چکا ہے اس لئے پاکستان میں جڑی بوٹیاں چترال، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں سے جمع کی جاسکتی ہیں اور پاکستان کی خوش قسمتی سے ان تینوں علاقوں میں کافی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں بلکہ بعض جڑی بوٹیاں ایسی نادر ہیں کہ دنیا کے بعض دوسرے حصوں میں نہیں ملتیں۔ بلوچستان کی جڑی بوٹیوں کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اُن میں الکلائیڈ جو کہ دواؤں کا فعال جزو ہوتا ہے دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بلوچستان میں بارشیں کم ہوتی ہیں۔ جڑی بوٹیوں سے بہت سی اَدویہ اور کیمیاوی اجزاء تیار کئے جاتے ہیں ابھی تک ہندوستان کی جڑی بوٹیاں کامل سائنٹیفک تحقیقات سے محروم ہیں اور ہزاروں ہزار مفید اَدویہ اور کیمیاوی اجزاء اُن میں مخفی پڑے ہوئے ہیں۔ یورپ کے لوگ قدرتی طور پر اُن ادویہ کی تحقیق کرتے ہیں جو اُن کے ملکوں کی جڑی بوٹیوں سے بنائی جاسکتی ہیں یا جو آسانی سے اُن کے قبضہ میں آسکتی ہیں تا کہ اُن کا تجارتی نفع انہیں کو ملے۔ اب پاکستان ایک آزاد ملک ہے اور اس کے لئے موقع ہے کہ اپنی نباتی دولت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائے۔ اگر ایک محکمہ بنا دیا جائے جو جڑی بوٹیوں کے الکلائیڈز اور دوسرے کیمیاوی اجزاء دریافت کرے تو تھوڑے ہی عرصہ میں بیسیوں کئی دوائیں پاکستان میں ایجاد ہو جائیں گی جو دنیا کی ساری منڈیوں میں اچھی قیمت پر بِک سکیں گی۔ حکیم اجمل خاں صاحب

مرحوم کو اس کا خیال آیا تھا اور انہوں نے طبیہ کالج دہلی کے ساتھ ایک چھوٹی سے لیبارٹری اس کام کے لئے مقرر کر دی تھی۔ مشہور ہندوستانی سائنسدان چوہدری صدیق الزمان صاحب اس کے انچارج مقرر کئے گئے تھے اور انہوں نے بنگال کی مشہور بوٹی چھوٹی چندن پر تجربات کر کے اس کا الکلائیڈ معلوم کر لیا تھا مگر ہندوستانی روایتی پھوٹ کا شکار محکمہ ہو گیا۔ چوہدری صدیق الزمان صاحب کو حکومت ہند میں ایک اچھی جگہ مل گئی اور ان کے جانے کے ساتھ ہی یہ محکمہ بھی ختم ہو گیا۔ اب چوہدری صدیق الزمان صاحب حکومت پاکستان میں آ گئے ہیں اُن کے مشورہ سے یا اُن کی نگرانی میں اس قسم کا محکمہ پھر کھولا جا سکتا ہے۔ شاید ایک لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ کے خرچ سے ابتدائی لیبارٹری قائم کی جاسکتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ اُس سے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ کا نفع حاصل ہونے کی امید پیدا ہوسکتی ہے۔ بعض جڑی بوٹیاں طبی طور پر اتنی مفید ہیں کہ انگریزی دوائیں اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتیں مگر مشکل یہ ہے کہ اُن کے استعمال کا طریق ایسا ہے کہ آجکل کے نزاکت پسند لوگ اس کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر الکلائیڈز اور دوسرے فعال اجزاء نکال لئے جائیں یا ایکسٹریٹ بنائے جائیں تو یقیناً نہ صرف طب میں ایک مفید اضافہ ہوگا بلکہ پاکستان کی دولت میں بھی ایک عظیم اضافہ ہوگا۔ اَدویہ کے علاوہ جڑی بوٹیوں میں بعض اور کیمیاوی اجزاء بھی ہیں جو مختلف صنعتوں میں بڑا کام آ سکتے ہیں چنانچہ بہت سی بوٹیوں کے نغدوں[۳] سے کشتے بنائے جاتے ہیں آخر اُن کے اندر ایسے اجزاء ہیں جو کہ دھاتوں کو تحلیل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اگر ان کو الگ کر لیا جائے تو نہ صرف کشتے بنانے آسان ہو جائیں گے بلکہ اور کئی قسم کی صنعتیں جاری کرنے کا امکان پیدا ہو جائے گا۔

(الفضل لاہور ۹ ردسمبر ۱۹۴۷ء)

۱؎ حزقی ایل باب ۴۔ آیت ۱۲۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۴۳ء

۲؎ دساور: (۱) غیر ملک یا غیر ممالک۔ (۲) غیر ملک کی منڈی۔ (۳) سوداگری کا مال جو غیر ملک سے آئے۔ (۴) وہ جگہ جہاں ہر ایک چیز فروخت کے لئے جمع کریں۔

۳؎ **نغدوں:**

خدا کے فرشتے ہمیں قادیان لے کر دیں گے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خدا کے فرشتے ہمیں قادیان لے کر دیں گے

(افتتاحی تقریر جلسہ سالانہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج کا جلسہ غیر معمولی حالات میں منعقد ہو رہا ہے۔ گزشتہ سال قادیان میں جلسہ سالانہ کے موقع پر کوئی احمدی یہ قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اگلے جلسے کے موقع پر ہم اپنے مرکز سے محروم ہوں گے اور ہمیں کسی اور جگہ پر اپنا جلسہ کرنا پڑے گا۔ جگہوں کے لحاظ سے تو ساری جگہیں ہی ایک جیسی حیثیت رکھتی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدًا**[۱] یعنی میرے لئے ساری ہی زمینیں مسجد بنا دی گئی ہیں۔ اگر ہر جگہ ہی خدا کی سجدہ گاہ بن سکتی ہے تو وہ مومن کے لئے جلسہ گاہ بھی بن سکتی ہے لیکن بہرحال عادتیں، تعلقات اور محبتیں ضرور قلب پر اثر ڈالنے والی چیزیں ہیں اور ہر چیز انسان کو عجیب معلوم ہوتی ہے۔ اگر کرائے کا ایک مکان بھی تبدیل کیا جائے تو تکلیف ہوتی ہے اگر کوئی شخص اپنی ملکیت کا مکان بھی خود اپنی مرضی سے فروخت کرتا ہے تو اسے بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے تو پھر وہ جگہ چھوڑنے پر کیوں تکلیف محسوس نہ ہو جو ہماری نگاہ میں مقدس تھی۔ جو ہمارے نزدیک روحانی ترقی کا ذریعہ تھی، جو ہمارے نزدیک دین کی اشاعت اور تبلیغ کا مرکز تھی اور جس سے ہمیں جبری طور پر اور ایسے طور پر محروم کر دیا گیا ہے کہ جب تک حالات پھر پلٹا نہ کھائیں ہم آسانی سے وہاں نہیں جا سکتے۔ یہ چیز تکلیف دِہ تو ضرور ہے، اس سے دل مجروح تو ضرور ہوتے ہیں لیکن مومن ہاں وہ سچا مؤمن جو محض سُن سُنا کر خدا پر ایمان نہیں لاتا بلکہ جس کا ایمان پورے یقین اور وثوق پر مبنی ہے وہ جانتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ یہ تغیر ایک عارضی تغیر ہے اسے خوب معلوم ہے کہ قادیان

میری چیز ہے وہ میری ہے کیونکہ میرے خدا نے وہ مجھے دی ہے گو آج ہم قادیان نہیں جا سکتے، گو آج ہم اس سے محروم کر دیئے گئے ہیں لیکن ہمارا ایمان اور ہمارا یقین ہمیں بار بار کہتا ہے کہ قادیان ہمارا ہے وہ احمدیت کا مرکز ہے اور ہمیشہ احمدیت کا مرکز رہے گا۔ (اِنْشَاءَ اللّٰہ) حکومت خواہ بڑی ہو یا چھوٹی بلکہ حکومتوں کا کوئی مجموعہ بھی ہمیں مستقل طور پر قادیان سے محروم نہیں کر سکتا۔ اگر زمین ہمیں قادیان لے کر نہ دے گی تو ہمارے خدا کے فرشتے آسمان سے اُتریں گے اور ہمیں قادیان لے کر دیں گے (نعرہ ہائے تکبیر) اور جو طاقت بھی اس راہ میں حائل ہوگی وہ پارہ پارہ کر دی جائے گی، وہ نیست و نابود کر دی جائے گی۔ قادیان خدا نے ہمارے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اس لئے وہ ہمیں آپ قادیان لے کر دے گا۔ اِنْشَاءَ اللّٰہ

پس ہمارے دل غمگین نہ ہوں، تم پر افسردگی طاری نہ ہو کہ یہ کام کا وقت ہے اور کام کے وقت میں افسردگی اچھی نہیں ہوتی بلکہ کام کے وقت میں ہم میں نئی زندگی اور نئی روح پیدا ہو جانی چاہیے ہمارے بوڑھے جوان ہو جانے چاہئیں اور ہمارے جوان پہلے سے بہت زیادہ طاقتور ہو جانے چاہئیں۔ ہم مذہبی لوگ ہیں حکومتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہمارا کام دلوں کو فتح کرنا ہے نہ کہ زمینوں کو۔ ہمارا یہ کام دوسرے کاموں سے بہت زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ پس ہمیں دوسروں کی نسبت زیادہ ہمت اور قربانی کرنی چاہئے۔ آؤ ہم اپنے ربّ کے حضور دعا کرتے ہوئے یہ التجا کریں کہ اے ہمارے ربّ! ہمارے دلوں، ہمارے جسموں اور ہمارے سامانوں کی کمزوری اور قلت کو تُو خوب جانتا ہے ہم ہر طرح بے کس، بے بس اور ناتواں ہیں، ہمارے پاس تیرے حضور پیش کرنے کے لئے ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے ہمارا ٹوٹا پھوٹا کمزور ناقص اور کرم خوردہ ایمان۔ ہم تیری محبت کے اس نقطے کا واسطہ دے کر جو اس پر موجود ہے اس ایمان کو تیرے حضور پیش کرتے ہیں۔ تُو ہم پر رحم فرما، ہمارے مُردہ ایمانوں کو زندہ کر اور ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب فرما۔ اے ہمارے رَبّ! تیرے سب بندے ہمارے بھائی ہیں خواہ وہ پاکستان میں رہتے ہیں یا ہندوستان میں، خواہ وہ ایشیاء میں رہتے ہیں یا یورپ میں، خواہ وہ ہمارے کتنے ہی دشمن ہوں تُو ان کے متعلق ہمارے دلوں کے کینے اور بغض کو نکال دے اور ان کے دلوں میں دین سے بے رغبتی کی جگہ اپنی محبت پیدا فرما دے اور ہمیں ہمارے مقصد میں

کامیاب کرتا تیری بادشاہت اسی طرح زمین پر بھی قائم ہو جائے جس طرح کہ وہ آسمان پر ہے۔

(الفضل ۲۸ ؍دسمبر ۱۹۴۷ء)

۱؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۴۸ دار الفکر بیروت میں یہ الفاظ ہیں۔ **جعلت الارض کلھا لی ولامتی مسجدا**

تقریر جلسہ سالانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء

(غیر مطبوعہ)

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تقریر جلسہ سالانہ ۲۸ ردسمبر ۱۹۴۷ء [1]

تشہّد ، تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کی۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ۔ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ٭ۖ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۔ وَ قُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ۔ وَ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَہَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَہُوۡقًا ۔ [2]

اس کے بعد فرمایا:

قادیان میں میرا دستور تھا کہ میں دوسری تقریر کسی علمی موضوع پر کیا کرتا تھا گزشتہ سال بھی میں نے دوسرے دن کی تقریر علمی موضوع پر تیار کی تھی اور وہ تقریر سیر روحانی کا حصہ تھی غالباً اس مضمون پر میری چوتھی تقریر تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کے ماتحت ۲۸ ر مارچ کو بارش ہوگئی اور میں وہ تقریر نہ کرسکا۔ میرا خیال تھا کہ میں آج اس مضمون کو بیان کروں لیکن جب میں نے اپنے وہ نوٹ نکالے جن کو میں قادیان سے آتے ہوئے اپنے ساتھ لایا تھا تو ان کے دیکھنے سے میں نے محسوس کیا کہ وہ تھوڑا سا وقت جو اس جلسہ میں مجھے مل سکتا ہے اس میں مَیں وہ مضمون بیان نہیں کرسکتا۔ قادیان میں تو یہ سہولت تھی کہ اپنا گھر تھا، اپنی جگہ تھی، اپنا لنگر تھا، دوستوں کے ٹھہرانے کیلئے مناسب انتظام تھا اگر چھ گھنٹے بھی میری تقریر ہوتی تو دوستوں کو کوئی تکلیف نہ ہوتی مگر یہاں دوستوں کے ٹھہرنے کی کہیں جگہ ہے اور ان کے کھانے کا کہیں انتظام ہے پھر جو دوست اپنی اپنی واقفیت کی بناء پر مکانات میں ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بھی کئی کئی میل دور رہتے

ہیں اس لئے ان نوٹوں کو دیکھنے کے بعد میں نے یہی فیصلہ کیا کہ اس تقریر کو کسی دوسرے موقع پر اُٹھا رکھوں اور آج وہ متفرق باتیں بیان کر دوں جو اِس تقریر کے ساتھ میں بیان کرنا چاہتا تھا اور جن سے وہ تقریر اور بھی لمبی ہو جاتی۔

وہ مضمون جو آج کے لئے میں نے اختیار کیا تھا اور جسے میں اب بیان نہیں کر رہا ''سیر روحانی'' کا یہ حصہ تھا کہ میں نے اپنے سفر میں بڑے بڑے مینار دیکھے جو بادشاہوں نے تیار کرائے تھے۔ مجھے اُن بلند و بالا میناروں کو دیکھ کر یہ خیال آیا کہ اسلام نے بھی ان مادی میناروں سے ایک بہت زیادہ بلند اور بہت زیادہ شاندار مینار بنایا ہے جس میں وہ ساری خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو میناروں میں رکھی جانی مقصود تھیں اور جو دوسرے میناروں میں نہیں پائی جاتیں۔

تفسیر کبیر کی اشاعت

ایک بات میں دوستوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پانچ دس سال فتنوں کی وجہ سے قرآن کریم کی تفسیر کا کوئی حصہ شائع نہیں ہو سکا کچھ حصہ لکھا گیا تھا مگر فتنوں کی وجہ سے وہ وقت پر نہ چھپ سکا اور کاپیاں پتھر سے اُچٹ گئیں اور اس طرح وہ لکھا ہوا حصہ ضائع ہو گیا۔ اب مضمون یہاں پہنچ گیا ہے تھوڑا سا مضمون دینا ہے مگر مشکل یہ پیش آ گئی کہ کاغذ قادیان میں ہی رہ گیا ہے اور اب اُس سائز اور طرز کا کاغذ نہیں ملتا۔ ہم تلاش میں لگے ہوئے ہیں کہ خواہ مہنگا ملے تو بھی کاغذ لے لیا جائے اور تفسیر کی تیسری جِلد جلد سے جلد شائع کر دی جائے مگر ابھی تک سامان میسر نہیں آ سکا ممکن ہے مارچ یا اپریل کے آخر تک شائع ہو جائے۔ اسی طرح پہلے نصف پارہ کی ایک جِلد چھپی ہوئی موجود ہے صرف تھوڑا سا مضمون لکھ کر اس کو مکمل کیا جا سکتا ہے اس حصہ کو بھی جلد شائع کرنے کا ارادہ ہے مگر فتنوں کی وجہ سے ابھی تک یہ کام بھی نہیں ہو سکا۔

تفسیر انگریزی مع دیباچہ پہلے دس پارے کی اشاعت

لیکن اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا انگریزی ترجمۃ القرآن جو دس پاروں کی تفسیر پر مشتمل ہے اور جس کا حجم چودہ پندرہ سَو صفحات تک ہے شائع ہو گیا ہے۔ اس میں دو سَو صفحات سے اوپر کا میں نے دیباچہ لکھا ہے جس میں اسلام کی وہ خوبیاں بیان کی گئی ہیں جو اسے دوسرے مذاہب پر فضیلت بخشتی ہیں اس کی تعلیمات کا خلاصہ

بیان کیا گیا ہے جس مقدس و مطہر انسان پر قرآن کریم نازل ہوا ہے اس کی پاک زندگی کا خاکہ کھینچا گیا ہے، قرآن کریم کے متعلق انبیائے سابقین کی وہ پیشگوئیاں جو پہلی کتب میں پائی جاتی ہیں ان کا خلاصۃً ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح اور کئی اہم مضامین اس دیباچہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس دیباچہ کو الگ بھی شائع کرنے کا ارادہ ہے غالباً اُردو میں پانچ چھ سَو صفحات کی کتاب بن جائے گی۔ اِنْشَاءَ اللّٰہ کاغذ کے میسر آنے پر اُردو میں بھی اور گورمکھی میں بھی اور ہندی میں بھی یہ دیباچہ شائع کر دیا جائے گا۔ یورپ اور امریکہ والوں کیلئے یہ دیباچہ الگ کتابی صورت میں آکسفورڈ پریس یا کسی اور پریس میں شائع کروایا جائے گا۔ یہ قرآن کریم جلد ساز کے پاس تھا مگر اب جلد بندی کا کام ختم ہو چکا ہے ارادہ یہ ہے کہ اس کے بعض نسخے یورپ اور امریکہ بھی بھجوا دیئے جائیں ان کی جِلدیں اعلیٰ درجہ کی بندھوائی جائیں گی اور وہ بڑے آدمی جو کسی نہ کسی رنگ میں مُلک میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں ان میں یہ نسخے تقسیم کئے جائیں گے۔ اسی طرح مشہور لائبریریوں میں کچھ نسخے بھجوائے جائیں گے اور کچھ نسخے جماعت کیلئے مخصوص رہیں گے۔ مگر چونکہ اس کی خریداری کیلئے دوستوں کی طرف سے پیشگی رقوم آ چکی ہیں اس لئے اب خریداری کیلئے کوئی نیا نام بھجوانے کا فائدہ نہیں۔ ایک ہزار نسخہ جماعت کیلئے مخصوص کیا گیا تھا مگر درخواستیں تیرہ چودہ سَو آ چکی ہیں پس اب درخواست دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ صرف اس تفسیر کی اشاعت کا میں اعلان کرتا ہوں اب جن دوستوں کی خواہش ہو وہ یہی کر سکتے ہیں کہ دوسروں سے عاریۃً لے کر پڑھ لیں اور فائدہ اُٹھائیں۔

میں اِس موقع پر اِس بات کا بھی افسوس کے ساتھ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انگریزی ترجمۃ القرآن کا کام جن کے سپرد تھا یعنی مولوی شیر علی صاحب وہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت تھوڑے دن ہوئے وفات پا گئے ہیں ترجمہ تو وہ سارے قرآن کا کر چکے تھے اور مختصر نوٹ بھی لکھ چکے تھے، اب میرے نوٹوں کو دیکھ کر اُن کا خلاصہ تیار کر رہے تھے۔ میرے نوٹ چونکہ لمبے تھے اس لئے وہ ان کا خلاصہ تیار کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت وہ وفات پا گئے۔ میں سمجھتا ہوں اُنہیں قادیان سے نکلنے کا جو صدمہ پہنچا تھا اُس کو وہ برداشت نہیں کر سکے اب ان کی جگہ ملک غلام فرید صاحب کو مقرر کیا گیا ہے۔ بہت سا کام دوسری جِلد کا بھی ہو چکا ہے اور

امید ہے کہ وہ بھی جلدی مکمل ہو جائے گی۔ فی الحال پہلی جلد چند بڑے بڑے آدمیوں کو تحفۃً بھجوائی گئی ہے جن میں وائسرائے، گاندھی جی اور نواب صاحب بھوپال شامل ہیں اسی طرح مسز الزبتھ کی شادی کے موقع پر انہیں قرآن کریم کی یہ جلد تحفہ کے طور پر پیش کی گئی اور انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ بعض اور لوگ بھی جنہوں نے ہمارے اس کام میں دلچسپی لی تھی ان کو یہ کتاب بھجوائی گئی ہے مثلاً مسٹر ہسٹن جو سول اینڈ ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر ہیں ان کو یہ جلد دی گئی۔ اسی طرح مصری وفد کو چند کتابیں دی گئیں ہیں، غرض آٹھ دس کتابیں اسی طرح تقسیم ہوئی ہیں۔ زیادہ تر یورپ اور امریکہ بھجوائی جائیں گی مگر ابھی جہاز نہیں ملتا۔ جہاز والے کہتے ہیں کہ چھ ماہ پہلے کا سامان ہمارے ہاں بُک ہے جب تک وہ سامان نہ بھجوالیا جائے کوئی اور سامان نہیں لیا جا سکتا۔ بہرحال جب وقت آئے گا یورپ اور امریکہ میں بھی کتابیں بھجوادی جائیں گی۔

بچوں کی تعلیم

تیسری بات میں جماعت کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان فتنہ وفساد کے ایام میں چونکہ بہت سے کالج اور سکول بند رہے ہیں اس لئے عام طور پر لڑکے تعلیم چھوڑ کر بیٹھ گئے ہیں۔ لاہور کے کالجوں میں ہی جہاں ہزار بارہ سَو لڑکا ہوا کرتا تھا اب ڈیڑھ ڈیڑھ دو دوسَو لڑکے رہ گئے ہیں اکثر طالب علم گھروں میں بیٹھے ہیں اور وہ کوئی کام نہیں کر رہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ہمارے مُلک پر ایک بڑی بھاری آفت اور مصیبت آئی ہے جس میں لڑکوں کا اپنی پڑھائی جاری رکھنا مشکل تھا مگر جب وہ اپنی اپنی جگہ پر پہنچ چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی تعلیم کو ضائع نہ کریں۔ تعلیم آئندہ زمانہ کی دولت ہے اور اس دولت کو موجودہ زمانہ کی مصیبت کی وجہ سے برباد نہیں کرنا چاہیئے۔ اس زمانہ کی مصیبت کا بوجھ ہم کو خود برداشت کرنا چاہیئے۔ آئندہ زمانہ اپنے ساتھ نئی ذمہ داریاں اور نئے بوجھ لائے گا اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان ذمہ داریوں کیلئے اپنی آئندہ نسل کو تیار نہ کریں۔ پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ جن جن دوستوں کے بیٹے گھر میں بیٹھے ہیں وہ انہیں تعلیم پر مجبور کریں۔ آخر ہر ایک کا بیٹا مصیبت میں مبتلا نہیں بعض اِس خوشی میں بیٹھے ہیں کہ اچھا ہوا پڑھائی ختم ہوگئی۔ دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کی اس خوشی میں شریک نہ ہوں یہ حقیقی خوشی نہیں بلکہ ان کے مستقبل کو تباہ کرنے والی بات ہے۔ جس جس کا بچہ گھر میں بیٹھا ہوا ُس کا فرض ہے کہ وہ اُسے کالج یا سکول میں داخل

کرے۔ تعلیم الاسلام کالج اب لاہور میں کھل گیا ہے اور تعلیم الاسلام ہائی سکول چنیوٹ میں ہے والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے لڑکوں کو فوری طور پر ان درسگاہوں میں بھجوا دیں اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ موجودہ حالات میں ہمارا سائنس کا سامان ضائع ہو گیا ہے مگر بہر حال تعلیم جاری رکھنے کیلئے ہم نے فورمن کرسچین کالج (F.C College) والوں سے سائنس کا سامان مستعار طور پر لیا ہے ایک دو ماہ تک اس سے کام چلائیں گے۔ اس کے علاوہ میں نے یورپ اور امریکہ میں بھی سائنس کے سامان کے متعلق خطوط لکھے ہوئے ہیں کچھ سامان مل گیا ہے اور کچھ ابھی تک نہیں ملا۔ بہر حال اپنے کالج میں اپنے انتظام کے ماتحت لڑکے تعلیم تو جاری رکھ سکتے ہیں۔

لڑکوں کو تعلیم کی اہمیت

لیکن آئندہ کے لئے جماعت کو یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ لڑکوں کی تعلیم ایک نہایت اہم چیز ہے خود انہیں بھوکا رہنا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں، پھٹے پُرانے کپڑے پہننے پڑیں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اولاد کو ضرور تعلیم دینی چاہئے۔ یہ تعلیم کیسی ہونی چاہئے؟ اسے میں آپ لوگوں پر چھوڑتا ہوں۔ بہر حال قرآن کریم ہر ایک کو آنا چاہئے، احادیث کا کسی قدر علم ہر ایک کو ہونا چاہئے، کچھ مسائل فقہیہ اور دینیہ بھی ہر ایک کو آنے چاہئیں، اسلام کی خوبیوں اور غیر مذاہب کے اعتراضات کے جواب بھی ہر ایک کو آنے چاہئیں۔ ہر ایک کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام نے جو احکام دیئے ہیں ان کے کیا فوائد ہیں اور جن باتوں سے اس نے روکا ہے ان کے کیا نقصانات ہیں یہ ضروری علوم ہیں اس کے ساتھ ہی دُنیوی علوم کا جاننا بھی ضروری ہے۔ ہم ابھی نہیں کہہ سکتے آیا پاکستان میں ذریعہ تعلیم اُردو ہو گا یا انگریزی۔ یہ معاملہ ابھی زیر بحث ہے لیکن بہر حال جو ضروری علوم ہیں ان سے ہمیں غافل نہیں ہونا چاہئے۔ خصوصاً سائنس کی طرف ہمارے طلباء کو زیادہ توجہ کرنی چاہئے۔ مستقبل کی بنیاد اب سائنس پر ہی پڑنے والی ہے اور اس طرف نوجوانوں کا متوجہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مسلمان لڑکوں کو اس طرف توجہ نہیں۔ یونیورسٹی کلاس میں دو درجن کے قریب لڑکے تھے مگر اب پانچ رہ گئے ہیں اور پانچ بھی وہ جو تعلیم میں ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح اور کالجوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سائنس کی طرف مسلمان طلباء کی بہت ہی کم توجہ ہے حالانکہ اصل چیز سائنس ہی ہے اور اسی کے

ذریعہ ہر شخص خدا تعالیٰ کے خزانہ میں سے ایک نئی دریافت کر سکتا ہے۔ دیکھو! جتنی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن میں ایک حصہ حیرت اور تعجب کا بھی ہوتا ہے وہ انسان کو زیادہ پسند ہوتی ہیں۔ بکری اور مرغی کا گوشت کھانے میں انسان کو اتنا مزہ نہیں آتا جتنا شکار میں مزا آتا ہے۔ لوگ کنڈی لگا کر سارا دن مچھلی کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں اور اس میں وہ ایک لذت اور سرور محسوس کرتے ہیں۔ سائنس کا علم بھی مچھلی پکڑنے والا شغل ہے۔ ہر فرد اگر چاہے تو اس ذریعہ سے ایک نئی چیز نکال کر دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے اور یہ جو فطری طور پر انسان کے اندر خواہش ہوتی ہے کہ میں کسی نئی چیز کی دریافت کروں یہ پوری ہو جاتی ہے۔

پس نوجوانوں کو خصوصیت سے سائنس کی طرف توجہ کرنی چاہئے یہ خوشی کی بات ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوان سائنس کی طرف توجہ کر رہے ہیں مگر موجودہ توجہ سے اُنہیں زیادہ توجہ کرنی چاہئے بلکہ آرٹ کی نسبت بھی سائنس کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہئے۔ ہمارے منتظمین کو چاہئے کہ وہ سائنس کا سامان زیادہ مہیا کریں اور طالبعلموں کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو اتنا محنتی بنائیں کہ کالج یا سکول والوں کو اُنہیں لینے میں کوئی عُذر نہ ہو۔

چندوں کو بڑھائیں

مجلس شوریٰ میں کل میں نے بیان کیا تھا کہ جماعت کے چندوں پر موجودہ فتنہ کا بہت اثر پڑا ہے۔ اوّل تو ہماری جماعت کا پچیس فیصد حصہ مشرقی پنجاب سے اُجڑ کر آ گیا ہے اور ان کی وجہ سے جو آمد تھی وہ جاتی رہی۔ دوسری طرف جب وہ مغربی پنجاب میں اپنے رشتہ داروں کے پاس آ کر ٹھہرے تو طبعی طور پر ان پر بھی بوجھ پڑا۔ احمدیت کی وجہ سے ہمارے ہاں شادیاں بِالعموم اسی طریق پر تھیں کہ مرد اگر حصار کا رہنے والا ہے تو اس نے راولپنڈی میں شادی کر لی اس وجہ سے مشرقی پنجاب والوں کے بہت سے رشتہ دار مغربی پنجاب میں موجود تھے۔ جب انہوں نے مشرقی پنجاب سے آنے والوں کو پناہ دی اور اُن کا بوجھ اُٹھایا تو ان کی مالی حالت پر بھی اس کا اثر پڑا اور ان کے چندوں میں بھی کمی واقع ہونے لگی۔ اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ بعض ادارے ایسے ہیں جن کو پانچ پانچ ماہ سے تنخواہیں نہیں ملیں اور جب انہیں تنخواہیں ہی نہیں ملیں تو وہ چندے کہاں سے دیں لیکن بہرحال خدا کا کام ہم نے ہی کرنا ہے اور جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے اسے سرانجام دینا ہمارا ہی فرض

ہے۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ہر جگہ بیداری پیدا کریں اور اپنے اپنے چندوں کو بڑھانے کی کوشش کریں۔ اِس وقت حالت یہ ہے کہ قریباً ایک ثلث چندہ آ رہا ہے۔ اصل میں تو زیادہ ہوگا کیونکہ بینک چیک توڑ کر نہیں دیتے اور کافی مقدار چیکوں کی ہمارے دفتر میں پڑی ہوئی ہے اگر اس رقم کو شامل کر لیا جائے تب بھی چندوں میں خاصی کمی رہتی ہے۔ وہ قوانین جو اس بارہ میں مَیں نے تجویز کئے ہیں شوریٰ کے ممبروں کو بتا دیئے گئے ہیں ہر جگہ کی جماعت کو چاہئے کہ ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

مہاجرین کی آبادکاری

میں نے کل مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی آبادی اور ان کی مشکلات کے متعلق کچھ امور بیان کئے تھے لیکن میں سمجھتا ہوں ابھی اس بارہ میں مجھے مزید کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔ چالیس لاکھ انسانوں کی مصیبت کوئی معمولی مصیبت نہیں۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم اس مصیبت کو کس طرح دور کر سکتے ہیں۔ پس جو کچھ میں نے کہا تھا اس پر میں مزید کچھ باتیں اِس وقت کہنا چاہتا ہوں تا پبلک کو بھی ان باتوں کا علم ہو جائے اور حکومت کی توجہ بھی ان باتوں کی طرف پھر جائے اور پھر وہ طبقہ جو پریس سے تعلق رکھتا ہے اس کو بعد تحقیق میرے رائے کو صحیح سمجھے تو وہ بھی اس بارہ میں اپنے فرائض کو ادا کرنے کی طرف توجہ کرے کیونکہ چالیس لاکھ مسلمانوں کی مصیبت دور کرنے کی کوشش کرنا ہر شخص کا اخلاقی فرض ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ اس مصیبت میں لوگ ایسے پریشان ہو گئے ہیں کہ وہ مشکلات کے عجیب عجیب حل تجویز کر رہے ہیں۔ وہ حل درحقیقت ایسے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ پُرانے زمانہ میں ایک لال بجھکڑ تھا جو ہر چیز کا کوئی عجیب سا نام رکھتا اور ہر مشکل کے حل کیلئے کوئی عجیب طریق کار تجویز کرتا۔ ایک دفعہ ایک گاؤں میں کوئی عورت نئی نئی بیاہی آئی۔ ساس سسر کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور وہ دالان میں گھونگھٹ نکالے بیٹھی تھی کہ باہر سے کوئی شخص آیا اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ایک تھال تھا۔ اُس نے وہ تھال آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ فلاں گھر میں شادی تھی اُنہوں نے مٹھائی کا حصہ تحفۃً بھجوایا ہے وہ منہ چھپانے کیلئے ستون کے پیچھے کھڑی ہوگئی اور مٹھائی کا تھال پکڑنے کیلئے اُس نے ایک ہاتھ اِدھر سے اور ایک ہاتھ اُدھر سے نکال دیا اس نے تھال ہاتھ

میں پکڑا دیا۔ اب یہ حیران ہو کر سوچنے لگی کہ میں تھال کو پیچھے کس طرح لاؤں درمیان میں ستون ہے اور میرا ایک ہاتھ ایک طرف سے رُکا ہوا ہے اور دوسرا ہاتھ دوسری طرف سے رُکا ہوا ہے اس نے بہت سوچا مگر اسے اس مشکل کا کوئی حل نظر نہ آیا۔ آخر گھبرا کر وہ رونے لگی تھوڑی دیر گزری کہ اس کی ساس اور خسر بھی آ گئے وہ بھی ویسے ہی عقلمند تھے جیسے ان کی بہو عقلمند تھی۔ اُنہوں نے بھی اپنی بہو کو اس مشکل میں دیکھ کر رونا شروع کر دیا کہ اب تو بہو کے ہاتھ کاٹنے پڑیں گے اس کے سِوا اور کیا علاج ہو سکتا ہے۔ آخر کسی نے انہیں کہا کہ مشکل تو بڑی ہے لیکن لال بجھکڑ کو بلاؤ ممکن ہے وہ اس مشکل کا کوئی حل تجویز کر لے۔ لال بجھکڑ آیا اور اس نے یہ نظارہ دیکھ کر تھوڑی دیر تک اپنا سر پکڑا۔ کچھ دیر غور کرتا رہا اور پھر کہنے لگا بات تو خطرناک ہے لیکن میں نے اس کا حل تجویز کر لیا ہے۔ تم چھت توڑ و اور ستون کی اینٹیں علیحدہ کرنی شروع کر دو جب اینٹیں اُتارتے اُتارتے اس کے ہاتھ تک ستون الگ ہو جائے تو اس کے ہاتھوں سے تھال لے لینا۔ اُنہوں نے جب یہ تجویز سنی تو بہت خوش ہوئے۔ اسے نذرانہ پیش کیا اور اس کی تجویز پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ کوئی باہر سے آیا ہوا آدمی بھی یہ تمام باتیں سن رہا تھا اس نے کہا بیوقوفو! یہ کیا کرنے لگے ہو آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے تھال کیوں نہیں لے لیتے۔ تھال لے لو اس کے ہاتھ خود بخود پیچھے آ جائیں گے۔ لال بجھکڑ نے یہ بات سنی تو وہ غصہ سے آنکھیں سرخ کر کے کہنے لگا اس میں اُستادی کون سی ہوئی، اُستادی تو اسی بات میں ہے جو میں نے بتائی ہے۔ یہی حال بعض مسلمانوں کا ہے۔ چالیس لاکھ انسان کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر اُستادیاں سوچی جا رہی ہیں اور جو سیدھے سادھے حل ہو سکتے ہیں اُن کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو اپنے پُرانے خیالات پھیلانے کا کوئی موقع نہیں ملتا تھا اب اُنہوں نے سمجھا کہ یہ موقع اپنے خیالات کو پھیلانے کیلئے موزوں ہے۔ اس طرح وہ مشکلات دور کرنے کی بجائے اپنے ہی خیالات پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ سیدھی سادی بات ہے آدمی بھی موجود ہیں، روزی کمانے کے ذرائع بھی ہمیں معلوم ہیں، اعداد و شمار بھی ہمیں معلوم ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم کاغذ اور قلم دوات لے کر بیٹھیں اور دیکھیں کہ حساب بنتا ہے یا نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مشرقی پنجاب اور ریاستوں میں ۵۶ لاکھ مسلمان تھے۔ پنجاب کی ساری

آبادی کے متعلق جو اعداد و شمار جمع کئے گئے ہیں ان سے پتہ لگتا ہے کہ پنجاب کی آبادی میں ۲۹ فیصد غیر زراعت پیشہ ہیں اور باقی زراعت پیشہ مگر یہ تقسیم سارے ضلعوں میں برابر نہیں بعض جگہ یہ نسبت زیادہ ہے اور بعض جگہ کم۔ بہرحال تمام اضلاع کا جائزہ لینے پر یہ نسبت ۸۰ فیصدی سے ۱۹ فیصدی قرار پاتی ہے یعنی کسی جگہ ۸۰ فیصدی ہے اور کوئی ضلع ایسا ہے جس میں ۱۹ فیصدی ہے اس کی اوسط ۲۹ فیصدی ہے اور یہی وہ نسبت ہے جو پنجاب کے غیر زراعت پیشہ لوگوں کی قرار دی گئی ہے۔ اب ۲۹ فیصدی کی اوسط کو مدنظر رکھتے ہوئے مشرقی پنجاب کی آبادی کا اگر جائزہ لیا جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

مشرقی پنجاب میں اگرچہ مسلمان زیادہ تھے مگر مشرقی پنجاب کے شہروں میں زیادہ تر ہندو بستے تھے کیونکہ قانون یہ ہے کہ جس قوم کی اقلیت ہوتی ہے وہ زیادہ تر شہروں میں مقیم ہوتی ہے۔ یوپی کے شہروں میں مسلمان آبادی کی نسبت ہندوؤں سے زیادہ ہے اور پنجاب کے شہروں میں ہندوؤں کی آبادی جو اقلیت میں تھے زیادہ تھی کیونکہ اقلیت والے ہمیشہ اپنی حفاظت کا ذریعہ سوچتے ہیں اور وہ ذریعہ انہیں یہی نظر آتا ہے کہ ہم کسی جگہ اکٹھے ہو کر رہیں چنانچہ وہ شہروں میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے مشرقی پنجاب کی شہری آبادی یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ غیر زراعت پیشہ لوگوں کی آبادی زیادہ تھی۔ اگر ۲۹ فیصدی کو ہی لے لیا جائے تو جیسا کہ میں نے بتایا ہے کُل ۵۶ لاکھ مسلمان تھے۔ گورنمنٹ کہتی ہے کہ ۴۶ لاکھ مسلمان مغربی پنجاب میں پہنچا ہے ۵ لاکھ کو مار دیا گیا ہے اور پانچ چھ لاکھ کو جبری طور پر مرتد بنا لیا گیا ہے۔ بہرحال ۴۶ لاکھ کا سوال ہم نے حل کرنا ہے ان میں سے غیر کاشتکار ۱۳ لاکھ ۲۴ ہزار ہیں اور کاشتکار ۳۲ لاکھ ۷۶ ہزار، گویا جو لوگ باہر سے آئے ہیں اور جن کے لئے ہم نے زمینوں کا انتظام کرنا ہے وہ ۳۲ لاکھ ۷۶ ہزار ہیں۔ اب ہم زمین کو دیکھتے ہیں کہ وہ کتنی ہے گورنمنٹ کے ریکارڈ کے رو سے سکھوں اور ہندوؤں کی زمین ۶۶،۱۷،۰۰۰ اور دوسرے غیر مسلموں کی زمین ۴،۰۶،۰۰۰ ایکڑ ہے گویا ۷۰ لاکھ ۲۳ ہزار ایکڑ زمین تھی۔ اس میں جو غیر مسلموں کی کاشت کردہ زمین تھی وہ ۴۸،۳۶،۵۸۱ ایکڑ تھی۔ وہ زمینیں جن کے مسلمان مزارع تھے مگر مالک ہندو ہونے کی وجہ سے بھاگ گئے وہ زمینیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ہم ان کے متعلق یہ

نہیں کہہ سکتے کہ آنے والے مسلمانوں کو ان زمینوں پر جگہ دی جائے اور پُرانے مسلمانوں کو نکال دیا جائے بہرحال ہمیں وہی زمین لینی پڑے گی جو غیر مُسلموں کی کاشت کردہ تھی اور وہ جیسا کہ میں نے بتایا ۵۸، ۳۶، ۴۸ ایکڑ زمین ہے اور وہ افراد جن کو ہم نے بسانا ہے وہ ۳۲ لاکھ ۴۷ ہزار ہیں اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ جہاں بارانی زمینیں ہیں وہاں بجائے ایک ایکڑ فی کس کے بعض جگہ ڈیڑھ اور بعض جگہ دو ایکڑ فی کس بھی زمین دینی پڑے گی لیکن اگر ایسی زمینوں کو بھی لیا جائے تو ۴۲ لاکھ ایکڑ زمین میں بخوبی گزارہ ہوسکتا ہے پانچ لاکھ ایکڑ زمین پھر بھی بچ جائے گی گویا لوگوں کو جس قدر ضرورت ہے اس کا پورا سامان مغربی پنجاب میں موجود ہے۔ باقی رہ گئے غیر کاشتکار، ان میں بہت سے تاجر تھے، بہت سے لوہار اور ترکھان تھے، بہت سے جولاہے تھے بہت سے کمہاروں کا کام کرتے تھے، اسی طرح اور کئی قسم کے پیشے اُنہوں نے اختیار کئے ہوئے تھے یہ ۱۳ لاکھ ۲۴ ہزار ہیں۔ ان میں ایسے بھی تھے جو پروفیسر تھے یا وکیل اور بیرسٹر تھے یہ ملازم پیشہ لوگ تھے۔ ان میں سے ملازموں کو ملازمت مل گئی، تاجر تجارت کر سکتے ہیں، وکیل وکالت کر سکتے ہیں، پیشہ ور اپنا اپنا پیشہ اختیار کر سکتے ہیں، بہرحال ۱۳ لاکھ میں سے بہت قلیل ایسے لوگ بچیں گے جن کو زمینوں پر کام کرنے کی ضرورت ہو۔ ایسے لوگوں کو وہ زمین دی جاسکتی ہے جو کاشتکاروں کی ضرورت سے زائد ہے اور جو پانچ چھ لاکھ ایکڑ سے کسی صورت میں بھی کم نہیں۔ بہرحال جہاں تک زمین کا سوال ہے میرے نزدیک موجودہ مشکل کو حل کرنے میں کسی قسم کی دقت نہیں۔

پہلا نقص جو خرابی پیدا ہوئی وہ درحقیقت اس انتظام کی وجہ سے ہوئی ہے جو پناہ گزینوں کو بسانے کیلئے کیا گیا تھا۔ اصل میں خرابی کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ بجائے اس کے کہ علاقہ وار انہیں تقسیم کیا جاتا یونہی بے تحاشا انہیں پھیلانا شروع کر دیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض جگہ زمینداروں نے یوں کیا کہ گاؤں کے جتنے کمّی تھے اُن کو اپنے گھر کے افراد میں شامل کر لیا۔ مثلاً گھر کے چار افراد تھے اور ۲۵ کمّی تھے تو انہوں نے ۲۹ افراد لکھوا کر ۲۹ ایکڑ زمین حاصل کر لی یا ۵۸ ایکڑ بارانی زمین حاصل کر لی۔ اِدھر کمّی زمیندار بن کر چلے گئے اور انہوں نے اپنے نام پر زمین حاصل کر لی۔ اگر علاقہ وار سب کو بسایا جاتا تو اگر کوئی شخص اِس قسم کا

فریب کرتا اس کا ہمسایہ فوراً اس کے خلاف رپورٹ کر دیتا۔ یہ طبعی بات ہے کہ اگر ایک شخص کو چار ایکڑ زمین مل رہی ہو اور دوسرا فریب سے ۵۸ ایکڑ زمین لے لے تو زمیندار اس کو برداشت نہیں کر سکتا وہ ضرور کوشش کرے گا کہ اس کا پردہ چاک کرے اور اسے اِس زمین سے بے دخل کرے۔ مگر اب حالت یہ ہے کہ جن کمیوں کے نام پر زمینیں حاصل کی گئی ہیں وہ مثلاً بیٹھے ہیں سیالکوٹ میں اور یہ لائل پور بیٹھا ہے اس نے ان کے نام پر زمینیں حاصل کر لی ہیں اور انہوں نے اپنے نام پر زمیندار بن کر زمینیں حاصل کر لی ہیں۔ میرے نزدیک یہ تمام نقص ان کو پھیلانے کے نتیجہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ کثرت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں ہر خاندان کے جتنے افراد تھے ان کی تعداد سے زیادہ زمین اُنہوں نے لے لی ہے۔

دوسرا نقص دوسرا نقص یہ واقعہ ہوا کہ جو غیر کاشتکار تھے حتّٰی کہ تاجر اور وکلاء بھی اُنہوں نے بھی بہانے بنا بنا کر زمین لے لی ہے۔ حالانکہ یہ واضح بات ہے کہ یہ زمین کاشتکاروں کو مل سکتی تھی غیر کاشتکاروں کو نہیں۔ بے شک وہ لٹے ہوئے آئے ہیں مگر بہرحال زمین کے متعلق جو قانون ہے اُس کی ضرور پابندی کی جائے گی یہ نہیں ہو سکتا کہ کاشتکاروں کا حصہ غیر کاشتکار لے جائیں مگر ہوا یہی کہ تاجر اور وکلاء اور دوسرے لوگ بھی جو غیر زراعت پیشہ تھے اور بہانے بنا بنا کر زمین حاصل کرتے چلے گئے حالانکہ یہ زمین اس طرح تو تقسیم نہیں ہو رہی تھی جس طرح شادی کے موقع پر مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور جو جی چاہے لے لیتا ہے یہ تو مصیبت کے وقت مستحقین کی مدد کی جا رہی تھی۔ گورنمنٹ اپنے حالات کے مطابق کاشتکاروں کی جو زیادہ سے زیادہ مدد کر سکتی تھی وہ کر رہی تھی یہ کسی بادشاہ کے بیٹے کی شادی کی تقریب نہیں تھی کہ غیر کاشتکار بھی زمینیں لینے لگ جاتے بہرحال یہ دوسرا نقص بھی شدید طور پر واقع ہوا۔

تیسرا نقص تیسری بات یہ ہوئی کہ بعض جگہ زمینیں محفوظ ہیں مگر دکھایا یہ گیا ہے کہ وہ زمینیں لوگوں کو دے دی گئی ہیں۔ یہ کس طرح ہوا ہے اس کے متعلق ایک دو باتوں کا بیان کرنا سیاستاً مفید نہیں ورنہ مجھے وہ جگہیں معلوم ہیں، وہ زمینیں معلوم ہیں اور میں اِس بات کو قطعی شواہد کی بناء پر ثابت کر سکتا ہوں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ جالندھر کا کوئی پٹواری ہے اسے پتہ نہیں کہ اس کے رشتہ دار کہاں کہاں ہیں وہ لکھ کر دے دیتا ہے کہ اتنی زمین چالیس

آدمیوں کو دے دی گئی ہے مگر وہ زمین درحقیقت محفوظ ہوتی ہے اور وہ انتظار کر رہا ہوتا ہے اُس وقت کا جب اُس کے رشتہ دار اُس کے پاس آئیں اور وہ اُنہیں زمین دے۔ پٹواریوں کے کھاتے دیکھے جائیں تو ہزاروں ہزار ایکڑ زمین ایسی نکلے گی جو اُنہوں نے اپنے رشتہ داروں کے لئے رکھ لی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ لوگوں نے اس طرح بھی کیا ہے کہ جس وقت یہاں سے لوگ بھاگے اُنہوں نے پٹواریوں سے مل کر اصل کاشتکار کے نام کی بجائے اپنا نام چڑھا لیا۔ پھر اس میں کچھ دستِ غیب بھی چل رہا ہے۔ بہرحال زمینوں کی جو تقسیم کی گئی ہے اس میں بہت سے نقائص ہیں۔ اگر اب بھی کسی دیانتدار افسر کو مقرر کیا جائے تو جتنے لوگ آچکے ہیں ان سب کیلئے یہی زمین کافی ہوسکتی ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ساری زمین ابھی ۴۸ لاکھ ایکڑ ہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ ہے یہ وہ زمین ہے جو پہلے سکھوں اور ہندوؤں کی ملکیت تھی۔ اس کے علاوہ وہ ہزار ہا ایکڑ بلکہ لاکھ دو لاکھ ایکڑ زمین ایسی ہے جو گورنمنٹ کی پراپرٹی ہے سال دو سال کیلئے وہ اس زمین کے ٹھیکے دے دیتی تھی اس میں بھی ہندو اور سکھ زیادہ ٹھیکیدار تھے لیکن بہرحال مالک گورنمنٹ تھی سکھ اور ہندو عارضی ملکیت کے طور پر کام کر رہے تھے وہ زمین بھی پڑی ہے اگر اس کو بھی ملا لیا جائے تو زمین پچاس لاکھ ایکڑ تک پہنچ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ طریق کار کو مدنظر رکھتے ہوئے تقسیم ہونے کے بعد زمین چار پانچ لاکھ ایکڑ بچنی چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ کئی زمیندار ایسے ہیں جن کی مشرقی پنجاب میں کافی زمینیں تھیں۔ میرے نزدیک ۱۳ فیصدی زمین بڑے زمینداروں کے پاس تھی، اس کے معنی یہ ہیں کہ چھ لاکھ ایکڑ زمین بچ جائے گی کیونکہ ان کو اتنی زمین نہیں ملے گی جتنی مشرقی پنجاب میں چھوڑ آئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مغربی پنجاب میں سکھوں، ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کی زمین ۷۰ لاکھ تئیس ہزار ایکڑ تھی اس کے مقابلہ میں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی زمین ۴۸،۳۶،۵۸۱ ایکڑ تھی گویا جتنی زمین مشرقی پنجاب میں تھی اس سے زیادہ یہاں موجود ہے۔ اور چونکہ بڑے بڑے زمینداروں کو حصہ نہیں ملنا یا خیال کیا جاتا ہے کہ نہیں ملے گا اگر کسی نے چوری چھپے لے لیا ہو تو اور بات ہے اس لئے بہرحال یہاں پانچ سات لاکھ ایکڑ زمین بچتی ہے کم نہیں بچتی۔ پس موجودہ مشکلات کا حل موجود ہے پھر میں کہتا ہوں ہمیں یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ سکھ اور ہندو صرف زمیندار ہی نہیں

تھا بلکہ اسّی فیصدی تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی اب وہ ساری تجارت خالی ہے۔ وہ روپیہ جو ہندو کماتا تھا اسی طرح کماتا تھا کہ کپاس لی اور بیچی، کپڑا لیا اور بیچا یا اور چیزیں لیں اور بیچیں۔ اب بھی یہ سب چیزیں موجود ہیں اور جو فائدہ ہندو اور سکھ اُٹھاتا تھا اب بھی اُٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر اس نکتہ کو سمجھ لیا جائے کہ جس طرح ساہوکار کماتا تھا اس طرح مسلمان بھی کما سکتا ہے تو پندرہ بیس لاکھ مسلمانوں کیلئے روزگار کا رستہ کھل جاتا ہے۔ مگر اِس وقت ہو یہ رہا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے زمیندار کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے مثلاً کپاس کی قیمت ۲۱، ۲۲ روپیہ ہونے کے چھ سات روپیہ تک پہنچ گئی ہے۔ گورنمنٹ نے اب اعلان کیا ہے کہ ہم کارخانوں کیلئے کوئلہ مہیا کریں گے۔ مگر غالباً مہیا اُس وقت ہوگا جب جنس ہی ختم ہو جائے گی۔ فروری میں کارخانے سب بند ہو جائیں گے اور اِس اعلان کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے جب دوسرا اعلان ہوگا اُس وقت تک اسّی فیصدی کپاس زمیندار بیچ چکے ہونگے۔ بھلا اُس وقت کسی کام کا فائدہ کیا ہوگا اور زمیندار کو اس سے کیا نفع حاصل ہوگا جو کچھ کرنا تھا گورنمنٹ کو چاہئے تھا کہ فوری طور پر کرتی اور زمینداروں کو نقصان سے بچاتی مگر اُس نے اِس طرف توجہ نہیں کی اور زمینداروں کو سخت نقصان ہوا ہے۔

غیر طبعی اور غیر اسلامی سکیمیں

اصل بات یہ ہے کہ اِس وقت ایسی غیر طبعی اور غیر اسلامی سکیمیں سوچی جا رہی ہیں کہ جن کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں اور یہ سب نقص اِس وجہ سے ہے کہ دوسرے کی پکی پکائی چیز کھانے کی مسلمانوں کو عادت ہے خود کبھی اسلام اور قرآن کریم پر غور کرنے کی اِنہوں نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ ''اسلامی حکومت، اسلامی حکومت'' کا شور مچانے میں تو سب سے آگے ہوتے ہیں مگر اِنہوں نے کبھی قرآن کھول کر نہیں دیکھا ہوتا کہ وہ کس قسم کی حکومت دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ جب سارا اسلام قرآن میں ہے تو ہمیں قرآن کھول کر دیکھنا چاہئے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

آبادی کی کثرت ہی ترقی کا موجب ہے

جہاں تک میں نے مختلف مُلکوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور

میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا مطالعہ چاہے وسیع ہو یا نہ ہو میرا غور بہت وسیع ہے۔ میں اس امر کو ثابت کر سکتا ہوں کہ مُلک کی ترقی جائداد اور مال و دولت کی زیادتی میں نہیں بلکہ افراد کی زیادتی میں ہے۔ پاکستان کا علاج یہ نہیں کہ اس کا دو ہزار ایکڑ تین ہزار ایکڑ بن جائے بلکہ پاکستان کا علاج یہ ہے کہ اس کی ۲ کروڑ کی آبادی ۵ کروڑ بن جائے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ پانچ کروڑ کھائیں گے کہاں سے؟ یہ ایک لمبا مضمون ہے جس کو اِس وقت بیان نہیں کیا جا سکتا۔

کمزور مُلک کا علاج آبادی بڑھائی جائے

لیکن تاریخ اِس بات پر شاہد ہے اور بموجب سیاسیات اس بات پر شاہد ہیں کہ کسی کمزور مُلک کا سوائے اس کے اور کوئی علاج نہیں کہ اس کی آبادی کو بڑھا دیا جائے۔ جب کسی مُلک پر تنزّل آتا ہے اس کی آبادی کم ہو جاتی ہے یہ ایک ایسا موٹا اصل ہے جس پر بیسیوں شواہد تاریخ سے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ تاریخ اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ قومی ترقی کے زمانہ میں نسل بڑھتی ہے اور قومی تنزل کے زمانہ میں نسل گھٹتی ہے۔ جب کسی قوم کی اُمنگیں مٹ جاتی ہیں اس کی نسل آپ ہی آپ کم ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ آسٹریلیا کے وحشی ہزاروں کی تعداد میں تھے، امریکہ کے ریڈ انڈین لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ آسٹریلیا نے مارا ہو تو مارا ہو کم سے کم امریکہ نے ریڈ انڈینز کو نہیں مارا مگر ریڈ انڈینز کی نسل آپ ہی آپ گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ اب وہ صرف چند ہزار پائے جاتے ہیں اور آسٹریلیا کے وحشی چند درجن سے زیادہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ کوئی انہیں خصّی کر دیتا ہے یا مار دیتا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اُن کی اُمنگیں ماری گئیں، اُن کی اُمیدیں جاتی رہیں، اُنہیں اپنا کوئی مستقبل نظر نہیں آیا اس لئے وہ کسی غیر کی تلوار سے نہیں بلکہ اپنی طبیعت کی تلوار سے آپ مارے گئے۔ پس نسل کا بڑھانا قوم کی زندگی کا موجب ہوتا ہے۔ زمین چاہے ایک ایکڑ بھی نہ ہو تب بھی وہ اپنی روزی پیدا کر لے گا لیکن یہ مضمون اپنے بعض حصوں کی وضاحت کیلئے زیادہ تفصیل اور وقت کا تقاضا کرتا ہے میں نے خلاصۃً اِس امر کو بیان کر دیا ہے۔

نسل کو بڑھانا

میرے نزدیک ہمیں اس بارہ میں قطعی طور پر پریشان نہیں ہونا چاہئے کہ پاکستان کی زمین کیسی اور کتنی ہے، ہمیں قطعی طور پر روس کی طرف دیکھنے

کی ضرورت نہیں، ہمارا ہادی اور ہمارا راہنما قرآن ہے جس میں سارے علاج موجود ہیں اور اس میں جو علاج بتایا گیا ہے وہ نسل کو بڑھانا ہے مگر ہوشیاری اور بیداری سے۔ اس سے رزق کی مشکلات بھی حل ہو جائیں گی دولت کے رستے بھی نکل آئیں گے اور سیاسی ضعف بھی طاقت میں بدل جائے گا۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ کیوں یہ کہا جاتا ہے کہ باہر سے چالیس لاکھ آدمی آ گیا ہے یہ چالیس لاکھ آدمی کھائے گا کہاں سے؟ حالانکہ اس چالیس لاکھ کو شامل کر کے بھی پاکستان کا رقبہ اتنا زیادہ ہے کہ ابھی اس میں اور بھی بہت سے لوگوں کے سمانے کی گنجائش موجود ہے۔

مغربی پنجاب کی آبادی ایک کروڑ ستر لاکھ ہے اور سارے مغربی پاکستان کی آبادی ۲ کروڑ ستر لاکھ ہے لیکن سارے پاکستان کا جو رقبہ ہے وہ بشمولیت بلوچستان تین لاکھ ۳۷ ہزار میل کے قریب ہے۔ کشمیر ملے تو یہ رقبہ اور بھی بڑھ جائے گا اور چار لاکھ سے اوپر ہو جائے گا۔ انگلستان، ویلز اور سکاٹ لینڈ کا رقبہ اٹھاسی ہزار میل ہے اور ۸۸ ہزار میل رقبہ میں اس وقت ۳ کروڑ ۷۵ لاکھ آدمی بس رہے ہیں۔ پہلے یہ آبادی چار کروڑ تھی مگر اب گر رہی ہے گویا انگلستان، ویلز اور سکاٹ لینڈ کے رقبہ سے یہ چار گنا بڑا مُلک ہے اور چونکہ وہاں ۸۸ ہزار میل کے رقبہ میں ۳ کروڑ ۷۵ لاکھ آبادی ہے اس حساب سے پاکستان کی کُل آبادی اٹھارہ کروڑ ہونی چاہئے لیکن ہے سات کروڑ، گویا ابھی گیارہ کروڑ کی آبادی بڑھ سکتی ہے۔ یہ دیکھ کر کہ انگلستان زراعتی مُلک نہیں دوسرے اس وقت وہاں آبادی کم ہو رہی ہے اِس کی آبادی بیس کروڑ سے بھی اوپر جا سکتی ہے صرف توجہ اور ان ذرائع سے کام لینے کی ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آبادی کی ترقی کیلئے مقرر فرمائے ہیں۔

مستقبل آدمیوں سے بنا کرتا ہے

میں نے جیسا کہ پچھلے دنوں بھی بیان کیا تھا مستقبل آدمیوں سے بنا کرتا ہے۔ مستقبل زمین سے نہیں بنتا۔ بغیر اس کے کہ انسان کے پاس زمین کا کوئی ٹکڑا ہو جب وہ محنت کرتا ہے تو کسی نہ کسی طرح اپنی روزی ضرور کما لیتا ہے بلکہ جائز باتیں تو الگ رہیں اگر انسان ناجائز رنگ میں ہی روزی کمانے کے وسائل سوچنے لگے تو وہ سَو طریق سوچ لیتا ہے۔

مجھے ایک عزیز نے سنایا کہ کشمیر میں جب گزشتہ ایجی ٹیشن ہوئی تو اُس وقت وہاں کے انگریز

ریذیڈنٹ مسٹر ویکفیلڈ کو شکایت پہنچی کہ ایک کشمیری پنڈت لوگوں سے بڑی کثرت کے ساتھ رشوت لیتا ہے۔ اُس نے اُس کشمیری پنڈت کو بُلایا اور اُسے ایک دفتر میں لگا دیا۔ چند دنوں کے بعد اُس کے متعلق دریافت کیا گیا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ خوب رشوت لیتا ہے اس پر اُسے دوسرے دفتر میں تبدیل کر دیا گیا مگر پھر بھی رشوت لیتا چلا گیا۔ آخر اسی طرح یکے بعد دیگرے اُسے تمام دفتروں میں پھرایا گیا مگر جہاں بھی جاتا اُس کے متعلق یہی رپورٹ آتی کہ وہ خوب رشوت لیتا ہے۔ آخر تنگ آ کر مسٹر ویکفیلڈ نے اسے دریائے جہلم پر اسلام آباد کے موڑ کے قریب بٹھا دیا اور اُسے کہا گیا کہ تمہاری سوائے اِس کے اور کوئی ڈیوٹی نہیں کہ تم صبح سے شام تک دریا کی لہریں گنتے رہا کرو۔ اس نے سمجھا یہ کام تو ایسا ہے جس میں وہ کسی سے رشوت نہیں لے سکتا۔ مگر چند دنوں کے بعد جب اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو لوگوں نے بتایا کہ اس نے تو غضب کر دیا۔ اس نے تو اتنی رشوت لی ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ جو لوگ کشمیر گئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کشمیری کشتیوں کے ذریعہ سبزی ترکاری سرینگر میں بیچنے کیلئے لے جایا کرتے ہیں وہ چونکہ لہریں گننے کیلئے بیٹھا ہوتا تھا جب بھی کسی کشتی نے آنا وہ فوراً کشتی والے کو آواز دیتا کہ ٹھہر جاؤ تمہیں آگے آنے کی اجازت نہیں میں سرکاری کام کر رہا ہوں اگر تم آگے بڑھے تو میں لہریں ٹھیک طور پر نہیں گن سکوں گا۔ آخر اُس بے چارے نے کچھ رشوت پیش کرنی اور پھر اُسے آگے آنے کی اجازت ملنی۔ اِس طرح وہ ہر کشتی والے کو ٹھہرا کر اُس سے کچھ نہ کچھ رقم لے لیتا۔ کسی سے چار آنے کسی سے آٹھ آنے اور کسی سے روپیہ اور شام کو جب واپس آتا تو اس کی جیب میں کافی روپیہ ہوتا۔

غرض جب انسان بُری بات سوچنے لگے تو بھی سَو راستہ نکال لیتا ہے اور اچھی بات سوچنے لگے تو بھی سَو راستہ نکال لیتا ہے۔ یہ خیال کر لینا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو یہ تعلیم دی ہے کہ اپنی نسل کو محدود کرنے کی کوشش نہ کرو اور دوسری طرف اس نے اپنے رزق کو محدود کر دیا ہے ایک ایسی بات ہے جسے کوئی مومن تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہو سکتا۔ اگر قرآن کریم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو یہ ناممکن امر ہے اور اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں تو ہمارے لئے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر ہمارا خدا، ہمارا قرآن اور ہمارے

محمد رسول اللہ یہ کہتے ہیں کہ اپنی نسل کو محدود کرنے کی کوشش نہ کرو تو یقیناً ان کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے اِس حقیقت کو ثابت کر سکتے ہیں اور خواہ اقتصادیات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر مجھ سے بات کر لے میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس اصل کی صداقت اس پر واضح کرسکتا ہوں اور بتا سکتا ہوں کہ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اگر آبادی بڑھ گئی تو موجودہ زمین سے لوگوں کی خوراک کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ پس ہمارا مستقبل ہمارے سامنے ہے ہمیں نہ زمینوں کی کمی کی وجہ سے گھبراہٹ ہوسکتی ہے نہ کسی اور چیز سے۔

خدا نے میرا اور تمہارا علاج روس میں نہیں رکھا

ہمارا یہ علاج نہیں کہ ہم روس کی طرف اپنی آنکھیں بلند کریں۔ خدا نے میرا اور تمہارا علاج روس میں نہیں رکھا۔ خدا نے میرا اور تمہارا علاج دماغ میں رکھا ہے۔ ہر ایک کو خدا نے عقل اور فکر کا مادہ عطا فرمایا ہے جس سے کام لے کر وہ بڑی سے بڑی مشکلات کو حل کرسکتا ہے۔ پھر ہم پر تو اس کا مزید احسان یہ ہے کہ اس نے ہمیں وہ ہدایت عطا فرمائی ہے جو روحانی نقطۂ نگاہ سے دنیا کیلئے آخری اور مکمل شریعت ہے۔ پس ہمیں جو بھی ضرورتیں پیش آئیں ہمیں قرآن کریم اور احادیث پر غور کر کے ان کا علاج نکالنا پڑے گا۔ اگر ہم نکال لیں گے تو ان مصیبتوں سے بچ جائیں گے جن میں اِس وقت دوسری قومیں مبتلاء ہیں۔

پاکستان کی اہمیت

پاکستان کا مسلمانوں کو مل جانا اس لحاظ سے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سانس لینے کا موقع میسر آ گیا ہے اور وہ آزادی کے ساتھ ترقی کی دَوڑ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اب ان کے سامنے ترقی کے اتنے غیر محدود ذرائع ہیں کہ اگر وہ ان ذرائع کو اختیار کریں تو دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی اور پاکستان کا مستقبل نہایت ہی شاندار ہوسکتا ہے۔ میں نے ایک حد تک پاکستان اور اس کے مستقبل پر غور کیا ہے میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ پاکستان کے مستقبل کا ہر پہلو میرے سامنے آ گیا ہے مگر میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ بہت کچھ سوچنے اور غور کرنے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے کے بعد اُس نے مجھے بہت سے ایسے طریق سمجھا دیئے ہیں جن پر چل کر

پاکستان ایک بہت بڑی طاقت بن سکتا ہے۔ میری اپنی سکیم یہ ہے کہ سب سے پہلے ہمیں اس بات پر زور دینا چاہئے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں مل کر اتفاق کے ساتھ بغیر اس کے کہ ان کی آزادی میں کوئی خلل واقع ہو کام کریں تا کہ وہ حقیقی معنوں میں ترقی کر سکیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ سکھوں نے ہماری جائدادوں کو لوٹ لیا، ہمارے عزیز ترین وجود سکھوں نے مار دیئے اور ان کے ہاتھوں ہمیں وہ دکھ پہنچا جس کی تاریخ میں ہمیں کوئی مثال نظر نہیں آتی لیکن اِس سے بھی زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ ہندوستان پھٹ گیا اور تقسیم ہو گیا۔

تقسیم ہندوستان کے وقت کیفیت

جب ہندوستان کو تقسیم کیا جانے لگا اُس وقت میرا دل تقسیم کے خیال سے کانپنے لگ گیا لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کا دو ٹکڑوں میں بٹ جانا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی مشیّت کے ماتحت ہوا ہے۔ اُس وقت ضرورت تھی اِس بات کی کہ مسلمانوں کو ایک آزاد مُلک ملتا جس میں وہ بغیر کسی دباؤ کے آزادانہ رنگ میں ترقی کر سکتے۔ اور وہ ترقی نہیں کر سکتے تھے جب تک اِس مُلک کو پھاڑا نہ جاتا لیکن اب جبکہ اُنہیں آزادی مل چکی ہے وہ ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات کو بڑھا سکتے ہیں۔ گھروں میں ہم روزانہ دیکھتے ہیں ایک گھر ہوتا ہے مگر اس میں پانچ الگ الگ چولہے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر ایک اپنی الگ الگ روٹی پکا رہا ہوتا ہے۔ اگر پانچ زمیندار ایک چھت کے نیچے اکٹھے ہو سکتے ہیں تو ہم بھی اگر الگ الگ ہو گئے ہیں اور ایک حصہ کا نام ہم نے پاکستان اور ایک کا نام انڈین یونین رکھ دیا ہے تو ہمیں ضرورت کیا ہے کہ وہ مُلک جس میں ہم پیدا ہوئے اور جس میں ہمارے باپ دادا نسلاً بعد نسلٍ رہتے چلے آئے اُس کے متعلق ہم یہ کہیں کہ وہ ختم ہو گیا۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ میں ہندوستان کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ ثانوی وطن بے شک پاکستان ہو مگر میرا اصل وطن وہی ہندوستان ہے جس میں مَیں نے اپنی آنکھیں کھولیں، جس میں مَیں جوان ہوا اور جس میں مَیں نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ گزارا۔

پاکستان کا بننا ضروری تھا

ہمیں ضرورت تھی کہ اس مُلک کو پھاڑا جاتا کیونکہ ہندو ہمارا حق ہمیں دینے کیلئے تیار نہیں تھا لیکن جب ہمارا حق

ہمیں مل گیا تو اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے اصل وطن کی یاد اپنے دلوں میں زندہ رکھیں اور ہندو اور مسلمان دونوں باہمی تعاون اور اتفاق کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے میری پہلی کوشش یہی ہوگی کہ ہندوستان یونین اور پاکستان میں سمجھوتہ کرایا جائے تا کہ دونوں مل کر کام کریں اور اتفاق اور اتحاد کے ساتھ رہیں لیکن اس کے ساتھ ہی میری دوسری کوشش یہ ہے کہ پاکستان کو مضبوط بنایا جائے۔ جب سے میں یہاں آیا ہوں میں نے پاکستان کی مضبوطی کے متعلق حکومت کے ذمہ دار افسروں کے سامنے مختلف امور رکھے ہیں اور میں سمجھتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ اس حکمت کے ماتحت مجھے قادیان سے نکال کر یہاں لایا ہے۔ مسلمانوں کی ایک مضبوط حکومت کے قیام میں مَیں اُن کی مدد کرسکوں اور پاکستان آئندہ بننے والے اسلامستان کی ایک مضبوط اساس بن جائے۔ جس طرح مَیں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ ہندوستان کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کا پاکستان کے ساتھ اتحاد نہیں ہوسکتا یا یہ کہا جائے کہ اب ہم اُس مُلک کے باشندے نہیں رہے اسی طرح مَیں یہ بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ پاکستان کو کوئی ضعف پہنچے مگر پھر بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان ایک چھوٹی چیز ہے ہمیں اپنا قدم اس سے آگے بڑھانا چاہئے۔ بیشک پاکستان بھی ایک اہم چیز ہے۔ بے شک عرب بھی ایک اہم چیز ہے۔ بیشک حجاز بھی ایک اہم چیز ہے، بے شک مصر بھی ایک اہم چیز ہے، بے شک ایران بھی ایک اہم چیز ہے مگر پاکستان اور عرب اور حجاز اور دوسرے اسلامی ممالک کی ترقیات صرف پہلا قدم ہیں۔

اصل چیز اسلامستان کا قیام ہے

اصل چیز دنیا میں اسلامستان کا قیام ہے۔ ہم نے پھر سارے مسلمانوں کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنا ہے، ہم نے پھر اسلام کا جھنڈا دنیا کے تمام ممالک میں لہرانا ہے، ہم نے پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عزت اور آبرو کے ساتھ دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا ہے۔ ہمیں پاکستان کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے، ہمیں مصر کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہے، ہمیں عرب کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے، ہمیں ایران کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے مگر ہمیں حقیقی خوشی تب ہوگی جب سارے مُلک آپس میں اتحاد کرتے

ہوئے اسلامستان کی بنیاد رکھیں ۔ ہم نے اسلام کو اس کی پُرانی شوکت پر پھر قائم کرنا ہے ۔ ہم نے خدا تعالیٰ کی حکومت دنیا میں قائم کرنی ہے ۔ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا میں قائم کرنی ہے ، ہم نے عدل اور انصاف کو دنیا میں قائم کرنا ہے اور ہم نے عدل و انصاف پر مبنی پاکستان کو اسلامک یونین کی پہلی سیڑھی بنانا ہے یہی اسلامستان ہے جو دنیا میں حقیقی امن قائم کرے گا اور ہر ایک کو اس کا حق دلائے گا ۔ جہاں روس اور امریکہ فیل ہوا **صرف مکہ اور مدینہ ہی اِنْشَاءَ اللّٰہ کامیاب ہوں گے ۔** یہ چیزیں اس وقت ایک پاگل کی بڑ معلوم ہوتی ہیں مگر دنیا میں بہت سے لوگ جو عظیم الشان تغیر کرتے ہیں وہ پاگل ہی کہلاتے رہے ہیں اگر مجھے بھی لوگ پاگل کہہ دیں تو میرے لئے اِس میں شرم کی کوئی بات نہیں ۔ میرے دل میں ایک آگ ہے ، ایک جلن ہے ، ایک تپش ہے جو مجھے آٹھوں پہر بے قرار رکھتی ہے ۔ میں اسلام کو اس کی ذلّت کے مقام سے اُٹھا کر عزت کے مقام پر پہنچانا چاہتا ہوں ۔ میں پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا چاہتا ہوں ۔ میں پھر قرآن کریم کی حکومت کو دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہوں ، مَیں نہیں جانتا کہ یہ بات میری زندگی میں ہوگی یا میرے بعد لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ مَیں اسلام کی بلند ترین عمارت میں اپنے ہاتھ سے ایک اینٹ لگانا چاہتا ہوں یا اتنی اینٹیں لگانا چاہتا ہوں جتنی اینٹیں لگانے کی خدا مجھے توفیق دے دے ۔ میں اس عظیم الشان عمارت کو مکمل کرنا چاہتا ہوں یا اس عمارت کو اتنا اونچا لے جانا چاہتا ہوں جتنا اونچا لے جانے کی اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے اور میرے جسم کا ہر ذرّہ اور میری روح کی ہر طاقت اس کام میں خدا تعالیٰ کے فضل سے خرچ ہوگی اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی میرے اس ارادہ میں حائل نہیں ہوگی ۔

میں جماعت کے دوستوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ اپنے نقطہ نگاہ کو بدلیں ۔ وہ زمانہ گیا جب ایک غیر قوم اُن پر حکمران تھی اور وہ محکوم سمجھے جاتے تھے ۔ میں اُس زمانہ میں بھی اپنے آپ کو غلام نہیں سمجھتا تھا لیکن چونکہ ایک غیر قوم ہم پر حکمران تھی کبھی کبھی خواہش پیدا ہوتی کہ ہندوستان کو چھوڑ دیں اور کسی اسلامی مُلک میں جا کر رہنا شروع کر دیں مگر اب اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ بجائے اِس کے کہ ہم جہازوں میں بیٹھتے اور دُور کسی اسلامی مُلک مثلاً عرب یا حجاز

میں جاتے قادیان سے صرف اٹھائیس میل کے فاصلہ پر اُس نے ہمیں وہ مُلک دے دیا جو عمل کرے یا نہ کرے کہلاتا خدا کا ہے، کہلاتا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ میں مُلک کی تقسیم کا حامی نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے لئے بہت بڑی خوشی کا مقام ہے کہ چاہے اُس نے ایک چھوٹی چیز دے دی مگر اپنی تو دے دی۔ اُس مُلک میں اگر مَیں یہ کہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں کہتے ہیں تو سننے والا میری بات سن کر ہنس پڑے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا کیا تعلق ہے۔ یہاں کوئی میری بات مانے نہ مانے، سُنے نہ سُنے جب مَیں یہ کہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کہتے ہیں تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک حکومت قائم ہوگئی ہے۔ وہ حقیقت میں ایسی ہے یا نہیں یہ ایک الگ سوال ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک حکومت قائم ہے۔ پس اس تصور سے میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ مَیں اُن غموں کو بھول جاتا ہوں جو ہندوستان میں ہمیں پیش آئے اس لئے کہ میرا مکان میرے ہاتھ سے جاتا رہا مگر میرے آقا کو ایک مکان مل گیا۔ یہ درست ہے کہ چوالیس لاکھ مسلمانوں کے مکان اُن کے ہاتھ سے جاتے رہے، وہ گھروں سے بے گھر ہوگئے، وہ جائدادوں سے بے دخل ہوگئے مگر ایک ایسی جگہ ضرور پیدا ہوگئی ہے جس کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ میری جگہ ہے اور یہ خوشی ہماری اپنی جائدادوں کے کھوئے جانے سے بہت زیادہ ہے۔ مثل مشہور ہے کہ مجھے کھڑا ہونے کی جگہ دو بیٹھنے کی جگہ میں آپ ہی بنالوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو کھڑے ہونے کی جگہ دی ہے اب وہ بے وقوف ہوگا اگر وہ کھڑا ہی رہے اور بیٹھنے کی جگہ نہ بنائے مگر یہ کہ وہ کس طرح جگہ بنائے یہ ایک لمبا مضمون ہے جس کے بیان کرنے کی اِس وقت گنجائش نہیں لیکن میں یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم یہ جگہ بنا سکتے ہیں اور بغیر فساد اور لڑائی کے بنا سکتے ہیں۔ گاندھی جی کہا کرتے تھے کہ میں آہنسا[۳] سے (وہ آہنسا جس کی چادر کی دھجیاں تک ان کے پیروؤں نے اُڑا دی ہیں) ہندوستان سے انگریزوں کو نکال سکتا ہوں۔ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اسلام کی اہنسا اور اس کی محبت اور امن کی تعلیم سے آپ لوگ ساری دنیا کے بادشاہ بن سکتے ہیں لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اُن طریقوں کو

اختیار کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

جماعت کے بیرونی مشن

اس کے بعد میں اپنی جماعت کو اُن حالات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں جو غیر ممالک کی تبلیغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سال بڑی مصیبتوں کا سال تھا مگر ہمارے لئے یہ امر خوشی کا موجب ہے کہ بیرونی ممالک کے مبلغین نے اعلیٰ درجہ کی قربانی سے کام لے کر جماعت کے وقار اور اس کی عظمت کو آگے سے بہت بلند کر دیا ہے۔ چونکہ مالی مشکلات بہت زیادہ تھیں اس لئے بعض مشن عارضی طور پر ہمیں بند کرنے پڑے۔ اٹلی کا مشن بند کر دیا گیا ہے، فرانس کا مشن بند کرنے کی ہم نے ہدایت دے دی تھی مگر وہاں سے مشنری نے کہا کہ میں اپنی کمائی سے اِس مشن کو جاری رکھنے کی کوشش کروں گا آپ مجھے اِس کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ ہم نے اسے اجازت دے دی، سپین کا مشن بند کرنے کی بھی ہم نے ہدایت دے دی تھی مگر وہاں کے مبلغوں نے بھی یہی کہا کہ ہمیں اجازت دیں ہم اپنی کمائی سے اِس مشن کو جاری رکھیں، یہاں کا خرچ ہم محنت اور مزدوری سے پورا کرنے کی کوشش کریں گے اور جو کچھ بچے گا وہ سلسلہ کا مال ہوگا۔ اس کے علاوہ سوئٹزرلینڈ میں ہمارے تین مبلغ تھے جن میں سے دو جرمنی کیلئے تیاری کر رہے تھے اور ایک وہاں رہنے کیلئے تھا ان میں سے دو کو ہالینڈ بھجوا دیا گیا ہے اور ایک مبلغ وہیں ہے۔ اٹلی میں دو مبلغ تھے اُن کو ویسٹ افریقہ بھجوا دیا گیا ہے اور ایک مبلغ انگلستان میں زائد کیا گیا ہے۔ گویا فی الحال فرانس، سپین، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ اور انگلینڈ میں ہمارے مشن قائم ہیں۔ جرمنی، بیلجیئم اور آسٹریا میں نئے مشن کھولنے کی تجویز ہے اور اٹلی میں ہمارا مشن فی الحال بند ہے۔

لندن مشن کی خدمات

انگلستان کے مشن کا کام اس سال بہت شاندار رہا ہے اور موجودہ فسادات میں اس کے پراپیگنڈہ کا بہت اچھا نتیجہ نکلا ہے۔ شروع شروع میں انگریزوں کا اکثر حصہ مسلمانوں کے خلاف تھا اور وہ ان سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتا تھا مگر اب ان کی اکثریت مسلمانوں کی مظلومیت کو سمجھنے لگ گئی ہے۔ لنڈن مشن کی کوششوں کے علاوہ ڈاکٹر سپیٹ (Spite) نے بھی اس بارہ میں بہت مفید کام کیا ہے۔ انہیں باؤنڈری کمیشن کے سلسلہ میں ولایت سے مشورہ کیلئے بُلوایا گیا تھا چونکہ وہ جغرافیہ کے

پروفیسر تھے اور اس میں بہت شہرت رکھتے تھے ہماری جماعت نے اُنہیں اس غرض کیلئے بُلوایا تھا تاکہ وہ مشورہ دے سکیں کہ جغرافیائی طور پر باؤنڈری کیسی ہونی چاہئے۔ یہاں آ کر اُن کو اپنی آنکھوں سے تمام حالات دیکھنے کا موقع ملا وہ بار بار کہتے تھے کہ مسلمان کی ساری کمزوری اس کی شرافت کی وجہ سے ہے۔ وہاں تو ہم سنتے تھے کہ مسلمان وحشی ہوا کرتا ہے مگر یہاں آ کر یہ نظر آیا کہ جو مطالبہ بھی مسلمان کرتا ہے اگر میرے ذہن میں سَو ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے مجھے اَسّی چاہئے اور جو ہندو مطالبہ کرتا ہے اس کے متعلق اگر میرے ذہن میں سَو ہوتا ہے تو وہ ہزار سے کم نہیں ٹھہرتا۔ مجھے ڈر ہے کہ کمیشن کہیں یہ نہ سمجھ لے کہ چونکہ مسلمانوں نے اتنا تھوڑا مانگا ہے اس لئے چلو انہیں اتنا ہی دے دو۔ انگلستان میں بھی اُنہوں نے اِس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ مسلمانوں نے انتہا درجہ کی شرافت دکھائی ہے اور انتہا درجہ کی امن پسندی کا ثبوت دیا ہے۔

بشیر آرچرڈ یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ انگلستان کے ایک انگریز نَومسلم نے اپنی زندگی اسلام کی خدمت کیلئے وقف کر دی ہے اور وہ اِس وقت تبلیغ کا کام بڑے جوش اور اخلاص کے ساتھ کر رہے ہیں۔ ہم نے اُن کا نام بشیر رکھا ہے۔ پہلے ان کا نام آرچرڈ تھا وہ ایک مذہبی خاندان میں سے ہیں۔ ان کا بھائی رومن کیتھولک پادری ہے مگر وہ اتنا تعصب رکھتا ہے کہ جب سے یہ اسلام لائے ہیں اُس نے ملنا جُلنا بھی بند کر دیا ہے۔

ان کی والدہ بھی متعصب عیسائی ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ فسادات کے ایّام میں وہ قادیان میں ہی تھے اور چونکہ اُنہیں فوٹو لینے کا شوق ہے اور کیمرہ ان کے پاس تھا وہ فوٹو لیتے رہے۔ میں نے یہ دیکھ کر کہ اب یہاں ان کی تعلیم نہیں ہوسکتی اُنہیں واپس انگلستان بھجوا دیا۔ اب وہ دَورہ کر کے لوگوں کو تصویریں دکھاتے پھرتے ہیں کہ تم تو کہتے ہو ہندوؤں اور سکھوں نے کچھ نہیں کیا مگر ان تصویروں سے ظاہر ہے کہ لُوٹ مار اور فساد سب اُنہوں نے ہی کیا ہے اس کا بھی لوگوں پر بہت اثر ہوا ہے۔ اس نوجوان انگریز مبلغ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت بڑا اخلاص پایا جاتا ہے۔ اُنہیں تبلیغ کیلئے لندن سے باہر ایک علاقہ میں بھجوایا گیا تھا وہاں سے اُن کی چٹھی آئی ہے کہ میں نے تبلیغ کر کے بہت اچھا اثر پیدا کر لیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں ہمارے پاس لٹریچر کی بہت کمی ہے اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں دو تین ہفتہ کیلئے مزدوری کر کے کچھ

روپیہ کماؤں تا کہ اس سے ضروری لٹریچر چھپوایا جا سکے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ لطیفہ بھی لکھا کہ ایک شخص جس کے ہاں میں ٹھہرا ہوا تھا اُس سے سارا دن بحث ہوتی رہی۔ کل وہ مجھے ملا تو اُس نے کہا بشیر آرچرڈ! تمہارے رہنے اور بحث کرنے کا یہ نتیجہ تو نہیں نکلا کہ تم مجھے اپنے مذہب میں داخل کر لیتے لیکن یہ نتیجہ ضرور نکلا ہے کہ اب میں عیسائی نہیں رہا۔ عیسائیت سے مجھے بدظنی ہوگئی ہے۔

جرمن مشن

جرمنی میں بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے تبلیغ ہو رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں وہاں ایک اور مسلمان کا اضافہ ہوا ہے۔ جرمنی کے نومسلموں میں تبلیغ کا اچھا جوش پایا جاتا ہے اور ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی طرف میلان لوگوں کی طبائع میں بڑھ رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں درجنوں آدمی اسلام سے رغبت رکھتے اور اس کی تعلیم کی طرف متوجہ ہیں۔ ایک نومسلم نے لکھا ہے کہ میں نے جب سے قادیان کے حالات سُنے ہیں مَیں ہر وقت بے تاب رہتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں قادیان کی حفاظت کیلئے آ جاؤں۔ ایک ایسا مُلک جس کے لوگوں کا ہمارے ساتھ مذہبی، مُلکی اور نسلی لحاظ سے کوئی تعلق نہیں وہاں کے ایک شخص کا محض اس لئے کہ وہ ایک کلمہ کے رشتہ میں پرویا ہوا ہے جرمنی میں بیٹھے ہوئے اس غرض کیلئے بیتاب ہونا کہ مجھے بھی قادیان کی حفاظت کیلئے کچھ خدمت کرنے کا موقع مل جائے اسلام اور احمدیت کی صداقت اور وہاں کے دوستوں کے اخلاص کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔

ہالینڈ مشن

ہالینڈ میں گو ابھی مشن کھولے چند دن ہی ہوئے ہیں مگر اچھی کامیابی ہو رہی ہے تھوڑے ہی دن ہوئے ایک نوجوان جو بیرسٹری میں پڑھتا ہے اور بہت جوشیلا ہے احمدیت میں شامل ہوا ہے ایک نَومسلمہ نے بھی اسلام قبول کیا ہے بلکہ احمدیت میں شامل ہوتے ہی اس نے ایسی عقیدت اور اخلاص کا مظاہرہ کیا ہے جو نہایت ایمان افزا ہے۔ اس نے اپنی کسی ضرورت کیلئے سَو پونڈ جمع کئے ہوئے تھے ایک دن وہ ہمارے مبلغ کے پاس آئی اور کہنے لگی میں سمجھتی ہوں کہ موجودہ حالات میں آپ کیلئے مرکز سے خرچ کا آنا مشکل ہوگا میرے پاس آٹھ دس سال کا اندوختہ ہے اور یہی میری ساری عمر کی پونجی ہے میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہیں۔

ہالینڈ میں انڈونیشیا کے لوگ بھی بہت کچھ توجہ کر رہے ہیں۔ خصوصاً وہ جو عیسائی ہو چکے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ہالینڈ اسلام کیلئے ایک زرخیز مُلک ثابت ہوگا سب سے زیادہ سخت فرانس کا مُلک ثابت ہوا ہے وہاں دو سال سے ایک شخص بھی اسلام میں داخل نہیں ہوا غالباً اس لئے کہ فرانس عیاش مُلک ہے اور وہ مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔

سوئٹزرلینڈ سوئٹزرلینڈ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیابی شروع ہوگئی ہے۔ ابتداء میں جب ہمارے مبلّغین وہاں گئے تو ایک شخص ان سے ملنے کیلئے آیا اور جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اسلام کی تبلیغ کیلئے ہمارے مُلک میں آئے ہیں تو اس نے حیرت سے کہا کہ آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوئٹزرلینڈ کے لوگ مسلمان ہو جائیں گے؟ ایک اور شخص نے کہا مسلمان یا تو وہ بے وقوف لوگ ہو سکتے ہیں جن کو اپنے مذہب پر یقین نہ ہو اور یا پھر بھوکے اور قلاش لوگ مسلمان ہو سکتے ہیں مگر ہمارے مُلک میں یہ دونوں باتیں نہیں۔ ہمارا مُلک اقتصادی طور پر نہایت ترقی یافتہ ہے اور ہمارے مُلک کے لوگ ذہین بھی بہت ہیں اس لئے اس مُلک میں آپ اسلام کی اشاعت کی امید نہ رکھیں۔ لیکن تھوڑے ہی دن ہوئے سوئٹزرلینڈ میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک شخص مسلمان ہوگیا اور ایک مجسٹریٹ کے متعلق یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ اسلام کی تحقیق میں لگا ہوا ہے۔

امریکہ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں ہمارا پہلے ایک مشن تھا مگر اب وہاں چار مشن قائم کر دیئے گئے ہیں اور ابھی ان مشنوں کو اور بھی بڑھانے کی تجویز ہے۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کے لوگوں میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ انگلستان والوں سے زیادہ قربانی کرتے ہیں۔ انگلستان کے لوگ آہستہ آہستہ قربانی کی طرف آتے ہیں اور یہ دیکھتے ہوئے آتے ہیں کہ کہیں وہ سوسائٹی میں بدنام تو نہیں ہو جائیں گے لیکن امریکہ میں جو مسلمان ہوتے ہیں وہ بہت جلد اسلامی مسائل سیکھنے لگ جاتے ہیں۔ ہالینڈ میں بھی یہی دیکھا گیا ہے کہ وہاں جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے ہیں وہ اسلامی مسائل پر عمل کرنے کی تڑپ رکھتے ہیں لیکن انگلستان میں ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی سوائے بشیر آرچرڈ کے۔ بشیر آرچرڈ فوج میں لیفٹیننٹ تھے ہندوستان آئے تو انہیں قادیان کا پتہ چلا اور وہ مجھ سے ملنے کیلئے آئے۔ یہاں آ کر وہ مختلف مسائل پر بحث کرتے رہے اُس

وقت وہ خود کوئی نیا مذہب نکالنا چاہتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ پہلے لوگ بھی ایسی کوششوں میں ناکام رہے ہیں اور اگر آپ نے بھی کوئی نیا مذہب نکالنا چاہا تو اس میں ناکامی کا منہ دیکھیں گے۔ آخر بیس دن کے بعد اُنہوں نے بیعت کر لی۔ وہ کہتے ہیں جب تک میں قادیان میں رہا مجھے اسلام اور احمدیت کی محبت کا کچھ زیادہ احساس نہیں ہوا لیکن جب میں باہر گیا تو یکدم محسوس ہوا کہ میں اس سے پہلے ایک ایسی فضا میں تھا جو روحانی نقطۂ نگاہ سے نہایت حسین اور خوبصورت تھی۔ اس طرح ہوتے ہوتے اسلام کی محبت ان کے دل میں بڑھتی چلی گئی اور وہ قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنے لگے۔ وہ نماز بہت باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے ہیں بلکہ بہت سے مسلمانوں کیلئے یہ بات شرم کا موجب ہونی چاہئے کہ وہ تہجد بھی باقاعدہ ادا کرتے ہیں۔ ایک انگریز کیلئے اپنی گزشتہ عادات کو ترک کر کے ایک نئے مذہب کی تعلیم پر عمل کرنا کتنا مشکل ہے مگر پھر بھی وہ بڑی سختی سے اسلامی تعلیم پر کاربند ہیں۔ یہ صرف ایک مثال ہے جو انگلستان کے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ باقی لوگ اچھے ہیں، مخلص ہیں مگر ابھی تک اسلام پر پوری طرح عمل کرنے کیلئے تیار نہیں ہوئے۔ امریکہ کے لوگوں میں عمل کی قوت زیادہ پائی جاتی ہے وہ چندے بھی ہزار ہا ڈالر دیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ قربانی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہماری جماعت جنگ سے پہلے پولینڈ میں بھی تھی اور ہنگری میں بھی۔ پولینڈ میں کم اور ہنگری میں زیادہ۔ ہم سمجھتے تھے کہ جنگ کے دنوں میں یہ جماعتیں ختم ہوگئی ہونگی مگر خداتعالیٰ کی قدرت ہے کل اچانک ایک خط ملا جس پر بوڈاپسٹ لکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے جلدی سے کھولا تو اس کے اندر لکھا تھا کہ آپ شاید ہمیں بھول گئے ہوں گے میں اُن نَومسلموں میں سے ایک ہوں جو آپ کے مشنری کے ذریعہ اس مُلک میں مسلمان ہوئے۔ اَب جو دھکا جنگ کے ذریعہ ہمارے مُلک کو لگا ہے اس سے یہ زمین اسلام کی ترقی کیلئے خاص طور پر تیار ہوگئی ہے۔ اگر آپ یہاں اپنا مبلّغ بھیجیں اور لٹریچر بھی بھجوائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ آگے سے بہت زیادہ انگریز اسلام کی طرف توجہ کریں گے۔

شام و فلسطین

شام اور فلسطین میں بھی ہماری جماعت اچھی ترقی کر رہی ہے۔ ایران میں لٹریچر کی اشاعت کے ذریعہ لوگوں میں بہت بیداری پائی جاتی ہے۔

پاکستان اور ہندوستان یونین کے جھگڑے کے موقع پر اس مشن نے نہایت مفید کام کیا ہے اور اکثر ایرانی اخبارات جو پاکستان کو ملزم قرار دیا کرتے تھے انہوں نے اب پاکستان کی تائید میں مضمون لکھنے شروع کر دیئے ہیں۔

انڈونیشیا

انڈونیشیا میں بھی ہماری جماعت بہت بڑی ہے۔ سماٹرا میں بھی اور جاوا میں بھی۔ اب وہاں بعض تعاونی کمیٹیاں بنائی گئی ہیں جن کی آمد سے کتب کی اشاعت کی جائے گی۔ انڈونیشیا میں بعض بڑے بڑے خاندان اور بڑے بڑے وزراء کے رشتہ دار بھی احمدیت میں شامل ہو چکے ہیں۔ ایک احمدی دوست جو انڈونیشیا کی حکومت میں ایک بہت بڑے عہدے پر فائز تھے انہیں رات کو چھاپہ مار کر ڈچوں نے گرفتار کر لیا اور بعد میں مروا دیا۔ بہرحال اس جگہ احمدیت اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوب ترقی کر رہی ہے اور اچھے اچھے خاندان اس سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

بورنیو ایک نیا جزیرہ ہے جس میں جنگ سے کچھ دن پہلے ہم نے اپنے مبلّغ بھیجے تھے اب وہاں سے بھی خبریں آئی ہیں کہ وہاں ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے قائم ہوگئی ہے اور اس کی ترقی کے امکانات بڑھ رہے ہیں۔

ملایا میں بھی جماعت ترقی کر رہی ہے اور وہاں بعض چینی بھی مسلمان ہوئے ہیں وہاں مسلم لیگ کی تقویت میں ہمارے مبلّغ نے بہت اچھا کام کیا ہے۔

ویسٹ افریقہ میں بھی جماعت بڑھ رہی ہے اور ایسٹ افریقہ میں بھی کئی جگہ نئی جماعتوں کا قیام ہوا ہے اور کئی افریقن عیسائی مسلمان ہوئے ہیں غرض اسلام کی اشاعت کے آثار چاروں طرف ترقی کر رہے ہیں اور ہمارے مبلّغین نے جو قربانیاں کی ہیں ان کو دیکھتے ہوئے میں امید رکھتا ہوں کہ اگر انہوں نے اپنی کوششوں اور قربانیوں کی رفتار کو اسی طرح جاری رکھا تو اگلا سال اِنْشَاءَ اللّٰہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت کیلئے خاص طور پر مفید ہوگا۔

میں نے آئندہ تبلیغ کے سلسلہ میں یہ بھی تجویز کیا ہے کہ اب جو دیہاتی مبلّغ لئے جائیں گے وہ صرف ایسے لوگوں میں سے لئے جائیں گے جو یہ عہد کریں گے کہ پہلے ڈیڑھ دو سال کی تعلیم کے بعد وہ دو سال تک بغیر ایک پیسہ لئے سارے مُلک میں پھر کر تبلیغ کریں گے اور جس طرح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کیا کہ گاؤں والوں نے اگر روٹی دے دی تو کھالی نہ دی تو بھوکے رہے اسی طرح وہ بھی کریں گے۔ اگر بھیک مانگ کر گزارہ کرنا پڑا تو بھیک مانگنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اس طرح ہر مبلغ کو دو سال کی زندگی بغیر ایک پیسہ لئے سلسلہ کی خدمت کیلئے وقف کرنی پڑے گی تا کہ آئندہ مشکلات برداشت کرنے کی اس کے اندر قابلیت پیدا ہو جائے۔

ایک مرکز کی ضرورت

یہ بھی دوست جانتے ہیں کہ پاکستان میں آجانے کی وجہ سے ہم سب بکھرے ہوئے ہیں ہمارا نظام ایسا ہے کہ ایک جگہ رہنے کے بغیر وہ پورے طور پر چل نہیں سکتا مثلاً مدرسہ اور کالج میں ہم اپنے لڑکوں کو دینیات کی تعلیم دیتے ہیں اگر مدرسہ اور کالج ایسی جگہ نہ ہوں جہاں جماعت کے دوست آسانی کے ساتھ اپنے لڑکوں کی تعلیم کیلئے بھجوا سکیں تو لازماً ان کی تعلیم میں حرج واقعہ ہوگا اور دینیات کی تعلیم سے وہ محروم رہ جائیں گے۔ اسی طرح مثلاً جلسہ یا دوسرے اہم اجتماعات ہمارے لئے ضروری چیز ہیں مگر ایسے اجتماع بھی بغیر مرکز کے نہیں ہو سکتے۔ لاہور کتنا بڑا شہر ہے مگر یہاں بھی اِسی دقّت کی وجہ سے مجھے یہ حکم دینا پڑا کہ دو ہزار سے زیادہ لوگ جلسہ پر نہ آئیں حالانکہ قادیان میں تیس تیس ہزار آدمی آتے اور ہم اُن کا آسانی سے انتظام کر لیتے تھے۔ یہاں صرف دو ہزار آدمی آئے ہوئے ہیں مگر اُن کے رہنے کا کہیں انتظام ہے اور کھانے کا کہیں انتظام ہے۔ اگر قادیان کی طرح تیس ہزار آدمی یہاں آجاتے تو ہم ان کو کہاں رکھتے۔

ہمیں مرکز بنانا پڑے گا

پس لازماً ہمیں اپنا کوئی مرکز بنانا پڑے گا اور اس مرکز کیلئے ہم جگہ تلاش کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس چونکہ اتنا روپیہ نہیں کہ ہم عمارتیں بنا سکیں اس لئے جب کسی مقام کو مرکز بنانے کا فیصلہ کیا گیا تو وہاں گھاس پھونس کی جھونپڑیاں بنالی جائیں گی تا کہ ہماری جماعت کے پھیلے ہوئے افراد اکٹھے رہ سکیں اور مشترکہ جدوجہد سے ہم اپنا پروگرام چلا سکیں۔ دوستوں کو عموماً اور قادیان والوں کو خصوصاً یہ امر مدنظر رکھنا چاہئے کہ جب مرکز کیلئے ہمیں کوئی جگہ ملے وہ فوراً وہاں اکٹھے ہو جائیں تا کہ مشترکہ جدوجہد سے ہم آگے بڑھنے کی کوشش کر سکیں۔

تجارتی سکیم میں جماعت کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت پاکستان بھی اور ہمارے آدمی بھی اس بات کے محتاج ہیں کہ وہ تجارتی اور صنعتی ترقی میں حصہ لیں اور چونکہ ہماری جماعت تجارت کی طرف پوری توجہ نہیں کر رہی اس لئے جس طرح جماعت کے افراد پر چندہ عام فرض ہے اسی طرح ان کے ذمہ ایک تجارتی چندہ بھی لگایا جائے گا۔ یہ تجارتِ مشترکہ کیلئے ایک جبری امانت کی سکیم ہوگی اور اس سے سارے مُلک میں تجارتی دُکانیں جاری کی جائیں گی اور پھر ترقی کرتے ہوئے بعض کارخانے بھی کھولے جائیں گے۔ اس غرض کیلئے جو رقم جمع ہوگی وہ ساری کی ساری جماعت کی ہوگی اور نفع بھی جماعت کا ہی ہو گا۔صرف اُن کو تجارت کی اہمیت اور اس کی ضرورت سمجھانے کیلئے یہ جبری طریق جاری کیا جائے گا۔ ماں باپ کا فرض ہوتا ہے اگر ان کے بچے محبت اور پیار سے کوئی بات نہ سمجھیں تو جبر سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ آپ لوگ میرے اور سلسلہ کے بچے ہیں اگر آپ لوگوں میں بیداری پیدا نہ ہوئی تو محض آپ کے فائدہ کیلئے ہر شخص کی حیثیت کے مطابق کچھ جبری چندہ عائد کیا جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں آجکل کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہر کمانے والے فرد سے کم از کم ایک روپیہ چندہ لیا جائے اور جو لوگ زیادہ دے سکتے ہوں وہ زیادہ دیں تو مالی لحاظ سے یہ کوئی خاص بوجھ نہیں ہوگا بلکہ اگر پچاس ساٹھ ہزار یا ایک لاکھ تک اس میں حصہ لینے والے نکل آئے تو ممکن ہے یہ چندہ ایک روپیہ سے بھی کم کر دیا جائے مثلاً آٹھ آنے کر دیا جائے یا چار آنے کر دیا جائے۔ اس روپیہ سے جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ دُکانیں کھولی جائیں گی اور کچھ کارخانے جاری کئے جائیں گے اور آہستہ آہستہ ان کو ترقی دینے کی کوشش کی جائے گی۔ ہماری جماعت زیادہ تر ملازموں اور زمینداروں کی جماعت ہے۔ تجارت کی طرف اِس کی بہت کم توجہ ہے اور یہ توجہ نہیں ہوسکتی جب تک ایک رنگ کا جبر ان پر نہ کیا جائے۔

پس میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ ہر شخص یا ہر جماعت پر کچھ نہ کچھ رقم اُس کی حیثیت کے مطابق بطور چندہ عائد کر دی جائے گی اور اس سے تجارتی دُکانیں اور کارخانے قائم کئے جائیں گے مالک وہی ہونگے ہم صرف مربی کے طور پر کام کریں گے۔

تجارتی لحاظ سے میں جماعت کو پھر اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آڑھت کا کام

کرنے کی کوشش کریں مجھ سے کئی ڈپٹی کمشنروں نے ذکر کیا ہے کہ ہم تلاش کرتے ہیں مگر مسلمان آڑھتی نہیں ملتا۔ آڑھت کا کام چھوٹے قصبات میں ایک ہزار روپیہ سے اور درمیانی قصبات میں پانچ ہزار روپیہ سے اور اچھی منڈیوں مثلاً اوکاڑہ وغیرہ میں بیس پچیس ہزار روپیہ سے چلایا جا سکتا ہے۔ پس دوستوں کو آڑھت کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے اور ایک ایک دو دو ایکڑ زمین لینے کا خیال اپنے دلوں سے نکال دینا چاہئے۔ تاجر مصیبت کے اوقات میں بھی فائدہ میں رہتا ہے جہاں مصیبت آئی وہاں سے کام چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے اور پھر جن قوموں نے دنیا کو ہلانا ہو اُن کیلئے تو بہت ہی ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی حرکت کو آزاد رکھیں۔ اُنہیں اپنے وجود کو اس طرح باندھنا نہیں چاہئے کہ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت نہ کر سکیں۔ یہ چیز ایسی ہے جس کے متعلق دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اور لوگوں کو بھی جو ان کے واقف ہوں سمجھائیں کہ زمین پر بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ اگر کامیاب زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو تجارت میں حصہ لو۔

میں نے بتایا ہے کہ میری کوشش یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح ہو جائے۔ اس صلح کے نتیجہ میں لازماً ہندوؤں کو ہمیں یہاں آباد کرنا پڑے گا اور مسلمانوں کو اُدھر آباد ہونا پڑے گا۔ اگر ہندوؤں کے آنے سے پہلے پہلے مسلمانوں نے اپنی تجارت کو مضبوط نہ کیا تو وہ سخت گھاٹے میں رہیں گے اس لئے پیشتر اِس کے کہ یہ تبدیلی واقعہ ہو میں چاہتا ہوں کہ ہماری تجارت اتنی مضبوط ہو جائے کہ کوئی شخص اس کو تباہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

میں نے کل یہ بھی بتایا تھا کہ پاکستان کی حفاظت کیلئے ہمیں زیادہ سے زیادہ فوجی فنون سیکھنے کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ آج پھر میں اس امر کی طرف جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ انہیں زیادہ سے زیادہ فوج میں بھرتی ہونے اور زیادہ سے زیادہ فوجی فنون سیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جو لوگ ہوم گارڈز میں شامل ہو سکتے ہوں وہ ہوم گارڈز میں شامل ہو جائیں جو نیشنل گارڈ میں شامل ہو سکیں وہ نیشنل گارڈز میں شامل ہو جائیں اور جو فوج میں شامل ہو سکتے ہیں وہ بری، بحری اور فضائی فوج میں شامل ہونے کی کوشش کریں۔ اسی طرح لوگوں کو سمجھانا چاہئے۔ قادیان سے ہماری جماعت کو کیوں ہجرت کرنی پڑی؟ ہماری ہجرت اللہ تعالیٰ کی

پیشگوئیوں کے عین مطابق ہوئی۔

اب میں اِس سوال کو لیتا ہوں جو کئی احمدیوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور کل بھی میں نے اشارۃً اس کا ذکر کیا تھا کہ قادیان احمدیوں کے ہاتھ سے کیوں نکلا؟ بار بار لوگ یہ سوال کرتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگوں کے جذبات اس قدر اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں کہ قادیان کا ذکر کرتے ہوئے وہ رو پڑتے ہیں حالانکہ وہ قادیان کے باشندے نہیں ہوتے پھر جو قادیان کے رہنے والے ہیں وہ بھی قادیان سے میری جیسی محبت نہیں رکھ سکتے۔ میرے آباؤاجداد پانچ چھ سَو سال سے قادیان میں رہتے چلے آئے ہیں اس لئے بہرحال دوسرے لوگوں کو قادیان سے مجھ جیسی محبت نہیں ہوسکتی لیکن میری یہ حالت تھی کہ میں نے جس وقت اپنے بیوی بچوں کو قادیان سے بھیجا ہے اُس وقت میری ایک بچی جس کی والدہ فوت ہوچکی ہے زچگی کی حالت میں تھی۔ چلّہ کی حالت میں ایک عورت کا لاری میں سوار ہونا بڑا مشکل ہوتا ہے اور پھر قادیان کی جدائی تو اور بھی تکلیف دہ تھی۔ وہ مجھ سے ملنے کیلئے آئی تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے جب وہ بغلگیر ہونے کیلئے آگے بڑھی تو میں نے اپنے ہاتھ سے اس کو پیچھے ہٹا دیا اور میں نے اُس سے کہا یہ وقت رونے کا نہیں یہ کام کا وقت ہے نہ میں اِس وقت رونے کیلئے تیار ہوں اور نہ تمہیں رونے کی اجازت دے سکتا ہوں بلکہ میں اسے سخت کمزوری سمجھتا ہوں کہ ہم قادیان کیلئے رونے لگ جائیں۔ ہم خدا کے آگے روئیں گے اپنے گناہوں کیلئے، ہم خدا کے آگے روئیں گے اپنے دین کی ترقی کیلئے، ہم خدا کے آگے روئیں گے اس غرض کیلئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں تقویٰ عطا ہو اور دوسرے لوگوں کو بھی تقویٰ نصیب ہو مگر میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرسکتا کہ ہم قادیان کیلئے رونے بیٹھ جائیں۔ ہم اس وقت رونے بیٹھ گئے تو وہ کام کون کرے گا جو ہمارے سامنے ہیں۔ میں نے تو اقرار کیا ہوا ہے کہ قادیان کے غم میں اُسی دن میرا آنسو بہے گا جب اس کے ساتھ دوسرا آنسو اس خوشی میں بہے گا کہ ہم قادیان میں داخل ہو رہے ہیں۔ پس ہمارے آنسو رُکے رہنے چاہئیں، ہمارے دل مضبوط ہونے چاہئیں، ایک بہت بڑا کام ہے جو ہمارے سپرد ہے ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم عورتوں کی طرح بیٹھ کر رونے لگ جائیں۔ وہ ہنڈیا جس کی بھڑاس نکل جاتی ہے اپنا ڈھکنا بھی ہلا نہیں

سکتی مگر وہ ہنڈیا جس کی بھڑاس بند رہتی ہے وہ اپنے ڈھکنے کو اُڑا کر رکھ دیتی ہے۔ پس ہمیں اپنے جوش اپنے سینوں میں دبانے چاہئیں اور اُس دن کیلئے اپنی ساری جدوجہد وقف کر دینی چاہئے جس دن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم پھر قادیان میں داخل ہوں اور پھر ہمیں فتح اور غلبہ حاصل ہو۔ اُس دن کے آنے سے پہلے ہمارے آنسو قادیان کیلئے نہیں بہنے چاہئیں۔ ہم روئیں گے نیکی حاصل کرنے کیلئے، ہم روئیں گے اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کیلئے مگر میرے نزدیک قادیان کیلئے رونا اُس وقت تک حرام ہے جب تک قادیان ہمیں واپس نہیں مل جاتا اور کم از کم میں اس کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں مگر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ ہائے یہ کیا ہو گیا؟ اُنہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہی کچھ ہوا جو خدائی منشاء اور اس کی ازلی تقدیر کا نوشتہ تھا۔ اِس وقت جو کچھ ہوا اس کی خبر ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے ہی نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ملتی ہے۔ آپ لوگ یعنی احمدی حضرت مرزا صاحب کو جو بانی سلسلہ احمدیہ ہیں مسیح موعود علیہ السلام اور مہدی معہود علیہ السلام سمجھتے ہیں اور جو کچھ مسیح موعود علیہ السلام اور مہدی معہود کے متعلق احادیث میں پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں ان کے متعلق آپ لوگ یقین رکھتے ہیں کہ وہ بہرحال یا آپ کے زمانہ میں پوری ہو چکی ہیں یا اُنہوں نے آپ کی جماعت کے ذریعہ اب پورا ہونا ہے کیونکہ پیشگوئیوں میں یہ دونوں پہلو ہوتے ہیں بعض دفعہ تو جس شخص کا نام لیا جاتا ہے اُس کے زمانہ میں اور اُسی کے ہاتھ پر وہ پیشگوئی پوری ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ اس کے اتباع کے ہاتھ پر وہ پیشگوئی پوری ہوتی ہے یا مثلاً باپ دیکھا جاتا ہے تو اس سے مراد اس کا بیٹا ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا کہ قیصر وکسریٰ کی کنجیاں آپ کو دی گئی ہیں[۴] لیکن یہ کنجیاں آپ کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ میں آئیں گویا کنجیاں دیکھی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھیں مگر آئیں آپ کے اتباع کے زمانہ میں۔ پس پیشگوئیوں کا یہ ایک ضروری پہلو ہے کہ بعض دفعہ ایک پیشگوئی خود امام کے زمانہ میں نہیں بلکہ اس کے اتباع کے زمانہ میں پوری ہوتی ہے۔

اس اصولی نکتہ کو بیان کرنے کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ جب مسیح موعود دنیا میں مبعوث ہوگا تو پہلے اس کی دجّال

سے لڑائی ہوگی۔ اس کے بعد یاجوج اور ماجوج سے لڑائی کرنی پڑے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ قَدْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِیْ لَا یَدَانِ لِاَحَدٍ لِقِتَالِھِمْ [۵] میں نے دو قومیں ایسی نکالی ہیں جن کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی فَحَرِّزْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ [۶] پس تُو میرے بندوں کو پہاڑ کی طرف لے کر چلا جا۔ یہ پیشگوئی ہے جو مسیح موعود کے متعلق احادیث میں پائی جاتی ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ یہ پیشگوئی بعض دفعہ لفظاً کسی اور شخص کے متعلق ہوتی ہے مگر اس سے مراد اس کی اولاد یا اتباع ہوتے ہیں اس لئے یہ ضروری نہیں کہ مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق جو پیشگوئی کی گئی ہے یہ خود مسیح موعود کے ہاتھ پر پوری ہونے والی ہو چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک موقع پر بیان فرماتے ہیں کہ

> ''انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے لیکن بعض رؤیا نبی کے اپنے زمانہ میں پورے ہوتے ہیں اور بعض اولاد یا کسی متبع کے ذریعہ سے پورے ہوتے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیصر و کسریٰ کی کنجیاں ملی تھیں تو وہ ممالک حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوئے''۔ [۷]

گویا ہجرت کے متعلق خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تصریح فرما دی کہ ضروری نہیں کہ یہ بات میرے زمانہ میں ہی ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ میرے کسی بیٹے کے زمانہ میں ہو جائے۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک وقت میں دو قومیں نکلیں گی اور ان کا جتھہ اِتنا مضبوط ہوگا کہ ان کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی۔ اُس وقت ہم اپنے مسیح موعود کو حکم دیں گے کہ تو ہمارے بندوں کو پہاڑ کی طرف لے جا۔ یہ پیشگوئی ہے جس کے ماتحت ہماری قادیان سے ہجرت ہوئی چنانچہ دیکھ لو تم اپنی مجلسوں میں کیا کہا کرتے ہو کہ کس نے فساد برپا کیا؟ تم ہمیشہ کہا کرتے ہو ہندوؤں اور سکھوں نے۔ پس یہی دو قومیں ہیں جن کے خروج کی احادیث میں خبر دی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِیْ لَا یَدَانِ لِاَحَدٍ لِقِتَالِھِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ یاجوج اور ماجوج یہ دو قومیں میں نے ایسی نکالی ہیں جن کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی۔ چنانچہ واقعات سے اس کا ثبوت بھی مل گیا۔ علاقوں کے علاقے بغیر مقابلہ کئے مسلمانوں نے خالی کر دیئے اور چونکہ اس

کے ساتھ ہی مسیح موعود کے متعلق یہ خبر دی گئی ہے کہ اسے اپنے ساتھیوں کو طور کی طرف لے جانے کا حکم ہوگا اس لئے اس پیشگوئی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ اُس علاقہ کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے جس علاقہ میں مسیح موعود کا مرکز ہوگا اور بتایا گیا ہے کہ اس علاقہ میں ان دو قوموں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ یہ مراد نہیں کہ پاکستان میں بھی ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکے گا کیونکہ اس جگہ کے متعلق تو فرماتا ہے کہ فَحَرِّزْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ ۔میرے بندوں کو پہاڑی کی طرف لے جا۔ پہاڑ سے مراد ایسا مقام ہوتا ہے جو مضبوط اور محفوظ ہو۔

پاکستان مسلمانوں کے لئے طُور

چنانچہ اِس وقت پاکستان کو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے طُور بنا دیا ہے اور یہاں ان کی جانوں کی حفاظت ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کو دیکھا جائے تو ان میں بھی اسی قسم کے فتنوں اور فسادات کا ذکر آتا ہے جو پہلے انبیاء کی جماعتوں کو پیش آئے۔اسی طرح ان الہامات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت کو ایک دن ہجرت بھی کرنی پڑے گی چنانچہ آپ کا الہام ہے۔اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ [8]

کیا جماعت احمدیہ میں داخل ہونے والوں کو ایسی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اُنہیں ان فتنوں میں نہیں ڈالا جائے گا جو پہلی جماعتوں کو پیش آئے۔اگر وہ ایسا خیال کرتے ہیں تو یہ بالکل غلط ہے وہ فتنوں میں ضرور ڈالے جائیں گے، وہ پہلی قوموں کی طرح ضرور جھنجھوڑے جائیں گے۔کوئی بھی مامور آج تک ایسا نہیں گزرا جس کی جماعت صرف چندے دے کر جیت گئی ہو۔ ہمیشہ اسے گردنیں کٹوانی پڑی ہیں تب اُسے کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ پھر آپ کا ایک الہام ہے ’’داغ ہجرت‘‘[9] یعنی ایک دن ہماری جماعت کو بھی ہجرت کرنی پڑے گی۔

اسی طرح آپ کا ایک الہام ہے۔

’’قَدْ جَاءَ وَقْتُ الْفَتْحِ وَالْفَتْحُ اَقْرَبُ ۔ یَخِرُّوْنَ عَلَی الْمَسَاجِدِ ۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا اِنَّا کُنَّا خَاطِئِیْنَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔[10]

فرماتا ہے فتح آ گئی وہ فتح بہت ہی قریب ہے جب وہ فتح آئے گی تو تمہارے دشمن ماتھے کے بل گریں گے اور کہیں گے اے ہمارے ربّ! ہمیں معاف کر دے۔ ہم سے بہت خطا ہوئی تب تم اسی طرح جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر یہ کہا کہ لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُاللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَاَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ تم بھی کہو گے کہ جاؤ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ گویا وہی الفاظ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمائے تھے اللہ تعالیٰ نے پھر انہی الفاظ کو بطورِ پیشگوئی نازل کر کے بتا دیا کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہونا مقدر ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کی وہ آیت جس میں ہجرت اور پھر فتح مکہ کی خبر دی گئی تھی آپ پر بھی الہاماً نازل ہوئی یہ آیت کہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ [۱۱] یقیناً وہ عظیم الشان ہستی جس نے تجھ پر قرآن کریم کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری فرض کی ہے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتی ہے کہ تجھے قادیان چھوڑنی پڑے گی لیکن ہم پھر تجھے اسی قادیان میں واپس لائیں گے۔ یہی وحی قرآن کریم میں موجود ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم کو مکہ چھوڑنا پڑے گا لیکن ہم پھر تجھے مکہ واپس دلائیں گے۔ یہی الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر دوبارہ نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ تم کو بھی قادیان چھوڑنی پڑے گی مگر ہم اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم پھر تجھے دوبارہ قادیان واپس لائیں گے۔

پھر آپ کا الہام ہے یَاْتِیْ عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمَثَلِ زَمَنِ مُوْسٰی [۱۲] یعنی جو کہ موسیٰ علیہ السلام پر گزری وہ تجھ پر بھی گزرے گی اسی طرح آپ کا ایک رؤیا ہے آپ فرماتے ہیں:۔

''دیکھا کہ میں مصر کے دریائے نیل پر کھڑا ہوں اور میرے ساتھ بہت سے بنی اسرائیل ہیں اور میں اپنے آپ کو موسیٰ سمجھتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاگے چلے آتے ہیں۔ نظر اُٹھا کر پیچھے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فرعون ایک لشکرِ کثیر کے ساتھ ہمارے تعاقب میں ہے اور اس کے ساتھ بہت سامان مثل گھوڑے گاڑیوں، رتھوں کے ہے اور وہ ہمارے بہت قریب آ گیا ہے میرے ساتھی بنی اسرائیل بہت

گھبرائے ہوئے ہیں اور اکثر ان میں سے بے دل ہوگئے ہیں اور بلند آواز سے چلاتے ہیں کہ اے موسیٰ! ہم پکڑے گئے تو میں نے بلند آواز سے کہا کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ اتنے میں مَیں بیدار ہوگیا اور زبان پر یہی الفاظ جاری تھے"۔[۱۳]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے ہجرت کرنی پڑی تھی اور فرعون آپ کے تعاقب میں نکلا تھا یہ سارا واقعہ ایک نظارہ کی صورت میں آپ کو دکھایا گیا اور اس طرح بتایا گیا کہ دشمن نہ صرف مارے گا بلکہ فرعون کی طرح وہ نکلنے بھی نہیں دے گا۔ آپ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ میری جماعت کے لوگ فرعون اور اس کے لشکر کے تعاقب کو دیکھ کر گھبرا گئے اور کہہ اُٹھے کہ اے موسیٰ ہم پکڑے گئے۔ تب میں نے کہا کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ہرگز نہیں میرا ربّ میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے سلامتی کے ساتھ منزلِ مقصود پر لے جائے گا۔ چنانچہ قادیان والے گواہ ہیں، سارے پنجاب میں بسنے والے لوگ گواہ ہیں کہ اگر کوئی جماعت دشمن کے حملہ سے محفوظ رہ کر پاکستان پہنچی ہے تو وہ صرف قادیان والے ہی ہیں۔ پھر آپ کا الہام ہے۔ مَصَالِحُ الْعَرَبِ ۔مَسِیْرُ الْعَرَبِ"[۱۴] عرب کی مصلحتیں عرب میں چلنا۔ پھر آپ کو ایک کاغذ دکھائی دیا اُس پر لکھا تھا۔ "بامراد"[۱۵] پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اُس پر لکھا تھا "ردِّ بلا"[۱۶] مَسِیْرُ الْعَرَبِ والے الہام کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

"اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ "عرب میں چلنا"۔ شاید مقدر ہو کہ ہم عرب میں جائیں"۔[۱۷]

میں نے بتایا ہے کہ ہمارا کام سارے مسلمانوں کو متحد کرنا اور عملی لحاظ سے اُن میں اشتراک پیدا کرنا ہے۔ مصر اور عرب اسلامی ممالک ہیں اور پاکستان کے ساتھ ان کا اتحاد اسلام کی آئندہ ترقی کیلئے ایک نہایت ہی بیش قیمت چیز ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام بتا رہا ہے کہ ہمیں اسلامی ممالک کی طرف بھی توجہ کرنی پڑے گی اور عرب میں اس غرض کیلئے جانا پڑ گیا۔ چنانچہ میری نیت اور ارادہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اگلے سال ان تین جگہوں میں سے کسی ایک جگہ میں ضرور جاؤں گا یا میں عرب جاؤں گا یا میں یورپ میں جاؤں گا یا میں امریکہ میں جاؤں گا۔ میرا منشاء ہے کہ میں دورہ کر کے مسلمانوں کی تنظیم اور اُن کے کام کو مضبوط کرنے

کی کوشش کروں پھر آپ کا ایک اور رؤیا بھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

''ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص میرا نام لکھ رہا ہے تو آدھا نام اُس نے عربی میں لکھا ہے اور آدھا انگریزی میں لکھا ہے''۔ [۱۸]

میں بتا چکا ہوں کہ آپ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ بعض پیشگوئیاں میری اولاد کے ہاتھ پر پوری ہونگی۔ اِس لحاظ سے اِس رؤیا کی تعبیر یہ تھی کہ میری خلافت کا زمانہ دو حصوں میں تقسیم ہوگا۔ کچھ حصہ میری خلافت کا انگریزوں کی ماتحتی میں گزرے گا اور کچھ حصہ عربی زبان سے تعلق رکھنے والوں یعنی مسلمانوں کے ماتحت گزرے گا۔

اسی طرح آئینہ کمالاتِ اسلام کی پیشگوئی بڑی واضح ہے یہ پیشگوئی آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۵۷۸ تا ۵۸۰ میں درج ہے میں اِس وقت اس کا خلاصہ سنا دیتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں۔

میں گھوڑے پر کہیں جانے کیلئے تیار ہوا جب باہر نکلا تو ایک لشکر دیکھا جو میری تباہی کیلئے نکلا ہے لیکن میں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور اپنے کام پر چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا (گویا لوٹ کر) کہ ہزاروں آدمی فسادیوں کے لباس میں مشرکانہ چہروں والے میرے باغ کو کاٹنے کیلئے باغ کی طرف گئے ہیں اور میں سمجھا کہ یہ میری جائداد کو برباد کر دیں گے اور میری ساری زمین دشمنوں سے بھر گئی اور اس کا وطن بن گئی اور میں نے اُس وقت محسوس کیا کہ میں بے بس اور ضعیف ہوں لیکن مَیں بڑھا کہ حقیقت حال معلوم کروں تب مَیں نے دیکھا کہ سب کے سب وہاں مَرے پڑے تھے جس پر میں نے خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا۔ [۱۹]

پس ہمارا قادیان سے نکلنا اور ہجرت کرنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے عین مطابق ہے اس کے علاوہ خود میرے کشوف اور الہامات بھی صریح طور پر ان واقعات کی خبر دے رہے تھے۔ چنانچہ ۱۹۴۴ء میں مَیں لاہور میں تھا کہ مجھے خدا نے بتایا کہ وہ موعود لڑکا جس کی بانی سلسلہ احمدیہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی تھی وہ مَیں ہی ہوں۔ یہ خواب میں نے قادیان میں جا کر سنا دی اور پھر لاہور میں ۱۲؍ مارچ ۱۹۴۴ء کو جلسہ کر کے ۱۲ ہزار کے مجمع کے سامنے مَیں نے اپنی یہ خواب سنائی۔ اس خواب میں وضاحتاً یہ ذکر آتا

ہے کہ دشمن کی فوج سے بھاگ کر مَیں ایک دوسرے مُلک میں چلا گیا اور وہاں پہنچ کر میں نے مقابلہ کیلئے تنظیم کی۔

اِس خواب کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ لاہور میں ہی مَیں نے یہ خواب دیکھی تھی اور اب تنظیم کیلئے بھی مَیں لاہور میں ہی آیا ہوں۔

پھر ایک اور عجیب بات جو حیرت میں ڈالتی ہے یہ ہے کہ ہمارے آدمیوں نے اُس وقت جو جلسہ گاہ تجویز کیا وہ یہی پٹیالہ ہاؤس کی زمین تھی جس میں اِس وقت ہمارا سالانہ جلسہ ہو رہا ہے اور یہی گھر اُس وقت ہمارے سامنے تھے جن میں اب ہمارے دفاتر وغیرہ ہیں اور یہی وہ جگہ تھی جہاں میں نے بارہ ہزار کے مجمع کو اپنی خواب سنائی۔ اب قادیان سے جب ہمیں ہجرت کرنی پڑی اور لاہور آئے تو اُس وقت گورنمنٹ بھی مہاجرین کو مکانات بانٹ رہی تھی۔ مَیں نے بھی کوشش کی کہ ہمیں کوئی مکان مل جائے مگر اتفاق کی بات ہے ہمیں اپنی رہائش کی وہیں جگہ ملی جہاں ۱۲ ر مارچ ۱۹۴۴ء کو جلسہ کر کے میں نے اپنی خواب کا اعلان کیا تھا اور اب اُسی مقام پر کھڑے ہو کر میں اپنی اُس خواب کے پورا ہونے کا اعلان کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ ہمارے قادیان سے نکلنے، دشمن کے فساد کرنے اور حلقہ مسجد مبارک کے سِوا اور تمام مقامات پر اُس کے غالب آ جانے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے ۱۹۴۱ء میں ہی خبر دے دی تھی اور پھر ایک خطبہ میں میں نے بیان کی تھی اور ۲۱ ر دسمبر ۱۹۴۱ء کے الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔ میں یہ خواب لفظاً لفظاً سنا دیتا ہوں تا کہ پتہ لگے کہ کتنے واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام واقعات کی ہمیں قبل از وقت خبر دے دی تھی۔

میں نے دیکھا کہ میں ایک مکان میں ہوں جو ہمارے مکانوں سے جنوب کی طرف ہے اور اس میں ایک بڑی بھاری عمارت ہے جو کئی منزلوں میں ہے اس کئی منزلہ عمارت میں میں بھی ہوں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یکدم غنیم حملہ کر کے آ گیا ہے اور اس غنیم کے حملہ کے مقابلہ کے لئے ہم لوگ تیاری کر رہے ہیں۔ میں اس وقت اپنے آپ کو کوئی کام کرتے نہیں دیکھتا مگر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں بھی لڑائی میں شامل ہوں یوں اس وقت میں نے نہ تو توپیں دیکھی ہیں نہ کوئی اور سامانِ جنگ، مگر میں سمجھتا بھی ہوں کہ تمام قسم کے آلاتِ حرب استعمال کئے جا رہے

ہیں۔ اس دوران میں میں نے محسوس کیا کہ وہاں پٹرول کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے میں تیزی سے اُتر کر نچلی منزل میں آتا ہوں اور کہتا ہوں پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ اس وقت میں خیال کرتا ہوں کہ ہمیں پٹرول موٹروں کے لئے نہیں چاہیے بلکہ دشمن پر پھینکنے کے لئے پٹرول کی ضرورت ہے چنانچہ مجھے کسی شخص نے بتایا کہ نیچے ایک تہہ خانہ ہے جس میں پٹرول موجود ہے اس پر ایک شخص اس تہہ خانہ میں گیا اور چھ گیلن پٹرول کی بیرل لے کر آ گیا ساتھ ہی اُس کے دوسرے ہاتھ میں ایک سیڑھی ہے تا کہ سیڑھی کی مدد سے وہ اوپر چڑھ کر دشمن پر پٹرول پھینک سکے یہ دونوں چیزیں اُٹھا کر اس نے اوپر چڑھنا شروع کیا اور اتنی تیزی سے وہ چڑھنے لگا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گر جائے گا چنانچہ میں اسے کہتا ہوں سنبھل کے چڑھو ایسا نہ ہو کہ گر جاؤ اور خواب میں میں حیران بھی ہوتا ہوں کہ کیسا بہادر آدمی ہے کہ اس کے ہاتھ میں چھ گیلن یعنی تیس سیر پٹرول ہے اور ہاتھ میں سیڑھی ہے اور یہ اس بہادری سے چڑھتا چلا جاتا ہے۔ پھر یہ نظارہ بدل گیا اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ جیسے ہم اس مکان میں سے نکل آئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن غالب آ گیا ہے اور ہمیں وہ جگہ چھوڑنی پڑی ہے باہر نکل کر ہم حیران ہیں کہ کس جگہ جائیں اور کہاں جا کر اپنی حفاظت کا سامان کریں۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اُس نے کہا کہ میں آپ کو ایک جگہ بتاتا ہوں آپ پہاڑوں پر چلیں وہاں ایک اٹلی کے پادری نے گرجا بنایا ہوا ہے اور ساتھ ہی اس نے بعض عمارتیں بھی بنائی ہوئی ہیں جنہیں وہ کرایہ پر مسافروں کو دے دیتا ہے وہاں چلیں وہ مقام سب سے بہتر رہے گا۔ میں کہتا ہوں بہت اچھا۔ چنانچہ میں گائیڈ کو ساتھ لے کر پیدل ہی چل پڑتا ہوں ایک دو دوست اور بھی میرے ساتھ ہیں۔ چلتے چلتے ہم پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ گئے مگر وہ ایسی چوٹیاں ہیں جو ہموار ہیں اس طرح نہیں کہ کوئی چوٹی اونچی ہو اور کوئی نیچی جیسے عام طور پر پہاڑوں کی چوٹیاں ہوتی ہیں بلکہ وہ سب ہموار ہیں جس کے نتیجہ میں پہاڑ پر ایک میدان سا پیدا ہو گیا ہے وہاں میں نے دیکھا کہ ایک پادری کالا سا کوٹ پہنے کھڑا ہے اور پاس ہی ایک چھوٹا سا گرجا ہے اس آدمی نے پادری سے کہا کہ باہر سے کچھ مسافر آئے ہیں انہیں ٹھہرنے کے لئے مکان چاہیے وہاں ایک مکان بنا ہوا نظر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پادری لوگوں کو کرایہ پر جگہ دیتا ہے اس نے ایک آدمی سے کہا کہ انہیں مکان دکھا دیا جائے وہ

مجھے مکان دکھانے کے لئے لے گیا اور ایک دوست اور بھی ہیں میں نے دیکھا وہ کچا مکان ہے اور جیسے فوجی بارکیں سیدھی چلی جاتی ہیں اسی طرح وہ مکان ایک لائن میں سیدھا بنا ہوا ہے مگر کمرے صاف ہیں میں ابھی غور کر رہا ہوں کہ جو شخص مجھے کمرہ دکھا رہا تھا اس نے خیال کیا کہ کہیں میں یہ نہ کہہ دوں کہ یہ ایک پادری کی جگہ ہے ہم اس میں نہیں رہتے ایسا نہ ہو کہ ہماری عبادت میں کوئی روک پیدا ہو چنانچہ وہ خود ہی کہنے لگا آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی کیونکہ یہاں مسجد بھی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اچھا مسجد دکھاؤ اس نے مجھے مسجد دکھائی جو نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی مگر چھوٹی سی تھی ہماری مسجد مبارک سے نصف ہوگی لیکن اس میں چٹائیاں اور دریاں وغیرہ بچھی ہوئی تھیں اسی طرح امام کی جگہ ایک صاف قالینی مصلّٰی بھی بچھا ہوا تھا۔ مجھے اس مسجد کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور میں نے کہا کہ ہمیں یہ جگہ منظور ہے خواب میں میں نے یہ خیال نہیں کیا کہ مسجد وہاں کس طرح بنائی گئی ہے مگر بہرحال مسجد دیکھ کر مجھے مزید تسلی ہوئی اور میں نے کہا کہ اچھا ہوا مکان بھی مل گیا اور ساتھ ہی مسجد بھی مل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں باہر نکلا اور میں نے دیکھا کہ اِکّا دُکّا احمدی وہاں آ رہے ہیں۔ خواب میں میں حیران ہوتا ہوں کہ میں نے تو ان سے یہاں آنے کا ذکر نہیں کیا تھا ان کو جو میرے یہاں آنے کا پتہ لگ گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی محفوظ جگہ نہیں چاہے یہ دوست ہی ہیں لیکن بہرحال اگر دوست کو ایک مقام کا علم ہو سکتا ہو تو دشمن کو بھی ہو سکتا ہے محفوظ مقام تو نہ رہا۔ چنانچہ خواب میں میں پریشان ہوتا ہوں اور میں کہتا ہوں کہ ہمیں پہاڑوں میں اور زیادہ دور کوئی جگہ تلاش کرنی چاہیے۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ شیخ محمد نصیب صاحب آ گئے ہیں۔ میں اس وقت مکان کے دروازے کے سامنے کھڑا ہوں اُنہوں نے مجھے سلام کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ لڑائی کا کیا حال ہے اُنہوں نے کہا دشمن غالب آ گیا ہے میں کہتا ہوں کہ مسجد مبارک کا کیا حال ہے اُنہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ مسجد مبارک کا حلقہ اب تک لڑ رہا ہے میں نے کہا اگر مسجد مبارک کا حلقہ اب تک لڑ رہا ہے تب تو کامیابی کی امید ہے میں اس وقت سمجھتا ہوں کہ ہم تنظیم کے لئے وہاں آئے ہیں اور تنظیم کرنے کے بعد دشمن کو پھر شکست دیں گے۔

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ کچھ اور دوست بھی وہاں پہنچ گئے ہیں ان کو دیکھ کر مجھے اور

پریشانی ہوئی اور میں نے کہا کہ یہ تو بالکل عام جگہ معلوم ہوتی ہے حفاظت کے لئے یہ کوئی خاص مقام نہیں ان دوستوں میں ایک حافظ محمد ابراہیم صاحب بھی ہیں اور لوگوں کو میں پہچانتا نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ احمدی ہیں حافظ صاحب نے مجھ سے مصافحہ کیا اور کہا بڑی تباہی ہے بڑی تباہی ہے پھر ایک شخص نے کہا کہ نیلے گنبد میں ہم داخل ہونے لگے تھے مگر وہاں بھی ہمیں داخل نہیں ہونے دیا گیا میں نے نیلا گنبد لاہور کا ہی سنا ہوا ہے واللہ اعلم کوئی اور بھی ہو بہرحال اس وقت میں نہیں کہہ سکتا کہ نیلے گنبد کے لحاظ سے اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے البتہ اس وقت بات کرتے کرتے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ نیلا سمندر کا رنگ ہوتا ہے ممکن ہے کوئی خلیج ایسی ہو جسے انگریز محفوظ سمجھتے ہوں مگر وہاں بھی تباہی ہو۔

اس کے بعد حافظ صاحب نے کوئی واقعہ بیان کرنا شروع کیا اور اسے بڑی لمبی طرز سے بیان کرنے لگے جس طرح بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بات کو جلدی ختم نہیں کرتے بلکہ اسے بلا وجہ طول دیتے چلے جاتے ہیں اسی طرح حافظ صاحب نے پہلے ایک لمبی تمہید بیان کی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جالندھر کا کوئی واقعہ بیان کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں بھی بڑی تباہی ہوئی ہے اور ایک منشی کا جو غیر احمدی ہے اور پٹواری یا گرداور ہے بار بار ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ منشی جی ملے اور اُنہوں نے بھی اسی طرح کہا میں خواب میں بڑا گھبراتا ہوں کہ یہ موقع تو حفاظت کے لئے انتظام کرنے کا ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی مرکز تلاش کیا جائے اُنہوں نے منشی جی کی باتیں شروع کر دی ہیں چنانچہ میں ان سے کہتا ہوں کہ آخر ہوا کیا؟ وہ کہنے لگے منشی جی کہتے تھے کہ ہماری تو آپ کی جماعت پر نظر ہے میں نے کہا بس یہی بات تھی نا کہ منشی جی کہتے تھے کہ اب ان کی جماعت احمدیہ پر نظر ہے یہ کہہ کر میں انتظام کرنے کے لئے اُٹھا اور چاہا کہ کوئی مرکز تلاش کروں کہ آنکھ کھل گئی۔

خواب سے بیدار ہونے کے بعد اس کی تعبیر میرے ذہن میں یہ آئی کہ اس سے مراد کوئی مقامی فتنہ ہے جس میں دشمن سے ہماری جماعت کو کوئی نقصان پہنچے گا کیونکہ سارے نام اپنی جماعت سے تعلق رکھنے والے دوستوں کے ہی تھے مگر نو بجے کے قریب جیسا کہ ریڈیو کی خبروں کی رپورٹ مجھے ملی اس وقت معلوم ہوا کہ جاپان نے یکدم حملہ کر دیا ہے اور وہ بہت سا آگے

بڑھ آیا ہے میں نے جیسا کہ بتایا ہے بعض دفعہ مقامی نظارے دکھائے جاتے ہیں مگران سے مراد دُور کے نظارے ہوتے ہیں مسجد مبارک کے حلقے کی طرف سے لڑائی جاری رہنے کا غالباً یہ مفہوم ہے کہ بعض انگریزی علاقے جاپانی گھیر لیں گے مگر انگریز برابر لڑتے رہیں گے چنانچہ اب بھی بعض علاقے ایسے ہیں جن کے چاروں طرف جاپانی فوجیں پہنچ گئی ہیں مگر ایسی حالت میں انگریزوں نے مقابلہ جاری رکھا تو امید ہے کہ ان کی شکست فتح میں بدل جائے گی۔[۲۰]

اس رؤیا پر غور کر کے دیکھ لو اس میں لڑائی کا بھی ذکر ہے، قادیان سے نکلنے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی ذکر ہے کہ قادیان میں صرف مسجد مبارک کا حلقہ ہی آخر وقت تک قائم رہے گا۔ چنانچہ اِس وقت وہاں احمدی حلقہ مسجد مبارک میں ہی بیٹھے ہیں، باقی سب قادیان خالی ہو چکا ہے۔ پھر اس میں جالندھر کا خاص طور پر نام آتا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہاں بڑی تباہی ہوگی یہ بھی ذکر آتا ہے کہ اُس وقت جماعت احمدیہ کی لوگ خاص طور پر تعریف کریں گے۔ یہ سارے واقعات ایسے ہیں جو لفظاً لفظاً پورے ہو چکے ہیں صرف نیلا گنبد کا لفظ ایسا ہے جس کی تعبیر عام طور پر لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ گزشتہ فسادات کے ایام میں ہر جگہ یہی طریق رائج رہا ہے کہ پہلے سکھ حملہ کرتے اور پھر گورنمنٹ کے سپاہی لوگوں کو نیلے گنبد یعنی آسمان کے نیچے ریفیوجی کیمپ میں جمع کر دیتے مگر خواب میں بتایا گیا تھا کہ ریفیوجی کیمپوں میں بھی اُن کو امن نہیں ملے گا اور وہاں بھی ان پر حملے جاری رہیں گے۔ چنانچہ سب لوگ جانتے ہیں کہ ریفیوجی کیمپوں میں بھی مسلمانوں کو امن نہیں تھا اور وہاں بھی یہی کہا جاتا تھا کہ ''چلو پاکستان کو، چلو پاکستان کو''۔ اس خواب میں جو پادری دکھایا گیا ہے اس کی بھی ایک تعبیر ہے مگر مصلحتاً مَیں ابھی بتاتا نہیں کیونکہ اس کے اظہار میں نقصان ہے۔

پھر ابھی جو میں نے آیتیں پڑھی ہیں یہ وہی آیتیں ہیں جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت اور فتح مکہ کی خبر دی گئی تھی اور عجیب بات یہ ہے کہ انہی آیات کا ایک ٹکڑا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بھی الہاماً نازل فرمایا اور اس طرح بتا دیا کہ جو کچھ صحابہؓ کے ساتھ ہوا تھا وہی کچھ ہمارے ساتھ ہونے والا ہے جس طرح صحابہؓ کو مُلک چھوڑنا پڑا اسی طرح ہمیں بھی قادیان چھوڑنا پڑے گا اور جس طرح صحابہؓ کو پھر مکہ واپس ملا اِسی طرح ہمیں بھی قادیان واپس ملے

گا۔ چنانچہ ۲۲؍اپریل ۱۹۴۴ء کو مجھے یہ الہام ہوا جو ۲۹؍اپریل ۱۹۴۴ء کے الفضل میں شائع ہو چکا ہے کہ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا اے میرے رَبّ! مجھے اپنے پاس سے غلبہ اور کامیابی عطا فرما۔ یہ الہام اس آیت کا ایک ٹکڑا ہے کہ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا گویا جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑنا پڑا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا تھا کہ تمہیں بھی قادیان چھوڑنا پڑے گا مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں پھر قادیان واپس لائے گا۔

اسی طرح جب باؤنڈری کمیشن بیٹھا ہوا تھا تو ایک دن روزہ کی حالت میں میں دعا کر رہا تھا کہ یکدم مجھے الہام ہوا اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعاً کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور اکٹھا کر کے واپس لائے گا۔ میں نے اُسی وقت دوستوں کو یہ الہام سنا دیا اور انہیں بتا دیا کہ جماعت احمدیہ کو پریشان ہونا پڑے گا مگر خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعاً تم جہاں کہیں بھی چلے جاؤ گے اللہ تعالیٰ پھر تمہیں اکٹھا کر دے گا۔

یہ پیشگوئیاں ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے قبل از وقت بتائی جا چکی ہیں اور جن کا ایک حصہ بڑی شان کے ساتھ پورا ہو چکا ہے۔ جس خدا نے ان پیشگوئیوں کو پورا کیا ہے ہمیں یقین ہے کہ وہ اس کے دوسرے حصوں کو بھی جو ہماری کامیابی اور دشمن کی شکست کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ضرور پورا کرے گا۔ پس غم اور تکالیف کے واقعات رونما ہونے پر مت گھبراؤ بلکہ یقین رکھو کہ جب غم کی خبریں پوری ہو چکی ہیں تو خوشی کی خبریں بھی ضرور پوری ہونگی۔ تمہیں خدا تعالیٰ نے قبل از وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خود میرے ذریعہ بتا دیا تھا کہ مُلک میں فتنہ پڑے گا۔ مشرقی پنجاب جس میں جالندھر بھی شامل ہے تباہی و بربادی کا شکار ہوگا۔ مسلمان گھروں سے نکالے جائیں گے، مال واملاک سے محروم کئے جائیں گے اور ریفیوجی کیمپوں میں اُن کو اکٹھا کیا جائے گا مگر وہاں بھی اُن کو امن سے نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اس کے مقابلہ میں ہم بھی قادیان سے نکلیں گے مگر صرف تیاری کیلئے ورنہ ہم دوبارہ قادیان میں ضرور جائیں گے اور ایک فاتح کی حیثیت میں جائیں گے۔ پس غم مت کرو اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر

اور اس کے منشاء پر ناراضگی مت ظاہر کرو۔

صحابہؓ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ گئے تو حضرت بلالؓ کو ایک دن تیز بخار چڑھا۔ بخار کی حالت میں اُنہوں نے یہ کہتے ہوئے رونا شروع کر دیا کہ ہائے مکہ! ہم کو تو تیری وادیاں یاد آتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا تم یہ کیا کہہ رہے ہو خدا نے اپنی تقدیر نازل کی ہے اور تم رو رہے ہو۔ اسی واقعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے قادیان کی جدائی میں آنسو بہانے سے منع کیا ہے۔ بے شک تم اپنے دلوں سے قادیان کی یاد کو محو مت کرو۔ تم نے قادیان لینا ہے اور ضرور لینا ہے مگر وہ کام نہ کرو جن سے تمہاری ہمتوں کے پست ہونے کا امکان ہو۔ تم اپنے آنسو مت بہاؤ، اپنی کمر ہمت کو مضبوط کرو اور قربانی اور ایثار کی روح اپنے اندر پیدا کرو۔ پھر یاد رکھو تمہارے مدنظر صرف قادیان لینا نہ ہو بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کو پھیلانا تمہارا کام ہو۔ یہی فرض ہے جو ہر وقت تمہاری آنکھوں کے سامنے رہنا چاہئے مگر اِس کام کیلئے اپنے دلوں میں انقلاب پیدا کرنا سب سے پہلا اور اہم ترین فرض ہے۔ اگر تم اپنے اندر انقلاب پیدا کرنے کیلئے تیار نہیں تو گویا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا گھر تو تمہیں ملے مگر تم یہ نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ کا گھر اُس کو واپس ملے۔ خدا کا گھر مومن کا دل ہوتا ہے تم اپنے دلوں کو پاک بناؤ۔ تم ہر قسم کے گندے اور ناپاک خیالات سے خدا تعالیٰ کے گھر کو صاف کر کے اُس کے حوالے کرو اور اُس سے کہو اے خدا! ہم نے تیرے گھر سے سکھوں اور ہندوؤں کو نکال دیا ہے۔ اب تو آسمان سے اُتر اور ہمارے گھر سے بھی سکھوں اور ہندوؤں کو نکال دے۔ جب تم ایسا کرو گے تو خدا تعالیٰ کی مدد تمہارے لئے آسمان سے نازل ہوگی اور وہ کہے گا تم نے میرے دشمنوں کو میرے گھر سے نکال دیا ہے اب میں بھی تمہارے دشمنوں کو تمہارے گھر سے نکال دیتا ہوں۔ یہ تبدیلی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو کہ دنیا کے گوشے گوشے میں پھر اسلام کا ڈنکا بجے۔ تمام شیطانی فلسفے مٹ جائیں اور ایک خدا، ایک قانون، ایک کتاب اور ایک رسولؐ کی حکومت دنیا میں قائم ہو جائے۔ اے خدا! تُو ایسا ہی کر۔ آمین

ل یہ غیر مطبوعہ تقریر ہے۔

۲؎ بنی اسرائیل: ۷۹تا۸۲

۳؎ آ حضنا:

۴؎ السیرة الحلبیة جلد۲صفحہ۳۴۳۔مطبوعہ مصر۱۹۳۵ء

۵، ۶؎مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال

۷؎ تذکرہ صفحہ۵۶۴۔ایڈیشن چہارم

۸؎ تذکرہ صفحہ۸۵۔ایڈیشن چہارم

۹؎ تذکرہ صفحہ۲۷۷۔ایڈیشن چہارم

۱۰؎ تذکرہ صفحہ۲۱۳۔ایڈیشن چہارم

۱۱؎ تذکرہ صفحہ۳۰۷۔ایڈیشن چہارم

۱۲؎ تذکرہ صفحہ۶۴۴۔ایڈیشن چہارم

۱۳؎ تذکرہ صفحہ۴۵۴۔ایڈیشن چہارم

۱۴؎ تذکرہ صفحہ۵۶۳۔ایڈیشن چہارم

۱۵؎ تذکرہ صفحہ۵۶۳۔ایڈیشن چہارم

۱۶؎ تذکرہ صفحہ۵۶۴۔ایڈیشن چہارم

۱۷؎

۱۸؎

۱۹؎ تذکرہ صفحہ۲۲۳ تا ۲۲۸۔ ایڈیشن چہارم۔ آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد۵ صفحہ۵۷۸تا۵۸۰

۲۰؎ الفضل ۲۱؍دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ۳

دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ هُوَ النَّاصِرُ

دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی

یہ سوال اِس وقت بزور اُٹھ رہا ہے کہ پاکستان کا دستور اسلامی ہو یا قومی؟ اس بحث میں حصہ لینے والوں کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آئین عام اور آئین اساسی میں فرق نہیں سمجھتے ۔ آئین اساسی سے مراد وہ قانون ہوتے ہیں جن کی حد بندیوں کے اندر حکومت اپنا کام چلانے کی مجاز ہوتی ہے اور جن کو وہ خود بھی نہیں توڑ سکتی ۔ بعض حکومتوں میں یہ آئین معیّن صورت میں اور لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض میں صرف سابق دستور کے مطابق کام چلایا جاتا ہے اور کوئی لکھا ہوا دستور موجود نہیں ہوتا ۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ مثال ہے اُن حکومتوں کی جن کا دستور لکھا ہوا ہوتا ہے اور انگلستان مثال ہے اُن حکومتوں کی جن کا دستور لکھا ہوا نہیں اس کی بنیاد تعاملِ سابق پر ہے ۔

اسلام نام ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان لانے کا ۔ پس اسلامی آئین اساسی کے معنی یہی ہوں گے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو قرآن کریم ، سنت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہو ۔ قرآن کریم ایک غیر مشتبہ دستور العمل ہے ، قولِ رسولؐ بلحاظ سند کے ایک اختلافی حیثیت رکھتا ہے ، بعض اقوالِ رسولؐ متفقہ ہیں ، بعض مختلفہ ۔ جو متفقہ ہیں وہ بھی کلام اللہ اور سنت رسول اللہ کا درجہ رکھتے ہیں ۔ جن اقوالِ رسولؐ کے متعلق مختلف فرقِ اسلام میں اختلاف ہے یا ایک ہی فرقہ کے مختلف علماء میں اختلاف ہے ان کا قبول کرنا یا نہ کرنا اجتہاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لئے وہ آئین اساسی نہیں کہلا سکتے ۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیات میں سے وہ حصہ احکام کا جن کے معنوں میں

اختلاف پیدا ہو جاتا ہے وہ آیتیں تو آئین اساسی میں داخل سمجھی جائیں گی کیونکہ وہ غیر مشتبہ ہیں لیکن اس کے الف یا ب کے معنی آئین اساسی کا حصہ نہیں سمجھے جائیں گے بلکہ الف کو اختیار کر لینا یا ب کو اختیار کر لینا حکومت وقت کے اختیار میں ہوگا۔ پس جہاں تک آئین اساسی کا سوال ہے اگر پاکستان اسلامی آئین اساسی کو اختیار کرنا چاہتا ہے تو اُسے اپنے آئین میں یہ دفعہ رکھنی ہوگی کہ پاکستان کے قوانین جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے قرآن وسنت پر مبنی ہوں گے اور جن امور میں قرآن وسنت سے واضح روشنی نہ ملتی ہوگی اور اجتہاد کی اجازت ہوگی وہاں قرآن کریم، سنت اور کلامِ رسول کی روشنی میں قانون تجویز کئے جائیں گے۔ اگر قانونِ اساسی اسلامی نہیں بلکہ حنفی یا شافعی یا حنبلی یا مالکی بنانا ہوگا تو پھر اُوپر کے قانون میں یہ بھی اضافہ کرنا ہوگا کہ یہ قانون فلاں فلاں فرقہ کے علماء کے اجتہادوں پر مبنی ہوں گے مگر اس خصوصیت کی وجہ سے یہ قانون اسلامی آئین نہیں بلکہ حنفی آئین یا شافعی آئین یا حنبلی آئین یا مالکی آئین کہلانے کے مستحق ہوں گے کیونکہ اسلام کے لفظ میں تو سب ہی فرقِ اسلام شامل ہیں۔

اسلامی اصول پر مبنی گورنمنٹ کے لئے چونکہ انتخاب کی شرط ہے اس لئے اگر اسلامی آئین پر گورنمنٹ کی بنیاد رکھی جائے گی تو مندرجہ ذیل شرائط کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

اوّل: حکومت کا ہیڈ منتخب کیا جائے گا۔ انتخاب کا زمانہ مقرر کیا جا سکتا ہے کیونکہ پاکستان کا ہیڈ خلیفہ نہیں ہوگا خلیفہ کو سارے مسلمانوں پر حکومت حاصل ہوتی ہے اور وہ صرف حکومت کا ہیڈ نہیں ہوتا بلکہ مذہب کا بھی ہیڈ ہوتا ہے۔ پاکستان کے ہیڈ کو نہ دوسرے مُلکوں کے مسلمان تسلیم کریں گے اور نہ علماء مذہب کے مسائل میں اُس کو اپنا ہیڈ ماننے کے لئے تیار ہوں گے اس لئے خلافت کے اصول پر اس کے اصول تو مقرر کئے جا سکتے ہیں مگر نہ وہ خلیفہ ہوسکتا ہے نہ خلافت کے سارے قانون اُس پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔ خلافت کے اصول یہ ہیں۔

(۱) اُس کا تقرر انتخابی ہو (اس انتخاب کے کئی طریق ہیں لیکن اس تفصیل میں جانے کی اس وقت گنجائش نہیں۔

(۲) وہ مملکت کے کام مشورہ سے چلائے (مشورہ کے لئے اسلام کے تین اصول ہیں (i) عام مسلمانوں سے مشورہ لینا یعنی ریفرینڈم۔ (ii) چند تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لینا یعنی

ایگزیکٹو باڈی سسٹم ۔(iii) قوموں کے منتخب نمائندوں سے مشورہ لینا جیسے آجکل کی پارلیمنٹس ہوتی ہیں۔ یہ تین طریقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہیں) لیکن جہاں تک خلافت کا سوال ہے خلیفہ مشورہ لینے کا پابند ہے مشورے پر عمل کرنے کا پابند نہیں۔

پس اگر سو فیصدی خلافت کے اصول پر پاکستان کا آئین بنایا جائے تو حکومت کا ہیڈ ایگزیکٹو ہیڈ ہوگا، ایگزیکٹو کا انتخاب اس کے اپنے اختیار میں ہوگا وہ تمام ضروری امور میں پبلک کے نمائندوں سے مشورہ لے گا لیکن اُن مشوروں پر کاربند ہونے کا پابند نہیں ہوگا۔ لیکن میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پاکستان کا ہیڈ خلیفہ نہیں ہوگا کیونکہ نہ ساری اسلامی حکومتیں اس کو ہیڈ تسلم کریں گی نہ علماء اس کو مذہبی ہیڈ تسلیم کریں گے اس لئے ہم خلافت کے پس پردہ جو اصول کارفرما ہیں ان سے روشنی تو حاصل کر سکتے ہیں ان کی پوری نقل نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ خلافت اُس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک دنیا کی سب مسلمان حکومتیں اور افراد اس انتخاب پر متفق نہ ہو جائیں یا اکثریت متفق نہ ہو جائے اور یہ ناممکن ہے اس لئے یہ کہنا کہ پاکستان کا آئین اساسی اسلام پر مبنی ہو درست نہیں۔ جس طرح انگریزی حکومت کے ماتحت ہمیں شریعت کے وہ احکام نافذ کرنے کا اختیار نہ تھا جو حکومت کے متعلق تھے اور ہم اس کی وجہ سے گنہگار نہیں تھے اسی طرح اسلامی آئین حکومت چونکہ خلافت سے تعلق رکھتا ہے اور خلافت کا قیام مسلمان افراد اور حکومتوں کی اکثریت کے اتفاق کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اگر ہم اس نظام کو قائم نہیں کرتے تو ہم ہرگز خدا تعالیٰ کے سامنے مجرم نہیں کیونکہ اس نظام کے قائم کرنے کے لئے جو شرطیں اسلام نے مقرر کی ہیں وہ شرطیں اِس وقت پوری نہیں ہوتیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان کی حکومت اسلامی اثر سے بالکل آزاد ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ جو چیز ہمارے اختیار میں نہ ہو اس کے چھوڑنے میں تو ہم حق بجانب کہلا سکتے ہیں لیکن جو چیز ہمارے اختیار میں ہو اُسے چھوڑنے کا ہمیں کوئی حق حاصل نہیں۔ انگریزی حکومت میں اگر ہم چور کا ہاتھ نہیں کاٹتے تھے تو ہم گنہگار نہیں ہوتے تھے لیکن اگر ہم نماز نہیں پڑھتے تھے تب ضرور گنہگار ہوتے تھے۔ اگر ہم ایک زانی کو کوڑے نہیں لگاتے تھے تو ہم

گنہگار نہیں ہوتے تھے لیکن اگر ہم روزے نہیں رکھتے تھے۔ تو ہم ضرور گنہگار ہوتے تھے۔ پس جو حصہ ہمارے اختیار میں نہیں اس کے نہ کرنے پر یقیناً ہم پر کوئی الزام نہیں لیکن جو حصہ ہمارے اختیار میں ہے اس کے نہ کرنے پر یقیناً ہم پر الزام ہے۔ اسلامی آئین کے مطابق ہم اپنی حکومت نہیں بنا سکتے کیونکہ اس کے لئے خلافت کی شرط ہے اور خلافت کی شرط کو پاکستان پورا نہیں کرسکتا۔ اسلامی خلیفہ سارے عالَم اسلام کا سردار ہوتا ہے، وہ مذہب اور حکومت دونوں کا سردار ہوتا ہے، وہ سیاست اور انفرادی زندگی کا بھی سردار ہوتا ہے۔ یہ شرطیں پاکستان ہرگز پوری نہیں کرسکتا لیکن جہاں تک قانون سازی اور انفرادی زندگی پر اسلامی احکام کے نفاذ کا سوال ہے اس میں کوئی چیز ہمارے رستے میں روک نہیں بن سکتی۔ پس اگر پاکستان کی کانسٹی ٹیوشن میں مسلمان جن کی بھاری اکثریت ہوگی یہ قانون پاس کر دیں کہ پاکستان کے علاقے میں مسلمانوں کیلئے قرآن اور سنت کے مطابق قانون بنائے جائیں گے ان کے خلاف قانون بنانا جائز نہیں ہوگا تو گو اساسِ حکومت کُلّی طور پر اسلامی نہیں ہوگا کیونکہ وہ ہو نہیں سکتا مگر حکومت کا طریق عمل اسلامی ہو جائے گا اور مسلمانوں کے متعلق اس کا قانون بھی اسلامی ہو جائے گا اور اسی کا تقاضا اسلام کرتا ہے۔ اسلام ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ہندو اور عیسائی اور یہودی سے بھی اسلام پر عمل کروایا جائے بلکہ وہ بالکل اس کے خلاف کہتا ہے۔

اس اصولی تمہید کے بعد میں آئین کے لحاظ سے پاکستان کے مستقبل کے متعلق کچھ تفصیلی نوٹ دیتا ہوں۔

آئین کے لحاظ سے پاکستان کا مستقبل بہت عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے باشندوں کی کثرت اس منبع آئین میں یقین رکھتی ہے جس کی نسبت خالق جن وانس فرماتا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ [۱] یعنی میں نے تمہاری ضرورتوں کے تمام مدارج کے لئے قانون بنا دیئے ہیں اور تمہاری ساری ہی ضرورتوں کو قانون کے ذریعے سے پورا کر دیا ہے گویا قرآنی قانون اِن ٹن سِوْ (INTENSIVE) بھی ہے اور ایکس ٹن سِوْ (EXTENSIVE) بھی ہے۔

یہ سوال کہ ایک ہی قانون ہمیشہ کی ضرورتوں کو کس طرح پورا کرسکتا ہے؟ اس کا جواب

سمجھنے سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ آئین دو قسم کے ہوتے ہیں رِجڈ (RIGID) اور فلیکسیبل (FLEXIBLE) یعنی غیر لچکدار اور لچکدار۔ غیر لچکدار قانون میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ اُس کو جلد جلد بدلنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن لچکدار قانون کو فوری بدلنے کی ضرورت نہیں ہوتی...... ان قانونوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کپڑے کا کُرتہ اور سویٹر۔ کپڑے کا بُنا ہوا کُرتہ بچے کے بڑھنے کے ساتھ جلدی جلدی تبدیل کرنا پڑتا ہے سویٹر بوجہ لچکدار ہونے کے بہت دیر تک کام آتا رہتا ہے۔ ایسا لچکدار قانون گو دیر تک کام دیتا ہے لیکن اس میں یہ نقص ہوتا ہے کہ وہ کبھی اپنے منبع سے بالکل دور چلا جاتا ہے اور نئی نئی توجیہوں سے آخر اس کی شکل ہی بدل جاتی ہے۔ اسلام بعض حصوں میں انتہائی غیر لچکدار ہے مگر اس کی بعض تعلیمات انتہائی لچکدار ہیں اور یہ اس کا غیر معمولی امتیاز اور غیر معمولی کمال ہے کہ اس کا غیر لچکدار قانون کبھی بھی خلافِ زمانہ نہیں ہوتا اور اس کا لچکدار قانون کبھی بھی ایسی شکل نہیں بدلتا کہ اپنے منبع سے بالکل کٹ جائے اس لئے اسلام ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والا قانون ہے۔

اب میں اصل سوال کو لیتا ہوں کہ آخر ایسا کس طرح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض باتوں کا جواب ''کیوں'' اور ''کس طرح'' سے حل نہیں ہوتا بلکہ چیز کی حقیقت کو دیکھ کر حل ہوتا ہے۔ اسلام کا کوئی حکم بھی ایسا نہیں جو زمانہ کی ضرورتوں سے پیچھے رہ گیا ہو خصوصاً اِس زمانہ کے لحاظ سے تو اسلام کے احکام کی خوبی دوبارہ ثابت ہوگئی ہے۔ طلاق، نکاح بیوگان، قریبی رشتہ داروں سے شادی، شراب کے استعمال کو حرام کرنا یہ وہ چیزیں ہیں جن پر پچھلے سَو سال میں شدت سے اعتراض ہوتا آیا ہے لیکن اب وہی معزز قومیں اور حکومتیں ان قانونوں کو اپنا رہی ہیں۔ کثرتِ ازدواج پر اعتراض ہوتا ہے مگر کیا اس تازہ مصیبت کے بعد بھی مسلمانوں کی سمجھ میں اس کی حکمت نہیں آئی جب ہندوستان میں اسلام کی تبلیغی ترقی رُکی تھی اُس وقت کے مسلمان اگر کثرتِ ازدواج کے ذریعہ سے اسلامی نسل کو بڑھانا شروع کر دیتے تو آج یہ تباہی نہ آتی۔ تمام قانونوں اور تمام اعمال کا خاص خاص زمانہ ہوتا ہے اُسی وقت ان کی قدر جا کر معلوم ہوتی ہے۔ عقائد میں توحید کا مسئلہ لے لو۔ توحید پر دنیا نے کتنے اعتراض کئے لیکن اس صدی میں کیا کوئی مُلک اور کوئی قوم بھی باقی رہ گئی ہے جو توحید کی قائل نہ ہو؟ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے

کوئی مسلمان شبہ ہی کسی طرح کر سکتا ہے کہ اسلام کے بعض قانون پُرانے ہوئے ہیں۔آج سے سَو سال پہلے طلاق کا قانون بھی پُرانا تھا، شراب کا قانون بھی پُرانا تھا، جوئے کا قانون بھی پُرانا تھا، نکاح بیوگان کا قانون بھی پُرانا تھا، قریبی رشتہ داروں میں شادی بھی پرانی تھی، اولاد میں جائداد کی تقسیم بھی پُرانی تھی لیکن اب چلاّ چلاّ کر ان باتوں کو دنیا مان رہی ہے۔کیا یہ بات ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں کہ جو دو چار قابلِ اعتراض احکام رہ گئے ہیں وہ بھی اسی طرح حل ہو جائیں گے جس طرح کہ پہلے حل ہوئے۔ جہاں اسلام کے کئی قانون ایسے ہیں کہ جن پر پہلے اعتراض ہوا اور اب دنیا ان پر عمل کرنے لگی ہے وہاں غیر مذاہب کا کوئی بھی حکم نہیں جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اسلام کو اسے اپنانے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ پردہ کی مثال یہاں چسپاں نہیں ہوتی اور سود کا سوال مختلف ہے کیونکہ سود لینے پر مسلمان بنکوں اور حکومتوں کے قانونی دباؤ کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں لیکن جن غیر مسلم اقوام نے طلاق وغیرہ کے مسائل اختیار کئے ہیں وہ کسی اسلامی دباؤ کی وجہ سے نہیں ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ان سوالات کو بھی حل کر سکتے ہیں۔ جب بھی مسلمانوں میں سود کے متعلق اسلامی احکام جاری کرنے کا احساس پیدا ہوا ہم یقیناً سود کو مٹا دیں گے، ہم اسے مٹا سکتے ہیں اور اسلامی قانون کی برتری ثابت کر سکتے ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ اس زمانہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت کہ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ [۲] یعنی کفار کے دل میں کئی بار خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے اور اسلامی قانون کی برتری سے فائدہ اُٹھاتے۔ یہ آیت اپنے اندر بڑی بھاری صداقت رکھتی ہے۔ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام ہر معاملہ میں دخل دے کر عقل انسانی کو معطل کر دیتا ہے یہ اعتراض اسلام پر ہرگز نہیں پڑتا۔اسلام تو کہتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ [۳] یعنی ہر معاملہ کے متعلق سوال نہ کیا کرو کیونکہ قرآن کریم میں ہر امر کا بیان ہو جانا تمہارے لئے تکلیف کا موجب ہوگا۔پس اسلام کا کمال صرف یہی نہیں کہ وہ ہر مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک حاوی تعلیم کے باوجود بہت سی جزئیات کو مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ اُن کے لئے قانون بنائیں۔اسلام کی تعلیم اس لحاظ سے مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم ہے۔

اوّل: اصولی تعلیم ۔ یہ غیر مبدل ہے اصولی طور پر۔ مبدل ہے حالاتِ مخصوصہ میں ۔ نماز میں بیمار کا بیٹھ جانا یا نماز لیٹ کر پڑھنا ، وضو نہ کرنے کی صورت میں تیمّم کر لینا ، رمضان کے مہینہ میں سفر یا بیماری کی وجہ سے دوسرے دنوں میں روزہ رکھ لینا یہ سب حالاتِ مخصوصہ کی تبدیلیاں ہیں ۔ اس طرح جن ملکوں میں چوبیس گھنٹے سے دن یا رات بڑے ہوتے ہیں ان میں روزہ ، زکوٰۃ اور حج کے فرائض کو دوسرے ممالک کے دنوں اور مہینوں پر قیاس کر کے پورا کرنا یہ سب غیر مبدل اصولی حکم کی تبدیلیاں ہیں جو حالاتِ مخصوصہ میں ہو جاتی ہیں ۔

دوسرے جزوی تعلیم ۔ یہ کئی قسم کی ہے ۔

(الف) غیر معین احکام ہیں جن کی کمیت یا کیفیت افراد یا جماعتوں پر چھوڑ دی گئی ہے جیسے نفلی نماز ، نفلی صدقہ ، نفلی روزہ ، عمرہ ۔

(ب) مماثل حالات میں مسائل اخذ کرنے کا حق دیا ہے اس طرح قانون سازوں کے لئے مواقع نکلتے ہیں ۔

(ج) جرائم بتائے ہیں سزا تجویز نہیں کی اس طرح بھی قانون سازی کے لئے مواقع نکالے ہیں ۔

اسلامی قانون کے اصول یہ ہیں **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ** [۴]

۱۔ ہر حکم کسی فائدہ کے لئے ہونا چاہئے ۔

۲۔ ہر نہی کسی نقصان کے دور کرنے کے لئے ہونی چاہئے ۔

۳۔ ہر حکم دینی تزکیۂ ذہن و قلب اور قومی ترقی کے مدنظر ہونے چاہئیں ۔

۴۔ **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** [۵] کوئی حکم ایسا نہیں ہونا چاہئے جو فرد یا قوم کی طاقت سے بالا ہو ۔ یہ طاقت جسمانی بھی ہو سکتی ہے امکانی بھی یعنی ظاہر میں طاقت ہو لیکن امکانی ترقی کو نقصان پہنچا دے اور ذہنی بھی یعنی قوم کی ذہنی قوتوں کو ضائع کر دے ۔

۵۔ قانون حریت ضمیر کو مارنے والا نہ ہو ۔ **وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ** [۶] اور یہود کی نسبت ہے **وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** [۷] مسلمانوں کے متعلق فرمایا

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ [۸]

۶۔ کوئی حکم فرد یا پارٹی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ [۹]

۷۔ کوئی حکم یا نفاذِ حکم ایسا نہ ہو کہ کمزوروں کو ترقی سے روکے یا ترقی کے امکانات کو خاص افراد یا اقوام میں محصور کر دے۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ [۱۰]

۸۔ کوئی قانون ایسا نہ ہو کہ ایک قوم یا حکومت اُس کے ذریعہ سے دوسری اقوام پر ناجائز فوقیت حاصل کرنا چاہے یا اُسے دبانا چاہے۔ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ [۱۱] اس کے ماتحت زمیندار اور غیر زمیندار میں فرق جائز نہیں۔

اسلام قانون کو فردی پاکیزگی کے ساتھ وابستہ قرار دیتا ہے کیونکہ سوسائٹی کی اصلاح فرد کی اصلاح کے ساتھ وابستہ ہے اور اچھے سے اچھا قانون فرد کے طوعی تعاون کے بغیر اچھا نتیجہ نہیں دے سکتا اِسی لئے اسلام فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ [۱۲] اس لئے کوئی اسلامی آئین جاری نہیں ہوسکتا جب تک کہ فرد ذاتی احکام پر پہلے عمل نہ کرے۔ اگر قانون کو کامیاب کرنے والی روح نہ ہو تو قانون کیا کر سکتا ہے؟ ہر قانون توڑا جا سکتا ہے، ہر قانون کے مستثنیات ہیں اور ہر شخص اپنے آپ کو مستثنیٰ بنا سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ''میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی''، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ راضی نہ ہوں تو بھی وہ قاضی غریب کو اُلّو بنانے کے لئے سَو جتن کر لیتے ہیں۔

پس اسلامی آئین بنانے (جس کے معنی ہیں اسلامی سوسائٹی بنانے) سے پہلے اسلامی فرد بنانا ہوگا ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ جو اسلامی فرد نہ ہوگا اُسے آئین اسلام سے کیا دلچسپی؟ جو ذاتی احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں وہ کیوں قومی آئین کے لئے فکر مند ہوگا اگر وہ ایسا کرے گا

تو کسی ذاتی غرض کے لئے، اس لئے وہ آئین اسلام نہ بنائے گا بلکہ آئین اسلام کے نام سے ایسا قانون بنائے گا جو اس کی ذات کے لئے مفید ہو۔ ایسا آئین یقیناً غیر اسلامی آئین سے بھی خطرناک ہوگا کیونکہ وہ سوسائٹی کے لئے بھی مضر ہوگا اور اسلام کو بھی بگاڑنے اور بدنام کرنے والا ہوگا۔

پس جب تک فرد اپنے ذاتی اعمال کو اسلام کے مطابق کرنے کے لئے تیار نہیں اسے کوئی حق نہیں کہ اسلامی آئین بنانے کا مطالبہ کرے یا دعویٰ کرے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اسلام کا آئین بنانے والے فردی قانونِ اسلام پر خود کاربند ہیں۔

اب میں تفصیل کو لیتا ہوں۔ اسلامی آئین کے جاری کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے کہ سُود حرام کرنا ہوگا، موجودہ سینما بند کرنے ہوں گے، اسلامی پردہ رائج کرنا ہوگا، شراب بند کرنی ہوگی۔ انشورنس حرام ہوگا، جو اصرف بازاری نہیں بلکہ اس کے مشابہہ کھیلیں بھی جو چانس گیمز کہلاتی ہیں منع ہوں گی، ڈاڑھیاں رکھی جائیں گی، مردوں کے لئے سونے کا زیور یا استعمال کی چیز، چاندی سونے کے برتن بلکہ تالیاں بجانا بھی منع کرنا ہوگا، جاندار کی مصوری اور ان تصویروں کی نمائش بھی ناجائز ہوگی۔ اگر مسلمان اس کے لئے تیار ہوں تو پھر وہ شوق سے اسلامی آئین جاری کریں لیکن اس کے لئے اس اعلان کی ضرورت نہیں کہ وہ اسلامی حکومت جاری کریں گے کیونکہ قرآن کریم تو صاف کہتا ہے کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ [۱۳] کیا مسلمان دوسری اقوام کو مجرم بنانا چاہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی اجازت کو چھین لیں گے اور قرآنی حکم پر عمل ہوگا کہ ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے قانون کے مطابق عمل کریں گے تو پھر اس فتنہ کا دروازہ کھولنے کی کیا ضرورت ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو نقصان پہنچے یہ کیوں نہ کہا جائے کہ پاکستان میں مسلمانوں کے باہمی معاملات اسلام کے مطابق طے ہوں گے اور دوسرے مذاہب اگر چاہیں تو ان کے معاملات ان کے مذہب کے مطابق ورنہ ان کی کثرتِ رائے کے مطابق قانون بنا دیا جائے گا۔ ان الفاظ میں وہی مطلب حاصل ہوگا جو اسلامی حکومت کے لفظوں میں ہے لیکن کسی کو اعتراض کرنے یا بدلہ لینے کا حق نہیں ہوگا۔ غیر مذاہب میں سے جو اعلان کر دیں کہ وہ اسلامی قانون یا

اُس کے فلاں حصہ کی پیروی کریں گے ان پر اسلامی قانون عائد کر دیا جائے گا۔

اب رہ جاتا ہے وہ حصہ قانون کا جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے اس میں اسلامی قانون کی روشنی میں ملکی قانون بنایا جا سکتا ہے بہرحال اسلامی ملک میں مسلمانوں ہی کی زیادتی ہوگی اس طرح کوئی بھی جھگڑا پیدا نہیں ہوتا اور اسلام کا منشاء بھی پورے طور پر بغیر کسی کمی کے پورا ہو جاتا ہے ورنہ دشمن کو اشتعال ہو کر دوسرے مسلمانوں کو نقصان ہوتا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ [۱۴]

اوپر کی تمہید کے بعد میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی اصولوں کے مطابق بنائی ہوئی پارٹی کا نام سوشل ڈیموکریٹک انٹرنیشنل رکھا جا سکتا ہے اور اس کا وہ حصہ جو صرف مسلمانوں پر مشتمل ہو اسلامک سوشل ڈیموکریٹک انٹرنیشنل کہلا سکتا ہے۔

اسلامی نظام اقتصادی

اسلام کے اصول کے مطابق اصل مالک خدا تعالیٰ ہے اس نے سب چیزیں بنی نوع انسان کے لئے پیدا کی ہیں اس لئے ہر اک کی کمائی میں دوسروں کا حق ہے۔ وہ حق زکوٰۃ اور عشر اور خمس کے ذریعہ ادا کیا جاتا ہے جو حکومت لیتی اور غرباء پر استعمال کرتی ہے یا پبلک کاموں پر۔

اس روپیہ کے استعمال میں یہ امر مدنظر رکھا جاتا ہے کہ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ وَ تُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ [۱۵] مگر اس کے ساتھ یہ امر بھی کہ امیر وغریب کے کھانے، کپڑے کا انتظام حکومت کرتی ہے، راشن سسٹم ہر وقت جاری رہتا ہے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اِس کا مُؤیّد ہے۔ بحرین کا بادشاہ مسلمان ہوا تو آپ نے اُس کو لکھا کہ جن کے پاس زمین نہ ہو اُن کو چار درہم اور مناسب کپڑا بطور گزارہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی احکام اور اس عمل کے مطابق ہر مسلمان کی خوراک ولباس کا انتظام کیا اور مفت راشن کا سسٹم جاری کیا مگر اس کے علاوہ احسان اور صدقہ کو بھی اسلام نہیں مٹاتا اور انفرادی ترقی کے راستے کھلے چھوڑتا ہے۔

زمین کی ملکیت کے بارہ میں اسلام نے ہرگز روک نہیں ڈالی جو حوالے پیش کئے جاتے ہیں وہ سرکاری زمین یا عطیاتِ سرکار یا غصبِ حُکام کے بارہ میں ہیں۔ ایک حوالہ بھی خرید کردہ یا ورثہ کی زمین کے متعلق نہیں ہے۔ انصار صحابہؓ نے خود نصف زمین دینی چاہی مگر مہاجرین نے

نہیں لی۔فتوحات کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا یہ زمین مہاجرین کے پاس رہنے دو یا اپنی نصف ان کو دے دو اور یہاں سے نصف لے لو۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ معاملہ بالکل جداگانہ ہے، یہ انصار کے شک کو دور کرنے کے لئے تھا اور اس میں کیا شک ہے کہ حکومت کا مال غرباء کے پاس جانا چاہئے۔ انصار نے جواب دیا کہ ہم دونوں باتوں پر راضی نہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ نئی آمدہ زمین مہاجرین کو ہی دی جائے اور ہماری زمین کا نصف بھی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہ کیا۔

مساوات رکھنے کا اسلامی نظام (۱) زکوٰۃ (۲) سود کی ممانعت (۳) ورثہ (۴) برتھ کنٹرول کی ممانعت (۵) بھاؤ بڑھانے یا گھٹانے کو ناجائز قرار دیا۔ (۶) سادہ زندگی خوراک، لباس، رہائش اور زیور میں، تمام افراد کا کھانا کپڑا اور مکان حکومت کے ذمہ ہے۔حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی قانون کے غلط استعمال پر اس قانون میں جزوی تبدیلی عارضی طور پر کر دے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک وقت میں تین طلاق دینے والے کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دینے کا فیصلہ فرمایا حالانکہ اصل میں وہ تین نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ آپ کی غرض شریعت کی حد بندیوں کو توڑنے والے کو سزا دینا تھی۔

اسلامی احکام کی خصوصیات عورت کے حقوق، اولاد کے حقوق، عوام کے حقوق، ملازموں کے حقوق، مجرموں کے حقوق، مساوات انسانی اور بین الاقوامی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے دوسری شرائع اس بارہ میں خاموش ہیں۔

اسلام کے بعض اہم مسائل جن پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

۱۔ زنا کی سزا رجم بہت سخت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس سزا کا ذکر نہیں قرآن کریم **اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ**[۱۶] زانی مرد یا زانی عورت کو سَو کوڑے لگاؤ اور جو جھوٹا الزام لگائے اُسے ۸۰ کوڑے لگاؤ ان دونوں حکموں کے بعد فرماتا ہے **اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**[۱۷] پس یہ سَو کوڑے بھی فحش کی سزا ہیں ظاہر ہے کہ جو اس طرح زنا کرے گا کہ

چار گواہ اُس کے فعل کے مل سکیں گے وہ زنا سے زیادہ فحش کا مرتکب ہوگا اور فحش ہی کی یہ سزا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ زنا کی کیا سزا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کی سزا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے چنانچہ زانی کے متعلق فرماتا ہے یَلْقَ اَثَامًا [۱۸] یعنی وہ اپنے گناہ کی سزا خدا سے پائے گا ہاں زنا کو روکنے کے لئے شریعت اسلامیہ نے اس کے مبادی کو روکا ہے مثلاً غیر محرم مرد وعورت کے اختلاط کو روکا ہے۔

۲۔ چوری کی سزا قطع ید۔ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا [۱۹] یہ سزا سخت بتائی جاتی ہے۔ جواب یہ سزا ہر چوری کی نہیں بلکہ اس کے لئے شرطیں ہیں۔

اوّل: چوری اہم ہو۔

دوم: بِلا ضرورت ہو یعنی عادۃً۔ طعام کی چوری پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا نہ دی۔ اسی طرح بھاگے ہوئے غلام کے متعلق ہے کہ ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے جس کی یہ وجہ ہے کہ وہ کما نہیں سکتا اور بھوک سے مجبور ہے۔

سوم: توبہ سے پہلے گرفتار ہو تب سزا ملے گی۔

چہارم: مال چوری کر چکا ہو صرف کوشش سرقہ نہ ہو۔

پنجم: اس کی چوری مشتبہ نہ ہو یعنی اشتراکِ مال کا مدعی نہ ہو، جن کے گھر سے چوری کرے وہ اس کے عزیز یا متعلق نہ ہوں جن پر اُس کا حق ہو (بیت المال کی چوری پر حضرت عمرؓ نے سزا نہ دی) مثلاً کسی مذہبی جنون کے ماتحت ہو۔ جیسے بُت چرا لینا۔ یہ مذہبی دیوانگی کہلائے گی اور حکومت تعزیری کارروائی کرے گی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی یا جوشِ انتقام میں چوری کرے جیسے جانوروں کی چوری کرتے ہیں یا جبراً چوری کرائی جائے۔

ششم: وہ شخص نابالغ نہ ہو۔

ہفتم: عقلمند ہو بیوقوف یا فاتر العقل نہ ہو۔

ہشتم: اُس پر اصطلاحِ چور کا اطلاق ہو سکتا ہو۔ چور سے مال واپس دِلوایا جائے گا۔

۳۔ ڈاکہ، بغاوت اور ارتدادِ باغیانہ کی سزا قتل ہے۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا

اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ [۲۰] اس میں چار الگ سزائیں بتائی ہیں۔ یہ سزائیں جرم کی نوعیت کے لحاظ سے ہیں اگر ایسے لوگ ساتھ قتل کرتے ہوں تو قتل کئے جائیں گے، صلیب دیتے ہوں تو صلیب دیئے جائیں گے، ہاتھ پاؤں کاٹتے ہوں تو ان سے یہی کیا جائے گا، محض دنگا فساد کرتے ہوں تو قید یا جلا وطنی کی سزا دی جائے گی اس پر کیا اعتراض ہے؟ اگر مسلمان یہی معاملہ غیر اسلامی حکومت میں کرے اور اس سے یہی سلوک ہو تو مسلمانوں کو کیا اعتراض؟

سوال یہ ہے کہ باغی کافی تھا مرتد کو کیوں شامل کیا؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ وہ جنگی سپاہیوں کے حق کا مطالبہ نہ کرے جو باوجود قتل کے قاتل نہیں بن جاتے اور قتل نہیں کئے جاتے۔ مرتد کے قتل کے خلاف یہ بھی دلیل ہے کہ پھر اُن کو بھی حق پہنچتا ہے لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ میں اس حق کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ **غلامی** اسلام میں نہیں جنگی قیدیوں کا ذکر ہے اور اُن کے بارہ میں حکم ہے اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا [۲۱] اور جس کو فداء حاصل نہ ہو اُس کے لئے ’’کتابت‘‘ کا حکم ہے پس غلامی کی کوئی صورت بھی موجود نہیں۔ جنگی قیدیوں کا ذکر ہے جو ہر زمانہ میں پکڑے جاتے ہیں اور ہر حکومت پکڑتی ہے اس کے علاوہ بھی اسلام نے قیدیوں کی آزادی کے مختلف حکم دیئے ہیں۔

قصاص قتل اس میں معافی کی اجازت ہے خواہ خطا کی دیت ہو خواہ عمد کی سزا ہو مگر حکومت شرارت میں دخل دے گی۔

قصاص اعضاء مار پیٹ کا وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ [۲۲] وغیرہ۔ ہاں جلانے کی اجازت نہیں نہ ہتک کرنیکی۔ اس قسم کی سزا کا ہونا امن کے لئے ضروری ہے مگر اس میں بھی عفو یا دیت جائز ہے اور عمد کی شرط ہے ہاں قاضی دباؤ اور ڈر کی صورت میں معافی کو برطرف کر سکتا ہے۔

ملزم کی تعذیب بلکہ مجرم کی بھی جائز نہیں۔ اسے روکنے کے لئے اقرارِ جرم کے بعد انکارِ جرم کو جائز رکھا گیا ہے۔ جبری جرم، جرم نہیں بلکہ جرم کروانے والا مجرم ہے۔

حکومت عوام کی ہے۔ انتخاب ضروری ہے، ریفرنڈم بھی اسلام سے ثابت ہے اور مشورہ بواسطہ نمائندگان بھی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ [۲۳] وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ [۲۴] وَ شَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ [۲۵] اور پھر حدیث نبویؐ لَاخِلَافَةَ اِلَّا بِالْمَشْوَرَةِ [۲۶] اس بارہ میں مشعلِ راہ ہیں۔

مزدوروں کے متعلق احکامِ اسلامی مزدور کی مزدوری فوراً ادا ہو، اُس پر سختی نہ کی جائے، اُس سے وہ کام نہ لیا جائے جو انسان خود نہ کرے، اس کی مزدوری کا جھگڑا حکومت کے ذریعہ چکایا جا سکتا ہے۔

بین الاقوامی جھگڑوں کے متعلق لیگ آف نیشنز کا اصول مقرر فرمایا ہے فرماتا ہے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰۤی اَمْرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ [۲۷]

۱۔ جب دو قومیں لڑیں تو دوسری اقوام مل کر اُن میں صلح کرائیں۔
۲۔ اگر کوئی فریق صلح پر راضی نہ ہو تو دوسری سب اقوام اُس کی مدد کریں جو صلح پر آمادہ ہے اور جنگ کرنے والی قوم سے لڑیں۔
۳۔ جب جنگ کرنے والی قوم جنگ بند کر دے تو یہ بھی جنگ بند کر دیں۔
۴۔ اس کے بعد پھر اصل جھگڑے کے متعلق باہمی تصفیہ کیا جائے۔
۵۔ بوجہ اس کے کہ ایک قوم نے پہلے صلح پر رضامندی ظاہر نہ کی تھی اُس سے سختی نہ کی جائے بلکہ تنازع کا فیصلہ انصاف سے کیا جائے۔

اِس وقت مسلمانوں میں مفتی ہیں لیکن مقنن اور قاضی نہیں ہیں اور ادھر حکم ہے کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ [۲۸] آہستگی سے دین کو جاری کرو یعنی اسلامی قانون کو جاری کرنے میں نہایت غور اور فکر اور سہولت کی ضرورت ہے مگر بہت سے احکام فوراً جاری کئے جا سکتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ جاری نہ کئے جائیں۔ مجلس قانون ساز کے متعلق دِقت یہ ہے کہ اسلام ہر شخص کا

عالمِ دین ہونا ضروری قرار دیتا ہے لیکن اِس زمانہ میں عیسائیوں کی طرح علماء اور عوام کا الگ الگ فرقہ بن گیا ہے اِس مشکل کو کون فوراً حل کرسکتا ہے کہ مقنن، اقتصادی ماہر، اور سیاسی ماہر دین نہیں جانتے۔ دین جاننے والے مقنن اقتصادی ماہر اور سیاسی ماہر نہیں ہیں منہ سے دعویٰ کرنا اور بات ہے مگر حقیقت یہی ہے حالانکہ ہمارے آقا جرنیل بھی تھے، اقتصادی ماہر بھی، سیاسی ماہر بھی، مقنن بھی تھے، مفتی بھی تھے اور قاضی بھی تھے۔ **فِدَاکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔**

(تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۴۲۵)

---

۱ المائدہ: ۴ ۲ الحجر: ۳ ۳ المائدہ: ۱۰۲

۴ البقرۃ: ۱۳۰ ۵ البقرۃ: ۲۸۷ ۶ المائدہ: ۴۸

۷ المائدہ: ۴۴ ۸ المائدہ: ۴۹ ۹ ص: ۲۵

۱۰ الحشر: ۸ ۱۱ النحل: ۹۳ ۱۲ المائدہ: ۱۰۶

۱۳ المائدہ: ۴۵ ۱۴ الانعام: ۱۰۹

۱۵ بخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ

۱۶ النور: ۳ ۱۷ النور: ۲۰ ۱۸ الفرقان: ۶۹

۱۹ المائدہ: ۳۹ ۲۰ المائدہ: ۳۴ ۲۱ محمد: ۵

۲۲ المائدہ: ۴۶ ۲۳ النساء: ۵۹ ۲۴ الشوریٰ: ۳۹

۲۵ اٰل عمران: ۱۶۰

۲۶ کنز العمال جلد ۵۔ صفحہ ۶۴۸۔ مطبوعہ حلب ۱۹۷۱ء میں بِالْمَشْوَرَۃِ کی بجائے عَنْ مَشْوَرَۃٍ کے الفاظ ہیں۔

۲۷ الحُجُرات: ۱۰ ۲۸ اٰل عمران: ۸۰

قیامِ پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

قیامِ پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں

(فرمودہ ۱۸؍ مارچ ۱۹۴۸ء بمقام تھیوسافیکل ہال۔ کراچی)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ کوثر کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

انسانی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ وہ عام طور پر ان امور کی طرف زیادہ توجہ کرتا ہے جو یقینی ہوتے ہیں اور پھر جتنا جتنا اُس کا یقین بڑھتا جاتا ہے انسان کا عمل بھی ترقی کرتا جاتا ہے اور جتنا جتنا یقین کم ہوتا جاتا ہے انسان کا عمل بھی کم ہوتا چلا جاتا ہے سوائے ان لوگوں کے جو خود سستی کرتے اور غفلت سے کام لیتے ہیں۔ ورنہ یقین ایک ایسی چیز ہے جس کا عمل کے ساتھ نہایت گہرا تعلق ہے۔ کوئی انسان دیدہ و دانستہ زہر کی پُڑیا نہیں کھاتا، کوئی انسان دیدہ و دانستہ سانپ کے بل میں اپنا ہاتھ نہیں ڈالتا۔ کوئی انسان دیدہ و دانستہ شیر کی کچھار میں نہیں جاتا۔ کوئی انسان دیدہ و دانستہ اونچے مینار کی چوٹی سے اپنے آپ کو نہیں گراتا۔ خودکشی کرنے والے کا معاملہ ایک انتہائی صورت رکھتا ہے کیونکہ وہ خود اپنے لئے موت چاہتا ہے۔ اِس کو نظرانداز کرتے ہوئے کوئی اور انسان جان بوجھ کر ایسا فعل نہیں کرتا جس سے اِس کی ہلاکت واقع ہو۔ غلطی سے ایسا ہو جائے تو اور بات ہے۔ مثلاً بعض لوگ ایسی چھت پر سوتے ہیں جس پر منڈیر نہیں ہوتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رات کے وقت وہ بعض دفعہ اچانک نیچے گر کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ دیہات میں عام طور پر مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور پر فرمایا ہے کہ ایسی چھت پر نہیں سونا چاہئے جس کی منڈیر نہ ہو۔[1] مگر چونکہ اس ہدایت کی خلاف ورزی کی جاتی ہے اِس لئے رات کے وقت بعض دفعہ جب وہ اپنی کسی ضرورت کے لئے اُٹھتے اور نیچے آنا چاہتے ہیں تو اندھیرے میں بجائے اس کے کہ جس طرف

سیڑھیاں اُترتی ہوں اُدھر جائیں وہ دوسری طرف چلے جاتے ہیں اور یہ سمجھ کر کہ وہ سیڑھیاں اُتر رہے ہیں جب اپنا پاؤں نیچے رکھتے ہیں تو زمین پر گر جاتے اور بسا اوقات ہلاک ہو جاتے ہیں مگر بہرحال ایسا دیدہ و دانستہ نہیں ہوتا غلطی سے ہوتا ہے۔ اِسی طرح بعض دفعہ دشمن کھانے میں زہر ملا دیتا ہے اور انسان بے خبری میں اُسے کھا جاتا ہے اور مر جاتا ہے مگر یہ بھی دیدہ و دانستہ نہیں ہوتا غلطی سے ہوتا ہے۔ بہرحال یقینی طور پر جب کسی شخص کو علم ہو کہ فلاں چیز سے مجھے نقصان پہنچے گا تو وہ غلطی کا مرتکب نہیں ہوتا اور یہ بات انسانی زندگی میں ہم اتنی کثرت سے دیکھتے ہیں کہ اسے بطور اصل اور قانون کے پیش کیا جا سکتا ہے۔ انسانی زندگی کے مختلف اعمال اور مختلف کاموں پر جب نگاہ دوڑائی جائے تو ہر عمل کم و بیش یقین کے ساتھ تعلق رکھتا نظر آتا ہے۔ مگر ایک چیز ایسی ہے جو ساری چیزوں سے زیادہ یقینی اور قطعی ہے مگر انسان کا معاملہ اِس کے متعلق بالکل عجیب ہے۔ وہ اس یقینی چیز سے نہ صرف یہ کہ متأثر نہیں ہوتا بلکہ غیر یقینی خیالات کو اس یقینی چیز پر ترجیح دے دیتا ہے۔ یہ یقینی اور قطعی چیز انسان کی موت ہے۔ کوئی انسان دنیا میں ایسا نہیں جو موت سے بچ سکا ہو۔ انسانوں میں سے سب سے بڑی ہستی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی لیکن آپ بھی ایک مدت تک دنیا میں کام کرنے کے بعد وفات پا گئے۔

مسلمانوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں لیکن احمدیہ جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وفات پا چکے ہیں اور وہ مسلمانوں کے اس عقیدہ کو غلط سمجھتے ہیں۔ گویا ایک ہی ہستی جس کو دیکھتے ہوئے یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید ہماری دُنیوی زندگی غیر محدود ہو جائے احمدیہ جماعت نے اِس ہستی کے متعلق بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ زندہ نہیں بلکہ وفات پا چکی ہے۔ اگر حضرت مسیحؑ زندہ ہوتے تو خیال کیا جا سکتا تھا کہ جس طرح حضرت مسیحؑ اب تک زندہ ہیں اسی طرح شاید زید کی عمر بھی لمبی ہو جائے یا بکر کی عمر بھی لمبی ہو جائے مگر وہ ایک ہی شخص جس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ موت سے بچ کر آسمان پر بیٹھا ہے اس کے متعلق بھی ہم نے قرآن کریم سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح وفات پا چکا ہے۔ گویا کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکے کہ انسان موت سے بچ سکتا ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ لوگ عام طور پر اس کے

متعلق غفلت اور بے توجہی سے کام لیتے ہیں۔ صرف یہی چیز ایسی ہے جو یقینی اور قطعی ہے مگر اس کے متعلق تیاری سب سے کم پائی جاتی ہے۔ شام کا کھانا عورتیں تیار کرتی ہیں، عصر کا ناشتہ عورتیں تیار کرتی ہیں، مگر ان میں سے نہ کھانے والے کو پتہ ہوتا ہے کہ میں عصر تک زندہ رہوں گا یا نہیں اور نہ پکانے والی کو پتہ ہوتا ہے کہ وہ عصر تک زندہ بھی رہے گی یا نہیں۔ اس موہوم خیال پر کہ ہم عصر تک زندہ رہیں گے وہ عصر کے ناشتہ کے لئے تیاری کرتی ہیں اس موہوم خیال پر کہ ہم شام تک زندہ رہیں گے وہ شام کے کھانے کے لئے تیاری کرتی ہیں یا اس موہوم خیال پر کہ ہم اگلے سال تک زندہ رہیں گے لوگ سردی اور گرمی کے لئے کپڑے تیار کرتے ہیں۔ مشرقی پنجاب میں لاکھوں لاکھ مسلمان ایسا تھا جس نے سردی کے لئے کپڑے تیار کر رکھے تھے مگر ان کا کپڑا وہیں رہ گیا اور سکھوں کے کام آیا حالانکہ جس حد تک اُن کو یقین تھا وہ بھی قطعی نہیں تھا بلکہ مشتبہ تھا مگر ایک مشتبہ حالت میں ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اگلے سال کی سردیوں کے لئے کپڑے تیار کئے مگر اس یقین کے ہوتے ہوئے کہ ہر انسان نے ایک دن مرنا ہے اور ضرور مرنا ہے بہت سے انسان دنیا میں ایسے ہیں جو اپنے مرنے کیلئے کوئی تیاری نہیں کرتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ہر روز رات کے وقت آسمان سے اُترتے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ لَدُوا لِلْمَوْتِ وَابْنُوا لِلْخَرَابِ [۲] اے انسانو! بچے جنو مگر اس لئے کہ وہ مریں اور مکان بناؤ مگر اس لئے کہ وہ ٹوٹیں اور خراب ہوں۔ یعنی ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے مرتا ہے اور ہر مکان جو بنایا جاتا ہے ٹوٹتا ہے لیکن اِس کے باوجود بچے پیدا کرنے کے متعلق لوگوں کی کوششوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ مکان بنانے کے متعلق لوگوں کی کوششوں میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ وہ بچے پیدا کرتے چلے جاتے ہیں، وہ مکان بناتے چلے جاتے ہیں۔ مگر کبھی ان کو خیال تک نہیں آتا کہ ہم اِن بچوں کی ایسی تربیت کریں جن سے ان کی زندگی حقیقی زندگی کہلا سکے، کبھی ان کو خیال نہیں آتا کہ ہم مکان بنائیں تو اس لئے کہ ان میں خدا کا نام لیا جائے۔ آخر بچوں اور مکانوں کا حقیقی مدعا کیا ہے؟ وہی بچے انسان کیلئے برکت کا موجب ہو سکتے ہیں جن کا خدا سے تعلق ہو اور وہی مکان انسان کیلئے برکت کا موجب ہو سکتے ہیں جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہو مگر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

دنوں کے بعد دن، ہفتوں کے بعد ہفتے اور سالوں کے بعد سال گزرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک دن موت کا فرشتہ آ جاتا اور انسان خالی ہاتھ اللہ تعالیٰ کے پاس چلا جاتا ہے۔ مرنے والوں میں دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو اللہ تعالیٰ کے پیارے ہوتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو اللہ تعالیٰ سے دور ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں آتا ہے کہ بعض لوگ جب مرنے لگتے ہیں تو فرشتے ان کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں لاؤ اپنی جانیں ہمارے سپرد کرو تا کہ ہم تمہیں دوزخ میں داخل کریں اور بعض لوگ جب مرنے لگتے ہیں تو فرشتے انہیں کہتے ہیں تمہیں بشارت ہو کہ تمہارا پیدا کرنے والا خدا تمہیں سلام بھیجتا ہے اور اس نے اپنی جنت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے ہیں۔

غرض موت ایک قطعی اور یقینی چیز ہے۔اس کا تعلق عقیدہ سے نہیں کہ کہا جا سکے کہ فلاں کے عقیدہ میں موت قطعی ہے اور فلاں کے عقیدہ میں موت قطعی نہیں سب لوگ موت کے قائل ہیں اور پھر جو لوگ مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کو ایک نئی زندگی حاصل ہوگی اور وہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق اللہ تعالیٰ سے انعام یا سزا پائیں گے۔عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے ہندوؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے اور مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے مگر میری مخاطب اِس وقت احمدی عورتیں ہیں۔ گو مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ دوسری خواتین بھی اس جلسہ میں تشریف لائی ہوئی ہیں لیکن بہرحال وہ بھی مسلمان ہیں اور ان کے اور ہمارے عقائد جہاں تک اسلامی اصول کا سوال ہے ایک ہی ہیں۔ وہ بھی قرآن کریم پر ایمان رکھتی ہیں اور ہم بھی قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کریم اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کی اصل زندگی وہ ہے جو موت کے بعد شروع ہوگی۔ یہ زندگی صرف تیاری کے لئے ہے اور ایسی ہی ہے جیسے بچے کو سکول میں بھیجا جاتا ہے۔کوئی بچہ سکول میں اس لئے داخل نہیں کیا جاتا کہ وہ ساری عمر سکول میں ہی رہے گا یا سکول سے فارغ ہونے کے بعد وہ کوئی کام نہیں کرے گا۔ ہر بچہ سکول میں اس لئے داخل کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے تیاری کرے اور آنے والے دَور میں وہ ایک کامیاب جرنیل ثابت ہو۔اسی طرح اگر مرنے کے بعد زندگی کوئی حقیقت رکھتی ہو تو ہمیں اپنے آپ کو مجبور کرنا چاہئے کہ ہم اس زندگی کو ایسا ہی سمجھیں جیسے سکول

کی زندگی ہوتی ہے اور یقین رکھیں کہ ہماری زندگی کا اصل دَور اُس وقت شروع ہوگا جب ہم مرجائیں گے۔ جیسے سکول میں تعلیم حاصل کرنے والے لڑکے کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کی اصل زندگی اس وقت شروع ہوگی جب وہ تعلیم سے فارغ ہو جائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کون انسان خدا تعالیٰ کا مقرب ہوسکتا ہے اور آپ کے سوا اور کون ہے جس نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا ہو کہ وہ خدا کے لئے اپنی ہر چیز اور اپنے ہر جذبہ کو قربان کرنے کیلئے تیار ہے۔ مگر باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس دن کے لئے اتنی تیاری کرتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں جب کہ آپ بوڑھے ہو چکے تھے اور ساٹھ سال سے زیادہ عمر تھی رات کو نماز کے لئے اُٹھتے تو اتنی اتنی دیر اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے رہتے کہ آپ کے پاؤں سُوج جاتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ دیکھ کر رحم آتا۔ آخر ایک دن تنگ آ کر میں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ اپنی جان کو اتنا دکھ میں کیوں ڈالتے ہیں۔ آپ نماز میں کھڑے ہوتے اور عبادت کرتے ہیں تو اتنی اتنی دیر کھڑے رہتے ہیں کہ آپ کے پاؤں سُوج جاتے ہیں اور آپ پر ضعف طاری ہو جاتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف نہیں کر دیا؟ اور کیا خدا تعالیٰ نے آپ کو الہام کے ذریعہ نہیں کہہ دیا کہ میں تجھ پر راضی ہوں؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جواب میں کہا، عائشہ! ٹھیک ہے خدا نے مجھ پر بڑے بڑے فضل نازل کئے ہیں۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ خدا نے میرے تمام قسم کے کاموں میں برکتیں رکھی ہیں۔ مگر اے عائشہؓ! جب خدا نے مجھ پر اتنا بڑا فضل نازل کیا ہے تو کیا میرا فرض نہیں کہ میں شکر گزار بندہ بنوں۔ عربی کے الفاظ یہ ہیں۔ اَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا [۳] اے عائشہؓ! کیا خدا کا ہی کام ہے کہ وہ محسن بنے بندے کا کام نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرے؟ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے انسان بھی باوجود ان تمام قربانیوں کے جو آپ نے کیں، باوجود جذباتِ محبت کی اس فراوانی کے جو آپ خدا تعالیٰ کے متعلق رکھتے تھے پھر بھی اس بات کے محتاج تھے کہ راتوں کو اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اتنی اتنی دیر کھڑے رہتے کہ آپ کے پاؤں سُوج جاتے، دن کو عبادت کرتے اور اپنی زندگی کو زیادہ سے

زیادہ خدا تعالیٰ سے ملنے کے قابل بناتے تو اور کون انسان ہے جو اپنے آپ کو ان ذمہ داریوں سے مستغنی قرار دے سکے۔ میں آپ خواتین سے ہی پوچھتا ہوں کہ کیا آپ اپنی زندگی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطابق بسر کر رہی ہیں؟ کیا آپ کہہ سکتی ہیں کہ آپ کی زندگی کے ایام زیادہ تر اُس اُخروی زندگی کی درستی کے لئے خرچ ہوتے ہیں جو حقیقی زندگی ہے؟ یا زیادہ تر ان کاموں کے لئے خرچ ہوتے ہیں جو دنیا کے کام ہیں؟

اسلام ان مذاہب میں سے نہیں جو رہبانیت سکھاتا ہو۔ قرآن کریم میں صاف طور پر لکھا ہے کہ رہبانیت کا اسلام میں حکم نہیں بلکہ عیسائی اور ہندو جن میں رہبانیت کی تعلیم پائی جاتی ہے ان کے متعلق بھی کہتا ہے کہ ہم نے انہیں رہبانیت کا حکم نہیں دیا تھا، انہوں نے اپنے طور پر اس کو شروع کر دیا۔[۴] بہرحال اسلام ان مذاہب میں سے ہے جو کہتے ہیں کہ بے شک دنیا کے کام کرو۔ اسلام اس بات سے نہیں روکتا کہ جن کو ضرورت ہو وہ نوکریاں کریں، اسلام اس بات سے روکتا نہیں کہ جن کو ضرورت ہو وہ تو تجارتیں کریں، اسلام اس بات سے روکتا نہیں کہ جن کو ضرورت ہو وہ صنعت و حرفت کریں، اسلام اس بات کا بھی حکم نہیں دیتا کہ عورت گھر کے کام کاج نہ کرے مگر وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ ہر چیز کو اُس کا درجہ دو۔ جس طرح ایک عورت بچہ کی پرورش کے وقت اس سے مستغنی نہیں ہو جاتی کہ وہ اور کوئی کام کرے۔ مثلاً اگر غریب ہے تو وہ کھانا تیار کرنے سے آزاد نہیں ہو جائے گی یا اگر آسودہ حال ہے تو وہ کھانا تیار کروانے سے آزاد نہیں ہو جائے گی یا بچے کی پرورش کی وجہ سے وہ ان ضرورتوں سے غافل نہیں ہو جائے گی جو اپنے رشتہ داروں سے میل جول اور اپنی سہیلیوں سے تعلقات رکھنے کے لحاظ سے اُس پر عائد ہوتی ہیں۔ اسی طرح اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی زندگیوں کو بالکل نمازوں میں لگا دو۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم دنیا کی تمام ذمہ داریوں کو بھول جاؤ۔ اسلام نہ صرف ان کاموں کی اجازت دیتا ہے بلکہ ان کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور اتنا زور دیتا ہے کہ حضرت عائشہ نے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! میرے پاس آج ایک غریب بدوی عورت آئی جس کے ساتھ اُس کی دو لڑکیاں تھیں۔ وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ایک لڑکی کو اُس نے اپنی دائیں طرف اور دوسری کو اپنی بائیں طرف بٹھا لیا اور مجھے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے تو دو۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہمارے گھر میں اس وقت کچھ بھی نہیں تھا لیکن میں تلاش کرنے کے لئے اُٹھی تو مجھے ایک کھجور مل گئی۔ میں نے وہی کھجور اُٹھا کر اُسے دے دی۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! عورت نے کھجور اپنے منہ میں ڈال لی اور میں نے سمجھا کہ وہ خود کھانے لگی ہے۔ مگر اس نے وہ کھجور خود نہیں کھائی بلکہ دانتوں سے اُس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑہ اُس نے اپنی اُس لڑکی کو دے دیا جو دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھی اور دوسرا ٹکڑہ اُس نے اُس لڑکی کو دے دیا جو بائیں طرف بیٹھی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو فرمایا۔ عائشہؓ! خدا نے مجھے بتایا ہے کہ جس شخص کے ہاں دو لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی اچھی تربیت کرے تو اپنی لڑکیوں سے محبت رکھنے اور اُن کی نیک تربیت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی جنت اس کے لئے واجب کر دیتا ہے۔[۵]

تو دیکھو بچوں کا پالنا جو عورت کے جذبات کی چیز ہے وہ بھی ایک ثواب کی چیز بن گیا۔ بچوں کو کوئی ماں مذہبی احکام کی وجہ سے نہیں پالتی۔ اگر کوئی عورت دہریہ ہو تو تب بھی وہ اپنے بچوں کو پالتی ہے اور اگر فاسقہ فاجرہ ہو تو تب بھی وہ اپنے بچوں کو پالتی ہے۔ مگر یہ جو طبعی جذبہ ہے اس کے متعلق بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی عورت اپنی لڑکیوں کو پالتی اور انہیں ایک شریف شہری بنا دیتی ہے تو وہ جنت کی مستحق ہو جاتی ہے۔

غرض دُنیوی کاموں سے خدا تعالیٰ روکتا نہیں مگر جس چیز کا وہ حکم دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کاموں میں سے کچھ وقت نکال کر ہم خدا تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی رضا کے کاموں میں صَرف کیا کریں۔ مثلاً سب سے مقدم چیز پانچ وقت کی نماز ہے جو اسلام نے مقرر کی ہے۔ اِس زمانہ میں سارے مرد بھی نمازیں نہیں پڑھتے عورتوں کی حالت تو اس سے بھی گری ہوتی ہے۔ بعض سمجھتی ہیں کہ سال میں اگر چند نمازیں بھی ان کو ادا کرنے کا موقع مل جائے تو ان کی بخشش کے لئے کافی ہے۔ بعض نے یہ ایک نیا مسئلہ ایجاد کر لیا ہے کہ جمعۃ الوداع ادا کرنے کا اگر کسی کو موقع مل جائے تو اس کی سارے سال کی نمازیں پوری ہو جاتی ہیں۔ بعض اس قسم کے وساوس میں مبتلا ہوتی ہیں کہ جب ہم نے پیر کی بیعت کر لی ہے تو قیامت کے دن وہی پیر ہمارا سارا بوجھ اٹھا لے گا ہم ہر قسم کے محاسبہ سے بچ جائیں گی۔

ہماری جماعت کے خلیفہ اوّل کی بہن ایک پیر کی مرید تھیں۔ ایک دفعہ بہن ملنے آئیں تو حضرت خلیفہ اوّل نے ان سے کہا کہ بہن! تم نمازوں میں بہت سست ہو، آخر تمہارا کیا بنے گا؟ اس نے کہا میں نے جس پیر کی بیعت کی ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ اب چونکہ تم نے میری بیعت کر لی ہے اس لئے تمہارا ذمہ دار میں ہوں، تمہیں کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل نے اپنی بہن سے کہا بہن! اپنے پیر سے پوچھنا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے ہم سے پوچھا تو کیا جواب دیں گے؟ اس نے کہا اچھا اب میں اپنے پیر سے ملنے گئی تو اُن سے یہ بات ضرور دریافت کروں گی۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد وہ پھر آپ سے ملنے آئی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ اپنے پیر سے تم نے وہ بات دریافت کی تھی؟ اُس نے بتایا کہ ہاں میں نے دریافت کی تھی۔ پھر اس نے سنایا کہ جب میں نے یہ بات دریافت کی کہ تو پہلے تو اُس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے یہ شرارت تجھے نورالدین نے سکھائی ہے مگر یاد رکھو تمہیں کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ جب تم سے خدا سوال کرے گا تو میں کھڑا ہو کر کہہ دوں گا اِس کا میں ذمہ دار ہوں، اِس پر تم فوراً جنت میں چلی جانا۔ میں نے کہا پیر صاحب! آپ کی باری آئی تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اس پر کہنے لگے جب مجھ سے خدا پوچھے گا اور کہے گا کہ آؤ اور حساب دو تو میں جلال سے جواب دوں گا کہ کیا امام حسینؓ کی کربلا میں قربانی کافی نہیں تھی کہ اب ہمیں بھی دِق کیا جاتا ہے؟ اس پر فرشتے میرا راستہ بھی چھوڑ دیں گے اور میں بھی جنت میں چلا جاؤں گا۔

غرض مختلف قسم کے بہانے لوگوں نے ایجاد کر لئے ہیں تا کہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔ آخر کونسی دُنیوی ذمہ داریاں تھیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ دنیا کے تمام کاموں سے قریباً فارغ ہو کر دین کے کاموں میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ وہ زمیندار تھے مگر بہت کم زمینداری کرتے تھے، وہ تاجر تھے مگر بہت کم تجارت کرتے تھے۔ سال میں چار پانچ لڑائیاں انہیں لڑنی پڑتی تھیں اور ایک ایک لڑائی کے لئے بعض دفعہ پندرہ پندرہ بیس بیس دن سفر کرنا پڑتا تھا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کرنے والے صحابہؓ کون تھے؟ وہی تاجر اور وہی زمیندار تھے جن کی معاش کا دارومدار ہی تجارت اور زمینداری پر تھا مگر باوجود اس کے جب بھی خدا کی طرف سے آواز آتی تو وہ فوراً اپنے تمام

کاموں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے روانہ ہو جاتے۔ جہاد پر اُن کو جتنا وقت صَرف کرنا پڑتا تھا اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سال میں ان کو چار پانچ لڑائیاں لڑنی پڑتی تھیں اور ہر لڑائی پر سفر سمیت دو تین ہفتہ یا اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا۔ اس سے تم سمجھ سکتی ہو کہ دنیا کے کاموں کے لئے ان کے پاس کتنا وقت بچتا تھا مگر باوجود اس کے کہ دنیا کی ذمہ داریاں ان پر بھی تھیں، ان کے بھی اہل وعیال تھے، اُن کی بھی بیویاں اور بچے تھے اور باوجود اس کے ان کا بہت سا وقت جبری طور پر لے لیا جاتا تھا پھر بھی وہ نماز روزہ کی پابندی میں لگے رہتے تھے۔ مگر اور لوگ خواہ کچھ کریں میں احمدی خواتین سے کہتا ہوں کہ تم نے نئے سرے سے یہ عہد کیا ہے کہ ہم اسلام کو دوبارہ زندہ کریں گی۔ اگر یہ عہد مؤمنانہ ہے منافقانہ نہیں تو تمہیں اس عہد کے مطابق اپنی ساری زندگی ڈھالنی پڑے گی۔ اسلام پہلے ہی دشمنوں کی نگاہ میں زیرالزام ہے، اسلام پہلے ہی دشمنوں کے تیروں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، اسلام پہلے ہی ہزاروں قسم کے مطاعن اور اعتراضات کا ہدف بنا ہوا ہے، اگر تم نے بھی کمزوری دکھائی تو تم اسلام کو اور زیادہ بدنام کرنے والی بنو گی۔ اگر تم واقعہ میں اسلامی تعلیم پر عمل نہیں کرسکتیں تو بجائے اس کے کہ تم اسلام کے لئے بدنامی کا موجب بنو تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم اس سلسلہ کو چھوڑ دو لیکن اگر واقعہ میں تمہیں یقین پیدا ہو چکا ہے کہ یہ سلسلہ سچا ہے اور تم رسمی طور پر نہیں بلکہ حقیقی طور پر سمجھتی ہو کہ خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی صداقت کو تم نے دیکھ لیا ہے اور سمجھ لیا ہے اور اس پر ایمان رکھنا تمہاری نجات کے لئے ضروری ہے تو تمہارا فرض ہے کہ تم سلسلہ کی بدنامی کا موجب نہ بنو، بلکہ اپنے ایمان اور اپنے عمل اور اپنی قربانیوں اور اپنی للّٰہیت کے ثبوت کے ساتھ اسلامی زندگی کا وہ نمونہ پیش کرو جس کو دیکھ کر ہر شخص اِس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے کہ اس کاروباری زمانہ میں بھی جب دین پر دنیا کو مقدم کیا جارہا ہے، اسلام پر عمل کیا جاسکتا ہے اور اس کا کوئی حکم ایسا نہیں جو انسان کے لئے بوجھ کا رنگ رکھتا ہو۔

مجھے تعجب آتا ہے بعض ہندوستانی احمدیوں پر کہ انہیں سالہا سال اس سلسلہ میں شامل ہونے پر گزر گئے مگر ابھی تک وہ دینی احکام پر عمل کرنے میں سستی سے کام لیتے ہیں اور ان کی روحانیت پر ایک جمود کی سی کیفیت طاری ہے۔ اس کے مقابلہ میں بعض یورپین احمدی ایسے ہیں

جنہیں اس سلسلہ میں شامل ہوئے گو ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے مگر اس جوش اور اس اخلاص کے ساتھ اسلامی احکام پر عمل پیرا ہیں کہ ان کو دیکھ کر انتہائی مسرت حاصل ہوتی ہے حالانکہ ہندوستانی احمدی اس ماحول میں نہیں رہتا جس ماحول میں ایک یورپین احمدی رہتا ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ ایک ایسے ماحول میں رہتا ہے جو دینی روح سے کوسوں دور ہے پھر بھی وہ اسلامی حکم پر عمل کرنے میں مسابقت کی روح اپنے اندر رکھتا ہے۔ گزشتہ جنگ میں بشیر آرچرڈ ایک انگریز احمدی ہوئے۔ پہلے پہل جب وہ قادیان مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو اُس وقت اُن کے خیالات اِس قسم کے تھے کہ ''میں ایک نیا مذہب نکالوں گا۔'' انہوں نے بتایا کہ میں نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا ہے اور مجھے اس میں کئی اچھی باتیں نظر آئی ہیں اور میں نے ہندو مذہب کو دیکھا تو مجھے اس میں بھی کئی اچھی باتیں نظر آئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسا طریق نکالوں جس میں تمام اچھی باتوں کو جمع کیا جائے۔ میں انہیں سمجھاتا رہا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ میری تسلی نہیں ہوئی۔ جب وہ یہاں سے چلے گئے تو کچھ عرصہ کے بعد مجھے ان کا خط ملا جس میں لکھا تھا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ کیا بات ہے، وہ تو کسی مذہب پر خوش نہ تھے۔ بعد میں وہ مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو انہوں نے تمام واقعات سنائے اور بتایا کہ یہاں رہ کر مجھے احساس نہیں ہوا کہ میں کس فضا میں اپنے دن گزارتا ہوں مگر جب یہاں سے گیا اور امرتسر پہنچا تو چونکہ قادیان میں سات آٹھ دن میں نے شراب نہیں پی تھی اِس لئے مجھے شراب پینے کا شوق تھا۔ وہاں بعض اور انگریز دوستوں کے ساتھ میں کھانے کے کمرہ میں گیا۔ انہوں نے بھی شراب کا آرڈر دیا اور میں نے بھی شراب کا آرڈر دیا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ سات آٹھ دن میں نے شراب نہیں پی تو مجھے کچھ نہیں ہوا اگر کچھ دن اور بھی شراب چھوڑ کر دیکھوں تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ میں نے شراب کا آرڈر منسوخ کر دیا۔ یہ پہلی تبدیلی تھی جو میرے اندر واقع ہوئی۔ اس کے بعد بھی میں برابر شراب سے بچتا رہا۔ فوج میں گیا تو وہاں میرے انگریز دوستوں نے مجھ سے تمسخر شروع کر دیا اور کہا کہ ہم دیکھیں گے کہ تم کب تک شراب نہیں پیو گے۔ اس سے میں اور زیادہ پختہ ہو گیا اور آخر رفتہ رفتہ میری ایسی حالت ہوگئی کہ مجھے شراب کی حاجت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ یہ محض قادیان

جانے کی برکت ہے کہ شراب کی عادت جاتی رہی۔ پھر میں نے زیادہ سنجیدگی سے اسلام اور احمدیت کا مطالعہ کیا تو حقیقت مجھ پر کھل گئی اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہاں سے ان کی راولپنڈی تبدیلی ہوگئی وہاں بھی انگریز اُن کو برابر تنگ کرتے اور قسم قسم کی تدابیر سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ اسلام پر زیادہ سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ قائم ہوتے چلے گئے نمازیں اُنہوں نے باقاعدگی کے ساتھ شروع کر دیں اور داڑھی بھی رکھ لی۔ اس پر انگریز اُنہیں اور زیادہ تنگ کرتے، کبھی نماز پر تمسخر شروع کر دیتے یا کبھی داڑھی پر اعتراض کرتے کبھی کھانے پر جھگڑا شروع کر دیتے۔ آخر انہوں نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کر دی۔ اب وہ انگلستان میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں اور محض روٹی کپڑا اُن کو دیا جاتا ہے۔ اس شخص کی حالت یہ ہے کہ یہ باقاعدہ تہجد پڑھتا ہے۔ نمازیں باجماعت ادا کرتا ہے۔ لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے منہ پر داڑھی رکھتا ہے اور اس کی شکل دیکھ کر سوائے چہرہ کے رنگ کے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ انگریز ہے بلکہ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ یہ بہت پُرانا مسلمان ہے۔ اگر یورپ کا رہنے والا ایک شخص اپنے اندر اتنا تغیر پیدا کر سکتا ہے کہ وہ نمازوں کا پابند ہو جاتا ہے، تہجد ادا کرتا ہے اور تمام شعائر اسلامی کو خوشی کے ساتھ اختیار کرتا ہے تو ہندوستان یا کسی اور ملک کا رہنے والا کیوں ان باتوں پر عمل نہیں کر سکتا۔

یورپین زندگی ایسی ہے جس میں چاروں طرف مادیت کا غلبہ ہے۔ اگر ایسے ماحول میں رہتے ہوئے یورپ کے لوگ اپنے اندر تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں تو ہندوستان کی عورتیں اپنے اندر کیوں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتیں یا ہندوستان کے مرد اپنے اندر کیوں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے؟ میرے نزدیک یہ غفلت محض ارادہ کی کمی کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی موت کو بھول جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر انسان یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں یا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جب ہم نے اپنی زبان سے اسلام قبول کر لیا اور ہم نے کہہ دیا کہ ہم محمد رسول اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ہم نے بڑا بھاری احسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کر دیا ہے اور اب جنت ہمارے لئے واجب ہو چکی ہے۔ اس قسم کے بہانے

ہیں جن کی آڑ میں وہ اسلامی احکام پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں مگر میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان بہانوں کا کوئی فائدہ نہیں سچا انسان وہی ہوتا ہے جو اپنے قول کا پاس کرتا ہے۔ جب ایک مرد اور ایک عورت کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو یہ لازمی بات ہے کہ وہ اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جو کچھ قرآن مجید حکم دے گا ہم اُسے مانیں گے اور جن باتوں سے قرآن روکے گا ان سے رُکیں گے۔ یہ عہد ہے جو ہر مسلمان کرتا ہے مگر کتنے ہیں جو اس عہد کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی بھی ملازم ایسا ہوسکتا ہے جو اپنے عہد کی خلاف ورزی کرے اور پھر اس کا آقا اور مالک اس سے خوش رہے۔ ایک چھوٹے سے چھوٹا نقص بھی اگر آقا دیکھ لیتا ہے تو وہ ملازم کو سخت تنبیہہ کرتا ہے پھر مسلمان یہ کس طرح امید کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے رہیں اور اسکی ناراضگی سے بھی بچے رہیں۔

ایک مشہور تاریخی واقعہ مجھے یاد آ گیا۔ حضرت جنیدؒ بغدادی کے ایک شاگرد تھے جو عالَم اسلامی میں خود بھی بہت بڑی شہرت کے مالک ہیں۔ وہ ایک بڑے خاندان کے فرد اور حکومت وقت کی طرف سے ایک صوبہ کے گورنر مقرر تھے مگر سخت ظالم اور سفاک انسان تھے۔ اتنے ظالم کہ سارا علاقہ اُن کے ظلموں سے چلا اٹھا۔ ایک دفعہ وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر تھے کہ ایک جرنیل بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ اُن دنوں ایران کی مہم درپیش تھی اور بغدادی لشکر کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ بادشاہ نے اُس جرنیل کو عزت افزائی کے لئے بُلوایا تا کہ ایک ایسا ملک جو سالہا سال تک حکومت کے لئے کانٹا بنا رہا تھا اس کے فتح کرنے پر اُسے خلعت دے اور انعام سے سرفراز کرے۔ جب جرنیل بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو بدقسمتی سے وہ رومال لانا بھول گیا۔ اُس روز اُسے نزلہ کی شکایت تھی۔ عین اُس وقت جب بادشاہ نے اُسے خلعت پیش کیا اور وہ خلعت پہن کر بادشاہ کے سلام کے لئے آگے بڑھا اُسے چھینک آئی اور ناک میں سے فضلہ بہہ پڑا۔ اُس نے جیب ٹٹولی تو پتہ لگا کہ رومال نہیں۔ اِس پر اُس نے آنکھ بچا کر اُس خلعت کے دامن سے ہی اپنا ناک پونچھ لیا۔ بدقسمتی سے بادشاہ کی نظر اس پر جا پڑی جونہی اُس نے دیکھا کہ جرنیل نے اُس کی عطا کردہ خلعت سے ناک پونچھا ہے وہ آگ بگولہ ہوگیا۔ اس نے نہایت غصہ سے کہا کہ اس جرنیل نے ہماری خلعت کی ہتک کی ہے خلعت اُتارلو اور اسے ذلیل کر کے

ہمارے دربار میں سے نکال دو۔ اُس وقت شبلی بھی دربار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جونہی انہوں نے یہ بات سنی ان کی چیخیں نکل گئیں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم کیوں روتے ہو؟ شبلی نے کھڑے ہو کر کہا۔ حضور میرا استعفیٰ منظور فرما لیجئے اب میں ملازمت کے لئے تیار نہیں۔ بادشاہ نے انہیں بہت سمجھایا مگر انہوں نے کہا میں اب یہاں رہنا نہیں چاہتا۔ بادشاہ نے کہا آخر وجہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا وجہ یہ ہے کہ یہ جرنیل جو آج آپ کے سامنے پیش ہوا اس نے آپ کی بادشاہت کے استحکام کے لئے کس قدر کوششیں کی تھیں۔ یہ شخص سال بھر لڑائیاں لڑتا رہا۔ ہر صبح جب اس کی بیوی اُٹھتی تو وہ سمجھتی تھی کہ شاید آج میں بیوہ ہو جاؤں گی اور ہر شام جب وہ سوتی تو دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوتی اور خیال کرتی کہ جب میں صبح اُٹھوں گی تو شاید میری بیوگی کی خبر آ جائے گی۔ اس کے بچے بھی ہر صبح یہی خیال کرتے تھے کہ شاید آج ہم یتیم ہو جائیں گے اور ہر شام اس خیال سے سوتے تھے کہ شاید صبح جب طلوع ہوئی تو ہمیں اطلاع ملے گی کہ آج سے تم یتیم ہو گئے ہو۔ اتنی بڑی قربانیوں کے بعد جب یہ شخص واپس آیا تو آپ نے اسے عزت افزائی کے طور پر کچھ کپڑے دیئے مگر ایک ایسی مرض کی وجہ سے جو اس کے اپنے اختیار میں نہ تھی اسے چھینک آئی فضلہ بہہ پڑا اور چونکہ رومال لانا اُسے یاد نہ رہا تھا اُس نے خلعت سے ہی ناک پونچھ لیا اس پر آپ کو غصہ آیا اور آپ نے اِس کی اس حرکت کو اس قدر ناپسند کیا کہ اس کا خلعت اُتروا لیا محض اس لئے کہ اس نے خلعت کا ناجائز استعمال کیوں کیا ہے۔ یہ کہہ کر ان کی پھر چیخیں نکل گئیں اور انہوں نے روتے ہوئے کہا اے بادشاہ! مجھے خدا نے ایک خلعت بخشا ہے۔ مجھے بھی اس نے انسانیت دی۔ مجھے بھی اس نے عقل دی، مجھے بھی اس نے کان، ناک، آنکھیں، منہ، زبان اور دوسرے اعضاء دیئے۔ اس جرنیل کو تو یہ خلعت اتنی بڑی خدمت کے بعد ملا تھا مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی خدمت اور بغیر کسی قربانی کے یہ خلعت دیا۔ پھر اس نے تو صرف ناک پونچھا تھا میں نے تو اس خلعت کو اتنا خراب کیا ہے وہ اب پہچانا تک نہیں جاتا اس لئے میں حیران ہوں کہ جب میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گا تو میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ میں اب حقیقت کو سمجھ چکا ہوں میں ملازمت کرنے کے لئے تیار نہیں، میرا استعفیٰ منظور فرما لیا جائے۔ اس کے بعد شبلی مختلف بزرگوں کے پاس گئے اور کہا کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں مگر وہ اپنے

مظالم میں اتنے مشہور تھے کہ ہر شخص جس کے پاس وہ جاتے وہ انہیں کہتا کہ تمہارے جیسے آدمی کی توبہ کہاں قبول ہوسکتی ہے۔ آخر وہ حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس گئے جو صوفیاء کے آباء سمجھے جاتے ہیں اور ان سے کہا کہ میں آپکی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں توبہ کا راستہ ہر ایک کے لئے کھلا ہے مگر ایک شرط تمہیں ماننی پڑے گی تاکہ پتہ لگے تم سچے دل سے توبہ کر رہے ہو یا صرف ظاہری طور پر۔ انہوں نے کہا کہ آپ شرط بیان کریں مجھے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا شرط یہ ہے کہ تم جس جگہ گورنر رہے ہو وہاں جاؤ اور ایک ایک دروازہ پر دستک دے کر کہو کہ میں اپنے مظالم کی تم سے معافی مانگتا ہوں تاکہ پتہ لگے کہ تم تائبانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہو۔ شبلی نے کہا بیشک مجھے منظور ہے چنانچہ وہ گئے اور جس جگہ وہ گورنر رہے تھے اس جگہ کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک تمام لوگوں سے یہاں تک کہ غلاموں اور چوہڑوں اور چماروں تک سے بھی انہوں نے معافی مانگی۔ ہر ایک کے دروازہ پر دستک دیتے اور کہتے میں تم سے عاجزانہ معافی مانگتا ہوں میں نے بڑے بڑے ظلم کئے ہیں مگر اب میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں جس سے میں ان مظالم کا ازالہ کرسکوں۔ میں عاجزی اور لجاجت سے معافی مانگتا ہوں اور اپنے قصوروں پر سخت نادم اور شرمندہ ہوں۔ جب وہ ایک ایک شخص سے معافی مانگ کر واپس گئے تب حضرت جنیدؒ بغدادی نے ان کی بیعت قبول کی اور پھر انہوں نے اتنی ترقی کی کہ خود بھی ایک بہت بڑے پایہ کے بزرگ بن گئے۔[۶]

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خلعت ہمیں عطا کیا گیا ہے ہمیں اس کے متعلق ہمیشہ یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ جب ہم خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے تو ہمیں اس کے متعلق جواب دینا پڑے گا۔ آخر دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یا تو اسلام سچا ہے یا جھوٹا۔ اگر اسلام سچا مذہب ہے اور اگر مرنے کے بعد ایک زندگی ہمیں ضرور حاصل ہوگی اور اگر یہ سچ ہے کہ مؤمنوں کو جناتِ عدن عطا کئے جائیں گے تو پچاس ساٹھ سالہ دُنیوی زندگی کے لئے جو شخص کوشش کرتا ہے کیا وجہ ہے کہ اگر اسے مرنے کے بعد کی زندگی پر بھی ایسا ہی یقین ہے تو اس کے لئے دُنیوی زندگی سے ہزاروں گنے زیادہ کوشش نہیں کرتا۔ اگلی زندگی کو اچھا بنانے کے لئے اگر یہاں کسی کو

تکلیف بھی برداشت کرنی پڑے تو اگلی زندگی کے مقابلہ میں اس دنیا کی زندگی کی حقیقت ہی کیا ہے۔ وہ ایک نہ ختم ہونے والی زندگی ہے اور یہ زندگی زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ یا ستّر اسّی سال تک چلی جاتی ہے۔ یہ زندگی تو اس کے مقابلہ میں اتنی بھی حقیقت نہیں رکھتی جتنی پچاس ساٹھ سالہ زندگی کے مقابلہ میں ایک منٹ کی حیثیت ہوتی ہے۔ کیا دنیا میں کوئی بھی انسان ایک منٹ کی تکلیف پر گھبراتا ہے۔ بِالخصوص ایسی حالت میں جب اسے یقین ہو کہ ایک منٹ کے بعد مجھے ساری عمر اور کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ پھر وہ انسان کیسا انسان ہے جو اس دنیا کی تکالیف کو اہمیت دیتا اور اگلے جہان کی زندگی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم پر غور نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو مرنے کے بعد حاصل ہونے والی زندگی پر پورا یقین نہیں ہوتا۔ وہ منہ سے اس زندگی کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کا عمل بتا رہا ہوتا ہے کہ وہ اس زندگی پر قطعاً ایمان نہیں رکھتے اسی لئے ان کی نگاہ میں اعمال بالکل حقیر ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ موقع مل گیا تو عمل کر لیا ورنہ خدا بڑا معاف کرنے والا ہے وہ ہمارے قصوروں کو ضرور معاف کر دیگا۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا خدا معاف کرنے والا ہے مگر ہمارا خدا ایمان برباد کرنے والا نہیں۔ یہ ایمان برباد کرنے والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر تو عمل نہ کیا جائے اور اسکے عفو پر یقین رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بِالصراحت فرمایا ہے کہ مؤمنوں کو مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی زیارت حاصل ہوگی۔ مگر فرماتا ہے اس نظر کے لئے دنیا میں آنکھیں تیار ہوں گی یعنی اس دنیا کے نیک اعمال مؤمن کو ایسی بینائی بخشیں گے جس سے اسے خدا تعالیٰ نظر آ جائے گا۔ پس معافی کا سوال نہیں سوال ان آنکھوں کا ہے جن سے خدا نظر آتا ہے۔ اگر کسی کے پاس ایسی آنکھیں ہی نہیں جن سے خدا نظر آ سکے تو وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ **وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى** [ے] جو شخص اس دنیا میں اندھا ہوگا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جو شخص دنیا میں ظاہری آنکھوں کے لحاظ سے نابینا ہوگا اور وہ اگلے جہان میں بھی نابینا ہوگا۔ یہ تو بڑے ظلم کی بات ہے کہ اس جہان میں بھی ایک شخص کو اندھا رکھا جائے اور اگلے جہان میں بھی اُسے اندھا رکھا جائے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ جو شخص اِس جہان

میں دینی نظر پیدا نہیں کرے گا اُسے اگلے جہان میں بھی خدا کی رؤیت حاصل نہیں ہوگی اور خدا کی رؤیت اتنی اہم چیز ہے کہ اگر خدا کسی مؤمن سے یہ کہہ دے کہ میں تجھے جنت میں تو داخل کر دیتا ہوں لیکن میری رؤیت اور میرا دیدار تجھے حاصل نہیں ہوگا تو وہ ایسی جنت کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک جنت کیا اگر دس ہزار جنت بھی کسی کو دے دی جائے مگر اللہ تعالیٰ کا دیدار اور رؤیت اسے حاصل نہ ہو تو وہ ان جنتوں میں ایک لحظہ کے لئے بھی رہنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ اصل چیز تو محبوب کی ملاقات ہوتی ہے، اگر محبوب کی ملاقات کسی کو میسر نہ ہو تو بڑے بڑے محلات اور نرم نرم بستروں کو لے کر اُس نے کیا کرنا ہے۔ کیا کسی عورت سے یہ کہا جائے کہ ہم تیرے بچے کو تو قتل کر دیتے ہیں مگر تجھے رہائش کے لئے ایک عظیم الشان محل دے دیں گے تو وہ اپنے بچے کے قتل کروانے کے لئے تیار ہو جائے گی؟ کوئی عورت اپنے بچے کے قتل پر دنیا کے سب سے بڑے محل میں بھی رہنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتی۔ پھر وہ مؤمن کیسا مؤمن ہے جو کہتا ہے کہ میرا خدا خواہ مجھے نظر نہ آئے، مجھے جنت میں داخل کر دے۔ میں تو سمجھتا ہوں ایسی حالت میں اسے اگر جنت کی انتہائی چوٹیوں پر بھی بٹھا دیا جائے تو وہ اس جنت پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔ وہ کہے گا میرا خدا مجھے مل جائے چاہے مجھے جہنم میں پھینک دے۔

اس کے بعد میں آپ کو اس سورۃ کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو ابھی میں نے پڑھی ہے۔ یہ ایک مختصر سی سورۃ ہے مگر وسیع مضامین پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ [8] اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے کوثر عنایت کیا ہے۔ کوثر کے معنی ہوتے ہیں وسعت کے اور کوثر کے معنی ہوتے ہیں کَثْـرَۃٌ کے۔ گویا اس کے معنی بہت وسیع یا اکثر لوگوں کے ہیں۔ اکثریت کا لفظ جو اردو میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے اسی کوثر میں سے نکلا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ! اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے وسعت عطا فرمائی ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ [9] پس تو خدا کے حضور دعائیں کر اور قربانیاں پیش کر۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ [10] تیرا دشمن ہی ابتر رہے گا۔ ابتر کے معنی ہوتے ہیں جس کی نرینہ اولاد نہ ہو۔ اس آیت کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کوثر ایک چشمہ ہے جو جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا اور

وَانْحَرْ کے معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کی قربانیاں کر دیں اِس خوشی میں کہ آپ کو جنت میں کوثر عطا ہو گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ جنت میں ایک چشمہ ہو گا جس کا نام کوثر ہو گا۔[۱۱] مگر سوال یہ ہے کہ یہاں جو کوثر کا لفظ ہے اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ ہمیشہ مضمون کے سیاق و سباق سے انسان سمجھا کرتا ہے کہ کسی لفظ کے کیا معنی ہیں۔ مثلاً اردو میں ٹکٹ کا لفظ بولا جاتا ہے ٹکٹ ڈاک کا بھی ہوتا ہے ریل کا بھی ہوتا ہے عدالت کا بھی ہوتا ہے اور تاگے کا بھی ہوتا ہے۔ گویا لفظ تو ایک ہے مگر چار مختلف معنوں پر استعمال ہوتا ہے اگر ڈاکخانہ کے سامنے کھڑے ہو کر کوئی شخص کہے کہ مجھے ایک آنے کا ٹکٹ دے دو اور کلرک اُسے پلیٹ فارم کا ٹکٹ دے دے تو تم اُسے کیسا نامعقول انسان سمجھو گے۔ یا ریلوے اسٹیشن پر جا کر کوئی شخص ٹکٹ مانگے اور کلرک اسے لفافوں پر لگانے والا ٹکٹ دیدے تو ہر شخص اُسے احمق قرار دے گا۔ یا تم بساطی کی دُکان پر جاتی ہو اور کہتی ہو کہ ٹکٹ دے دو تو اگر وہ تاگا کے ٹکٹ کی بجائے تمہیں عدالتی ٹکٹ دے دے تو تم اس کی حماقت پر مسکراؤ گی۔ اسی طرح کوثر کے بے شک یہ بھی معنی ہیں اور حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چشمہ عطا کیا جائے گا جس کا نام کوثر ہو گا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس آیت میں کونسے معنے لگتے ہیں۔ یہاں الفاظ یہ ہیں کہ اے رسول! ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے اس لئے تُو دعائیں کر اور قربانیاں کر، تیرا دشمن لَاوَلَد رہے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ قیامت میں ملنے والے کوثر سے دشمن کے لَاوَلَد رہنے کا کیا تعلق ہے یا اگلے جہاں میں کوثر ملنے پر اس جہان میں اونٹ ذبح کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ پھر تاریخ سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوثر ملنے کی خوشی میں اونٹ ذبح کئے ہوں۔ بے شک چشمۂ کوثر والی بات ٹھیک ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس آیت میں جس کوثر کا ذکر آتا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ جو معنی عام طور پر کئے جاتے ہیں اس سے آیات کا جوڑ آپس میں ملتا ہی نہیں۔ یہ بالکل اَن ملی اور بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے اور کسی معمولی عقل والے انسان کی طرف بھی منسوب نہیں کی جا سکتی کجا یہ کہ اسے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے کہ اے محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! قیامت کے دن تجھے حوضِ کوثر ملے گا۔ تو اونٹ کی قربانی کر، تیرا دشمن لَاوَلَد رہے گا۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں ’’ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ‘‘ نہ پہلی بات کا دوسری سے تعلق ہے نہ دوسری کا تیسری سے تعلق ہے اور نہ ساری باتیں آپس میں مل کر کوئی مفہوم پیدا کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ کوثر کے یہ معنی ہی نہیں بلکہ اس جگہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتا ہے کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے ہر کام میں وسعت بخشی ہے ہم تمہاری جماعت کو بھی بڑھائیں گے، ہم تمہاری تعلیم کو بھی بڑھائیں گے، ہم تمہاری روحانی برکات کو بھی بڑھائیں گے، ہم تمہارے جسمانی رُعب کو بھی بڑھائیں گے، ہم تمہارے نفوس اور اموال میں بھی برکت دیں گے اور یہ تمام ترقیات تجھے عطا کرتے چلے جائیں گے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ لیکن یاد رکھو جب کسی شخص کو اِس طرح وُسعت ملتی ہے دنیا میں اس کے حاسد بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب بھی کسی کو عزت ملے گی، جب بھی کسی کو رُتبہ ملے گا اُس کے حاسد ضرور پیدا ہو جائیں گے اور یہ ایک ایسا قانون ہے جو ہمیں تمام دنیا میں نظر آتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ترقیات کا ذکر کرتے ہی فرمایا کہ جب تجھے ایسا مقام حاصل ہو گا تیری تعلیم بھی برتر ہوگی، تیرا عمل بھی برتر ہوگا، تیری جماعت بھی برتر ہوگی اور ہر روز تجھے ہماری طرف سے ترقیات پر ترقیات حاصل ہوتی چلی جائیں گی تو تیرے اِردگرد کے رہنے والے اور رشتہ دار تجھ پر حسد کریں گے اور وہ سمجھیں گے کہ اب یہ ہمیں کھانے لگا ہے، ہمیں اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ ان حاسدوں کا علاج یہ ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ تُو خدا سے دعائیں کر کہ وہ ان حاسدوں کے حسد سے تجھے بچائے۔ چنانچہ اسی وجہ سے دوسرے مقام پر قرآن کریم نے یہ دعا سکھلا دی کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ [۱۲] گویا فَصَلِّ لِرَبِّكَ میں تو حاسدوں کے حسد کرنے سے بچنے کیلئے صرف دعا کرنے کی تعلیم دی گئی تھی اور سورۃ فلق میں وہ دعا سکھا بھی دی جو ان کے حسد سے بچنے کے لئے ضروری تھی۔

اس کے بعد فرماتا ہے وَانْحَرْ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! تُو قربانی کر۔ یہاں

نحر سے اونٹ کی قربانی مراد نہیں بلکہ اپنی اور صحابہؓ کی قربانی پیش کرنا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ صرف دعائیں کر بلکہ اپنی اور اپنے صحابہؓ کی قربانی بھی پیش کر کیونکہ جس اعلیٰ مقصد کے لئے تُو کھڑا ہوا ہے شیطان اُسے کبھی بھی آسانی کے ساتھ پورا نہیں ہونے دے گا۔ دشمن پورا زور لگائے گا کہ ہم نے جو کوثر تجھے بخشا ہے اس میں تُو ناکام رہے اس لئے تیرا کام یہ ہے کہ تُو جس طرح انسان بکرے یا اونٹ یا گائے کی قربانی سے نہیں ڈرتا اسی طرح تُو بھی اس راہ میں نڈر ہو کر اپنی قربانی کو پیش کر اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے صحابہ کی قربانی بھی پیش کر۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ اگر تُو اس طرح قربانی کرتا چلا جائے گا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دشمن جو آج تجھے مٹانے کی کوشش کر رہا ہے خود مٹ جائے گا اور بجائے اسکے کہ تجھے نابود کرے اور خود نابود ہو جائے گا۔

دیکھو یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو آپس میں ملتی ہیں اور ان معنوں کے رو سے اس آیت کا ہر ٹکڑہ دوسرے ٹکڑہ کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ درحقیقت اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے الٰہی سلسلوں کے قائم ہونے کا طریق بتایا ہے اور فرماتا ہے کہ جب بھی کوئی سچائی قائم ہوگی دشمن اُس کو مٹانے کی پوری کوشش کرے گا۔ ایسی حالت میں دشمن کو اس کی کوششوں میں ناکام کرنے کا ایک طریق تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعائیں کی جائیں اور اُس سے مدد اور نصرت طلب کی جائے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ دین کی حفاظت اور سچائی کی اشاعت کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کی جائیں، نتیجہ یقیناً تمہارے حق میں نکلے گا اور تمہارا دشمن ناکام و نامراد رہے گا۔ گویا اگر فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ پر عمل کیا جائے تو اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کا ظہور بالکل قطعی اور یقینی ہوتا ہے اور جنگوں کے متعلق تو لوگ کہتے ہیں کہ ''جنگ دو سر دارد'' یعنی جنگ کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، اس میں فتح بھی ہو سکتی ہے اور اس میں شکست بھی ہو سکتی ہے۔ مگر وہ جنگ جو خدا تعالیٰ کی خاطر لڑی جائے اور جس میں فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے مطابق دعاؤں سے بھی کام لیا جائے اور قربانیوں سے بھی کام لیا جائے اس کا نتیجہ بالکل قطعی اور یقینی ہوتا ہے کہ دشمن مارا جاتا ہے اور وہ تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس بات پر عمل کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے اس پر کس طرح عمل کیا۔

سب سے پہلی ذمہ داری رسول کریم ﷺ پر تھی اور آپ ہی اس کے اولین مخاطب تھے اس لئے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کا کیا نمونہ پیش کیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب مکہ میں مسلمانوں پر مظالم ہوئے تو صحابہؓ کو آپ نے اجازت دے دی کہ وہ ہجرت کر کے چلے جائیں۔ مگر جب آپ سے کہا گیا کہ آپ بھی کہیں باہر تشریف لے جائیں تو آپ نے فرمایا میں اُس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ہجرت کی اجازت نہ ملے۔ ان کے چلے جانے کے بعد ایک دفعہ کفار کے مختلف قبائل نے یہ منصوبہ کیا کہ ہم سب مل کر آج رات محمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیں [۱۳] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا علم ہو گیا اور آپ نے اپنے بستر پر اپنے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کو جنہیں آپ نے اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا اور جن سے آپ کی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی لٹا دیا اور خود حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ غارِ ثور کی طرف تشریف لے گئے۔[۱۴] یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں تک دُنیوی اسباب کا سوال ہے اس رات جو بھی آپ کے بستر پر لیٹتا اس کا مارا جانا قطعی تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن بہر حال کسی اور کی قربانی پیش کرنی تھی کیونکہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ آپ مکہ سے باہر تشریف لے جائیں۔ پس چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت آپ نے بہر حال جانا تھا اسلئے اب کسی دوسرے کی قربانی کا ہی سوال ہو سکتا تھا۔ یہی ہو سکتا تھا کہ آپ کسی اور سے کہتے کہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور ایسا حکم آپ ہر صحابیؓ کو دے سکتے تھے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم! تُو خود اپنی قربانی پیش کر اس لئے آپ نے اُس روز کسی اور کی قربانی پیش نہیں کی بلکہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی اور روحانی بیٹے اور داماد حضرت علیؓ سے کہا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ یہ اور بات ہے کہ عین موقع پر دشمن کو پتہ لگ گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکل گئے ہیں اور اب ان کے بستر پر کوئی اور شخص لیٹا ہوا ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے حضرت علیؓ کو نہیں مارا۔

لیکن غالب خیال کیا تھا؟ غالب خیال یہی تھا کہ وہ اچانک اندھیرے میں جب اندر داخل ہوتے تو حضرت علیؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر مار دیتے۔ بہرحال اُس روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **وَانْحَرْ** کے حکم کی تعمیل میں کسی اور کو قربانی کے لئے پیش نہیں کیا بلکہ اپنے داماد اور اپنے چچا زاد بھائی کو پیش کیا اور اُس قربانی کے لئے پیش کیا جس میں ان کی جان جانے کا سَو فیصدی احتمال تھا یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا۔ پھر بعد میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے اپنے آپ کو جس رنگ میں قربانی کے لئے پیش کیا ہے وہ بے مثال ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دن کسی نے صحابہؓ سے پوچھا کہ آپ میں سے بڑا بہادر کون تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے سب سے بڑا بہادر وہ شخص ہوا کرتا تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہو۔[۱۵] اس لئے کہ دشمن کا سارا زور اس بات پر صرف ہوتا تھا کہ وہ کسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالے اس لئے آپ کے پاس وہی شخص کھڑا ہو سکتا تھا جو نہایت جری اور دلیر ہو۔ اس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ سب سے زیادہ خطرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتا تھا اسی لئے صحابہؓ بار بار اصرار کرتے تھے کہ آپ لڑائی میں نہ جائیں مگر آپ فرماتے ایسا نہیں ہو سکتا۔

پھر ابتدائی زمانہ میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا شہید ہوئے۔ انہی لڑائیوں میں حضرت علیؓ کو متواتر شامل ہونا پڑا۔ حضرت جعفرؓ بھی انہی لڑائیوں میں شہید ہوئے۔ غرض متواتر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنے خاندان کی قربانی پیش کی اور بعض دفعہ تو اس طرح پیش کی کہ بڑے بڑے عیسائی مؤرخ بھی حیرت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور وہ آپ کی شجاعت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

جنگ حنین ایک مشہور جنگ ہے جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہوئی۔ اس جنگ میں مکہ کے بعض نو مسلم اور کفار بھی شامل ہو گئے تھے۔ انہوں نے جنگ میں شامل ہونے کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور آپ نے اجازت دے دی مگر چونکہ وہ دین سے پوری طرح واقف نہیں تھے، جب اسلامی لشکر نکلا تو متکبرانہ انداز میں انہوں نے آگے آگے چلنا

شروع کر دیا اور یہ دعوے کرنے لگ گئے کہ آج دشمن کو ہم مار ڈالیں گے، ہم اسے تباہ کر دیں گے، وہ ہمارے مقابلہ میں آئے تو سہی ، ہم اُسے دکھائیں گے کہ جنگ کس طرح لڑی جاتی ہے۔جس قوم کے مقابلہ کے لئے یہ اسلامی لشکر روانہ ہوا تھا وہ بہت مشہور تیرانداز تھی۔ایک پہاڑی راستہ پر اُس قوم نے دائیں بائیں اپنے تیرانداز چھپا کر بٹھا دیئے۔جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ فوج آگے نکل گئی وہ سینکڑوں تیرانداز جو درہ میں چھپے بیٹھے تھے انہوں نے یک دم اسلامی لشکر پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ چونکہ درہ تنگ تھا اور حملہ بالکل اچانک تھا اور آگے آگے جانے والے زیادہ تر کفار مکہ یا نَومسلم تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تیروں کی بوچھاڑ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ان کے گھوڑوں اور اونٹوں کے بھاگنے کی وجہ سے صحابہؓ کی سواریوں نے بھی بھاگنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ چار ہزار کا لشکر آپ کے سامنے تھا، دشمن دونوں طرف سے تیر برسا رہا تھا اور آپ ایک تنگ درہ میں صرف بارہ صحابہ کے ساتھ کھڑے تھے کہ آپ کے گھوڑے کی باگ حضرت ابوبکرؓ نے پکڑ لی اور انہوں نے کہا ،یَا رَسُوْلَ اللّٰہ !اب آگے جانا مناسب نہیں جب اسلامی لشکر جمع ہو جائے گا اُس وقت آگے بڑھیں اِس وقت آگے جانا سخت خطرناک ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو آپ نے فرمایا ابوبکر! ابوبکرؓ میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دو۔ خدا کے رسول میدانِ جنگ سے بھاگا نہیں کرتے۔ پھر آپ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آپ دشمن کی طرف بڑھے۔اُس وقت آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ [۱۶] میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ۔مگر تم میرے اس فعل کو دیکھ کر کہ میں اکیلا چار ہزار کے لشکر کی طرف بڑھ رہا ہوں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ میں کوئی خدائی طاقتیں اپنے اندر رکھتا ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اور تمہاری طرح ایک انسان ہی ہوں مگر خدا نے مجھ پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اُن کا تقاضا ہے کہ میں اِس وقت کسی خطرہ کی پرواہ نہ کروں اور دشمن کی طرف بڑھتا چلا جاؤں۔ پھر آپ نے حضرت عباسؓ کو بلایا (ان کی آواز اونچی تھی) اور اُن سے کہا کہ بلند آواز سے پکارو کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے۔اُس وقت آپ نے مہاجرین کا نام

نہیں لیا کیونکہ جن لوگوں کی وجہ سے لشکر میں بھاگڑ مچی تھی وہ مہاجرین کے رشتہ دار اور مکہ کے رہنے والے ہی تھے۔ اس طرح ایک رنگ میں آپ نے اُن پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ جب عباسؓ نے آواز دی اور کہا اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے تو ایک انصاری کہتے ہیں کہ ہمارے گھوڑے اُس وقت اتنے بے قابو تھے اور ہمارے اونٹ اتنے ڈرے ہوئے تھے کہ ہم پورا زور لگا کر اپنے گھوڑوں کی باگیں اور اپنے اونٹوں کی نکیلیں کھینچتے اور اتنا زور لگاتے کہ اُن کا منہ اُن کی کمر سے آلگتا مگر باوجود اس کے کہ ان کے منہ اُن کی کمر سے آلگتے پھر بھی وہ اتنے ڈرے ہوئے تھے کہ جب باگیں ذرا ڈھیلی ہوتیں وہ پھر واپس مکہ کی طرف دوڑ پڑتے۔ مگر وہی صحابی کہتے ہیں جب عباسؓ کی یہ آواز ہمارے کانوں میں آئی کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بُلاتا ہے تو اُس وقت ہم کو یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ہم زندہ ہیں اور اس دنیا میں بس رہے ہیں بلکہ ہمیں یوں معلوم ہوا کہ ہم سب اپنی اپنی قبروں میں پڑے ہیں، حشر کا دن ہے اور اسرافیل فرشتہ ہمیں آواز دے رہا ہے۔ ہم نے اپنی تلواریں نکال لیں اور اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو زور سے موڑنا شروع کیا۔ جن کی سواریاں مڑ گئیں وہ سواریوں پر اور جن کی سواریاں مڑ نہ سکیں انہوں نے تلوار سے اپنی سواریوں کی گردنیں کاٹ کر پیدل **لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَبَّیْکَ** کہتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑنا شروع کیا اور تھوڑی دیر میں ہی سارا لشکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گیا [کا] تو دیکھو کیسا خطرے کا وقت تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ صرف بارہ آدمی آپ کے ساتھ تھے، چار ہزار کا لشکر آپ کے سامنے آیا اور دونوں طرف سینکڑوں تیر انداز کھڑے تھے مگر آپ نے ذرا بھی پرواہ نہ کی بلکہ جب کسی نے آگے بڑھنے سے روکا تو آپ نے یہی کہا کہ خدا کے رسول میدانِ جنگ سے بھاگا نہیں کرتے۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ** کا کامل نمونہ پیش کیا ہے پھر ہم صحابہ اور صحابیات کو دیکھتے ہیں تو ان کی قربانیاں بھی ہمیں اتنی شاندار نظر آتی ہیں کہ جن کی مثال دنیا کی اور کسی قوم میں نہیں ملتی۔

عورت اپنے بچے سے کتنی محبت رکھتی ہے اور عورت کے لئے یہ امر کیسا مشکل ہوتا ہے کہ وہ

اپنے بچے کی وفات کی خبر سُنے اور پھر بھی اپنے جذبات کو غالب نہ آنے دے۔ مگر صحابیاتؓ نے اس بارہ میں بھی جو نمونہ پیش کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

اُحد کی جنگ کا واقعہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم آئے اور آپ بے ہوش ہو کر ایک گڑھے میں جا پڑے کئی اور صحابہؓ آپ کو بچاتے ہوئے شہید ہو گئے اور ان کی لاشیں بھی آپ کے جسم پر جا پڑیں اور آپ اپنے صحابہؓ کی لاشوں کے نیچے دب گئے بعض صحابہؓ نے غلطی سے یہ سمجھا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ چونکہ اس سے پہلے اسلامی لشکر کو فتح ہو چکی تھی اور بہت سا حصہ اسلامی لشکر کا میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ کر آرام کر رہا تھا اس لئے جب انہیں پتہ لگا کہ دشمن نے دوبارہ حملہ کیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو ایک سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں کئی لوگ مدینہ کی طرف چل پڑے اور وہاں جا کر یہ خبر پھیلا دی۔ حضرت عمرؓ بھی انہی لوگوں میں تھے جو اسلامی لشکر کے فتح پانے پر پیچھے ہٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو ایک چٹان پر بیٹھ کر رونے لگ گئے وہ ابھی رو ہی رہے تھے کہ مالکؓ انصاری ایک صحابی حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے اور ان سے کہا عمرؓ! یہ رونے کا کون سا موقع ہے۔ خدا نے اسلام کو فتح دی ہے اور تم رو رہے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ مالک! تمہیں پتہ نہیں کہ بعد میں کیا ہوا۔ انہوں نے کہا کیا ہوا؟ حضرت عمرؓ نے کہا بے شک اسلامی لشکر کو فتح ہوئی تھی مگر بعد میں حالات بدل گئے۔ دشمن نے اچانک حملہ کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ مالکؓ اُس وقت بھوک کی وجہ سے کھجوریں کھا رہے تھے اور آخری کھجور ان کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے کہا عمرؓ! اگر ایسا ہوا ہے تو پھر بھی یہ رونے کا کون سا مقام ہے اگر ہمارا آقا اور ہمارا محبوب شہید ہو چکا ہے تو جہاں ہمارا محبوب گیا ہے ہم بھی وہیں جائیں گے۔ ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم اِس وقت عورتوں کی طرح بیٹھ کر رونے لگ جائیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم دشمن پر حملہ کریں اور مارے جائیں۔ پھر انہوں نے کہا میرے اور جنت کے سوائے اِس کھجور کے (جو اُن کے ہاتھ میں تھی) اور کونسی چیز حائل ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے کھجور کو پھینکا اور جبکہ تمام مسلمان بظاہر لڑائی ختم کر چکے تھے اور اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے اُنہوں نے اکیلے دشمن پر حملہ کر دیا اور اس جوش اور دیوانگی کے ساتھ لڑائی کی کہ جنگ کے

بعد ان کے جسم کے ستر ٹکڑے ملے۔ کوئی شخص اُن ٹکڑوں کو دیکھ کر یہ پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ مالکؓ کی لاش ہے۔ آخر اُن کی بہن نے ایک انگلی کے نشان سے پہچانا اور کہا یہ میرے بھائی کی لاش ہے۔ [۱۸]

اِسی جنگ کا واقعہ ہے کہ جب مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پہنچی تو عورتیں اور بچے اور بوڑھے سب گھبرا کر اُحد کی طرف چل پڑے۔ جب اُحد کے قریب پہنچے تو اُس وقت اسلامی لشکر واپس آ رہا تھا اور اسے علم ہو چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں مگر مدینہ سے آنے والوں کو ابھی اس کا علم نہیں تھا۔ اسلامی لشکر کو آتا دیکھ کر ایک عورت آگے بڑھی اور اس نے ایک مسلمان سپاہی سے بے تابی کے ساتھ پوچھا مجھے بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ چونکہ اُسے پتہ تھا کہ آپ زندہ ہیں اور خیریت کے ساتھ ہیں اس نے اس سوال کو کوئی اہمیت نہ دی اور عورت کو جواب یہ دیا کہ بی بی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تمہارا باپ اِس لڑائی میں مارا گیا اس نے کہا میں تجھ سے پوچھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے اور تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ تمہارا باپ مارا گیا ہے۔ کیا میرے سوال کا یہ جواب ہے؟ تم مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہے۔ اس نے پھر بھی اس کے جذبات کی اہمیت کو محسوس نہ کیا اور کہا بی بی! مجھے افسوس ہے کہ تیرے دو بھائی بھی اس لڑائی میں مارے جا چکے ہیں۔ اس نے پھر غصہ اور غیرت سے کہا تم اور اور باتیں کیوں کرتے ہو مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس نے اب بھی اِس سوال کو کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ اُس کا اپنا دل مطمئن تھا۔ اس نے کہا بی بی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تمہارا خاوند بھی اس جنگ میں شہید ہو گیا ہے۔ عورت نے کہا اے بھائی! میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ تُو مجھے صرف اتنا بتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خیریت سے ہیں۔ عورت نے کہا میں نہیں مانتی مجھے بتاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں کھڑے ہیں؟ میں جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں گی مجھے تسلی نہ ہو گی۔ اُس صحابی نے اشارہ کیا اور کہا دیکھو وہ جو جھنڈا کھڑا ہے وہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تم جاؤ اور اپنی آنکھوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لو۔ وہ عورت دیوانہ وار اُس مقام

کی طرف دَوڑتی جاتی اور نسوانی زبان میں یہ کہتی جاتی کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰه ! آپ نے یہ کیا کیا؟ یَـا رَسُـوْلَ اللّٰـه ! آپ نے یہ کیا کیا؟ یہ ایک ادبی زبان ہے جس کو عورتیں خصوصاً مصیبت کے وقت استعمال کرتی ہیں۔ عورت کا بچہ مرجاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ ہائے بچہ تُو نے کیا کیا؟ حالانکہ موت پر بچے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ مگر جذبات کی فراوانی کی وجہ سے وہ یہ نہیں سمجھتی کہ یہ کسی حادثہ کی وجہ سے مرا ہے، بلکہ سمجھتی ہے کہ شاید میرے دل کو دُکھانے کے لئے مجھ سے جُدا ہوا ہے۔ وہی محبت، وہی جذبات والی محبت جس کو صرف عورت ہی سمجھ سکتی ہے، وہی محبت جس کے متعلق صرف عورت ہی جانتی ہے کہ کس طرح اپنے محبوب سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے، وہی محبت اپنی تمام کیفیات اور جذبات کے ساتھ صحابیاتؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل کر چکی تھیں۔ وہ محبت جو ایک لڑکی کو اپنے باپ سے ہوتی ہے، وہ محبت جو ایک بہن کو اپنے بھائی سے ہوتی ہے، وہ محبت جس کے جوش میں ایک شاعر عورت اپنے خاوند کی یاد میں تڑپتی ہے، وہ محبت جس کے جوش میں بہنیں اپنے ویر کی یاد تازہ رکھتی ہیں اسی محبت اور اسی پیار اور اسی عشق کے ساتھ وہ عورت بھاگتی جاتی اور یہ کہتی جاتی تھی یَـا رَسُـوْلَ اللّٰه ! آپ نے یہ کیا کیا یَـا رَسُـوْلَ اللّٰـه ! آپ نے یہ کیا کیا۔ جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو اس کے گھٹنے لڑکھڑا گئے اور وہ کھڑی نہ رہ سکی۔ عورتوں کے لئے مصافحہ جائز نہیں اس لئے اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو پکڑ کر نہایت محبت کے ساتھ بوسہ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے عورت! ہم تجھ سے ہمدردی کرتے ہیں کہ اس جنگ میں تیرا باپ، تیرا خاوند اور تیرے بھائی سب شہید ہوگئے ہیں۔ اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰه! آپ کی زندگی کے بعد مجھے یہ خیال بھی کس طرح آ سکتا ہے کہ کون مارا گیا ہے جب تک آپ زندہ ہیں تو سب کچھ موجود ہے۔ [۱۹]

اسی جنگ میں حضرت معاذ انصاریؓ کا ایک نوجوان بھائی بھی جو نہایت بہادر اور جری سپاہی تھا مارا گیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت معاذؓ نے اس خوشی میں فخر یہ طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑی ہوئی تھی کہ آج ہم خدا کے رسول کو سلامتی کے ساتھ واپس لائے ہیں اور اِس قابل ہو سکے ہیں کہ مدینہ والوں کو اپنا منہ

دکھا سکیں ۔ وہ آ ہی رہے تھے کہ حضرت معاذؓ کو سامنے سے اپنی ستّر اسّی سالہ بڑھیا ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی ۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ بھاری بھاری قدم زمین پر مارتی ہوئی آ رہی تھی کہ حضرت معاذؓ نے کہا یَـا رَسُـوْلَ الـلّٰـہ ! میری ماں ۔یَـا رَسُوْلَ اللّٰہ! میری ماں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری اونٹنی کو کھڑا کرو کھڑا کر دیا گیا تو وہ عورت آگے بڑھی مگر چونکہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی نظر کمزور تھی اس نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ معاذؓ نے کہا اونٹ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہیں ۔اُس نے پھٹی پھٹی نظروں سے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا اور آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس کی نظر گڑ گئی ۔حضرت معاذ ؓ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے آپ نے فرمایا ۔ بی بی ! مجھے بہت رنج ہے کہ تمہارا نوجوان لڑکا جو اسلام کا بہت خادم تھا آج مارا گیا ہے ۔اس نے پھٹی ہوئی آنکھوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور کہا یَـا رَسُـوْلَ الـلّٰـہ ! آپ بھی کیسی باتیں کر رہے ہیں ۔آپ کو خدا خیریت سے لایا ہے اس وقت میرے بیٹے کی موت حیات کا کیا ذکر ہے ۔[20]

لوگ کہتے ہیں کہ اسلام نے سات سال میں عرب میں تغیر پیدا کر دیا اور چند سالوں میں اس نے دنیا پلٹ دی ۔مگر اسلام کی یہ کامیابی اور اسلام کی یہ فتح کس چیز کا نتیجہ تھی ۔ یہ نتیجہ تھی ان لوگوں کی جدوجہد کا جو رات اور دن اسلام کی خاطر قربانیاں کر رہے اور فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے حکم پر عمل کر رہے تھے ۔کیا مرد اور کیا عورتیں، کیا بچے اور کیا بوڑھے سب کے سب یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کی زندگی ہی اصل زندگی ہے اور یہ کہ اسلام کی موت کے بعد ان کی زندگی کوئی حقیقت نہیں رکھتی ۔یہی چیز تھی جس نے ان کو فتح دی اور یہی چیز ہے جو آج بھی مسلمانوں کو فتح دلا سکتی ہے ۔عمل اور صرف عمل ایک چیز ہے جس کا اسلام بنی نوع انسان سے مطالبہ کرتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے بعد برکت ہی برکت نظر آنے لگتی ہے ۔

اِسی جنگ کا ایک اور واقعہ ہے رسول کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے بعد بعض لوگوں کو اس ڈیوٹی پر مقرر کیا کہ وہ دیکھیں کہ میدانِ جنگ میں کون کون زخمی پڑے ہیں اور جن کی مدد کی جا سکتی ہو ان کی فوری طور پر مدد کی جائے ۔ایک صحابی اسی طرح پھر رہے تھے کہ انہوں

نے مدینہ کے ایک بہت بڑے مسلمان سردار کو دیکھا کہ وہ زخموں کی تکلیف کی وجہ سے تڑپ رہے ہیں اور نزع کی حالت میں گرفتار ہیں۔ وہ جلد جلد ان کے قریب ہوئے اس خیال سے کہ شاید انہیں پیاس لگی ہوئی ہو یا شاید وہ کوئی پیغام دینا چاہتے ہوں۔ قریب پہنچ کر انہوں نے کہا فرمایئے آپ کو کوئی حاجت تو نہیں؟ میں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں ہاں میں انتظار ہی کر رہا تھا کہ کوئی صحابی مجھے ملے اور میں اس کے ذریعہ ایک ضروری پیغام پہنچا دوں۔ پھر انہوں نے کہا آگے آؤ اور میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دو۔ جب انہوں نے اپنا ہاتھ آگے کیا تو اس صحابی کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا میں اس لئے کسی آدمی کا انتظار کر رہا تھا کہ میں چاہتا تھا میرا ایک پیغام میرے قبیلہ والوں کو پہنچ جائے سو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تم مجھے مل گئے ہو۔ میرے قبیلہ کے لوگوں کو میری طرف سے کہہ دینا کہ تمہارے خاندان کا فلاں رئیس مر چکا ہے اور اُس نے مرتے وقت یہ کہا ہے کہ اے میرے عزیزو! دنیا کی سب سے بڑی اور قیمتی امانت جو ہمارے پاس ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے۔ ہم نے اسکی حفاظت کے لئے اپنی جانیں قربان کیں اور اس مقدس امانت کی نگہداشت کے لئے ہم سے جو کچھ ہوسکتا تھا کیا اب ہم جانیں قربان کر کے جا رہے ہیں اور وہ امانت تمہارے سپرد ہو رہی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم بھی اپنی جانیں قربان کر کے اس قیمتی امانت کی حفاظت کرو گے۔ یہ کہا اور جان دے دی۔[۲۱]

دنیا میں لوگ مرتے ہیں مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ کس طرح مرتے وقت ہائے اماں اور ہائے بچو! کے الفاظ ان کی زبان پر ہوتے ہیں مگر اس انسان کو دیکھو کہ مرتے وقت وہ یہ نہیں کہتا کہ میری جائیداد کو یوں سنبھالا جائے، وہ یہ نہیں کہتا کہ میرے بچوں کی اس طرح نگہداشت کی جائے، وہ یہ نہیں کہتا کہ میری بیوی کو یہ پیغام دیا جائے۔ وہ کہتا ہے تو یہ کہ جو کچھ بچ گیا ہے وہ بھی اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربان کر دیا جائے۔

یوں فخر کر لینا کہ ہم مسلمان یا مسلمانوں کی اولاد ہیں اور بات ہے اور کام کرنا اور بات ہے۔ اسلام پر اِس وقت جو نازک دَور آیا ہوا ہے وہ ایسا نہیں کہ مرد اور عورت کی قربانی کے بغیر اس میں سے گزرا جا سکے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہر مرد اور عورت یہ سمجھ لے کہ اب اس کی زندگی اپنی نہیں بلکہ اس کی زندگی کی ایک ایک گھڑی اسلام کے لئے وقف ہے اور اسے سمجھ لینا چاہئے

کہ زندہ رہ کر اگر ذلت کی زندگی بسر کرنی پڑے تو اس سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ وہ اسلام کی خاطر لڑتا ہوا مارا جائے۔ مرد اور عورت دونوں انسان ہیں عورتیں کہا کرتی ہیں کہ ہمارے حقوق ہمیں دیئے جائیں اور جب عورت اپنے حقوق مانگتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ اُس کا دماغ ویسا ہی ہے جیسے مردوں کا دماغ ہے اور اُس کا دل ویسا ہی ہے جیسے مردوں کا دل ہے اور جب حقیقت یہ ہے تو کیا کوئی عورت یہ برداشت کرسکتی ہے کہ وہ ذلت کی زندگی بسر کرے؟ وہ دوسروں کی غلامی کی زندگی بسر کرے؟ وہ دوسروں کی ماتحتی کی زندگی بسر کرے؟ اگر کوئی عورت یہ برداشت نہیں کرسکتی تو ہر عورت اور ہر مرد کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کو اپنی زندگی قربان کرنی پڑے گی تب انہیں عزت اور آزادی کا یہ مقام حاصل ہوگا۔

میں جب قادیان سے لاہور آیا تو بعض بڑے بڑے آدمی مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور انہوں نے کہا اب تو لاہور بھی خطرہ میں ہے بتایئے کیا کیا جائے؟ میں نے کہا لاہور کو ہی خطرہ نہیں سارا پاکستان خطرہ میں ہے۔ جب تم نے پاکستان مانگا تھا تو یہ سمجھ کر مانگا تھا کہ صرف اتنا ٹکڑہ ہمیں ملے گا اس سے زیادہ نہیں۔ اور یہ سمجھ کر مانگا تھا کہ روپیہ ہمارے پاس کم ہوگا، سامان ہمارے پاس کم ہوگا اور ہمیں اپنی حفاظت کے لئے بہت بڑی جدوجہد سے کام لینا پڑے گا۔ یہ نہیں کہ آپ نے مانگا زیادہ تھا اور ملا کم یا آپ نے تو ہندوستان کا اکثر حصہ مانگا تھا اور آپ کو اُس کا ایک قلیل حصہ دے دیا گیا ہے بلکہ جو کچھ آپ لوگوں نے مانگا تھا وہ قریب قریب آپ کو مل گیا ہے اور یہ خطرات جو آج آپ کو نظر آرہے ہیں اُس وقت بھی آپ کے سامنے تھے اس لئے یہ کوئی نئے خطرات نہیں۔ پاکستان کے لئے خطرات ضروری تھے اور اب جبکہ پاکستان قائم ہو چکا ہے پاکستان کے لئے دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یا تو وہ فتح پائے گا یا مارا جائے گا۔ اگر تم فتح حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر تم شکست کھانا چاہتے ہو تو یاد رکھو دنیا میں کوئی مُلک ایسا نہیں جو مغربی پاکستان کے تین کروڑ مسلمانوں کو پناہ دے سکے یا مغربی اور مشرقی پاکستان کے سات کروڑ مسلمانوں کو پناہ دے سکے۔ مشرقی پنجاب میں سے صرف ساٹھ لاکھ مسلمان اِدھر منتقل ہوئے تھے مگر ابھی تک لاکھوں لاکھ آدمی اِدھر اُدھر پھر رہا ہے اور اُسے رہنے کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں ملا حالانکہ وہ لاکھوں آدمی اپنی مرضی

سے نہیں آیا تھا، خود پاکستان کی حکومت نے اُن کو بُلوایا تھا۔ یہ کہہ کر بُلوایا تھا کہ ہم مشرقی پنجاب کی حکومت سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ اس طرف کے مسلمان اِدھر آجائیں اور اس طرف کے ہندو اُدھر چلے جائیں۔ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے، تمہارے لئے زمینوں اور مکانوں کا انتظام کریں گے، تم اپنے گھروں کو چھوڑ و اور مغربی پنجاب میں آجاؤ۔ اِسی اُمید پر انہوں نے اپنے وطن چھوڑے اور اِسی امید پر وہ مغربی پنجاب میں آئے۔ ہم جو قادیان کے رہنے والے ہیں صرف ہماری ایک مثال ایسی ہے کہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ قادیان کو چھوڑیں۔ ہم ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے تھے اور ہمارا ارادہ تھا کہ اگر اِردگرد کے دیہات اور شہروں میں رہنے والے مسلمان اتحاد کر لیں تو اس علاقہ کو نہ چھوڑا جائے مگر چند دنوں کے اندر اندر سارا مشرقی پنجاب خالی ہو گیا۔ مگر باوجود اسکے کہ وہ وہاں سے بھاگے اور اس خیال سے بھاگے کہ پاکستان میں ہمارے لئے جگہ موجود ہے پھر بھی وہ آج چاروں طرف خانہ بدوش قوموں کی طرح پھر رہے ہیں اور انہیں کوئی ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ ان کا یہ خیال کہ ہمیں پاکستان میں رہنے کی جگہ مل جائے گی غلط تھا یا صحیح، سوال یہ ہے کہ اگر مشرقی پنجاب کے ساٹھ لاکھ مسلمانوں کو پاکستان پناہ نہیں دے سکا تو پاکستان کے تین کروڑ مسلمانوں کو کیا بلوچستان پناہ دے گا؟ جس کی اپنی آبادی چالیس لاکھ کے قریب ہے۔ کیا ایران پناہ دے گا؟ جس کی آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے۔ کیا عرب پناہ دے گا؟ جس کی آبادی ۷۰۔۸۰ لاکھ ہے۔ کیا افغانستان پناہ دے گا؟ جس کی آبادی ایک کروڑ سے زیادہ نہیں ہے آخر کون سا اسلامی ملک ہے جس میں تین کروڑ مسلمانوں کے سمانے کی گنجائش موجود ہے۔ اگر پاکستان نے شکست کھائی تو یقیناً اس کے لئے موت ہے پاکستان میں بھی موت ہے اور پاکستان سے باہر بھی موت ہے اور جب موت ایک لازمی چیز ہے تو اب سوال یہ نہیں رہ جاتا کہ مسلمان جائیں کہاں؟ بلکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لاہور کے آگے لڑتے لڑتے مارے جائیں یا کراچی کے سمندر میں غرق ہو کر مریں۔ میں نے کہا یہ دونوں موتیں آپ لوگوں کے سامنے ہیں اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ آپ کونسی موت قبول کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ لاہور کے سامنے دشمن سے لڑتے ہوئے مرنا زیادہ پسند کرتے ہیں یا یہ پسند کرتے ہیں کہ بھاگتے ہوئے کراچی کے سمندر میں غرق ہو جائیں اور مارے جائیں؟

بہرحال پاکستان کے لئے اب سوائے اِس کے کوئی اور چیز نہیں کہ فتح یا موت۔ دوسرے مُلکوں کے لئے تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی جگہ تبدیل کرلیں کیونکہ ان کی آبادی تھوڑی ہے لیکن پاکستان کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں جو پاکستان کے لوگوں کو پناہ دے سکے۔ کسی مُلک سے پاکستان کی آبادی دوگنی ہے اور کسی مُلک سے تین گنی اس لئے کوئی ملک ایسا نہیں جس میں پاکستان کے لوگ سما سکیں بلکہ ان ممالک میں پاکستان کی بیس فیصدی آبادی کا بسانا بھی ناممکن ہے کجا یہ کہ کسی ملک سے دوگنی یا تگنی آبادی کو وہاں بسایا جاسکے۔ پس پاکستان کے ہر مسلمان مرد اور عورت کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے یا تو عزت اور فتح کی زندگی بسر کرنی ہے یا عزت اور فخر کی موت اُس نے مرنا ہے۔ یہی ایک راستہ ہے جس پر ہر شریف انسان کو چلنا چاہئے کہ یا وہ دشمن پر فتح پائے یا عزت کی موت مرے۔

حیدر الدین، میسور کا ایک مسلمان بادشاہ تھا۔ جسے انگریزوں نے بہت بدنام کیا اور اس کے نام پر انہوں نے اپنے کتوں کا ٹیپو نام رکھا۔ یہ آخری مسلمان بادشاہ تھا جس میں اسلامی غیرت پائی جاتی تھی۔ حیدرآباد جو آج کئی قسم کی مشکلات میں پھنسا ہوا ہے اس نے ہر دفعہ میسور کی اس حکومت کو تباہ کرنے کے لئے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ جب بنگلور پر انگریزوں نے آخری حملہ کیا تو سلطان حیدر الدین قلعہ کی ایک جانب فصیل کے پاس اپنی فوجوں کو لڑائی کے لئے ترتیب دے رہا تھا کہ ایک جرنیل اس کے پاس بھاگا بھاگا آیا اور اُس نے کہا بادشاہ سلامت! اِس وقت کہیں بھاگ جایئے کسی غدار نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا ہے اور انگریزی فوج قلعہ کے اندر داخل ہوکر مارچ کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی آرہی ہے ابھی کچھ رستے خالی ہیں آپ آسانی سے ان رستوں کے ذریعہ بھاگ سکتے ہیں۔ حیدر الدین نے نہایت حقارت کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا اور کہا تم کہتے ہو میں بھاگ جاؤں۔ یاد رکھو شیر کی دو گھنٹہ کی زندگی گیدڑ کی دوسَو سال کی زندگی سے بہتر ہوتی ہے یہ کہا اور تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور سپاہیوں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے لڑتا ہوا مارا گیا اور اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ تو جرأت اور بہادری ایسی چیز ہے جو دنیا میں انسان کا نام عزت کے ساتھ قائم رکھتی ہے۔ تاریخوں میں کبھی تم نے بزدلوں کے قصے بھی پڑھے ہیں کہ فلاں نے جنگ کے موقع پر اس طرح بُزدلی،

دکھائی کبھی تم نے بھگوڑوں کے قصے بھی پڑھے ہیں جن کو تاریخ نے یاد رکھا ہو، کبھی تم نے کام چوروں کے قصے بھی پڑھے ہیں تاریخ میں جن لوگوں کو یاد رکھا جاتا ہے وہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو قوم کے لئے قربانیاں کرتے اور اپنی جانوں اور مالوں کی ذرہ بھی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ قربانیاں کرنے والے مرد بھی ہوتے ہیں عورتیں بھی ہوتی ہیں اور بچے بھی ہوتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں بھی ان قربانیوں کی مثالیں پائی جاتی ہیں اور یورپین تاریخ میں بھی ان قربانیوں کی مثالیں پائی جاتی ہیں اور تو اور بعض نابالغ بچوں نے ایسی قربانیاں کی ہیں جن کی مثال بڑے بڑے بہادروں میں بھی نہیں ملتی۔

پس اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کے الفاظ گو ایک رنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتے ہیں۔ مگر ایک رنگ میں آج پاکستان کے ہر فرد کے سامنے یہ الفاظ رہنے چاہئیں۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ خدا نے آپ لوگوں کو ایک آزاد حکومت دے دی ہے۔ جس میں اسلامی طریقوں پر عمل کرنے کا آپ لوگوں کے لئے موقع ہے۔ اب اِس دوسرے حصہ کو پورا کرنا مسلمانوں کا کام ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں، عبادتیں بجا لائیں اور اپنی زندگی کو اسلامی زندگی بنائیں اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ملک اور اپنی قوم اور اپنے مذہب کی عزت بچانے کے لئے ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر مسلمان ان پر عمل کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کرتا ہے کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ وہ دشمن جو آج انہیں کچلنا چاہتا ہے خود کچلا جائے گا۔ وہ دشمن جو انہیں تباہ کرنا چاہتا ہے خود تباہ ہو جائے گا۔ صرف اُس احسان کے بدلے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا ہے کہ اس نے انہیں کوثر بخشا۔ اللہ تعالیٰ ان سے دو باتیں چاہتا ہے ایک یہ کہ وہ اپنا دین درست کر لیں اور عبادت اور دعاؤں اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے دین اور مذہب کیلئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کریں۔ جب وہ ایسا کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یہ مت خیال کرو کہ تم تھوڑے ہو، یہ مت خیال کرو کہ تم کمزور ہو، اگر اس جذبہ اور نظریہ اور ایمان سے تم کھڑے ہو گے تو خدا بے غیرت نہیں، خدا بے وفا نہیں، وہ چھوڑے گا نہیں جب تک وہ اس زبردست دشمن کو جو تم پر حملہ کر رہا ہے تباہ اور

برباد نہ کردے۔

یہ ایک چھوٹی سی سورۃ ہے مگر قومی فرائض اور ذمہ داریوں کی وہ تفصیل جو اس سورۃ میں بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ سے امداد حاصل کرنے کے وہ ذرائع جو اس سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سورۃ آج ہر پاکستانی کے سامنے رہنی چاہئے۔ خصوصاً ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ اس سورۃ کے مضامین پر غور کرے اور اس کے مطابق اپنی عملی زندگی بنائے کیونکہ جماعت احمدیہ نے ایک نیا عہد خدا تعالیٰ سے باندھا ہے اور نئے عہد پُرانے عہدوں سے زیادہ راسخ ہوتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے سامنے اعلان کیا ہے کہ ہم اسلام کی خدمت کریں گے اور ہم اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کر کے اسلام کا جھنڈا دنیا کے کونے کونے میں گاڑ دیں گے۔ جب تک اپنے عمل سے وہ یہ ثابت نہیں کر دیتے کہ ان میں سے ہر مرد اور ہر عورت اس عہد کے مطابق اپنی زندگی بسر کر رہا ہے، جب تک وہ یہ ثابت نہیں کر دیتے کہ اسلام کے لئے فدائیت اور جانثاری کا جذبہ ان کا ایک امتیازی نشان ہے اور وہ اپنی ایک ایک حرکت اسی جذبہ کے ماتحت رکھیں گے اُس وقت تک ان کا یہ دعویٰ کہ ہم اسلام کی خدمت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں ایک باطل دعویٰ ہوگا اور ہر دوست اور ہر دشمن کی نگاہ میں انہیں ذلیل کرنے والا ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہر وہ احمدی مرد اور عورت کو اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں سچے طور پر اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی قربانی کرنے کی طاقت بخشے تاکہ وہ اپنے منہ سے ہی یہ کہنے والے نہ ہوں کہ ہم قربانی کر رہے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فرشتے بھی آسمان پر ان کی قربانیوں کو دیکھ کر تعریف کریں اور ان کی ترقی اور درجات کی بلندی کے لئے دعائیں کریں اور اللہ تعالیٰ موجودہ مصائب سے بچا کر مسلمانوں کو عزت، آزادی اور ترقی کی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(مطبوعہ از پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس انارکلی لاہور)

---

۱ ترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی الفصاحة والبیان

۲

۳ بخاری کتاب التفسیر التفسیر سورة الفتح باب قوله لیغفرلک الله ماتقدم

(الخ) میں "افلا احب ان اکون عبدًا شکورا" کے الفاظ ہیں۔

۴ ورهبانية ن ابتدعوها ماكتبنٰها عليهم (الحديد: ۲۸)

۵ ترمذی ابواب البرو الصلة باب ماجاء فی النفقة علی البنات والاخوات

۶ تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۴۳ تا ۳۴۵۔ از فریدالدین عطار مطبوعہ ۱۹۹۰ء۔ لاہور

۷ بنی اسرائیل: ۴۳ ۸،۹،۱۰ الكوثر: ۲ تا ۴

۱۱ بخاری کتاب التفسیر۔تفسیر سورة الكوثر

۱۲ الفلق: ۱ تا ۶

۱۳ سیرت ابن هشام جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۴ سیرت ابن هشام جلد ۲ صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۵ مسلم کتاب الجهاد باب غزوة حنين

۱۶

۱۷ سیرت ابن هشام جلد ۴ صفحہ ۸۷۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۸ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۸۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۹ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۲۰ سیرت الحلبية جلد ۲ صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۲۱ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

آسمانی تقدیر کے ظہور کیلئے زمینی جدوجہد بھی ضروری ہے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

آسمانی تقدیر کے ظہور کیلئے زمینی جدوجہد بھی ضروری ہے

(افتتاحی تقریر جلسہ سالانہ ۲۸؍ مارچ ۱۹۴۸ء بمقام لاہور)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

دعا کے ساتھ میں اس اجلاس کا افتتاح کرتا ہوں پہلے میں دعا کروں گا اس کے بعد کچھ کلمات افتتاحیہ کہوں گا اور پھر جلسہ اپنے مقررہ پروگرام کے مطابق شروع ہوگا۔

(ان مختصر کلمات کے بعد حضور نے حاضرین سمیت لمبی دعا کروائی اس کے بعد فرمایا:۔)

جیسا کہ دسمبر کے موقع پر اعلان کیا گیا تھا ہمارے جلسہ سالانہ کو دو حصوں میں اس لئے تقسیم کیا گیا تھا کہ گزشتہ موقع پر مستورات کے آنے کے خلاف اعلان کر دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ چونکہ راستہ کی تکلیفوں کی وجہ سے ریل گاڑیوں کی مشکلات کی وجہ سے اور اس جگہ ان کے رہنے کے انتظام میں جو دقتیں حائل ہوں اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے اس موقع پر مستورات اور بچوں کا آنا تکلیف دہ ہوگا اس لئے ہم ایک اور دن مجلس شوریٰ کے موقع پر بڑھا دیں گے تا کہ مستورات کو جو پچھلے جلسہ میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف پہنچی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ اس اعلان کے مدنظر منتظمین کو چاہئے تھا کہ وہ خصوصیت کے ساتھ عورتوں کے لئے انتظام کرتے لیکن مجھے کوئی ایسی رپورٹ نہیں ملی جس سے معلوم ہوتا کہ آیا انتظام کیا گیا ہے یا نہیں۔ اگر ایسا کیا گیا ہے تو بڑی خوشی کی بات ہے اور اگر ایسا انتظام نہیں کیا گیا تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ باوجود جلسہ سالانہ کے دوسرے اجلاس کے پھر بھی وہ غرض پوری نہ ہوسکی جس کے لئے اس جلسہ کا اعلان کیا گیا تھا۔

اس کے بعد میں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اجتماع وہی بابرکت

ہوتے ہیں جو نیک مقاصد اور نیک ارادوں کے ساتھ کئے جائیں۔ یہ چھوٹا سا اجتماع جس میں چند سَو آدمی جمع ہوئے ہیں یا وہ اجتماع بھی جو قادیان میں ہوا کرتا تھا اور جس میں تیس تیس چالیس چالیس ہزار آدمی جمع ہوا کرتا تھا دنیا کی آبادی کے لحاظ سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ دنیا کی موجودہ آبادی دو ارب کے قریب ہے اس دو ارب کی آبادی میں سے تیس چالیس ہزار کے قریب لوگوں کا کہیں جمع ہو جانا کونسی بڑی بات ہے۔ ہمارے سامنے دنیا کے قلوب فتح کرنا ہے اور اس کام کے لئے ہی ہم ہر سال جلسے کرتے ہیں، شوریٰ کرتے ہیں اور مختلف اجلاس منعقد کرتے ہیں۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہم کس سرعت رفتار سے اس مقصد کے حصول کیلئے بڑھ رہے ہیں۔ اگر تو وہ رفتار ایسی ہے جس سے معقول طور پر معقول زمانہ میں اسلام اور احمدیت کو دنیا میں کامیابی حاصل ہو جائے تو اَلْحَمْدُلِلّٰہ بڑی اچھی بات ہے لیکن اگر ہماری رفتار اتنی سست ہے کہ اس کے نتیجہ میں ہمیں صدیوں کا انتظار کرنا پڑے تب کہیں کامیابی حاصل ہو تو یہ نہایت افسوس اور رنج کی بات ہے۔

پس ہماری جماعت کو صرف جلسوں اور اجلاسوں پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ مؤمنانہ جوش اور مؤمنانہ اخلاص اور مؤمنانہ قربانی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت اور تبلیغ اور اشاعت حق کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ جو کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے وہ تو مقدر ہی ہے مگر خدا تعالیٰ کی تقدیر بھی بندہ کی تدبیر سے مل کر کام کیا کرتی ہے۔ بائبل سے معلوم ہوتا ہے اور قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جب باوجود تبلیغوں اور تدبیروں کے اُس زمانہ کی بھیجی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی صداقت کی کامیابی کی کوئی صورت نہ نکلی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے عذاب نازل فرمایا۔ مگر فرماتا ہے ہم نے آسمان سے بھی پانی برسایا اور زمین سے بھی سوتے پھوٹ پڑے اس طرح دونوں نے مل کر دنیا میں تباہی مچادی اور دنیا صرف نوحؑ اور اُس کے ماننے والوں پر مشتمل رہ گئی تو آسمانی تقدیر کے ظہور کیلئے زمینی جدو جہد کی ضرورت بھی ہوا کرتی ہے۔ یہ تمثیل خدا تعالیٰ نے یونہی بیان نہیں کی کہ ہم نے آسمان سے بھی پانی برسایا اور زمین سے بھی پانی پھوٹ پڑا بلکہ یہ تمثیل اس حقیقت کے اظہار کے لئے بیان کی گئی ہے کہ جب تقدیر نازل ہوتی ہے تو اُس کے ساتھ بندے کی تدبیر کا

شامل ہونا بھی ضروری ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں مل کر کامیابی کو اس کی انتہائی منزل تک لے جاتی ہیں۔

پس بے شک خدا کی تقدیر یہی ہے کہ اسلام غالب ہو، خدا کی تقدیر یہی ہے کہ احمدیت غالب ہو، مگر جب تک فَارَ التَّنُّوْرُ والا نظارہ نظر نہ آئے، جب تک زمین کے چشمے بھی نہ پھوٹ پڑیں، جب تک ہماری کوششیں بھی خدائی تقدیر کی تائید نہ کرنے لگیں اُس وقت تک خداتعالیٰ کی مشیت نہیں چاہتی کہ وہ اپنی تقدیر نازل کرے کیونکہ جہاں وہ اپنے نفس کے متعلق غیرت رکھتا ہے وہاں وہ اپنے بندوں کے لئے بھی غیرت مند ہے وہ چاہتا ہے کہ میں کام تو کروں مگر اس میں بندے کا بھی دخل ہو تا کہ جنت میں داخل ہوتے وقت انسان کہہ سکے کہ میرا خدا بڑا مہربان ہے اُس نے مجھے بھی توفیق دی کہ میں اس کے دین کی خدمت کروں اور پھر اس نے اپنے فضل سے اس خدمت کو سراہا اور مجھے اپنے قرب کا انعام بخشا۔

غرض خداتعالیٰ کی مشیت اور اُس کی قدرت میں شُبہ نہیں۔ متواتر خداتعالیٰ کی طرف سے مجھے ایسی خبریں دی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دن گو مصائب اور مشکلات کے ہیں مگر آخر یہ دن کٹیں گے اور خداتعالیٰ کی طرف سے فتوحات کا دروازہ ہمارے لئے کھولا جائے گا۔

آج رات ہی (یعنی رات کے شروع حصہ میں) میں نے ایک نہایت مبشر خواب دیکھا۔ جاگا تو وہ خواب مجھے یاد تھا میں اُس سے لُطف اُٹھاتا رہا مگر دوبارہ سونے کے بعد جب صبح اُٹھا تو وہ خواب مجھے بھول گیا۔ صرف اتنا حصہ یاد ہے کہ ڈلہوزی یا اس کے قریب کا کوئی مقام ہے وہاں ہم ہیں اور اُس جگہ ہم نے کوئی بات شروع کی ہے آنکھ کھلنے پر سب باتیں مجھے یاد تھیں مگر جب میں دوبارہ سویا اور سو کر اُٹھا تو وہ باتیں مجھے بھول گئیں لیکن بہرحال وہ مبارک باتیں تھیں۔

اس کے بعد صبح میں نے دیکھا کہ گویا میں قادیان میں ہوں۔ وہ چوک جو مسجد مبارک کے سامنے ہے میں نے دیکھا کہ اُس میں کچھ سکھ سوار ہیں اور اُن کے پاس رائفلیں بھی ہیں وہ گھوڑوں پر ہیں یا اونٹوں پر اِس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو قادیان کے مشرقی یعنی دارالانوار کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ مشرق کی طرف دارالانوار اور پُرانے قادیان کے درمیان جو علاقہ ابھی خالی ہے اُس پر ہوتے ہوئے میں نے دیکھا کہ

میں جنوب کی طرف ننگل گاؤں کی طرف جارہا ہوں۔ میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ میرے ایک ساتھی نے مجھے اشارہ کیا کہ دیکھیں! کھیت میں کچھ تلیر اُترے ہیں پچاس، ساٹھ یا سَو کے قریب تلیر ہیں۔ گویا ان کی ایک ڈار وہاں آکر اُتری ہے اور اس خواہش سے اُس نے مجھے اشارہ کیا ہے کہ مجھے ان کا شکار کرنا چاہئے۔ میں نے اسے کہا کہ اچھا بندوق منگواؤ خواب میں مَیں ایسا سمجھتا ہوں کہ بندوق ساتھ ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ساتھ نہیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد جب میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے تو مجھے بتایا گیا بندوق لینے کیلئے آدمی گئے ہیں۔ اُس وقت میں خواب میں سمجھتا ہوں کہ شیخ نورالحق صاحب جو ہماری زمینوں کے دفتر کے انچارج ہیں اور مولوی نورالحق صاحب مبلغ یہ دونوں نورالحق نامی بندوق لینے کیلئے گئے ہیں۔ میں ان کی آمد کا انتظار کر رہا تھا کہ اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ وہ سکھ سوار جو چوک میں کھڑے تھے وہ اپنی سواریوں پر بیٹھے ہوئے رائفلیں لگائے مشرق کی طرف بھاگے چلے جارہے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے ایک گڈہ بھی ہے جس پر بستر اور گھر کا سامان وغیرہ معلوم ہوتا ہے۔ میں انتظار کی حالت میں ایک عمارت کے برآمدہ میں ٹہلنے لگا۔ اسی دوران میں ایک شخص میرے پاس آیا اس کی ڈاڑھی ایسی ہے جیسے مسلمانوں کی ڈاڑھی ہوتی ہے یعنی تراشی ہوئی ہے اور مونچھیں بھی شریعت کے مطابق ہیں۔ میں اُس کی شکل وصورت سے خیال کرتا ہوں کہ غالباً یہ مسلمان ہے۔ اس نے مجھے آکر کہا آپ میری امداد کریں کچھ لوگ مجھے دِق کرتے ہیں لوگوں سے مراد میں سمجھتا ہوں کہ احمدی نہیں بلکہ غیر احمدی ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ اسے دِق کرتے ہیں اور کچھ بوتلیں اس کے گھر میں رکھ جاتے ہیں۔ مَیں خواب میں سوچتا ہوں کہ وہ بوتلیں شاید تیزابی مادہ کی ہوتی ہوں گی یا شراب کی بوتلیں ہوں گی جو لوگ اُس کے گھر میں رکھ جاتے ہوں گے تا کہ ناجائز شراب رکھنے کے الزام میں اسے پکڑوا دیں۔ مجھے خیال تھا کہ چونکہ اس کی شکل مسلمانوں والی ہے اس لئے وہ مسلمان ہی ہوگا مگر جب میں نے اس سے نام پوچھا تو اس نے مجھے اپنا نام ہندوانہ بتایا۔ تب میں نے اسے کہا یہ معاملہ پولیس سے تعلق رکھتا ہے میں تو صرف نصیحت کر سکتا ہوں تم پولیس کو اطلاع دے دو اس کا فرض ہے کہ وہ اچھے شہریوں کی امداد کرے اور اس فرض کی وجہ سے وہ تمہاری بھی ضرور امداد کرے گی۔ باقی جہاں تک میں نصیحت کر سکتا

ہوں وہ بھی کروں گا۔ پھر میں نے اس شخص سے کہا دیکھو تم ہندو ہو اور تم میرے پاس امداد کے لئے آئے ہو مگر تمہارے جیسی بے مروت قوم میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ میرے پاس سینکڑوں خطوط ہندوؤں کے موجود ہیں جن میں اُنہوں نے اقرار کیا ہوا ہے کہ مصیبتوں اور تباہیوں کے وقت صرف احمدیوں نے اُن کی جانیں بچائیں اور ہر جگہ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر ان کی حفاظت کی (میں صرف خواب میں ہی ایسا نہیں کہہ رہا بلکہ واقعہ میں ایسے سینکڑوں خطوط ہندوؤں کے ہمارے پاس موجود ہیں) پھر میں اُس سے کہتا ہوں کہ اِس وقت میری جیب میں بھی ایک خط پڑا ہوا ہے جس میں ایک ہندو نے اقرار کیا ہے کہ آپ کی جماعت نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر ہماری جانیں بچائیں (اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اُس وقت میرے کوٹ کی جیب میں ایسا خط پڑا ہوا تھا) مگر باوجود اس کے کہ ہر جگہ ہم نے تمہاری جانوں کی حفاظت کی، تمہارے مالوں کی حفاظت کی، تمہاری عزت و آبرو کی حفاظت کی، تمہارا جس جگہ بھی بس چلا اور جس جگہ بھی تمہارا زور چلا تم نے ہمارے آدمیوں کو مارا۔ پس تمہارے جیسی بے مروت قوم دنیا میں اور کوئی نہیں۔ پھر میں نے اسے کہا تم اپنی موجودہ حالت پر خوش نہ ہو ایک زمانہ آنے والا ہے جب ہندوستان میں کوئی ہندو نظر نہیں آئے گا۔ جب میں نے یہ کہا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بالا طاقت مجھ سے یہ الفاظ کہلوا رہی ہے۔ اس پر خود میرے نفس نے مجھ سے سوال کیا کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ہندوستان میں کوئی ایک ہندو بھی باقی نہ رہے۔ تب خواب میں ہی میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ اگر ہم خدا تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اسلام کی زور شور سے تبلیغ کریں گے تو پھر سارے ہندو مسلمان ہو جائیں گے اُس وقت ہندو اور مسلمان کی کوئی تمیز نہیں رہے گی اور سارے کے سارے ہندو مسلمان ہو جائیں گے۔ اُس کے بعد اس شخص نے کہا لیکھرام نے خواہش کی تھی کہ اسے قادیان آنے کا موقع دیا جائے میں اُس وقت خواب میں سمجھتا ہوں کہ لیکھرام قادیان کے مشرق کی طرف کی جگہ پر ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ گورنمنٹ سوچ رہی ہے کہ اسے قادیان میں آنے کا موقع دے یا نہ دے۔ اُس وقت اُس نے یہ کہا یا میرے دل میں خیال گزرا کہ لیکھرام ایک دفعہ قادیان میں آیا تھا اور اس نے مشرقی قادیان میں ایک تقریر بھی کی تھی۔ جب اس نے کہا کہ لیکھرام قادیان آنے کی خواہش

رکھتا ہے تو میں نے اسے جواب میں کہا کہ یہ معاملہ حکومت وقت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، وہ جو چاہے کرے۔ لیکن معاً مجھے خیال آیا کہ اسے تو مرے ہوئے پچاس سال گزر چکے ہیں تب میں اسے کہتا ہوں دیکھو پچاس سال ہو چکے جب وہ مارا گیا تھا اور تم اس کا اب ذکر کر رہے ہو۔ پھر میں نے اسے کہا کہ جس لیکھرام کا تم ذکر کرتے ہو اس کی عمر کیا ہے؟ کیا پچاس سال سے اوپر ہے یا پچاس سے نیچے ہے؟ اس نے کہا پچاس سال کے قریب ہے۔ جب اُس نے کہا لیکھرام کی عمر اس وقت پچاس سال کے قریب ہے تب میں کہتا ہوں اگر ہندو قوم یہ بھی کہہ دے کہ لیکھرام مارا نہیں گیا تھا بلکہ حملہ سے بچ گیا تھا، تب بھی اِس وقت اُس کی عمر نوے سال سے اوپر ہونی چاہئے اور تم کہتے ہو کہ اس کی عمر پچاس سال سے نیچے ہے۔ معلوم ہوتا ہے دنیا کو دھوکا دینے کیلئے کوئی اور آدمی کھڑا کر دیا گیا ہے جس کا نام لیکھرام رکھ دیا گیا ہے یہ کیا چالاکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہندو قوم سمجھتی ہے ہم اس طرح ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا لیکھرام کھڑا کر دیں گے اور دنیا کو بتا دیں گے کہ لیکھرام زندہ ہے ورنہ خدا کی پیشگوئی کے مطابق تو وہ مارا جا چکا ہے اور یہ صرف مصنوعی نام ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک گاڑی آ رہی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر وہ لوگ سوار ہیں جن کو بندوق لینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وہ گاڑی تانگا کی شکل کی ہے مگر دراصل رتھ ہے۔ جب سواریاں اُتریں تو میں نے دیکھا کہ اُترنے والے شیخ نورالحق صاحب، مولوی نورالحق صاحب مبلغ اور میاں بشیر احمد صاحب تھے اور ان کے ہاتھ میں بندوق تھی اس پر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سمجھا کہ نورالحق روشنی کے معنوں میں ہے اور شیخ کے لفظ سے میں اب سمجھتا ہوں کہ نومسلموں کے لئے عام طور پر شیخ کا لفظ ہی بولا جاتا ہے خود تو وہ نَومسلم نہیں۔ پُرانے زمانہ میں ان کے آباء واجداد میں سے کوئی نَومسلم ہوا ہو تو اور بات ہے بہرحال شیخ نورالحق صاحب، مولوی نورالحق صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب تینوں نام ایسے ہیں جو خواب کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ان ناموں سے ہندوؤں سے مسلمان ہونے والے اور بیرونی ممالک میں سے مسلمان ہونے والے لوگ مراد ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اسلام اور احمدیت کی ترقی کی بھی بشارت ہے۔

اسی طرح چند دن ہوئے میں نے دیکھا کہ میں ایک جگہ پر بیٹھا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی محبت

کی شدت میں رو رہا ہوں اور اس قدر خدا تعالیٰ کی محبت میرے دل میں پیدا ہو رہی ہے کہ میرا جسم اندر سے گداز ہو کر اس طرح بہہ رہا ہے جیسے نہر جاری ہوتی ہے۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی بجائے پانی کا ایک چشمہ جاری ہے اور میری ناک سے بھی پانی کی ایک نہر رواں معلوم ہوتی ہے اور باوجود اس کے کہ آئینہ میرے سامنے نہیں، میں اپنے آپ کو اسی طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح آئینہ سامنے ہونے کی حالت میں انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ میں اپنے نتھنوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے ان میں بڑے بڑے سوراخ نظر آتے ہیں۔ وہ پھولے ہوئے ہیں اور پانی کی سوزش کی وجہ سے اندر سے نہایت سرخ ہیں اور آنکھوں کو دیکھتا ہوں تو ان سے بھی پانی بہتا چلا جاتا ہے۔ اُس وقت میں کہتا ہوں یہ آنسو نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے میرا نفس گداز ہو کر بہہ رہا ہے۔

اسی طرح چند دن ہوئے میں نے دیکھا کہ میں اپنے آپ کو بغیر آئینہ کے دیکھ رہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ میں اٹھارہ بیس سال کا ہوں۔ میری ڈاڑھی مونچھ نہیں اور میرا رنگ موجودہ رنگ سے بہت سفید ہے۔ خواب میں مجھے اپنی عمر پر کوئی تعجب نہیں آتا لیکن رنگ کے متعلق میں کسی سے کہتا ہوں کہ جتنا سفید رنگ میرا پہلے تھا اب اس سے بہت زیادہ صاف اور سفید ہو گیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ پرسوں ایک فوجی افسر مجھ سے ملنے کیلئے آئے وہ سیالکوٹ سے آئے تھے اُنہوں نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی بزرگ کے متعلق دیکھے کہ اس کی ڈاڑھی مونچھ نہیں تو اس کی کیا تعبیر ہوگی۔ میں نے کہا موقع کے لحاظ سے تعبیر ہوگی۔ بعض حالتوں میں اس کی تعبیر بُری سمجھی جائے گی اور بعض حالتوں میں اس کی تعبیر اچھی سمجھی جائے گی۔ تب میرے یہ کہنے پر کہ اس کی اچھی تعبیر بھی ہوسکتی ہے انہوں نے ذکر کیا کہ میں نے تو آپ کو ہی دیکھا تھا کہ آپ کی ڈاڑھی مونچھ نہیں ہے۔ اُس وقت مجھے خیال آیا کہ آپ کی ڈاڑھی مونچھ کیوں نہیں؟ تو خود ہی یہ جواب سمجھ میں آیا کہ اس لئے کہ پھر سارے بال یکساں نکلیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو یہ خواب دیکھے کتنے دن ہو چکے ہیں؟ اُنہوں نے بتایا کہ چار پانچ دن ہوئے ہیں۔ اور ٹھیک چار پانچ دن پہلے میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا چنانچہ میں نے اپنے خواب کا بھی ان سے ذکر کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ خواب میں مَیں نے بھی یہی دیکھا ہے کہ آپ کا

رنگ پہلے سے بہت زیادہ اُجلا ہے۔

یہ خوابیں بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کا مستقبل تاریک نہیں جیسے لوگ سمجھتے ہیں۔ یقیناً خدا ہم کو ان مشکلات پر غالب آنے کی توفیق بخشے گا اور یقیناً ہم کو نہ صرف ان مشکلات پر غالب آنے کی توفیق بخشے گا بلکہ ہمارے ذریعہ اللہ تعالیٰ پھر ہندوستان میں اسلام کی روحانی حکومت قائم کر دے گا اور روحانی حکومت کے قیام کے بعد جسمانی حکومت اس کے تابع ہوا کرتی ہے۔ اگر سب لوگ مسلمان ہو جائیں تو حکومت آپ ہی آپ اسلام کی ہو جائے گی۔ یوں ہمیں حکومت کی کوئی لالچ نہیں، ہمیں سلطنت حاصل کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہمیں اگر دلچسپی ہے تو اس سے کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام قائم ہو جائے۔ ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ زید وزیر اعظم بنتا ہے یا بکر وزیر اعظم بنتا ہے۔ زید گورنر بنتا ہے یا بکر گورنر بنتا ہے۔ ہماری اتنی اور صرف اتنی خواہش ہے اور یہی ہر مؤمن کی خواہش ہونی چاہئے کہ دنیا کا گورنر جنرل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور دنیا پر پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حکومت قائم ہو جائے۔ اس مقصد کے حاصل ہونے میں خواہ ہمارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، خواہ ہمارے بچے اور بیویاں اور دوسرے رشتہ دار ہماری آنکھوں کے سامنے مارے جائیں، وہ ہمارے لئے خوشی کا دن ہو گا رنج کا نہیں، کوفت کا نہیں کیونکہ اگر ہمارے مرنے سے پہلے ہم کو یہ خوشخبری مل جائے کہ تم تو مارے جاتے ہو مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہو رہے ہیں تو وہ موت ہمیں ہزاروں بلکہ لاکھوں زندگیوں سے زیادہ پیاری ہوگی۔ پس اس روح اور جذبہ سے کام کرو اور اپنی سستیوں اور غفلتوں کو دور کرو۔ اب سستیوں اور غفلتوں کے دن نہیں۔ اگر تم اپنے اندر نیک اور پاک تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو مت سمجھو کہ تم تھوڑے ہو۔ تھوڑے ہونا کوئی بات نہیں كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ[2]

(الفضل لاہور ۱۸؍اپریل ۱۹۴۸ء)

۱؎ هود: ۴۱

۲؎ البقرة: ۲۵۰

سیر روحانی (۴)

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیر روحانی (۴)

(تقریر فرمودہ ۲۸؍ مارچ ۱۹۴۸ء بمقام لاہور)

عالَمِ روحانی کا بلند ترین مینار

یا

مقامِ محمدیت

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ اور دعا کے پیغام

قادیان میں مقیم احمدی احباب اور امریکہ کی جماعت کی طرف سے بذریعہ تار یہ پیغام آئے ہیں کہ تمام حاضرین جلسہ تک اُن کی طرف سے اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ پہنچا دیا جائے اور دعا کی درخواست کی جائے۔

امریکہ کے نَومسلموں کی مالی قربانی

حضور نے امریکہ کی جماعتوں کی مالی قربانی پر خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

اِس دفعہ انہوں نے چندہ تحریک جدید میں سالِ گزشتہ کی نسبت دوگنی سے زیادہ رقم دی ہے۔ ان کا سالانہ چندہ دس ہزار ڈالر یعنی بیس پچیس ہزار روپیہ تک ہو جاتا ہے ایسے ملک کی طرف سے جو اسلام کے خلاف شدید تعصب رکھتا ہے اور جو ہر سال کروڑوں روپیہ عیسائیت کی تبلیغ کیلئے خرچ کرتا ہے یہ رقم بظاہر معمولی نظر آتی ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہاں پر

اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ہر سال بڑھ رہی ہے۔ نئی نئی جماعتیں قائم ہو رہی ہیں اور وہاں کے نومُسلم اپنی قربانی اور اخلاص میں ترقی کر رہے ہیں تو پھر یہ رقم معمولی رقم نظر نہیں آتی یہ رقم یقیناً پچیس ہزار سے پچیس لاکھ، پچیس لاکھ سے پچیس کروڑ اور پچیس کروڑ سے پچیس ارب بننے والی ہے۔اِنْشَاءَ اللّٰہ تَعَالٰی۔

ہالینڈ اور جرمن کے نومُسلم

حضور نے اِس امر پر بھی خوشی ظاہر فرمائی کہ ہالینڈ اور جرمنی کے نومسلموں میں دیگر ممالک کی نسبت تبلیغ اسلام کا بہت زیادہ جوش پایا جاتا ہے۔ان میں یہ خواہش بھی پائی جاتی ہے کہ وہ اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آئیں اور یہاں پر اسلامی تعلیم حاصل کر کے واپس جائیں اور اپنے ملکوں میں تبلیغ کریں چنانچہ ایک جرمن نومسلم جن کا اسلامی نام عبدالشکور رکھا گیا ہے ان کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ اُن کے پاسپورٹ کا انتظام ہو رہا ہے اور وہ عنقریب تعلیم حاصل کرنے کیلئے یہاں آ جائیں گے۔

(الفضل لاہور ۳۰ ؍مارچ ۱۹۴۸ء)

میری آج کی تقریر کا موضوع ’’سیرِ روحانی‘‘ ہے یہ میری اِس مضمون کی تقریروں کا چوتھا نمبر ہے۔ ان تقریروں کا محرّک میرا ایک سفر ہوُا تھا جو مَیں نے ۱۹۳۸ء میں کیا۔ میں اس سال پہلے سندھ گیا وہاں سے کراچی، کراچی سے بمبئی اور بمبئی سے حیدرآباد کا سفر کیا۔ ہر جگہ کے دوستوں نے مجھے وہاں کی اہم اور قابلِ دید جگہیں دکھانے پر اصرار کیا اور چونکہ میری ایک بیوی، بیٹی اور ہمشیرہ بھی ساتھ تھیں، اس لئے مَیں نے ضروری سمجھا کہ یہ قدیم آثار خود بھی دیکھوں اور ان کو بھی دکھاؤں، خصوصاً حیدرآباد، آگرہ اور دلّی کے پُرانے آثار دیکھنے کا ہمیں موقع ملا۔ جب ہم دلّی پہنچے تو ہم غیاث الدین تغلق کا قلعہ دیکھنے کے لئے گئے یہ قلعہ ایک اونچی جگہ پر واقع ہے اور ٹوٹا ہوُا ہے، لیکن سیڑھیاں قائم ہیں میری ایک بیوی اور لڑکی اس قلعہ کے اوپر چڑھ گئیں۔ میں اُس وقت نیچے ہی تھا اوپر چڑھ کر انہوں نے مجھے کہا کہ یہاں بڑا اچھا نظارہ ہے، ساری دلّی اس قلعہ پر سے نظر آ رہی ہے آپ بھی آئیں اور اس نظارہ سے لُطف اندوز ہوں۔ میرا سر چونکہ اونچائی پر چڑھنے سے چکرانے لگتا ہے اس لئے پہلے تو مَیں نے انکار کیا، لیکن پھر ان کے اصرار پر مَیں بھی اوپر چڑھ گیا اور مَیں نے دیکھا کہ واقعہ میں وہ ایک عجیب نظارہ تھا۔

ساری دلّی نظر آ رہی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ایک فلم آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہو، نہ صرف نئی اور پُرانی دلّی بلکہ اس کے قلعے، مزار، لاٹیں اور مسجدیں سب آنکھوں کے سامنے تھیں اور ایک ہی وقت دلّی کے یہ پُرانے آثار تاریخی شواہد کو میرے سامنے پیش کر رہے تھے۔

مَیں نے ان آثار کو دیکھا اور اپنے دل میں کہا کہ ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جس کی کسی نہ کسی خاندان سے یا کسی نہ کسی قوم یا مذہب سے نسبت ہے۔ یہ آثار اِن قوموں کے لئے فخر کا موجب تھے، لیکن آج وہ قومیں مٹ چکی ہیں اور ان آثار کو بنانے والوں کا نام ونشان بھی نہیں پایا جاتا، بلکہ بعض جگہوں پر تو اُن کا دشمن قابض ہے اور وہ قومیں جنہوں نے یہ یادگاریں قائم کی تھیں محکومیت اور ذلّت کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ یہ ایک عبرت کی بات تھی جو میرے دل میں پیدا ہوئی اور مَیں سوچتے سوچتے انہی خیالات کی رَو میں کھویا گیا اور میری توجہ ان یادگاروں پر مرکوز ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے پیچھے سے آواز آئی کہ اب آجائیں بہت دیر ہوگئی ہے، لیکن میرے خیالات کی رَو میرے قابو سے باہر تھی۔ مَیں نے اُس وقت سوچا اور غور کیا کہ یہ مادی آثار جو دنیا میں اپنی یادگاریں قائم کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں، کیا ان کے مقابلہ میں ہمارے خدا نے بھی کچھ آثار بنائے ہیں؟ اور اگر بنائے ہیں تو ان خدائی آثار اور یادگاروں کی کیا کیفیت ہے اور یہ مادی آثار ان کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں؟ مَیں نے سوچنا شروع کیا کہ جن لوگوں نے یہ قلعے بنائے اور دنیا کے سامنے اپنی طاقت اور قوت کا مظاہرہ کیا، کیا اس کے مقابلہ میں ہمارے خدا نے بھی کوئی قلعہ بنایا ہے۔ یا جن لوگوں نے دنیا میں بڑے بڑے مینار بنائے ہیں کیا ان کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے بھی کوئی مینار قائم کیا ہے۔ اسی طرح دُنیوی مینا بازاروں کے مقابلہ میں کیا خدا تعالیٰ نے بھی کوئی مینا بازار بنایا ہے یا دُنیوی دیوانِ عام اور دُنیوی دیوانِ خاص جو بادشاہوں نے بنائے، کیا ان کے مقابلہ میں روحانی عالَم میں بھی کوئی دیوانِ عام اور دیوانِ خاص پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ دریا اور سمندر جو قدرتی طور پر دنیا میں بہہ رہے ہیں، کیا ان کے مقابلہ میں اسلام میں بھی کوئی ایسی یادگاریں پائی جاتی ہیں؟ آخر سوچنے اور غور کرنے کے نتیجہ میں میرے دل میں قرآن کریم کی کئی آیات آتی چلی گئیں اور مجھے معلوم ہؤا کہ یہ دنیا کی یادگاریں انہی یادگاروں کا صرف ایک ظاہری نشان ہیں اور یہ آثار ان روحانی آثار کی طرف توجہ دلانے

کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ ورنہ اصل یادگاریں وہی ہیں جو خدا تعالیٰ نے بنائی ہیں اور جو دنیا کی دست بُرد سے پاک ہیں۔ جب میں یہاں تک پہنچا تو بے اختیار میرے مُنہ سے یہ فقرہ نکلا، ''مَیں نے پالیا۔مَیں نے پالیا'' میری لڑکی امۃ القیوم بیگم جو میرے پیچھے ہی کھڑی تھی، اس نے کہا ابا جان آپ نے کیا پالیا؟ میں نے کہا میں نے بہت کچھ پالیا ہے لیکن میں اب تمہیں نہیں بتا سکتا، میں جلسہ سالانہ پر تقریر کرونگا تو تم بھی سُن لینا کہ مَیں نے کیا پایا ہے۔

سیرِ روحانی پر پہلی تقریر چنانچہ مَیں نے پہلی تقریر ۱۹۳۸ء میں کی جس میں مَیں نے تین مضامین بیان کئے تھے۔

اوّل وہ آثار قدیمہ جو قرآن کریم نے پیش کئے ہیں۔

دوم قرآن کریم ایک وسیع سمندر کو پیش کرتا ہے۔

سوم قرآن کریم ایک وسیع جنتر منتر کو پیش کرتا ہے۔

دوسری تقریر ۱۹۴۰ء میں مَیں نے دوسری تقریر کی جس میں مَیں نے یہ ذکر کیا کہ قرآن کریم بھی ایک قلعہ پیش کرتا ہے جس کے مقابلہ میں دُنیوی قلعے کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور قرآن کریم بھی ایک وسیع مسجد پیش کرتا ہے ایسی مسجد جس کے مقابلہ میں مٹی اور اینٹوں کی بنائی ہوئی مسجدیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

تیسری تقریر ۱۹۴۱ء میں مَیں نے یہ بیان کیا کہ دنیا کے مقابر کے مقابلہ میں اسلام نے کونسے مقابر پیش کئے ہیں اور دُنیوی مین بازاروں کے مقابلہ میں اسلام نے کونسا مینا بازار پیش کیا ہے۔نو(۹) مضمون ابھی باقی ہیں جن میں مَیں نے اپنے خیالات کا ابھی تک اظہار نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ ان نو(۹) مضامین میں سے آج صرف ایک مضمون کو بیان کردوں۔

فضائل القرآن پر لیکچر ۱۹۴۱ء کے بعد اس وقت تک مجھے اس مضمون پر بولنے کا موقع نہیں ملا، کیونکہ درمیان میں بعض اور ضروری مضامین آ گئے تھے جن کے متعلق تقریر کرنا ضروری تھا، اسی طرح ایک اور مضمون بھی نامکمل چلا آ رہا ہے جو فضائل القرآن کا مضمون ہے۔

پانچ لیکچر مَیں اس مضمون پر دے چکا ہوں، لیکن ابھی بہت سے لیکچر باقی ہیں۔ درمیانی عرصہ میں مختلف حالات کی وجہ سے جو مضامین آ جاتے رہے ہیں ان کی وجہ سے یہ دونوں مضمون ابھی نامکمل ہیں، لیکن بہر حال مَیں آج سیر روحانی کے ایک پہلو کو بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

مادی میناروں کے مقابلہ میں اسلام کا پیش کردہ مینار

میں نے بیان کیا تھا کہ میں نے اپنے سفر میں بڑے بڑے بلند مینار دیکھے، ایسے مینار جو آسمان سے باتیں کر رہے تھے، جیسے قطب صاحب کی لاٹ ہے یا تغلق شاہ کی لاٹ ہے۔ میں نے ان بلند و بالا میناروں کے دیکھنے کے بعد غور کیا کہ کیا قرآن کریم میں بھی کسی بلند تر روحانی مینار کا ذکر پایا جاتا ہے اور یہ کہ اس مینار کے مقابلہ میں دُنیوی مینار کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

مینار کیوں بنائے جاتے ہیں؟

جب میں نے یہ سوچا تو پہلا سوال میرے دل میں یہ پیدا ہؤا کہ مینار کیوں بنائے جاتے ہیں؟ اور کیا وہی اغراض قرآن کریم کی کسی پیش کردہ چیز سے پوری ہوتی ہیں یا نہیں؟

عالَمِ بالا کے اسرار معلوم کرنے کی جستجو

اس نقطہ نگاہ سے جب میں نے میناروں کی تاریخ پر غور کیا، تو مجھے معلوم ہؤا کہ مینار بنانے کا پہلا موجب یہ تھا کہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ آسمان کسی محدود فاصلہ پر واقع ہے اور وہ کسی اونچی جگہ پر جا کر یا تو آسمان پر چڑھ جائیں گے اور یا اس قابل ہو جائیں گے کہ فرشتوں اور ارواح کے ساتھ باتیں کر سکیں اور آسمانی نظاروں کو دیکھ سکیں۔ گویا میناروں کی تعمیر کا ایک محرک بنی نوع انسان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اوپر چڑھ کر آسمان کے قریب ہو جائیں گے اور عالَمِ بالا کے اسرار کو آسمانی ارواح سے معلوم کر سکیں گے۔ قرآن کریم اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ۔ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ۔[1]

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کیا تو فرعون نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات سن کر کہا کہ اس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے، یہ کہتا ہے کہ مجھ سے خدا اور اس کے فرشتے باتیں کرتے ہیں، یہ جھوٹ بولتا ہے، میں اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اے ہامان! تم میرے لئے ایک اونچا سا مینار تیار کرو، میں بھی اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ آسمان پر کیا ہوتا ہے اور آسمانی اسباب اور ذرائع سے پتہ لوں کہ کیا موسیٰ سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ۔

پُرانے زمانے میں سب سے اونچے مینار مصر میں ہی بنا کرتے تھے اور یہ اونچے مینار اسی خیال کے تحت بنائے جاتے تھے کہ مصری سمجھتے تھے کہ ارواحِ سماویہ آسمان سے اُترتی ہیں تو بلندی پر رہنے کی وجہ سے وہ بلند جگہوں کو پسند کرتی ہیں اسی لئے وہ اپنے بزرگوں اور بادشاہوں کی قبریں بلند میناروں کی شکل میں بنایا کرتے تھے مگر چونکہ اُس وقت تک حساب کا علم ابھی مکمل نہیں ہؤا تھا اس لئے وہ سیدھا اور گول مینار بنانے کی بجائے اس شکل کی عمارات بنایا کرتے تھے یعنی ان کی چوٹی تو صرف چند مربع گز کی ہوتی تھی، لیکن بنیاد ہزاروں مربع گز میں ہوتی تھی، بعد میں جب حساب مکمل ہؤا اور بنیادوں اور سدھائی کا علم ہؤا تو سیدھے گول میناروں کا رواج ہو گیا۔ میں جب مصر میں گیا تھا تو مَیں نے بھی ان میناروں کو دیکھا تھا یہ اتنے بلند مینار ہیں کہ اچھا قوی اور مضبوط آدمی بھی ان پر چڑھتے چڑھتے تھک جاتا ہے۔ آج بھی انجینئر جب ان میناروں کو دیکھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ اُس زمانہ میں ناقص انجینئرنگ کے باوجود انہوں نے کتنی بلند و بالا عمارتیں کھڑی کر دیں۔

درحقیقت یہ مینار نہیں بلکہ قبریں ہیں جو بادشاہوں کے لئے بنائی جاتی تھیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ان میناروں کے ذریعہ سے آسمانی ارواح ان کے بزرگوں کے نزدیک ہو جاتی ہیں۔

حضرت مسیح کے مینار پر اُترنے کا عقیدہ مسلمانوں میں کس طرح آیا

غرض مصری لوگ یہ مینار آسمانی روحوں کے ساتھ ملنے کے لئے بنایا کرتے تھے، مسلمانوں میں حضرت مسیحؑ کے مینار پر سے اُترنے کا عقیدہ بھی اسی بناء پر پیدا ہؤا ہے۔ احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسیحؑ عِنْدَالْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ نازل ہوگا[۲] یعنی وہ سفید مینار کے قریب اُترے گا۔

اس حدیث کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمان اس عقیدہ میں مبتلا ہو گئے کہ مسیحؑ مینار پر اُترے گا حالانکہ حدیثوں میں عَلَی الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ کے الفاظ نہیں بلکہ عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ کے الفاظ ہیں جو ان کے اس خیال کی تردید کر رہے ہیں کہ مسیح مینار پر اُترے گا بہرحال مسلمانوں میں اس خیال کا پیدا ہو جانا کہ مسیح مینار پر اُترے گا بتاتا ہے کہ انہوں نے پُرانی روایات اور احادیث کو محفوظ کر دیا۔ انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ حدیث میں عِنْدَ کا لفظ ہے عَلٰی کا لفظ نہیں اس کی وجہ درحقیقت یہی تھی کہ جب اسلام مصر میں پھیلا تو کئی مصری عقائد مسلمانوں میں بھی آ گئے جن میں سے ایک یہ بھی عقیدہ تھا کہ ارواح مینار پر اُترتی ہیں۔ پہلے انہوں نے سمجھا کہ مسیح آسمان سے اُترے گا پھر انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب روحیں مینار پر اُترا کرتی ہیں تو یہاں عِنْدَ کے معنے درحقیقت عَلٰی کے ہیں۔ اِسی قسم کے بعض اور بھی عقائد ہیں جو مصریوں سے مسلمانوں نے لئے۔ مثلاً مصری لوگ تناسخ کے قائل تھے اور یہ عقیدہ بھی مصریوں سے مسلمانوں میں آیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریباً نو (۹) سال بعد ہی مصر میں ایک شخص عبداللہ بن سبا[۳] نامی پیدا ہو گیا تھا اور اُس نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح دوبارہ دنیا میں آئے گی اور وہ قرآن کریم کی کئی آیتوں سے بھی استدلال کیا کرتا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی اور بعد میں اس نے اور اس کے ساتھیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی۔ دراصل یہ مصری فلسفہ سے متأثر تھا اور مصری فلسفہ یہ تھا کہ روحیں مینار پر اُترتی ہیں۔ شاید ان کے دلوں میں یہ خیال ہو کہ بزرگوں کی روحوں کے متعلق اگر یہ عقیدہ نہ رکھا گیا تو اس سے ان کی ہتک ہو گی اس لئے انہوں نے چاہا کہ کچھ ہم اپنے آپ کو اونچا کریں اور کچھ وہ نیچے اُتریں تا کہ اُن کا زمین پر نزول ان کے لئے ہتک کا موجب نہ ہو۔ بہرحال کسی نہ کسی خیال کے ماتحت مصریوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ ارواح بلند جگہوں پر اُترا کرتی ہیں اور اسی غرض کے لئے وہ مینار تعمیر کیا کرتے تھے۔

روشنی کا انتظام

(۲) پھر مینار اس لئے بھی بنائے جاتے تھے کہ ان پر روشنی کی جائے اور دُور دُور سے لوگوں کو اس سے راہنمائی حاصل ہو چنانچہ چھاؤنیوں میں

عموماً مینار بنائے جاتے ہیں اور ان میں روشنی کا باقاعدہ انتظام رکھا جاتا ہے اس روشنی کو دیکھ کر دُور سے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ فلاں جگہ ہے یا فلاں جہت پر سفر کرنا زیادہ مفید ہے۔ چونکہ پُرانے زمانے میں رات کو قافلے چلا کرتے تھے اس لئے میناروں کی روشنی سے انہیں بہت کچھ سہولت حاصل ہو جاتی تھی۔ مینار کے معنوں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے چنانچہ عربی زبان میں مینار کے معنے مقامِ نور کے ہیں[۴] یعنی جہاں نور کا سامان موجود ہو۔ پس مینار اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ ان پر روشنی کی جاسکے اور اسی وجہ سے ان کا نام مینار رہؤا۔

ستاروں کی گردشیں معلوم کرنے کی خواہش

(۳) تیسرے مینار اس لئے بنائے جاتے تھے کہ اُن کے ذریعہ سے آسمانی گردشوں کا پوری طرح علم ہو اور غیب کی خبریں معلوم کی جاسکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ زمین پر ہیئت کے سامان اتنی صفائی کے ساتھ ان گردشوں کو نہیں دیکھ سکتے جتنی صفائی کے ساتھ اونچی جگہ سے دیکھ سکتے ہیں اسی لئے دُوربینیں ہمیشہ اونچی جگہ پر لگائی جاتی ہیں۔ پس مینار بنانے کی تیسری وجہ یہ ہؤا کرتی تھی کہ لوگ ان پر آلاتِ ہیئت رکھ کر ستاروں کی گردشوں کا علم حاصل کرتے تھے تاکہ انہیں غیب کی خبریں معلوم ہوسکیں اور آئندہ کے اسرار اُن پر کُھلیں۔

ابھی پچھلے دنوں لاہور میں ایک رات ہزاروں ہزار لوگ کمروں سے نکل کر باہر میدانوں اور صحنوں میں سوئے کیونکہ کسی منجم نے یہ خبر اُڑادی کہ اس رات ایک شدید زلزلہ آئے گا۔ لوگ ڈر گئے اور وہ اپنے مکان چھوڑ کر باہر میدانوں اور باغوں میں نکل گئے حالانکہ یہ سب باتیں اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءٍ كَذَا وَ كَذَا فَهُوَ كَافِرٌ بِیْ وَ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ**[۵]

جو شخص یہ کہے کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی ہے یا فلاں ستارہ کا یہ اثر ہے، وہ اسلام سے خارج ہے۔ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے منشاء اور اس کے قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔ یہ خیال کہ ستاروں کی گردش سے انسان آئندہ کے حالات معلوم کرسکتا ہے، قطعی طور پر غلط ہے اور لاہور والوں نے اس کا اندازہ بھی لگا لیا، مگر مشکل یہ ہے کہ وہ لوگ جو دین سے پوری واقفیت نہیں رکھتے اس قسم کی غلط فہمیوں میں عموماً مبتلاء رہتے ہیں اور منجم بھی بڑی

آسانی سے کہہ دیتا ہے کہ مینار کے نہ ہونے کی وجہ سے مجھے ستاروں کی گردش معلوم کرنے میں غلطی لگ گئی ہے۔ یہی حال رمّالوں، جوتشیوں اور پامسٹوں کا ہوتا ہے۔

ایک احمدی نجومی کا واقعہ

میرے پاس ایک دفعہ ایک احمدی نجومی آیا اور اس نے کہا، میں آپ کو کچھ کرتب دکھانا چاہتا ہوں۔ مَیں نے کہا، میں اس کو سمجھتا تو لغو ہی ہوں، مگر تمہاری خواہش ہے تو دکھا دو۔ اس نے کہا مَیں نے یہ بات آپ سے اس لئے کہی ہے کہ مَیں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے یہ فخر حاصل ہو جائے کہ مَیں نے آپ کے سامنے بھی اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا، آپ اپنے دل میں کوئی فارسی شعر رکھیں۔ مَیں نے فارسی نہیں پڑھی کیونکہ ہمارے اُستاد یہ سمجھتے تھے کہ فارسی کی تعلیم سے عربی کو نقصان پہنچتا ہے۔ گو مثنوی رومی وغیرہ تو میں نے پڑھی ہیں مگر فارسی کی باقاعدہ تعلیم مَیں نے حاصل نہیں کی اور ایسے آدمی کو عموماً معروف شعر ہی یاد ہوتے ہیں، بہرحال میں نے اپنے دل میں سوچا کہ:-

کریما بہ بخشائے برحالِ ما
کہ ہستم اسیر کمندِ ہَوا

اُس نے ایک کاغذ میرے سامنے رکھ دیا جس پر یہی شعر لکھا ہؤا تھا، اس کے بعد اس نے کہا کہ آپ ایک سے دس تک کوئی ہندسہ اپنے دل میں سوچیں، میں نے سات کا ہندسہ سوچا اور اس نے ایک کاغذ اُٹھا کر مجھے دکھایا جس پر لکھا تھا کہ آپ سات کا ہندسہ سوچیں گے۔ پھر کہنے لگا کہ آپ اپنی پیٹھ پر سے کپڑا اُٹھائیں آپ کے دائیں طرف ایک مسّہ ہے میں نے کُرتا اُٹھایا تو وہاں مسّہ بھی موجود تھا۔ مَیں نے کہا تمہاری پہلی دو چالاکیاں تو مجھے معلوم ہو گئیں، تم یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کس طرح پتہ لگا لیا کہ میرے جسم کے دائیں طرف ایک مسّہ ہے۔ اس نے کہا ہماری راول قوم اِس فن میں بہت مشہور ہے اور اُس نے بڑی کثرت سے انسانی جسموں کو دیکھا ہؤا ہے۔ ایک لمبے مشاہدہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اسّی فی صدی لوگوں کی کمر کے دائیں طرف کوئی نہ کوئی مسّہ ضرور ہوتا ہے، اگر تین چار آدمیوں کو یہ بات بتائی جائے اور تین آدمیوں کے مسّے نکل آئیں اور چوتھے کے نہ نکلیں تو عام طور پر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کوئی حسابی غلطی ہو گئی ہوگی، وہ ہمارے علم پر شُبہ نہیں کرتے۔

اُن دنوں قادیان میں ایک اہلِ حدیث لیڈر آئے ہوئے تھے وہ مجھے ملنے کے لئے آئے تو اتفاقاً ان سے بھی اس بات کا ذکر آ گیا۔ کہنے لگے ان لوگوں کو کوئی علم نہیں آتا۔ محض اَرڑ پوپو[۶] ہوتے ہیں لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ اس شخص کو دیکھوں، وہ اب کی دفعہ آئے تو اسے میرے پاس ضرور بھجوا دیں۔ وہ قادیان کے قریب ہی ایک گاؤں کا رہنے والا تھا، اتفاق سے دوسرے تیسرے دن پھر آ گیا اور مَیں نے اسے انہی اہلِ حدیث مولوی صاحب کے پاس بھجوا دیا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد وہ میرے پاس دَوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے یہ تو معجزہ ہے معجزہ۔ اُس نے جتنی باتیں بتائیں وہ ساری کی ساری صحیح تھیں۔ معلوم ہوتا ہے اسے غیب کا علم آتا ہے آپ اسے کہیں کہ کسی طرح یہ علم مجھے بھی سکھا دے۔ میں نے ہنس کر کہا تم تو اہلِ حدیث ہو اور جانتے ہو کہ خدا تعالیٰ کے سِوا کسی کو علم غیب نہیں، پھر یہ کیسی باتیں کرتے ہو۔ پھر مَیں نے انہیں کہا کہ ایک دفعہ تو اس نے باتیں دریافت کر لیں، اب اسے کہو کہ وہ مجھ سے پھر وہ دو باتیں دریافت کر کے دیکھے مَیں نے خود بھی اسے کہا، مگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہؤا۔ جس چیز کا مجھ پر اثر تھا وہ صرف یہ تھی کہ اسے مسّے کا کس طرح پتہ لگ گیا؟ اس کے متعلق اس نے بتایا کہ ہماری قوم کے لوگ ساری جگہ پھرتے رہتے ہیں اور وہ انڈونیشیا اور جاپان تک بھی جاتے ہیں، انہوں نے انسانی جسموں کو کثرت کے ساتھ دیکھنے کے بعد بعض نتائج قائم کئے ہوئے ہیں جو عموماً ستّر، اسّی فیصدی صحیح نکلتے ہیں۔ جیسے انشورنس والوں نے اندازے لگائے ہوئے ہیں کہ اتنے آدمی بیمہ کرائیں تو ان میں سے اتنے مرتے ہیں اور اتنے زندہ رہتے ہیں۔ چونکہ ستّر فیصدی لوگوں کا مسّہ نکل آتا ہے اس لئے تیس فیصدی لوگ یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ یہ جانتے تو سب کچھ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حساب میں ان سے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔

میناروں کے ذریعہ اپنے نام کو زندہ رکھنے کی خواہش

(۴) مینار بنانے والوں کی ایک غرض یہ بھی ہؤا کرتی تھی کہ ان میناروں کے ذریعہ سے بنانے والوں کا نام روشن رہے۔ بنانے والے بنا جاتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کا تعمیر کردہ مینار ہے۔

حصولِ مقاصد میں ناکامی مگر مَیں نے دیکھا کہ ان میناروں سے یہ چاروں اغراض پوری طرح حاصل نہیں ہوئیں۔ **اوّل** تو آسمانی روحوں کے اُترنے کا کوئی ثبوت نہیں، مصریوں نے مینار بنا دیئے، کروڑوں کروڑ روپیہ خرچ کر دیا، مُردوں کے ساتھ زیورات اور سامان بھی دفن کر دیئے مگر اب یورپین قومیں وہی سامان اُٹھا کر اپنے ملکوں کو لے گئیں۔ اور وہ مُردے جو انہوں نے وہاں دفن کئے تھے اُن کو بھی انہوں نے اپنے عجائب گھروں میں رکھا ہؤا ہے۔ کوئی لاش امریکہ کے عجائب گھر میں پڑی ہے اور کوئی فرانس کے عجائب گھر میں، گویا قیمتی سامان بھی ضائع ہؤا اور مُردوں کی بھی ہتک ہوئی۔ کسی فرعون کی لاش امریکہ کو دیدی گئی، کسی کی فرانس کو دے دی گئی اور کسی کی برطانیہ کو دے دی گئی اور اس طرح ان مُردوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔ **دوم** قرآن کریم کی ابھی میں نے ایک آیت پڑھی ہے جس میں فرعون نے ہامان سے یہ کہا کہ تم ایک اونچا اور بلند مینار بناؤ تا کہ میں یہ دیکھوں کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے؟ تورات سے پتہ لگتا ہے کہ رَعمسیس وہ فرعون تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پالا اور منفتاح وہ فرعون تھا جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تھا اور جو آپ کے مقابلہ میں آ کر تباہ ہؤا۔ وہ بنی اسرائیل سے اینٹیں پتھوایا کرتا تھا اور اسی طرح ان پر اور بھی بہت سے مظالم کیا کرتا تھا۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ جب اس نے ہامان سے یہ کہا کہ میرے لئے ایک اونچا سا مینار بناؤ تا کہ میں یہ دیکھوں کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے تو خدا تعالیٰ نے اس کی اس خواہش کو رائیگاں جانے نہیں دیا، اس نے اپنا وجود تو اسے دکھا دیا مگر مینار کی چوٹی پر نہیں بلکہ سمندر کی تہہ میں۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر چھوڑ کر بھاگے اور فرعون نے ان کا تعاقب کیا اور آخر وہ سمندر کی موجوں میں گھر گیا تو جب وہ غرق ہونے لگا اُس وقت اس نے یہ الفاظ کہے کہ **اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ**[۲]

گویا اُسے خدا تو نظر آ گیا مگر وہ فرعون جس نے آسمان پر خدا کو دیکھنا چاہا تھا اسے خدا پاتال میں نظر آیا۔ پس مینار پر چڑھ کر خدا دیکھنے کا ایک غلط خیال اس کے دل میں موجود تھا جو

پورا نہ ہو سکا۔

روشنی کا فُقدان

باقی رہا یہ امر کہ مینار روشنی دیتے ہیں یہ بھی ہمیں ان میناروں سے پورا ہوتا نظر نہیں آتا، دنیا میں سینکڑوں مینار کھڑے ہیں مگر ان پر روشنی کا کوئی سامان نہیں، درحقیقت مینار بنانا اور بات ہے اور اس پر روشنی کرنا اور بات۔ جن لوگوں نے وہ مینار بنائے تھے جب ان کی اپنی نسلیں باقی نہ رہیں تو روشنی کون کرتا؟ یوں کہلانے کو سب ہی مینار کہلاتے ہیں، لیکن روشنی کہیں بھی نہیں ہوتی یا کچھ عرصہ کے بعد مٹ جاتی ہے۔ قطب صاحب کے مینار کو ہی لے لو آج اس پر کہاں روشنی ہوتی ہے بیشک وہ کچھ عرصہ تک روشنی دیتے رہے مگر پھر تاریک ہو گئے اور اب نہ وہ دن میں کام آتے ہیں اور نہ رات کو کام آتے ہیں، بنانے والوں کی نسلیں تک باقی نہ رہیں تو روشنی کرنے والے کہاں سے آتے؟

مینار بنانے والے خود زمانہ کی گردش کا شکار ہو گئے

تیسری غرض یہ سمجھی جاتی ہے کہ میناروں کے ذریعہ غیبی علوم حاصل ہؤا کرتے ہیں، لیکن یہ غرض بھی ہمیں کہیں پوری نظر نہیں آتی بلکہ مینار بنانے والوں نے آسمانی گردشوں سے غیب کیا معلوم کرنا تھا وہ خود اپنے آپ کو گردشوں سے نہ بچا سکے اور ختم ہو گئے۔

انبیاء ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں

اس جگہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ لوگ جن کو روحانی مینار کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ بھی تو ختم ہو گئے۔ اگر اشوکا ختم ہؤا تو آدمؑ بھی ختم ہو گیا۔ اگر دارا ختم ہؤا تو نوحؑ بھی ختم ہو گیا۔ پھر ان میں اور اُن میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک جہاں تک ظاہر میں ختم ہونے کا سوال ہے ہمیں دونوں ہی ختم دکھائی دیتے ہیں لیکن جہاں تک سلسلہ مذہبیہ کا سوال ہے وہ ختم نہیں ہوئے اور کبھی ختم نہیں ہو سکتے چنانچہ دیکھ لو اشوکا کا نام لیوا آج دنیا میں کوئی باقی نہیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں اور گوشوں میں پھر کر دیکھ لو، دارا اور اشوکا کو کوئی اگر گالیاں بھی دے تو دنیا کی کوئی قوم اسے مطعون نہیں کر سکتی۔ کوئی مذہبی یا سیاسی اقتدار ان لوگوں کو حاصل نہیں مگر آج بھی آدمؑ اور موسیٰؑ پر ایمان لانے والے یہودی اور عیسائی دنیا میں موجود ہیں۔ بے شک جہاں تک

قابلِ عمل شریعت کا سوال ہے ان انبیاء کی تعلیم ختم ہو چکی ہے، لیکن جہاں تک اُن کی عزّت اور ان کے مقام کا سوال ہے وہ اب بھی قائم ہے اور اب بھی ان کا نام دنیا میں روشن ہے۔ اب بھی ہر شخص مجبور ہے کہ ان کا نام عزّت اور احترام کے ساتھ لے، پس وہ ختم نہیں ہوئے بلکہ قیامت تک بھی ختم نہیں ہو سکتے۔

مینار بنانے والوں کے نام تک محفوظ نہیں

پھر میناروں کے ذریعہ نام روشن ہونے کی غرض بھی پوری نہ ہوئی بلکہ کسی کا نام روشن ہونا تو الگ رہا ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ مینار بنائے کس نے تھے؟ ہر مینار کے متعلق یہ بحث ہے کہ اسے کس نے بنایا تھا۔ قطب صاحب کی لاٹ بھی زیر بحث ہے اور تغلق کی لوہے کی لاٹ بھی زیر بحث ہے اور لوگ یہ سوچتے ہیں کہ یہ ہے اصل میں کس کی؟ اشوؔکا کی کہ تغلق کی؟ کسی ہندو بادشاہ کی یا ایبک کی؟ قطب صاحب کی لاٹ کے متعلق ہی مسلمان کہتے ہیں کہ قطب الدین ایبک نے اسے بنایا تھا اور ہندو کہتا ہے کہ یہ فلاں راجہ کی بنائی ہوئی ہے۔ فیروز تغلق کی لاٹ کے پاس کھڑے ہو کر ایک مسلمان کہتا ہے یہ فیروز تغلق کی لاٹ ہے اور ایک ہندو کہتا ہے کہ یہ اشوؔکا کی لاٹ ہے مگر جن روحانی میناروں کا ہم ذکر کرتے ہیں اُن کے ناموں کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ نہیں پایا جاتا۔

غرض دُنیوی مینار جن اغراض کے لئے تعمیر کئے جاتے ہیں وہ اغراض ان کے ذریعہ کبھی پوری نہیں ہوئیں۔ اس طرح جو فوائد ان کے بتائے جاتے ہیں وہ بھی بنی نوع انسان کو کبھی حاصل نہیں ہوئے۔

قرآن کریم سے ایک عظیم الشان روحانی مینار کی خبر

لیکن اس کے مقابل پر قرآن کریم نے ایک ایسے مینار کی خبر دی ہے جو روحانی طور پر تعمیر ہوُا، جس پر چڑھ کر آسمان کی سب سے بڑی ہستی کا بھی پتہ چلا اور وہ زمین پر بھی اُتری۔

مصریوں کا تو محض خیال تھا کہ روحیں مینار کے ذریعہ نیچے اُترتی ہیں اس کا کوئی عملی ثبوت ہمیں نہیں ملتا لیکن جس مینار کا میں ذکر کرنے والا ہوں اُس پر آسمان کی سب سے بڑی ہستی کے

اُترنے کا زندہ ثبوت نظر آتا ہے۔ پھر اس مینار پر روشنی بھی ہوتی تھی اور ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اس پر چڑھ کر آسمانی گردشوں کا بھی علم ہوا اور غیب کی خبریں معلوم ہوئیں، اس کے بنانے والے کا نام اس سے اب تک روشن ہے اور ہمیشہ روشن رہے گا اس کے بنانے کا کوئی اور مدعی کبھی پیدا نہیں ہوا اور نہ اس کے بنانے والے کے متعلق کبھی شک ہوا کہ شاید اس کو کسی اَور نے بنایا ہو۔

مقامِ محمدیت

غرض قرآن کریم ایک ایسے مینار کی خبر دیتا ہے جس پر انسان چڑھا جس پر چڑھ کر اُسے آسمان کی سب سے بڑی ہستی کا پتہ چلا اور وہ عظیم الشان ہستی زمین پر بھی اُتری، جس مینار سے دنیا میں روشنی پھیلی اور پھیلتی چلی جائے گی، جس مینار سے غیب کی خبریں ملیں اور ملتی چلی جائیں گی وہ مینار کیا ہے؟ وہ مینار مقامِ محمدؐیت ہے سورۃ نجم میں اللہ تعالیٰ اس مینار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے وَالنَّجْمِ اِذَاهَوٰى - مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى - وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى - اِنْ هُوَاِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى - عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى - ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰى - وَهُوَ بِا لْاُ فُقِ الْاَعْلٰى - ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى - فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْاَدْنٰى - فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى - مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى - اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَايَرٰى - وَلَقَدرَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى - عِنْدَسِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى - عِنْدَهَاجَنَّةُ الْمَاْوٰى - اِذْيَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى - مَازَاغَ الْبَصَرُوَمَا طَغٰى - لَقَدْرَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى [۸]

فرماتا ہے ہم شہادت کے طور پر ایک ستارہ کو پیش کرتے ہیں خصوصاً ثریا کو اِذَاهَوٰى جب وہ نیچے اُترا۔ کس بات کے ثبوت کے طور پر اُسے پیش کرتے ہیں؟ اس بات کے ثبوت کے طور پر کہ مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى تمہارا ساتھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ غلطی میں پڑا ہے وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اور نہ وہ ہَوا و ہوس میں مبتلاء ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کو دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اِنْ هُوَاِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى بلکہ وہ جو کچھ پیش کر رہا ہے اس وحی کا نتیجہ ہے جو اس پر نازل ہوئی ہے۔

کلام چار طریق پر سُنا جاتا ہے ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان چار طرح کلام سن سکتا ہے۔

اوّل اس کے افکار پراگندہ ہو جائیں۔

دوم اس کا دل پراگندہ ہو کر شیطان سے اُس کا تعلق قائم ہو جائے۔

سوم اس کی ہَوا وحرص تیز ہو جائے اور اس کے نتیجہ میں اُس کے دل کے خیالات غالب آ جائیں۔

چہارم کلام الٰہی نازل ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے یہ نہ تو ضلالت کا نتیجہ ہے نہ غوائت کا نتیجہ ہے اور نہ ہَوا و ہوس کا نتیجہ ہے بلکہ اس وحی کا نتیجہ ہے جو اس پر نازل ہوگئی ہے اور جسے وہ بنی نوع انسان کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

نجم سے کیا مراد ہے یہ نجم کیا ہے جسے خدا تعالیٰ اس بات کے ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضلالت میں مبتلاء نہیں ہوئے، افکار کی غلطی میں مبتلاء نہیں ہوئے، کسی فلسفیانہ غلطی میں مبتلاء نہیں ہوئے وَمَا غَوٰی اور نہ کسی شیطان کے قبضہ میں آئے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اور نہ ہوا و ہوس اور لالچ کی وجہ سے ان کے اندر ایسے خیالات پیدا ہوئے کہ وہ ایسی تعلیم پیش کرتے جو دنیا کے لئے گمراہی کا موجب ہوتی۔ ان دعووٴں کا ثبوت کیا ہے؟ فرماتا ہے ہمارے ان دعووٴں کا ثبوت ایک ستارہ ہے جو اوپر سے نیچے گِرا، یہ اوپر سے نیچے گِرنے والا ستارہ کیا ہے؟ اور ستارہ بھی ایسا جو تین زاویوں سے نیچے جُھکا اور اس نے تین خیالات کا قلع قمع کیا۔ دنیا میں بعض فلسفی لوگ تھے جو یہ خیال کرتے تھے کہ فلسفیانہ باتیں پڑھ پڑھ کر اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے، بعض لوگ یہ فقرہ چُست کر کے تسلّی پا لیتے تھے کہ کیسا بُرا آدمی ہے شیطان نے اس پر قبضہ کر لیا ہے اور اب یہ شیطانی باتیں لوگوں کو سناتا چلا جاتا ہے، کچھ اور لوگ تھے جو یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے تھے کہ اس کے نفس میں ہوا و ہوس پیدا ہوگئی اور اس نے چاہا کہ مَیں بھی بڑا آدمی بن جاؤں اس لئے یہ ایسی باتیں کہہ رہا ہے۔ ان تین خیالات کا ایک ہی ردّ ان آیات میں کیا گیا ہے فرماتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضلالت پر نہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ایک ستارہ اوپر سے نیچے آیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے غوائت پر نہ ہونیکا ثبوت یہ ہے کہ ایک ستارہ اوپر سے نیچے آیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا و ہوس میں مبتلاء نہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ایک ستارہ اوپر سے نیچے آیا۔ وہ کون سا ستارہ ہے جو اوپر سے نیچے آیا، اور وہ کونسا ستارہ ہے جس کے نیچے آنے کی وجہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضالّ نہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غاوی نہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نَاطِق عَنِ الْهَوٰی نہیں جب تک ہم وہ ستارہ پیش نہ کریں ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کم از کم اس اعتراض سے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے بچا نہیں سکتے۔

احادیثِ نبویہ میں آخری زمانہ کی خرابیوں کا ذکر

اس نقطۂ نگاہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم احادیث کو دیکھتے ہیں تو ہمیں وہاں سے اس امر کے متعلق بعض معلومات میسر آتی ہیں چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میری اُمّت پر ایسا آنے والا ہے جب اسلام مٹ جائے گا اور اس کی ایسی حالت ہو جائیگی کہ لَایَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّااسْمُهٗ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا وَلَایَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّارَسْمُهٗ [9] اور قرآن کریم کی صرف تحریر باقی رہ جائیگی اس کا مضمون لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائے گا۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی تو صحابہ کرام گھبرائے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اس کا علاج کیا ہے اُس وقت سلمان فارسی آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے ان پر ہاتھ رکھا اور فرمایا لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ اَوْ رَجُلٌ مِّنْ هٰؤُلَاءِ [10] کہ اگر ایمان ثریا پر بھی چلا گیا تب بھی ان فارسی الاصل لوگوں میں سے ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جو پھر آسمان سے ایمان اور قرآن کو واپس لے آئے گا۔

آسمانِ روحانی کے ایک ستارہ کی خبر

اس پیشگوئی میں آسمانِ روحانی کے ایک ستارہ کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس سے مراد وہ انسان ہے جو ثریّا سے ایمان کو واپس لائے گا۔ قرآن کریم نے تو صرف اتنا بتایا تھا کہ آسمان سے ستارہ آئے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ

جب دنیا ظلمت اور تاریکی میں مبتلاء ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ایک ایسے انسان کو مبعوث فرمائے گا جو ثریا سے ایمان کو واپس لے آئے گا، گویا ان معنوں کی رو سے اِذَاھَوٰی تقلیب نسبت کا رنگ رکھے گا جیسے ہماری زبان میں عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ پرنالہ چلتا ہے، لیکن کیا کبھی پرنالہ چلتے کسی نے دیکھا ہے، پرنالہ نہیں چلتا پانی چلتا ہے۔ یا لوگ کہتے ہیں ناک بہتا ہے آنکھیں بہتی ہیں؟ کان بہتا ہے تو کیا واقعہ میں کان بہا کرتا ہے یا ناک بہتا ہے یا آنکھیں بہتی ہیں، آنکھوں میں سے پانی بہتا ہے، ناک میں سے پانی بہتا ہے، کان میں سے پانی بہتا ہے مگر کہا یہ جاتا ہے کہ آنکھ بہتی ہے یا ناک بہتا ہے یا کان بہتا ہے۔ یہ تقلیبِ نسبت ہوتی ہے یعنی ایک چیز کی جگہ بعض دفعہ دوسری چیز کا نام لے لیتے ہیں یا کہتے ہیں یہ چیز خدا نے میرے قریب کر دی اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اُس چیز کے قریب ہو گیا۔ اس نقطہ نگاہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس انسان کا ذکر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ ھٰؤُلَاءِ

کہ اگر ایمان ثریا پر بھی چلا گیا تو وہ شخص اسے واپس لے آئے گا، قرآن کریم نے تقلیبِ نسبت کے طور پر اُس کا ان الفاظ میں ذکر کر دیا کہ ایک ستارہ اوپر سے نیچے آئے گا جیسے کان میں سوزش ہوتی ہے اور اُس کی وجہ سے رطوبت بہتی ہے تو ہم کہتے ہیں ہمارے کان بہتے ہیں حالانکہ کان نہیں بہہ رہے ہوتے، کانوں سے رطوبت بہہ رہی ہوتی ہے اسی طرح قرآن کریم نے تو یہ فرمایا کہ وَالنَّجْمِ اِذَاھَوٰی آسمان سے ایک ستارہ آئے گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تشریح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرستادہ آئے گا جو ایمان کو ثریّا سے واپس لے آئے گا اور پھر قلوب کو نورِ ایمان سے بھر دیگا۔

ایک شُبہ کا ازالہ

کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم قرآن کریم کے لفظوں کو کیوں نہ ترجیح دیں اور کیوں نہ یہ سمجھیں کہ کوئی ستارہ ہی آسمان سے گرے گا کسی خاص آدمی کی تخصیص کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تشریح کر دی تو ہمارا فرض ہے کہ ہم قرآن کریم کے ان الفاظ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ روشنی میں دیکھیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں کہ ایک ایسا انسان آئے گا جو ثریا سے ایمان واپس لائے گا اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ وَالنَّجْمِ اِذَاھَوٰی پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معیّن رنگ میں ایک تشریح فرما دی تو اب ہمارا یہ حق نہیں کہ ہم اس تشریح کو نظر انداز کر دیں، ایسا کرنا ہمارے لئے کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔مگر اس حدیث کے ایک اور معنے بھی ہو سکتے ہیں اور وہ یہ کہ قرآن کریم تو نجم کی نسبت ھَوٰی کا لفظ استعمال فرماتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ مسیح ثریا کو زمین پر کھینچ لائے گا جو دشمنوں کے لئے ہلاکت اور دوستوں کے لئے ایمان لانے کا موجب ہوگا۔

شیاطین پر ہمیشہ شہابِ مبین گرا کرتا ہے

قرآن کریم میں یہ مضمون مختلف مقامات پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔سورۃ حجر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰھَا لِلنّٰظِرِیْنَ وَحَفِظْنٰھَا مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِھَابٌ مُّبِیْنٌ[11]

یعنی ہم نے اس دنیا میں ایک دینی نظام بھی قائم کیا ہوا ہے جس طرح مادی آسمان میں تمہیں مختلف ستارے دکھائی دیتے ہیں اسی طرح اس دینی نظام میں بھی ہم نے ستارے بنائے ہیں اور اسے ہر قسم کے شیطانوں کی دست بُرد سے بچایا ہے اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِھَابٌ مُّبِیْنٌ مگر جب کبھی بے دین کی کوئی روح غالب آنے لگے تو آسمان سے ایک حقیقت ظاہر کرنے والا روشن ستارہ گرتا ہے جو جھوٹ کا پول کھول دیتا ہے اِسْتَرَقَ السَّمْعَ کے معنے عام طور پر یہ کئے جاتے ہیں کہ جو آسمان کی باتیں سنتا ہے حالانکہ آسمان کی باتیں سننے کا تو حکم ہے اور پھر وہ ہوتی ہی سنانے کے لئے ہیں، اس لئے اس کے یہ معنے نہیں ہو سکتے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی دنیا میں خدا تعالیٰ کی باتوں کو بگاڑ کر پیش کیا جاتا ہے اور دنیا میں فساد واقعہ ہو جاتا ہے اُس وقت آسمان سے ایک ستارہ گرا کرتا ہے جو پھر صداقت کو دنیا میں قائم کر دیتا ہے اور بگڑی ہوئی مخلوق کو درست کر دیتا ہے۔

مجدّ دین کی بعثت کی خبر

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کونسا ستارہ ہے جو اس موقع پر گرا کرتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیا تشریح کی ہے؟ اس غرض کے لئے جب ہم احادیث کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اُن میں یہ ارشاد نظر آتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَاۡسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا[۱۲]

یعنی میری اُمت کے لئے اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک ایسا شخص مبعوث فرمایا کرے گا جو اُمت کی خرابیوں کو دور کرے گا اور دین کا از سرِ نَو احیاء کرے گا گویا جس چیز کو قرآن کریم نے شہابِ مُبین قرار دیا ہے، اُس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روحانی انسان قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ جب کبھی دنیا میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو بگاڑ کر پیش کیا جاتا ہے اُس وقت آسمان سے ایک ستارہ گرا کرتا ہے جو مبین ہوتا ہے، یعنی چاروں طرف اس کے ظہور سے روشنی ہو جاتی ہے اور لوگوں پر دین کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ ایک ایسا آدمی میری اُمت میں مبعوث کیا کرے گا جو یُجَدِّدُلَھَا دِیۡنَھَا دین کی خرابیوں کو دُور کرے گا اور اسلام کی تجدید کرے گا گویا وہی چیز جس کا نام قرآن کریم نے شہاب مبین رکھا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا نام مجدّد رکھا۔

ہر نبی ایک شہاب ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہاب مبین ہیں

اس تشریح کے ماتحت ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''شہابِ مبین'' سے مراد ہمیشہ وقت کا نبی اور مجدّد ہوتا ہے جو شیطان کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اور دین کو ہر قسم کی رخنہ اندازیوں سے پاک کر دیتا ہے، لیکن اس نقطہ نگاہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کا ہر نبی ایک شہاب ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شہاب مبین بھی ہے کیونکہ وہ لوگ جو دین میں رخنہ اندازی کرتے ہیں ان کی ہلاکت اور بربادی کا وہ اس وقت موجب نہیں ہیں، یہ کام صرف وقت کا نبی یا مجدّد کر سکتا ہے اور یا پھر وہ نبی کر سکتا ہے جس کی نبوت قیامت تک زندہ ہو اور جس کی شریعت ہر زمانہ میں قابلِ عمل ہو۔ اس لحاظ سے گو ہر مجدّد اور ہر نبی ایک شہاب ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہابِ مبین ہیں،

کیونکہ آپ صرف نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النّبیّن بھی ہیں اور آپ کی نبوت قیامت تک زندہ ہے۔ اب جو شخص بھی دین کے احیاء کے لئے مبعوث ہوگا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوگا، آپ سے الگ ہو کر اور آپ کی غلامی سے انکار کرتے ہوئے کوئی شخص اس منصب پر فائز نہیں ہوسکتا۔

آسمانی باتیں سننے کے معنے

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے تو یہ فرمایا ہے کہ جب کوئی میری باتیں سنتا ہے یا آسمان کی باتیں سنتا ہے تو اس پر ایک شہاب گرتا ہے جو اُسے تباہ کر دیتا ہے، حالانکہ قرآن کریم نے ہی آسمانی باتوں کے سننے کا ہم کو حکم دیا ہے پھر یہ کہنا کہ جو آسمانی باتیں سنتا ہے اس پر ستارہ گرتا ہے ایک بے معنی سی بات ہو جاتی ہے۔ اس سوال کے متعلق یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں خالی آسمان کی باتیں سننے کا ذکر نہیں بلکہ اِسْتَرَقَ السَّمْعَ کا ذکر ہے اِسْتَرَقَ ، سَرَقَ سے نکلا ہے جس کے معنے چوری کے ہوتے ہیں اور اِسْتَرَقَ السَّمْعَ کے معنی چوری چُھپے سننے کے ہیں۔ پس اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جو الٰہی جماعت میں داخل ہو کر اس کے کلام کو کُھلے بندوں سنتا ہے، جماعتِ حقّہ میں اپنے آپ کو شامل کر لیتا ہے اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ دین کی اشاعت کرے اور بھولے بھٹکوں کو راہِ راست پر لائے وہ اللہ تعالیٰ کی تائید سے حصہ لیتا ہے لیکن وہ لوگ جن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی باتوں کو سننے کے بعد انہیں بگاڑ کر پیش کریں اور لوگوں کو دھوکا اور فریب میں مبتلاء کریں یا وہ منافق جو اس لئے کسی سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں کہ اُس مشن کو نقصان پہنچائیں اور آسمانی کلام کے اُلٹ پُلٹ معنی کر کے لوگوں میں بے ایمانی پیدا کریں، ان کیلئے آسمان سے ہمیشہ ایک شہاب گرا کرتا ہے، ایسے لوگ جب بھی کسی فتنہ کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کا فتنہ ایسا رنگ اختیار کر لیتا ہے جو دین کیلئے ضُعف کا موجب ہو تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کسی مأمور یا مصلح یا مجدد وقت کو ان کی بیخ کنی کیلئے کھڑا کر دیتا ہے جو شہاب بن کر ان پر گرتا ہے اور منافقت، کفر و ارتداد کے خیالات کا قلع قمع کر دیتا ہے۔

شرارتوں کا قلع قمع کرنے کیلئے آسمانی تدبیر

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ جن میں بھی

بیان فرمایا ہے وہ فرماتا ہے۔ وَاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا [۱۳]

یعنی اس سے پہلے تو ہم آسمان سے سننے کی جگہوں پر بیٹھا کرتے تھے مگر اب تو جو شخص بھی آسمان کی باتیں سننے کے لئے جاتا ہے اس پر آسمان سے ایک ستارہ گرتا ہے۔

یہاں بھی وہی مضمون بیان کیا گیا ہے جو اس سے پہلی آیات میں بیان کیا جا چکا ہے یعنی جب شرارت کرنے والے دین کی باتیں بگاڑ کر پیش کرتے ہیں اور لوگوں کو غلط فہمیوں میں مبتلاء کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی شرارتوں کے انسداد کے لئے آسمان سے ایک نور نازل کرتا ہے مسلمانوں نے غلطی سے ان آیات کا یہ مفہوم سمجھ لیا ہے کہ شیطان آسمان پر جاتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی باتیں سُن لیتا ہے، حالانکہ قرآن کریم نے متعدد مقامات میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ شیطان آسمان کی باتیں سُن نہیں سکتا اس نے یہاں تک کہا ہے کہ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ [۱۴]

شیطان آسمانی کلام کے سننے کی طاقت ہی نہیں رکھتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے انہیں ان باتوں کے سننے سے محروم کیا ہُوا ہے، اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ [۱۵]

کیا ان کے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس کے ذریعہ سے وہ آسمان پر جا کر خدا تعالیٰ کی باتیں سُن سکتے ہیں؟ اگر ان میں کوئی اس امر کا مدعی ہے کہ وہ آسمان پر گیا اور اس نے خدا تعالیٰ کی باتیں سنیں تو وہ اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرے۔

کُفّار اور منافقین کی عادت

ان آیات سے ظاہر ہے کہ آسمان پر جا کر باتیں سننا تو الگ رہا وہاں تک کسی کے جانے کی اہلیت بھی قرآن کریم نے تسلیم نہیں کی۔ پس درحقیقت اس جگہ آسمانی باتیں سننے کے معنے یہ ہیں کہ کُفّار اور منافقین کی عادت یہ ہے کہ وہ سچے دین کی باتوں کو اس نقطۂ نگاہ سے سنتے ہیں اور اس لئے ان کو سیکھتے ہیں کہ وہ ان سے نئے نئے اعتراض پیدا کریں گے اور ان میں اپنی طرف سے جھوٹ ملا کر لوگوں کو بَرانگیختہ کریں گے۔ یہ معنے نہیں کہ وہ عرش پر جا کر اللہ تعالیٰ کی باتوں کو سُن لیتے ہیں،

خدا تو خدا ہے اس دنیا کے معمولی معمولی بادشاہوں کے پاس پھٹکنے کی بھی لوگوں میں طاقت نہیں ہوتی اور وہ ان کے قُرب میں جانے سے گھبراتے اور لرزتے ہیں، مگر عجیب بات یہ ہے کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیطان آسمان پر جاتا ہے اور وہ مَلَاءِ اعلیٰ اور جبرائیل اور عرش کی باتوں کو سُن کر زمین پر آ جاتا ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ شیطان کی طاقت ہی کہاں ہے کہ وہ آسمان کی کوئی بات سُن سکے، ہاں وہ لوگ جو شیطان کے مثیل ہوتے ہیں جنہوں نے ابلیسی جامہ زیبِ تن کیا ہؤا ہوتا ہے وہ بے شک آسمان کی باتیں سنتے ہیں اور انہیں ایسے رنگ میں بگاڑ کر پیش کرتے ہیں کہ دنیا میں ایک فتنہ برپا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو اس زمانہ کا پادری وہیری قرآن کریم پڑھتا ہے وہ ایک مولوی کو ملازم رکھتا ہے، اس سے قرآنی تعلیم حاصل کرتا ہے اور پھر لدھیانہ میں بیس سال تک کام کرتا ہے اور اس عرصہ میں قرآن کریم کی ایک تفسیر شائع کرتا ہے، وہ اس کا نام تفسیرِ قرآن رکھتا ہے مگر اُسے پڑھا جائے تو وہ اسلام کے خلاف ہر قسم کے اعتراضات سے بھری ہوئی ہے۔ قرآن کریم ایک آسمانی کتاب ہے زمینی نہیں، قرآن کریم سننے کے لئے انسان کو آسمان کی طرف کان رکھنا پڑتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس لئے آسمان کی طرف کان رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آواز کو سنیں اور اُس پر عمل کریں۔ اور شیطان اس لئے کان رکھتے ہیں کہ آسمانی باتوں کو سنیں اور ان پر اعتراض کریں۔ فرماتا ہے جب بھی ایسے لوگ دنیا میں پیدا ہو جائیں گے جو دین پر اعتراض کرنے والے ہوں اور ان کی وجہ سے مذہب میں کئی خرابیاں واقع ہو جائیں اور دلوں میں گندے خیالات ڈیرا جما لیں تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک ستارہ بھیجے گا جو ظلمت کو دور کر دے گا اور پھر لوگوں کے دلوں میں ایمان اور اخلاص پیدا کر دے گا۔

عالَمِ روحانی کے کواکب

اسی طرح سورۃ الصفت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ - لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ - دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ - اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ [16]

فرماتا ہے ہم نے دُنیوی آسمان کو ستاروں سے مزین کیا ہے تا کہ ہر شیطان جس کو اللہ

تعالیٰ روکنا چاہتا ہے، اس کے حملہ سے محفوظ رکھے وہ ملاءِ اعلیٰ کی بات نہیں سن سکتے، ان پر ہر طرف سے پتھراؤ ہوتا ہے اور اس کے علاوہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم رہنے والا عذاب ملے گا۔ اس کے بعد فرماتا ہے وہ آسمان کی کوئی بات سُن تو نہیں سکتے لیکن اگر کوئی بات اُچک کر لے جائیں تو ان کے پیچھے ایک چمکتا ہؤا شہاب جاتا ہے اور انہیں تباہ کر دیتا ہے۔

مادی اور روحانی نظام میں شدید مشابہت

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اس جگہ کواکب سے ظاہری ستارے اور سورج وغیرہ مراد نہیں بلکہ عالَمِ رُوحانی کے کواکب مراد ہیں جن سے دینی نظام کو مزیّن کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں دو نظام پائے جاتے ہیں ایک روحانی نظام ہے اور ایک مادی۔ اور ان دونوں نظاموں میں ایک شدید مشابہت پائی جاتی ہے جس طرح زمین کے رہنے والوں کو اپنے سروں پر ایک آسمان نظر آتا ہے اور اس میں ستاروں کا ایک نظام موجود ہے جو اپنے اپنے دائرہ میں کام کر رہے ہیں اور اس نظام کو بدلنے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا اسی طرح روحانی نظام بھی اللہ تعالیٰ نے نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کیا ہؤا ہے اور جسمانی نظام کی طرح وہ بھی کئی طبقوں میں منقسم ہے اوپر کے طبقے تو محفوظ ہی ہیں اَلسَّمَآءَ الدُّنْیَا جس میں شرارت کا امکان ہوسکتا تھا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے بھی ہم نے ستاروں سے مزیّن کیا ہے اور اس کے ذریعہ اس آسمان کی حفاظت کی ہے۔ ستارے اور چاند جو اس مادی دنیا میں ہمیں دکھائی دیتے ہیں یہ نہ تو گرتے ہیں اور نہ ان کے ذریعہ ایسی کوئی تباہی آتی ہے جو شیاطین کے لئے ہلاکت کا موجب ہوتی ہو۔ اس جگہ جن ستاروں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے خدا تعالیٰ کے نبی، مجدّد اور نیک بندے مراد ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن سے روحانی آسمان کی زینت ہے۔ یہ لوگ اس لئے کھڑے کئے جاتے ہیں کہ جب شیاطین اس روحانی نظام میں رخنہ ڈالیں تو وہ ان کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور انہیں اپنی کوششوں میں ناکام کر دیں۔ آدمؑ سے لے کر اب تک کبھی بھی ظلمت کا کوئی دَور ایسا نہیں آیا جس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے رُشد اور ہدایت کے لئے کوئی مأمور نہ آیا ہو۔

ایک معزز وکیل سے گفتگو

ابھی گزشتہ دنوں مَیں سندھ میں تھا کہ وہاں ایک وکیل مجھ سے ملنے کے لئے آئے، وہ پُرانے شاہی خاندان میں سے تھے۔ باتوں باتوں میں مَیں نے ان سے پوچھا کہ آپ کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مَیں نوے فیصدی خاکسار ہوں۔ مَیں نے کہا نوے فیصدی کس طرح؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ خاکساروں کی باتیں تو میں ٹھیک سمجھتا ہوں لیکن لیڈر پر مجھے بدظنی ہے اس لئے دس فیصدی کی گنجائش میں نے رکھ لی ہے۔ پھر مَیں نے ان سے کہا کہ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ آدمؑ سے لے کر اب تک دنیا میں جب کبھی خرابی پیدا ہوتی رہی ہے کیا اس کا ازالہ کبھی کسی دُنیوی لیڈر نے کیا ہے؟ مَیں نے کہا آج ہر جگہ مسلمانوں کی حالت خراب ہے آپ ایک مثال ہی مجھے بتا دیں کہ دنیا میں کبھی ایسی خرابی پیدا ہوئی ہو اور اس کے دُور کرنے کے لئے کوئی انجمن قائم کی گئی ہو اور وہ کامیاب رہی ہو یا کسی خودساختہ لیڈر نے اس کو دُور کر دیا ہو۔ آخر ہزاروں سال کی تاریخ ہمارے سامنے ہے، آپ بتائیں کہ مثلاً نوحؑ کے زمانہ میں خرابی پیدا ہوئی اور اُس وقت فلاں مجلس کی طرف سے فلاں لیڈر کھڑا کیا گیا اور اس نے اس خرابی کو دُور کر دیا۔ یا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں خرابی پیدا ہوئی اور اسے فلاں فلاں دُنیوی لیڈر نے مٹا دیا۔ قرآن کریم جہاں بھی مثال دیتا ہے مأمور کی دیتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے ایک مأمور بھیجا اور اُس نے دنیا کی اصلاح کی۔ اگر اس کے خلاف کوئی مثال ہو تو آپ پیش کریں۔ کہنے لگے مثال تو کوئی نہیں، مَیں نے کہا لوگ خواہ کتنی ٹکریں ماریں جب بھی عالمگیر خرابی پیدا ہوگی اس کا مداوا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوگا۔ دنیا کی تدبیروں سے دنیا ٹھیک ہو سکتی ہے، حکومتیں بن سکتی ہیں، تعلیمی ترقی حاصل کی جاسکتی ہے، لیکن مذہب کی طرف منسوب کئے ہوئے غلط خیالات تبھی دُور ہو سکتے ہیں جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی مأمور مبعوث ہو۔ علماء یہ کام نہیں کر سکتے وہ لوگوں کے مقابلہ سے ڈرتے ہیں ان میں یہ جرأت ہی نہیں ہوتی کہ وہ کسی ایک مسئلہ ہی کو منوا سکیں، کجا یہ کہ سر سے لے کر پیر تک خرابی واقع ہو چکی اور پھر یہ خیال کیا جائے کہ کوئی عالم یا صوفی یا گدّی نشین اس خرابی کو دُور کر دے گا۔ اب تک خدا تعالیٰ کا یہی طریق نظر آتا ہے کہ اس نے ہمیشہ اپنی طرف سے کسی کو مبعوث کیا اور وہ دنیا کی راہنمائی اور ہدایت کا

موجب بنا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایسی عالمگیر خرابی کے زمانہ میں خدا ہر شخص کے کان میں آ کر کہے کہ تیرے اندر یہ یہ نقص پایا جاتا ہے۔ اس کا طریق یہی ہے کہ وہ ایک مأمور مبعوث فرماتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ کچھ لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور پھر ان کی تبلیغ کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ اور آدمی اس سلسلہ میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ عمارت کا کوئی ایک حصہ خراب ہو تو اس کی مرمت کی جاسکتی ہے، لیکن جب چھت میں بھی نقص پیدا کر دیا جائے دیواروں میں بھی نقص پیدا کر دیا جائے، فرش میں بھی نقص پیدا کر دیا جائے، الماریوں میں بھی نقص پیدا کر دیا جائے، دروازوں میں بھی نقص پیدا کر دیا جائے تو اُس وقت اس کی اصلاح کسی ایسے شخص کے ذریعہ ہی کی جاسکتی ہے جو پورا انجینئر ہو۔

عالمگیر خرابی واقع ہونے پر خدائی سنّت

غرض قرآن کریم بار بار اس مضمون کو بیان فرماتا ہے کہ جب کبھی دنیا میں خرابی واقع ہوتی ہے آسمان سے ایک ستارہ گرتا ہے فرماتا ہے وَالنَّجْمِ اِذَاهَوٰی مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰی

ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں ایک ستارہ کو پیش کرتے ہیں جب وہ ستارہ گرے گا دنیا پر ثابت ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ضالّ ہیں نہ غاوِی اور نہ نَاطِقُ عَنِ الْهَوٰی ہیں بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔

پیشگوئیوں میں استعارات کا استعمال

قرآن کریم ایک الہامی کتاب ہے اور الہامی زبان میں نازل ہوئی ہے مگر مسلمانوں کو یہ ایک عجیب غلطی لگی ہوئی ہے کہ وہ الہامی باتوں کا ترجمہ اپنی زبانوں میں کرتے ہیں حالانکہ وہ باتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں یا موسیٰ علیہ السلام کہیں یا عیسیٰ علیہ السلام کہیں بہر حال جب بھی وہ آئندہ کے متعلق کوئی بات کہیں گے پیشگوئی ہی ہوگی اور پیشگوئی تمثیلی رنگ میں ہوا کرتی ہے دکھایا اَور شکل میں جاتا ہے اور ظاہر اَور شکل میں ہوتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیا میں انگوروں کا ایک خوشہ دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ ابوجہل

کے لئے ہے۔ آپ نے یہ رؤیا دیکھی تو گھبرا کر آپ کی آنکھ کھل گئی کہ ابوجہل کے لئے جنت سے انگوروں کا خوشہ آنے کے کیا معنے ہیں؟ مگر بعد میں جب اس کا بیٹا عکرمہؓ مسلمان ہوگیا تب اس خواب کی حقیقت آپ پر ظاہر ہوئی اور آپ نے فرمایا ابوجہل کے لئے جنت کے انگوروں کا خوشہ بھجوانے کی تعبیر یہ تھی کہ اس کا بیٹا مسلمان ہو جائے گا۔ آپ کو دکھایا گیا کہ آپ ایک مقام کی طرف ہجرت کریں گے جہاں کثرت سے کھجوروں کے درخت ہوں گے آپ کا ذہن نخلہ مقام کی طرف گیا کہ غالباً وہاں ہجرت مقدر ہے اسی لئے آپ طائف بھی تشریف لے گئے تھے مگر وہاں کے لوگوں نے آپ کی شدید مخالفت کی پتھروں سے آپ زخمی ہوئے اور کوئی شخص آپ کے دعویٰ پر غور کرنے کے لئے تیار نہ ہؤا۔ یا مثلاً ایک صحابیؓ کے ہاتھ میں آپ نے کسریٰ شاہِ ایران کے کنگن دیکھے جس کی تعبیر یہ تھی کہ کسریٰ کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونے والی ہے مگر دکھایا یہ گیا کہ کسریٰ کے کنگن ایک شخص نے پہنے ہوئے ہیں۔

اسی طرح آپ نے دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں خزائنُ الْاَرْض کی چابیاں دی گئی ہیں، مگر یہ چابیاں آپ کے ہاتھ میں نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئیں۔

پھر آپ کو بتایا گیا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں میں سے سب سے پہلے لمبے ہاتھوں والی بیوی فوت ہوگی۔ آپ کی بیویوں نے یہ بات سُنی تو انہوں نے فوراً اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے کہ دیکھیں سب سے لمبے ہاتھ کس کے ہیں؟ انہیں معلوم ہؤا کہ سب سے لمبے ہاتھ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہیں مگر جب وفات ہوئی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہوئی تب معلوم ہؤا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد ظاہری ہاتھوں کی لمبائی نہیں تھی بلکہ یہ سخاوت کی طرف اشارہ تھا۔ عربی محاورہ کے مطابق جب کسی کو لمبے ہاتھ والا کہا جائے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ بہت بڑا سخی ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا چونکہ تمام بیویوں میں سے سب سے زیادہ سخی تھیں اس لئے پیشگوئی کے مطابق سب سے پہلے انہی کا انتقال ہؤا۔

علم تعبیر الرؤیا کے رو سے ثریّا کا مفہوم

اسی طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ هٰؤُلَاءِ

تو ایمان کسی تھیلی کا نام نہیں تھا جو ثریّا سے لٹکی ہوئی ہو یا ثریا کوئی بنک کی والٹ (VAULT) نہیں تھا جس میں ایمان کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔ بہر حال یہ ایک تمثیلی کلام تھا اور اس لفظ کا استعمال استعارہ کے رنگ میں ہؤا تھا پس ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر خواب میں کوئی ثریّا دیکھے تو اس کی کیا تعبیر ہؤا کرتی ہے۔ اس غرض کیلئے جب ہم تعطیر الانام کو دیکھتے ہیں جو الشیخ عبدالغنی النابلسی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور علم تعبیر الرؤیا کی نہایت معتبر اسلامی کتاب ہے تو اس میں ہمیں یہ لکھاہؤا نظر آتا ہے کہ **ھِیَ فِی الْمَنَامِ رَجُلٌ حَازِمٌ فِی الْاُمُوْرِ**[۱۷] یعنی ثریا سے مراد ایسا آدمی ہوتا ہے جو اپنے تمام کام نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ سرانجام دینے والا ہو۔ اسی طرح ابن سیرین جو مشہور تابعی گزرے ہیں اپنی کتاب ''منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام'' میں لکھتے ہیں کہ **ھُوَ رَجُلٌ حَازِمُ الرَّأْیِ یَرَی الْاُمُوْرَ فِی الْمُسْتَقْبِلِ**[۱۸]

یعنی ثریّا سے مراد ایسا انسان ہوتا ہے جو نہایت پختہ اور صحیح رائے رکھنے والا ہو، اور آئندہ زمانہ میں رونما ہونے والے واقعات کو بھی اپنی روحانی بصیرت سے دیکھ لیتا ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی افاضہ کے نتیجہ میں مسیح موعودؑ کا ظہور

ان معنوں کے لحاظ سے ثریّا سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے اُن تمام فرائض کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے سُپرد کئے گئے تھے انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیا اور ہمیشہ کامیابیوں اور کامرانیوں نے آپ کے قدم چومے۔ لیکن چونکہ آپ نے ہمیشہ زندہ نہیں رہنا تھا اور زمانۂ نبوت سے بُعد کی وجہ سے لوگوں نے کئی قسم کی خرابیوں میں مبتلاء ہو جانا تھا جن کو دُور کرنے کے لئے کسی آسمانی راہنما کی ضرورت تھی اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ اگر کسی وقت ایمان سمٹ کر ثریّا تک بھی چلا گیا یعنی دنیا میں گمراہی پھیل گئی اور ایمان صرف آپؐ کی ذات تک محدود رہ گیا تو اُس وقت پھر اللہ تعالیٰ آپ کے روحانی افاضہ کے نتیجہ میں ایک ایسا انسان مبعوث فرمائے گا جو آپ سے فیض اور برکت پا کر ایمان دنیا میں قائم کر دے گا اور کفر کی تاریکیوں کو پھاڑ دے گا یہی وجہ ہے کہ مسیح موعود کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل شاگرد ہونے کی وجہ سے ثریّا قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس نے بھی ظلمت کو

دُور کرنا تھا اور اسلام کا نور دنیا میں پھیلانا تھا چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کو **النّجم** کہا ہے جس کے معنے ثریّا کے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے ہیں کہ **اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ** [19] میرے سب صحابہ نجوم کی مانند ہیں۔ پس اس حدیث نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ مسیح موعود بھی صحابہ میں سے ہوگا اور وہ بھی آپ کے شاگردوں اور غلاموں میں شامل ہوگا۔

تمام اہم امور کا فیصلہ آسمان پر ہوتا ہے

اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے مطابق تمام بڑے اور اہم کام آسمان سے ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی بڑا تغیر رونما ہونے والا ہوتا ہے تو اس کے متعلق پہلا فیصلہ آسمان پر ہوتا ہے اور اس کے بعد اس کا زمین پر ظہور ہوتا ہے۔ حدیثوں میں صاف طور پر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کوئی بڑا کام کرنا ہوتا ہے تو پہلے وہ اپنے مقرب فرشتوں کو بتاتا ہے کہ میرا یہ ارادہ ہے۔ وہ فرشتے اپنے سے نچلے طبقہ کے فرشتوں کو اطلاع دیتے ہیں وہ اپنے سے نچلے طبقہ کے فرشتوں کو اطلاع دیتے ہیں یہاں تک کہ ہوتے ہوتے اُس کا دنیا میں ظہور شروع ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کے متعلق چاہتا ہے اُس کی مقبولیت کو دنیا میں پھیلا دیتا ہے۔[20] غرض جتنے بڑے کام ہوتے ہیں سب آسمان پر ہوتے ہیں زمین پر نہیں ہوتے۔ صرف زمین پر تغیرات ہونے کا عقیدہ ان لوگوں کا ہے جو دہریہ ہیں ورنہ خدا تعالیٰ کے ماننے والے تو جانتے ہیں کہ ہر بات کا فیصلہ پہلے آسمان پر ہوتا ہے اور پھر اس کا زمین پر ظہور ہوتا ہے گویا اگر ہم تمثیلی زبان اختیار کریں اور دنیا کو ایک تھیٹر کا ہال سمجھ لیں تو ڈرامہ آسمان پر لکھا جاتا ہے اور کھیل دنیا کے پردہ پر کھیلا جاتا ہے جب تک آسمان پر کوئی ڈرامہ نہیں لکھا جاتا زمین پر وہ کھیل نہیں کھیلی جاتی۔

محمد رسول اللہ اور مسیح موعودؑ بھی آسمان سے ہی نازل ہوئے ہیں

میں سمجھتا ہوں اس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمانوں کو غلطی لگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آنے والا مسیح آسمان سے اُترے گا[21] اور قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ **وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى** ایک ستارہ آسمان سے اُترے

گا اور ظلمت کا قلع قمع کر دے گا۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے ہم بھی اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اِس زمانہ میں جو اعتراضات ہوئے اُن کو دُور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے آسمان سے مسیح موعودؑ کو بھیجا، کیونکہ وہ شخص جو دنیا میں اپنے ماں باپ کے گھر پیدا ہؤا وہ مرزا غلام احمد قادیانی تھا مسیح موعود نہیں تھا جب وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو خدا تعالیٰ نے اسے مسیح موعود بنا دیا اور تب وہ گویا آسمان سے نازل ہؤا۔ اسی طرح عرب کی سرزمین میں آمنہ کے گھر میں پیدا ہونے والا محمدؐ تھا لیکن محمد رسول اللہ آسمان سے ہی آیا چنانچہ قرآن کریم اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ **قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ** [۲۲]

یہ آیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتی اور آپ کے آسمان سے نازل ہونے کو ظاہر کرتی ہے اگر مسیح پیدا ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کے ماں باپ بھی اپنے اندر مسیحی صفات رکھتے۔ اور اگر آمنہ کے گھر میں خاتم النّبیّن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتا تو ضروری تھا کہ منصبِ رسالت سے تعلق رکھنے والے علوم آمنہ میں بھی پائے جاتے، انہوں نے اپنے بیٹے کا نام محمدؐ رکھا اور خدا تعالیٰ نے چالیس سال کے بعد اسی محمدؐ کو ایک دوسرا روحانی جُبّہ پہنا کر رسول اللہ اور خاتم النّبیّن بنا دیا اور اس طرح گویا اُن کو آسمان سے نازل فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ مرزا غلام احمد جو قادیان کے رہنے والے تھے اُن کی یہ حیثیت ہی نہیں تھی کہ وہ دنیا میں کوئی روحانی انقلاب پیدا کر سکتے۔ نہ مکہ یا ازہر کا کوئی عالم اتنے بڑے بگاڑ کے وقت یہ کام کر سکتا تھا یہ کام محض آسمان سے اُترنے والے کیا کرتے ہیں اور مسیح موعود زمین پر نہیں بنا بلکہ آسمان سے اُترا۔ ماں باپ نے آپ کا نام غلام احمد رکھا لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کا نام مسیح اور مہدی رکھا اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آسمان سے مسیح موعود نازل ہؤا ہم کہہ سکتے ہیں کہ آسمان سے مہدی معہود اُترا۔

الطَّارِق اور النَّجْمُ الثَّاقِب میں مسیح موعود کی پیشگوئی

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ بھی بیان

فرمایا ہے وہ فرماتا ہے وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَاالطَّارِقُ۔ النَّجْمُ الثَّاقِبُ [۲۳]

یعنی ہم شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں رات کے آنے والے کو اور تمہیں کیا پتہ کہ وہ رات کو آنیوالا کون ہے؟ وہ ایک چمکنے والا ستارہ ہے نجم کے معنے عام ستارہ کے بھی ہیں اور ثریا کے بھی ہیں پس اس آیت میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک ظلمت اور تاریکی کا زمانہ اسلام پر آنے والا ہے۔ اُس وقت ایک رات کو آنے والا آئے گا اور لوگوں کے دروازہ پر دستک دے گا کہ میں تمہیں بچانے کے لئے آ گیا ہوں۔ اب دیکھو یہ دستک دینے والا کوئی آدمی ہی ہوگا ورنہ آسمانی ستارہ کو ہم طارق نہیں کہہ سکتے۔

پس اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ میں مہدی معہود کی خبر دی گئی ہے جس کا نور مؤمنوں کے لئے برکت اور زندگی کا موجب ہوگا اور اس کی چوٹ دشمنوں کے لئے مُہلک ہوگی۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ نجم ثاقب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک زندہ نشان ہوگا گویا یہ الزام جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگایا جاتا ہے کہ آپ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ضَالّ ہیں، غَاوِی ہیں نَاطِقٌ عَنِ الْھَوٰی ہیں اس کو دُور کرنے کے لئے ایک ستارہ اُترے گا اور اس کا اُترنا ثبوت ہوگا اس بات کا کہ آپ ضالّ نہیں غَاوِیْ نہیں، نَاطِقٌ عَنِ الْھَوٰی نہیں۔

صداقت معلوم کرنے کا ایک اہم اصول

یہ ثبوت کیونکر ہوگا، اس کے لئے ایک موٹی بات جو ہر شخص سمجھ سکتا ہے یہ ہے کہ کوئی جھوٹا آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو تعلیم مَیں پیش کر رہا ہوں اس میں جب کبھی رخنہ واقع ہوگا اُس وقت کوئی اور آدمی پیدا ہو جائے گا جو میرے کام کو سنبھال لے گا۔ یہ اتنی نمایاں بات ہے کہ عیسائی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی سختی سے اعتراضات کرنے کے عادی ہیں وہ بھی اس بات پر قائم ہیں کہ کسی نبی کی صداقت کی علامت ہی یہ ہوتی ہے کہ اس کی کسی اور نبی نے خبر دی ہو اور اس نے اپنے بعد کسی اور نبی کے ظہور کی پیشگوئی کی ہو۔

عیسائیوں کی دو غلطیاں

اب جہاں تک اس اصول کا تعلق ہے ان کی یہ بات تو سچی ہے مگر وہ اس بات کو پیش کرتے وقت دو غلطیاں کرتے

ہیں ۔ اوّل تو یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی آسمانی وجود کی خبر نہیں دی اور اس طرح یہ بات ان کی صداقت کو ردّ کر دیتی ہے حالانکہ قرآن کریم نے متواتر اس مضمون کو بیان کیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہی یہ ہے کہ جب بھی ان کے دین پر حملہ ہوگا آسمان سے ایک ستارہ گرے گا جو حملہ آور کو مٹا کر یہ ثابت کر دیگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضَالّ، غَاوِی اور نَاطِقُ عَنِ الْھَوٰی نہیں ۔

دوسرے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پہلی کتب میں کوئی پیشگوئی نہیں پائی جاتی وہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو مسیح علیہ السلام سے دس گنا پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں لیکن میں کہتا ہوں اگر انہی کی بات مان لی جائے کہ وہی شخص سچا ہوتا ہے جس کے ظہور کی پہلے کسی نے خبر دی ہو تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ ملاکی نبی نے اس کے متعلق پیشگوئی کی ۔ ہم کہیں گے ملاکی کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کے متعلق پیشگوئی کی ہے ۔ ہم کہیں گے داؤد علیہ السلام کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے اس کے متعلق پیشگوئی کی تھی ۔ ہم کہیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تم کیوں سچے سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے متعلق پیشگوئی کی تھی ۔ ہم کہیں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے متعلق پیشگوئی کی تھی ۔ ہم کہیں گے کہ نوح علیہ السلام کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ وہ کہیں گے اس لئے کہ آدم علیہ السلام نے اس کے متعلق پیشگوئی کی تھی ۔ ہم کہیں گے کہ آدمؑ کو تم کیوں سچا سمجھتے ہو؟ آدمؑ کی تو کسی نے پیشگوئی نہیں کی اور جب اس اصول کے مطابق آدمؑ جھوٹا ہو گیا تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ نوح بھی جھوٹا ہو گیا، ابراہیم بھی جھوٹا ہو گیا، موسیٰ بھی جھوٹا ہو گیا، داؤد بھی جھوٹا ہو گیا، ملاکی بھی جھوٹا ہو گیا اور عیسیٰ ؑ بھی جھوٹا ہو گیا ۔ غرض اوپر چلو تب بھی عیسائیوں کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق جھوٹے ثابت ہوتے ہیں اور نیچے اُترو تب بھی عیسائیوں کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق وہ جھوٹے ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک مسیح آخری منجی تھا جس نے اپنے بعد کسی اور کے ظہور کی خبر نہیں

دی۔

غرض غلطی سے انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی مجد دِدین اور مأمور کی خبر نہیں دی۔ لیکن اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ان کی بات درست ہے سوائے اس کے کہ جس سے سلسلہ نبوت کا آغاز ہوا اس کی کوئی اور خبر دے ہی نہیں سکتا اور جو قیامت کے قریب آئے گا وہ کسی بعد میں آنے والے کی خبر نہیں دے سکتا۔ لیکن بہرحال جب بھی کوئی مأمور آئے گا یہ یقینی بات ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی خرابی کو دُور کرے گا اس کے بعد اگر کسی اور زمانہ میں نئی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو پھر دنیا کو ایک نئے مأمور کی ضرورت محسوس ہوگی اور یہ سلسلہ آدمؑ سے لے کر اِس وقت تک جاری رہا۔

تاریکی کے ہر دَور میں اسلام کے احیاء کی خبر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ جب بھی اسلام پر تاریکی کا کوئی دَور آئے گا اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا آدمی کھڑا کیا جائے گا جو دوبارہ اسلام کو اپنی بنیادوں پر قائم کرے گا اور یہ ثبوت ہوگا اِس بات کا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضالّ نہیں کیونکہ کوئی ضالّ ہزار بارہ سَو سال کے بعد اپنے لئے ہمدرد پیدا نہیں کر سکتا اور کوئی شخص یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ کہہ سکے کہ جب بھی میرے مشن کو نقصان پہنچے گا خواہ کسی زمانہ میں پہنچے اور خواہ دنیا کے کسی علاقہ میں پہنچے اُس وقت آسمان سے ایک ایسا آدمی بھیجا جائے گا جو اس فتنہ کو دُور کر دیگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہؤا ہے کہ:-

''موت کے بعد مَیں پھر تجھے حیات بخشوں گا'' [۲۴]

یعنی جب کبھی آپ کے مشن کو کوئی نقصان پہنچنے والا ہوگا خدا تعالیٰ اُس کی زندگی کے پھر سامان پیدا کر دے گا۔

آئندہ زمانوں میں پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا فائدہ

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر یہ پیشگوئی اتنے عرصے کے بعد پوری بھی ہوئی تو اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ملا؟ میں

ایسے نادانوں سے کہتا ہوں کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف مکہ کے لئے تھے؟ کیا اس زمانہ کے لوگ آپ کی امت میں شامل نہیں تھے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک زندہ نبی ہیں اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے ہیں اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی پیشگوئیاں ہر زمانہ میں پوری ہوتیں تا کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے ایمانوں کو تازہ کر سکتے اور انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک زندہ اور تازہ ایمان میسّر آتا۔ پس یہ کہنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے کیا ملا۔ محض نادانی ہے اس پیشگوئی نے پورا ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو روشن کر دیا اب اگر کوئی یہودی اور عیسائی آپ پر اعتراض کرتا ہے تو ہم ان پیشگوئیوں کو اس کے سامنے رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو! یہ وہ پیشگوئیاں تھیں جن کے مطابق اِس زمانہ میں ایک شخص مبعوث ہؤا اور اُس نے کہا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت اور اس کی اشاعت کے لئے مبعوث ہؤا ہوں اب اگر کوئی اسلام کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو وہ میرے سامنے آئے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک شخص کا عین وقت پر اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو منجدھار سے نکالنے کے لئے آ جانا اس بات کا ثبوت نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے، یقیناً کوئی جھوٹا آدمی اس قسم کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

سابق الہامی کتب کی پیشگوئیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت ہیں

قرآن کریم نے بھی اس دلیل کو لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تُو موسیٰ کے وقت میں تھا کہ تُو نے جھوٹے طور پر اپنے متعلق تورات میں بشارت لکھوا دی؟ یا تُو عیسیٰؑ کے وقت میں تھا کہ تُو نے ان سے کہہ کر اپنے متعلق انجیل میں پیشگوئیاں درج کروالیں؟ ان پیشگوئیوں کا پہلی الہامی کتب میں پایا جانا اور پھر ان پیشگوئیوں کے عین مطابق ایک شخص کا دنیا میں ظاہر ہونا بتاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دوسرے تمام انبیاء آپ کے مُصَدِّق تھے کیونکہ انہوں نے اپنی کتب میں آپ کے متعلق پیشگوئیاں کی تھیں۔

شدیدُ القویٰ ہستی کی طرف سے قرآن کریم کا نزول

دوسری بات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک واضح اور روشن دلیل ہے وہ یہ ہے کہ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قرآن ملا ہے وہ ایک زبردست طاقتوں والے خدا کی طرف سے ملا ہے یہ سیدھی بات ہے کہ پیغام کی اہمیت کا تعلق پیغام بھجوانے والے کے ساتھ ہوتا ہے اگر پیغام بھجوانے والا کمزور ہو تو وہ اپنے پیغامبر کی حفاظت نہیں کر سکے گا اور اگر پیغام بھجوانے والا طاقتور ہو تو اس کے پیغامبر کو کوئی شخص چھیڑنے کی طاقت نہیں رکھے گا۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ہستی نے قرآن کریم دے کر بھیجا ہے وہ ایک طاقتور ہستی ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔

ایک روسی بادشاہ کا واقعہ

ٹالسٹائے روس کا ایک مشہور مصنّف گزرا ہے جو لینن اور مارکس وغیرہ کے بعد اُن چوٹی کے لوگوں میں سے تھا جنہوں نے بالشویزم کی اشاعت میں سب سے بڑا حصہ لیا ہے۔ اب بھی دنیا کی اکثر زبانوں میں اس کی تصانیف کے تراجم پائے جاتے ہیں۔ اس شخص کا ایک دادا سات آٹھ پُشت پہلے پیٹر بادشاہ کے زمانہ میں اس کا دربان ہوا کرتا تھا ایک دن بادشاہ کو کوئی ضروری کام تھا اور وہ اپنی قوم کی بہتری کے لئے کوئی سکیم سوچ رہا تھا۔ اس نے ٹالسٹائے کو حکم دیا کہ آج کسی شخص کو اندر آنے کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ اگر کوئی شخص اندر آئے گا تو میرا دماغ مشوش[۲۵] ہو جائے گا اور میں سکیم کو پوری طرح تیار نہیں کر سکوں گا۔ وہ ٹالسٹائے کو تاکید کر کے اپنے کمرہ میں آ گیا مگر بدقسمتی سے اُسی وقت ایک شہزادہ آیا اور اس نے اندر داخل ہونا چاہا۔ ٹالسٹائے نے اپنے ہاتھ اس کے دروازہ کے آگے پھیلا دیئے اور کہا آپ اندر نہیں جا سکتے بادشاہ کا حکم ہے کہ کسی شخص کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ اُس وقت تک روس کا قانون ابھی منظّم نہیں ہوا تھا اور لارڈوں، نوابوں اور شاہی خاندان والوں کے بڑے حقوق سمجھے جاتے تھے اس دستور کے مطابق شہزادہ کو قلعہ کے اندر داخل ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا بلکہ اُن سے اُتر کر بعض اور لوگوں کے لئے

بھی یہی دستور تھا۔ جب دربان نے شہزادہ کو روکا تو وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ مَیں کون ہوں؟ اس نے کہا میں خوب جانتا ہوں آپ فلاں گرینڈ ڈیوک ہیں۔ اس نے کہا کیا تم کو معلوم نہیں کہ مجھ کو ہر وقت اندر جانے کی اجازت ہے؟ دربان نے جواب دیا میں خوب جانتا ہوں۔ یہ سن کر وہ پھر آگے بڑھا اور اندر داخل ہونے لگا۔ دربان نے پھر اُسے روکا اور کہا حضور بادشاہ سلامت کا حکم ہے کہ آج کسی شخص کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ اُسے سخت غصّہ آیا اس نے کوڑا اُٹھایا اور دربان کو مارنا شروع کیا کچھ دیر مارنے کے بعد اس نے سمجھا کہ اب اسے ہوش آ گیا ہوگا وہ پھر اندر داخل ہونے لگا مگر ٹالسٹائے پھر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا حضور بادشاہ کا حکم ہے کہ کوئی شخص اندر داخل نہ ہو۔ شہزادہ نے پھر اسے مارنا شروع کر دیا وہ سر جُھکا کر مار کھاتا رہا مگر جب تیسری دفعہ شہزادہ اندر داخل ہونے لگا تو پھر اس نے ہاتھ پھیلا دیئے اور کہا اندر جانے کی اجازت نہیں بادشاہ نے منع کیا ہوا ہے۔ شہزادہ نے پھر اسے مارنا شروع کر دیا اتفاق کی بات ہے کہ جب پہلی دفعہ شہزادہ نے دربان کو مارا تو شور کی آواز بادشاہ کے کان تک پہنچ گئی اور اُس نے بالاخانہ کی کھڑکی سے یہ نظارہ دیکھنا شروع کر دیا۔ جب تیسری دفعہ شہزادہ اُسے مار رہا تھا تو بادشاہ نے اُسے آواز دی کہ ٹالسٹائے اِدھر آؤ۔ ٹالسٹائے اندر گیا اور اُس کے ساتھ شہزادہ بھی بڑے غصّے کی حالت میں بادشاہ کے پاس پہنچا اور اُس نے کہا آج دربان نے میری سخت ہتک کی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہؤا؟ شہزادہ نے کہا میں اندر آنا چاہتا تھا مگر ٹالسٹائے مجھے اندر نہیں آنے دیتا تھا۔ بادشاہ نے ایسی شکل بنا کر کہ گویا اس واقعہ کا اسے کوئی علم نہیں کہا ٹالسٹائے! تم نے شہزادے کو اندر داخل ہونے سے کیوں روکا؟ اس نے کہا حضور آپ کا حکم تھا کہ آج کسی شخص کو اندر داخل نہ ہونے دیا جائے۔ بادشاہ نے شہزادے کی طرف دیکھا اور کہا کیا اس نے تم کو بتایا تھا کہ مَیں نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی شخص کو اندر نہ آنے دیا جائے؟ اس نے کہا بتایا تو تھا مگر شہزادہ کو کوئی دربان روک نہیں سکتا۔ بادشاہ نے کہا مَیں جانتا ہوں کہ شہزادہ کو کوئی روک نہیں سکتا مگر بادشاہ روک سکتا ہے۔ تم نے شہزادہ ہو کر قانون کی بے حُرمتی کی ہے اور اس نے دربان ہو کر قانون کی عظمت کو سمجھا ہے۔ اور پھر باوجود اس کے کہ اس نے تمہیں بتا دیا تھا کہ یہ میرا حکم ہے پھر بھی تم نے اسے مارا اب اس کی سزا یہ ہے

کہ تم اس دربان کے ہاتھوں اسی طرح مار کھاؤ جس طرح تم نے اسے مارا ہے۔ اس کے بعد اُس نے ٹالسٹائے کو کہا ٹالسٹائے! اُٹھو اور اِس شہزادے کو مارو۔ روسی قانون کے مطابق کسی فوجی کو کوئی غیر فوجی نہیں مار سکتا۔ شہزادہ نے کہا میں فوجی ہوں اور یہ ٹالسٹائے سویلین ہے یہ مجھے مار نہیں سکتا۔ بادشاہ نے کہا کیپٹن ٹالسٹائے! مَیں تمہیں کہتا ہوں کہ تم شہزادہ کو مارو۔ اُس نے مارنے کے لئے کوڑا اُٹھایا تو شہزادہ نے کہا مَیں زارِ روس کا جرنیل ہوں اور جرنیل کو کوئی غیر جرنیل نہیں مار سکتا۔ بادشاہ نے کہا جنرل ٹالسٹائے! مَیں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم شہزادہ کو مارو۔ اس پر شہزادہ نے پھر روسی کانسٹی ٹیوشن کا حوالہ دے کر کہا کہ کسی نواب کو کوئی غیر نواب نہیں مار سکتا۔ بادشاہ نے کہا اچھا کاؤنٹ ٹالسٹائے! اُٹھو اور شہزادہ کو مارو۔ گویا دربان سے اُسی وقت اُس نے اُسے کاؤنٹ بنا دیا اور شہزادہ کو اس کے ہاتھوں سے سزا دلوائی۔

کفار کو انتباہ

اسی طرح فرماتا ہے عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبردست طاقتیں رکھنے والے خدا نے مبعوث فرمایا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ یہ ایک غریب انسان ہے، تم سمجھتے ہو کہ یہ ایک بیوہ کا بیٹا ہے، اگر تم نے اس کے پیغام پر کان نہ دھرا تو کیا ہوگا۔ جس کا خط لے کر یہ تمہاری طرف آیا ہے، جس کے پیغام کا حامل بنا کر یہ تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہے وہ شَدِیْدُ الْقُوٰی ہے تم نے اسے ہاتھ لگایا تو تم شدید سزا پاؤ گے چنانچہ دیکھ لو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیڑنے والوں کو کیسا عذاب ملا اور وہ کتنی عبرت ناک حالت کو پہنچے۔

کسریٰ شاہِ ایران کا عبرت ناک انجام

یہودی مسلمانوں کے ہمیشہ ہی ممنونِ احسان رہے ہیں مگر وہ مسلمانوں کے ممنونِ احسان بھی رہے اور پھر دشمنی بھی کرتے رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بڑے بڑے احسانات کئے تھے مگر انہوں نے ہمیشہ آپ کی مخالفت کی اور بیرونی حکومتوں کو آپ کے خلاف اُکسانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ جب ان کے تاجر ایران جاتے تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہمیشہ کسریٰ کے کان بھرتے۔ اسی طرح خطوں میں بھی اسے لکھتے رہتے کہ عرب میں ایک ایسا ایسا آدمی طاقت پکڑتا جاتا ہے اگر اس کی حکومت

قائم ہوگئی تو وہ ایران پر حملہ کر دے گا۔ بادشاہ کم عقل تھا وہ یہودیوں کے اس فریب میں آ گیا اور اس نے یمن کے گورنر کو خط لکھا کہ عرب میں جو نیا مدعی نبوت پیدا ہؤا ہے تم اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ یمن کے گورنر نے دو آدمی بھجوائے۔ اُس وقت ایران کی طاقت ویسی ہی تھی جیسے اس وقت امریکہ اور روس کی ہے اور عرب والوں کی حالت ایسی تھی جیسے سرحدی قبائل کی ہے۔ گورنر یمن نے اپنے سپاہیوں کو بھیجتے ہوئے ان کے ذریعہ آپ کو یہ پیغام بھجوایا کہ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ آپ کا قصور کیا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ آپ چلے آئیں میں آپ کی سفارش کر کے شاہِ ایران کے پاس بھجوا دونگا کہ اگر اس شخص کا کوئی قصور بھی ہے تو اسے معاف کر دیا جائے۔ وہ دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں گورنر یمن نے آپ کو اپنے ساتھ لانے کے لئے بھیجا ہے اور یہ یہ پیغام بھی دیا ہے۔ اگر آپ نے انکار کیا تو بادشاہ کی فوجیں عرب پر دھاوا بول دیں گی اور تمام ملک ایک مصیبت میں مبتلاء ہو جائے گا اس لئے مناسب یہی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں، گورنر یمن نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کی سفارش کر دیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کا جواب تمہیں پھر دونگا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی شروع کی کہ وہ اس معاملہ میں آپ کی مدد فرمائے دوسرے دن جب وہ ملے تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن اور ٹھہر جاؤ۔ جب تیسرا دن ہؤا تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا آج ہمیں آئے ہوئے تین دن ہو گئے ہیں آپ ساتھ چلئے ایسا نہ ہو کہ یہ معاملہ بگڑ جائے اور تمام عرب پر مصیبت آ جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو! اپنے گورنر سے جا کر کہدو کہ میرے خدا نے آج رات تمہارے خداوند کو مار دیا ہے۔ ایرانی لوگ اپنے بادشاہ کو خداوند کہا کرتے تھے انہوں نے کہا آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ اپنے آپ پر اور اپنی قوم پر رحم کیجئے اور ہمارے ساتھ چلئے۔ آپ نے فرمایا مَیں نے تمہیں جواب تو دے دیا ہے جاؤ اور گورنرِ یمن کو یہی بات کہہ دو۔ وہ واپس آ گئے اور انہوں نے یمن کے گورنر سے یہ بات کہہ دی۔ اُس نے سن کر کہا کہ یا تو یہ شخص پاگل ہے اور یا واقعہ میں خدا تعالیٰ کا نبی ہے ہم چند دن انتظار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا اِس کی بات سچی ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان نشان

تھوڑے دنوں کے بعد یمن کی بندرگاہ پر ایران کا ایک جہاز لنگر انداز ہؤا اور اس میں سے ایک سفیر اُترا جو یمن کے گورنر کے نام ایک شاہی خط لایا۔ یمن کے گورنر نے اسے دیکھا تو اس پر ایک نئے بادشاہ کی مُہر تھی اُس نے خط اپنے ہاتھ میں لیتے ہی درباریوں سے کہا وہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے جو اس عرب نے کہی تھی۔ اس نے خط کھولا تو وہ کسریٰ کے بیٹے کا تھا اور اس میں یہ لکھا تھا کہ ہمارا باپ نہایت ظالم اور سفّاک انسان تھا اور اس نے تمام ملک میں ایک تباہی مچا رکھی تھی ہم نے فلاں رات اسے مار دیا ہے اور اب ہم خود اس کی جگہ تخت پر بیٹھ گئے ہیں اب تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی مملکت کے لوگوں سے ہماری اطاعت کا اقرار لو، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہؤا کہ انہی سفّاکیوں میں سے جو ہمارے باپ نے کیں ایک یہ بھی سفّاکی تھی کہ اس نے عرب کے ایک شخص کے متعلق لکھا تھا کہ اسے گرفتار کر کے ہمارے پاس بھجوا دیا جائے ہم اِس حکم کو منسوخ کرتے ہیں۔

یہی حقیقت عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى میں بیان کی گئی ہے کہ ایک طاقتور ہستی اس کی نگران ہوگی اور اس کو چھیڑنا کوئی آسان کام نہیں ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہت سے مواقع ایسے آئے ہیں جنہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ کو چھیڑنا خدا تعالیٰ کو چھیڑنا تھا۔

اصلاحِ خلق کے لئے ایک کامل انسان کی پیدائش

پھر فرماتا ہے ذُوْ مِرَّةٍ وہ طاقتور ہی نہیں بلکہ مِرَّۃ والا ہے ذُوْ مِرَّةٍ کے اصل معنے پیدائش کی طاقت بلکہ بہت بڑی طاقت رکھنے والے کے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ بار بار پیدائش کی طاقت کا ظہور اس سے ہوتا رہتا ہے گویا بتایا کہ وہ شَدِيْدُ الْقُوٰى ہی نہیں بلکہ اس میں اعلیٰ درجہ کی کامل پیدائش کی طاقت بھی موجود ہے فَاسْتَوٰى پھر اس طاقتور خدا اور اعلیٰ سے اعلیٰ مخلوق پیدا کرنے والے خدا نے ارادہ کیا کہ مَیں دنیا میں اپنی مخلوق پر ظاہر ہوں وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى اور وہ خدا بہت اونچا تھا اور بنی نوع انسان زمین پر رینگ رہے تھے اور ہر قسم کی کمزوریاں اور گناہ ان میں پائے جاتے تھے بائیبل میں بھی لکھا ہے۔

''اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا بُرے ہی ہوتے ہیں تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا

کرنے سے ملول ہؤا اور دل میں غم کیا اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے مَیں نے پیدا کیا روئے زمین سے مٹا ڈالوں گا انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جانداروں اور ہوا کے پرندوں تک کیونکہ مَیں ان کے بنانے سے ملول ہوں''۔ ۲۶

غرض خدا آسمان پر بیٹھا ہؤا تھا اس نے جب بنی نوع انسان کی خرابی دیکھی تو چاہا کہ میں ایک نئی مخلوق پیدا کروں کیونکہ وہ ذُوْمِرَّۃٍ تھا وہ چاہتا تھا کہ ایک کامل اور اکمل انسان کو پیدا کرے جو لوگوں کو گمراہی سے بچا کر نور و ہدایت کی طرف لائے یہاں آ کر خداتعالیٰ نے درمیان میں سے اس مضمون کو حذف کر دیا ہے کہ اس ارادہ کے مطابق اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چُنا اور چن کر کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو اس قابل ہے کہ میں اُسے برکت دوں اور اُسے دنیا کے لئے ایک نمونہ بناؤں۔

محمد رسول اللہ کا خداتعالیٰ کی طرف صعود

اس کے بعد فرماتا ہے دَنَا جب خداتعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چنا اور انہیں آواز دی کہ اے محمد رسول اللہ! تُو میرے پاس آ کہ مَیں نے تجھے دنیا کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے چُن لیا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونچا ہونا شروع کیا۔ یہاں مینار کا لفظ استعمال نہیں ہؤا مگر تمثیلی زبان میں ایک مینار کا ہی ذکر کیا گیا ہے کیونکہ پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ وَھُوَ بِالْاُ فُقِ الْاَعْلٰی خداتعالیٰ اوپر بیٹھا ہؤا ہے اور وہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتا ہے اور انہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ اس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خداتعالیٰ کی طرف صعود شروع کیا دَنٰی کے معنی یہی ہیں کہ وہ قریب ہوتے گئے یعنی خدا سے ملنے کے لئے اوپر ہوتے گئے گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ محمدیؐ سے اوپر چڑھنے شروع ہوئے اور آخر آپ عرش تک جا پہنچے (چنانچہ معراج میں ایسا ہی ہؤا)۔

خداتعالیٰ کا بنی نوع انسان کی نجات کے لئے آسمان سے نزول

مگر سوال یہ ہے کہ ان میں تو طاقت تھی کہ وہ خداتعالیٰ تک پہنچ جائیں ہر شخص تو اتنا اونچا نہیں جا سکتا۔ بے شک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاص اور محبت اور فدائیت کے لحاظ سے اپنے اندر یہ استعداد رکھتے تھے کہ خداتعالیٰ کے

قُرب کو حاصل کر سکیں لیکن وہ لوگ جن کی اصلاح کے لئے آپ مقرر ہوئے تھے ان میں سے ہر شخص میں تو یہ طاقت نہیں تھی کہ وہ اتنا اونچا جا سکتا ان لوگوں کے لئے ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ نیچے کی طرف نزول کرتا۔ چنانچہ فرماتا ہے فَتَدَلّٰی۔ تَدَلّٰی کے معنے ہیں اوپر کی چیز نیچے آ گئی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اوپر چڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ چڑھتے چڑھتے آپ نے اپنے مقصود کو پا لیا مگر جب آپ نے اوپر چڑھنا شروع کیا تو خدا تعالیٰ نے کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آ گئے باقی لوگ نہیں آ سکتے تب خدا تعالیٰ خود کچھ نیچے آیا تا کہ کمزور مخلوق کی نجات کی بھی صورت بنے اور اُس نے ایک زاویہ بنا دیا جہاں ہر انسان بشرطیکہ وہ اپنی استعدادوں سے کام لے پہنچ سکتا اور خدا تعالیٰ کے قُرب کو حاصل کر سکتا ہے۔

مغفرت اور قُربِ الٰہی کے ذرائع

یہ مضمون ایک لمبی تشریح کا حامل ہے مگر اِس وقت میں صرف ایک دو باتیں اَور بیان کر دیتا ہوں جن سے پتہ لگ سکتا ہے کہ کس طرح بنی نوع انسان کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے خدا تعالیٰ جو اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ہے ان سے ملنے کے لئے نیچے آیا اور اُس نے اپنے قُرب کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے۔ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث پائی جاتی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پچاس نمازیں بنی نوع انسان کیلئے مقرر فرمائی تھیں لیکن پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے ان کو کم کرتے کرتے اُمّتِ محمدیہ کے لئے صرف پانچ نمازیں مقرر فرمائیں مگر ساتھ ہی فرمایا کہ گو نمازیں پانچ ہی ہونگی مگر ان کو شمار پچاس کیا جائے گا یعنی ایک شخص پڑھے گا تو پانچ نمازیں مگر خدا تعالیٰ کے دربار میں اس کی پچاس نمازیں لکھی جائیں گی۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر ایک نیکی کے بدلہ میں انسان کو دس گنا اجر دیا جاتا ہے اور بدی یا تو معاف کر دی جاتی ہے اور یا اس کے اعمال نامہ میں صرف ایک بدی ہی لکھی جاتی ہے۔ یہ طریق ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے اوپر چڑھنے کے لئے مقرر فرمایا ہے بندہ ایک نیکی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کی دس نیکیاں لکھتا ہے اور پھر قیامت کے دن اُن دسوں کو ایک ایک سمجھ کر پھر دس دس بنا دیتا ہے اور بندہ ایک بدی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ صرف ایک ہی بدی لکھتا ہے اور بعض دفعہ تو ایک بھی نہیں لکھتا توبہ پر اُس کو معاف فرما دیتا ہے۔

روحانی ارتقاء کے غیر معمولی سامان

غرض دَنَا فَتَدَلّٰی میں وہ طریق بیان کیا گیا ہے جس کے ذریعہ انسانی ارواح نے ارتقاء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قُرب کو حاصل کرنا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بغیر اس گُر کے بھی خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کر سکتے تھے بغیر اس کے کہ آپ کی ایک نیکی کو دس گنا شمار کیا جاتا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ قابلیت موجود تھی کہ آپ خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتے اور اس کے قُرب کو حاصل کر لیتے مگر تمام لوگوں میں یہ قابلیت موجود نہیں تھی ان کے لئے خدا تعالیٰ نے عرش سے نیچے اُترنا گوارا کیا اور اس نے ان کی چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو بڑھانا شروع کیا تا کہ اس ذریعہ سے ان کی کمی پوری ہو جائے اور وہ روحانی دَوڑ میں پیچھے نہ رہ جائیں اور یہ فضیلت صرف اسلام ہی کو حاصل ہے جس میں روحانی ارتقاء کے لئے ہر قسم کی سہولتیں رکھی گئی ہیں اور ترقیات کا دروازہ تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں کھولا گیا ہے۔

خدائی کمان کا محمد رسول اللہ کی کمان سے اتّصال

فرماتا ہے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی جب یہ حالت ہوئی اور خدا تعالیٰ نیچے آیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ دو قوسیں آپس میں متوازی ہو گئیں اور اونچائی نیچائی کے لحاظ سے بھی اور نشانہ کی سیدھ کے لحاظ سے بھی کہ جِدھر ایک تیر چلتا تھا اُسی طرف دوسرا تیر پڑتا تھا۔ یا یوں سمجھ لو کہ ایک کمان زمین سے اوپر جانی شروع ہوئی اور ایک کمان اوپر سے نیچے آنی شروع ہوئی۔ خدا تعالیٰ کی کمان اوپر سے نیچے اُتری اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان نیچے سے اوپر گئی چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں جو انقلاب پیدا کیا جانا مقدر تھا وہ ایسا تھا جس میں شیطان کا شکست کھانا یقینی تھا اس لئے لازمی تھا کہ آپ کے ظہور پر شیطان کا لشکر اپنی پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اسی حملہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اپنی کمان لے کر اوپر آؤ ہم اپنی کمان لے کر نیچے اُترتے ہیں۔ یہ ایک روحانی استعارہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں اُوپر چڑھنی شروع ہوئیں اور خدا تعالیٰ کی قبولیت نیچے اُترنی شروع ہوئی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی اور ایسی بن گئیں جیسے دو کمانوں کو ساتھ ساتھ ملا دیا جائے یا دو کمانیں آپس میں جوڑ دی

جائیں تو جو کیفیت ان کی ہوتی ہے وہی کیفیت اس اتحاد کی تھی اَوْ اَدْنٰی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ دو کمانیں رہی ہی نہیں ایک بن گئیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان کا خدا تعالیٰ کی کمان کے ساتھ ایسا اتحاد ہؤا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کمان کوئی الگ نہیں رہی وہ وہی تھی جو خدا تعالیٰ کی تھی گویا آسمان اور زمین کا مقصد ایک ہوگیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اتباع نے ارادے چھوڑ کر خدا کے ارادے قبول کر لئے اور خدا نے اپنے ارادے چھوڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اتباع کے ارادے قبول کر لئے۔

تمہارے ارادے خدا تعالیٰ کے ارادوں کے تابع ہونے چاہئیں

اِسی نکتہ کو اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ یوں بیان فرماتا ہے کہ وَمَاتَشَآءُوْنَ اِلَّآاَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْماً حَکِیْمًا [۲۷] یعنی اے مسلمانو! آج سے تم یہ عہد کر لو کہ تمہارے دل میں کوئی خواہش پیدا نہ ہو جب تک کہ تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی بھی وہی خواہش ہے۔ گویا تمہارا ارادہ خدا تعالیٰ کے ارادہ سے اور تمہاری خواہش خدا تعالیٰ کی خواہش سے مل جائے اور کسی امر میں بھی تمہاری نفسانیت کا کوئی دخل نہ رہے۔ چنانچہ دیکھ لو ہجرت کے موقع پر صحابہؓ نے بڑا زور لگایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ سے مدینہ تشریف لے چلیں مگر باوجود اِس کے کہ اس وقت سب سے زیادہ خطرناک مقام مکہ تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی ہجرت کا حکم نہیں ہؤا گویا جو کچھ خدا تعالیٰ کی مشیّت تھی اُس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے چلے گئے۔ پس جو کچھ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی میں مضمون بیان کیا گیا ہے وہی مضمون وَمَاتَشَآءُوْنَ اِلَّآاَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ میں بیان کیا گیا ہے خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے دیا کہ تم اپنی کمان پھینک دو اور میری کمان لے لو مَیں بھی اپنی کمان پھینکتا ہوں اور تمہاری کمان اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہوں۔

محمد رسول اللہ کے دشمن آسمانی تیروں کی زد میں

ایک اور جگہ بھی قرآن کریم میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَارَمَیْتَ اِذْرَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی [۲۸]

اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب تُو نے اپنی کمان سے تیر چھوڑا تو ہم سچ کہتے ہیں کہ وہ تیر تیری کمان نے نہیں چھوڑا بلکہ وہ تیر ہماری کمان نے چھوڑا مَا رَمَيْتَ تُو نے تیر نہیں چلایا اِذْ رَمَيْتَ جب تُو نے تیر چلایا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى بلکہ وہ تیر خدا تعالیٰ نے چلایا گویا اگر ہم غور کریں تو نقشہ یوں بن گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنی کمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی اور فرمایا اب جو بھی تیرے سامنے آئے گا اس پر زمینی تیر ہی نہیں چلے گا بلکہ آسمانی تیر بھی چلے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور بے لَوث حیات

عملی طور پر بھی دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ زندگی میں آپ کے ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں دشمن تھے حکومتیں آپ کے خلاف تھیں، عرب کے آزاد قبائل آپ سے برسرِ پیکار تھے، قیصر و کسریٰ کی حکومتیں بھی آپ سے نبرد آزما تھیں یہودی الگ فتنہ برپا کئے ہوئے تھے اور منافقین، اسلام کو مٹانے کے لئے علیحدہ سازش میں مصروف تھے مگر اتنی شدید مخالفتوں کے باوجود ایک مثال بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسی نہیں ملتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص پر تیر چلایا ہو جس پر خدا تعالیٰ نے تیر نہ چلایا ہو۔ اسی طرح آپ کی زندگی کا گہرا مطالعہ اس حقیقت کو روشن کرتا ہے کہ آپ نے کبھی کسی ایسے شخص پر تیر نہیں چلایا جو مُجرم نہ ہو۔ حکومتیں کئی بے قصوروں کو مار ڈالتی ہیں، کئی ایسے لوگوں کو بھی ان کے ہاتھوں نقصان پہنچ جاتا ہے جو بے گناہ ہوتے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جو ایک کھلی کتاب کے طور پر تھی اس میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نظر نہیں آتی کہ آپ کا تیر ایسے طور پر چلا ہو کہ کوئی بے گناہ اس کا شکار ہؤا ہو۔ صحابہ کرامؓ سے بعض دفعہ ایسی غلطیاں ہوئی ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی اس کا علم ہؤا آپ نے ان پر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

حضرت اسامہؓ پر ناراضگی

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کو نہایت عزیز تھے ان کے باپ کو آپ نے اپنا بیٹا بنایا ہؤا تھا ایک غزوہ میں حضرت اسامہؓ شریک تھے کہ ایک مخالف کے تعاقب میں انہوں نے اپنا گھوڑا ڈال دیا جب اُس نے دیکھا کہ

اب میں قابو آ گیا ہوں تو اس نے کہا لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں مگر حضرت اسامہؓ نے اُس کی کوئی پرواہ نہ کی اور اُسے قتل کر دیا۔ بعد میں کسی شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی، آپ حضرت اسامہؓ پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تُو نے کیوں مارا جب کہ وہ اسلام کا اقرار کر چکا تھا۔ حضرت اسامہؓ نے کہا وہ جھوٹا اور دھوکے باز تھا وہ دل سے ایمان نہیں لایا صرف ڈر کے مارے اُس نے اسلام کا اقرار کیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا کیا تُو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا کہ وہ سچے دل سے اسلام کا اظہار نہیں کر رہا تھا؟ یعنی جب وہ کہہ رہا تھا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں تو تمہارا کوئی حق نہیں تھا کہ تم یہ کہتے کہ تم مسلمان نہیں۔ اسامہ بن زیدؓ نے اپنی بات پر پھر اصرار کیا اور کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! وہ تو یونہی باتیں بنا رہا تھا ورنہ اسلام اس کے دل میں کہاں داخل ہؤا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسامہ! تم قیامت کے دن کیا جواب دو گے جب اس کا لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تمہارے سامنے پیش کیا جائے گا اور تمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اسامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ناراضگی کو دیکھ کر اُس دن میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! میں اس سے پہلے کافر ہی ہوتا اور آج مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق ملتی تا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے فعل کی وجہ سے اتنا دُکھ نہ پہنچتا۔[۲۹]

حضرت خالد بن ولید کے ایک فعل سے اظہارِ براءت

اسی طرح ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا اس زمانہ میں کفار عام طور پر مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے جیسے آجکل ہمیں مرزائی یا قادیانی کہا جاتا ہے یہ دراصل جہلاء کی ایک غلطی ہے جس میں بعض لکھے پڑھے بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا نام اس کے ماں باپ نے عبدالرحمٰن رکھا ہے تو اسے عبدالشیطان کہنے سے نہ وہ عبدالشیطان بن جائے گا اور نہ عبدالشیطان کہنا کوئی شرافت ہوگی۔ اسی طرح صحیح طریقہ تو یہی ہے کہ اگر کوئی اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے تو اُسے حنفی کہو، شیعہ کہتا ہے تو شیعہ کہو، سنّی کہتا ہے تو سنّی کہو، مگر جس طرح لوگ ہمیں مرزائی یا

قادیانی کہتے ہیں یا مشرقی پنجاب میں سِکھ ہماری جماعت کے ہر شخص کو مولوی کہتے تھے گو وہ ایک لفظ بھی عربی کا نہ جانتا ہو اسی طرح اُس زمانہ میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو صابی کہا جاتا تھا اور چونکہ عوام الناس میں یہی نام رائج تھا اس لئے جب خالد بن ولید نے انہیں دعوتِ اسلام دی تو انہوں نے بجائے یہ کہنے کے کہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں کہہ دیا کہ صبانا، صبانا ہم صابی ہوتے ہیں ہم صابی ہوتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید نے ان الفاظ کی کوئی پرواہ نہ کی اور اُن میں سے بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو قیدی بنا لیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیئے اور فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَبۡرَءُ اِلَیۡکَ مِمَّاصَنَعَ خَالِدٌ اے خدا! مَیں اُس فعل سے اپنی نفرت اور بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جس کا ارتکاب خالد نے کیا ہے اور آپ نے یہ فقرہ دو دفعہ دُہرایا۔[۳۰]

آسمانی اور زمینی تیر ایک نشانہ پر

ان مثالوں سے پتہ لگتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی غیر مُجرم پر تیر نہیں چلایا جہاں خدا تعالیٰ کا تیر چلا وہیں آپ کا بھی تیر چلا اور جہاں آپ کا تیر چلا وہیں خدا تعالیٰ نے بھی تیر چلایا، اسی طرح آپ کی زندگی میں کوئی ایک بھی مثال ایسی نظر نہیں آتی، جہاں آپ نے تِیر چلانا مناسب سمجھا ہو اور خدا تعالیٰ نے تِیر نہ چلایا ہو، جہاں آپ کی ساری زندگی میں ایک مثال بھی ایسی نہیں پائی جاتی کہ خدا تعالیٰ نے تِیر نہ چلایا ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چلا دیا ہو، وہاں ایسی بھی کوئی مثال نظر نہیں آتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تِیر چلانا مناسب سمجھا ہو اور خدا تعالیٰ نے نہ چلایا ہو۔ یہی مضمون اللہ تعالیٰ نے فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی میں بیان فرمایا ہے کہ دونوں کی کمانیں ایک ہو گئیں اور دونوں کے تِیر ایک ہی نشانہ پر پڑنے لگے غرض مَاتَشَآءُ وۡنَ اِلَّآاَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ اور مَارَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کے ماتحت دونوں ایک مینار پر جمع ہو گئے انسانیت بھی بلند مینار پر جا کھڑی ہوئی اور اُلوہیت بھی انسان کی ملاقات کے لئے بے تاب ہو کر آسمان سے اُتر آئی۔

صعود و نزول کا پُر کیف نظارہ

بے شک فرعون نے بھی ایک مینار بنایا تھا مگر اسے اس مینار پر خدا تعالیٰ نظر نہ آیا کیونکہ وہ جھوٹا تھا اُسے نظر آیا

تو سمندر کی پاتال میں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور راستباز انسان تھے آپ کے دل میں اپنے خدا کا سچا عشق تھا اور خدا تعالیٰ کے دل میں مقامِ محمدیت کی بے انتہاء محبت تھی پس وہ دونوں بے قرار ہو کر ایک دوسرے کی طرف دوڑے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:-

وصل کا تب مزہ ہے کہ دونوں ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے ملنے کے لئے اوپر کی طرف صعود کیا اور خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے نیچے کی طرف نزول کیا اور اس کے نتیجہ میں دونوں کی قوسیں ایک بن گئیں اور دونوں کے تیر ایک نشانہ پر پڑنے لگے۔

تین خوبیوں والا کلام

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی تب اللہ تعالیٰ کا کلام اس مینار پر نازل ہوا جس میں یہ تین خوبیاں تھیں۔

اوّل اُس نے الفاظ میں کلام کیا

دوم آنکھوں سے نظارہ دیکھا

سوم دل سے اُسے قبول کیا اور اس پر ایمان لایا۔

مخالفینِ اسلام کے شکوک کا ازالہ

پھر فرماتا ہے اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَایَرٰی وَلَقَدْرَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی کیا تم نے اس کی بات پر شک کرتے ہو کہ:-

(۱) شاید فلسفیانہ خیالات کی رَو میں بہہ گیا ہے۔

(۲) شاید شیطان نے اس پر کلام نازل کیا ہے۔

(۳) شاید ہوا و حرص کے جذبات چھچھڑے بن کر اسے نظر آ رہے ہیں۔

مگر تم اِس کا کیا جواب دو گے کہ اُس نے یہ مینار پر نزول ایک دفعہ نہیں دیکھا بلکہ دو دفعہ دیکھا ہے اور پھر اس نزول کو سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی کے نزدیک دیکھا ہے یعنی پیشگوئیوں کے مطابق دیکھا ہے ان کے بغیر نہیں۔ کیا کسی جھوٹے کے لئے یہ ممکن ہے کہ جب جب اس کی قوم مصیبت میں مبتلاء ہو ایک آسمانی وحی کا مدّعی اس کی تائید کے لئے کھڑا ہو جائے اور وہ کھڑا بھی اِس

جھوٹے کے دعویٰ کے مطابق ہو اور پھر دنیا میں کامیاب بھی ہو جائے۔

اُفقِ مُبین میں ظاہر ہونے والا ستارہ

یہ پیشگوئیاں کیا تھیں، جن کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ پیشگوئیاں یہ تھیں۔

اوّل وہ النجم ہوگا، یعنی دشمنانِ محمدؐ کو تباہ کریگا۔

دوم وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ [۳۱] وہ مشرق سے ظاہر ہوگا، حدیثوں میں بھی آتا ہے کہ وہ فِیْ شَرْقِیِّ دِمَشْق [۳۲] نازل ہوگا۔

سوم وہ عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ نازل ہوگا۔[۳۳]

اَلْمَنَارَۃُ الْبَیْضَاءُ سے کیا مراد ہے؟

اس جگہ اَلْمَنَارَۃُ الْبَیْضَاءُ سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے اور عِنْدَ کے معنی قریب کے ہیں پس عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ کے معنے یہ ہیں کہ وہ مقامِ محمدؐیت سے غایت درجہ کا قُرب رکھنے والا ہوگا۔

غرض وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی میں مسیح موعود کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں جب ظلمت کا دَور دَورہ ہوگا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک شخص مبعوث ہوگا جو عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ نازل ہوگا، یعنی وہ مقامِ محمدیت سے انتہائی قرب رکھنے والا ہوگا۔

عِنْدِیّت کے مقام سے معیّت کے مقام تک

اس جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کی ابتداء کو عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ سے تعبیر کیا ہے لیکن آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کی انتہاء اس سے بھی زیادہ مبارک ہو گی اور وہ میری قبر میں میرے ساتھ دفن ہوگا چنانچہ آپ فرماتے ہیں یُدْفَنُ مَعِیْ فِیْ قَبْرِیْ [۳۴] وہ میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوگا، جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے نزول کا ایک استعارہ کے رنگ میں ذکر فرمایا ہے اسی طرح اس کی وفات کے لئے بھی آپ نے استعارہ استعمال کیا ہے اور بتایا ہے کہ آنے والے مسیح کا میری ذات کے ساتھ ایسا

اتحاد ہو گا کہ یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ مسیح کسی اور قبر میں دفن ہوا ہے بلکہ وہ میری قبر میں میرے ساتھ دفن کیا جائے گا گویا عِنْدِیّت کے مقام سے وہ ارتقاء شروع کرے گا اور معیت کے مقام کو جا پہنچے گا۔ غرض اَلْمَنَارَةِ الْبَیْضَاءِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جن سے غایتِ قُرب رکھنے والے ایک عظیم الشان مصلح کی قرآن کریم نے وَالنَّجْمِ اِذَاھَوٰی میں خبر دی ہے۔

قادیان کا مینار کیوں بنایا گیا؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قادیان میں ایک منارہ بیضاء بنایا جو درحقیقت تصویری زبان میں یہ معنی رکھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے اپنے گھروں سے نکال دیا ہے مگر ہم ان کو لا کر اپنی مسجد یعنی جماعت کے اندر رکھتے ہیں یہی اس منارۂ بیضاء کی اصل غرض تھی ورنہ اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ مینار اس لئے بنایا گیا تھا کہ آنے والے مسیح نے اس کے پاس اُترنا تھا تو یہ ایک پاگل پن کی بات بن جاتی ہے کیونکہ مرزا صاحب تو خود اس بات کے مدعی تھے کہ میں مسیح موعود ہوں پھر کسی نئے اُترنے والے کے ذکر کے کیا معنے تھے؟ پس اس منار کے بنانے کے صرف یہی معنی ہو سکتے تھے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا کر اپنے گھروں میں جگہ دی ہے اور یہی اس مینار کی اصل غرض ہے۔ اس مینار کے بنانے کی یہ غرض نہیں تھی کہ اس مسجد میں جس میں یہ مینار کھڑا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا مسیح موعود نے اُترنا تھا بلکہ جیسے اَلْمَنَارَۃُ الْبَیْضَاءُ کے الفاظ استعارۃً استعمال کئے گئے تھے اسی طرح یہ بھی ایک تصویری نشان ہے جس کے ذریعہ جماعت احمدیہ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اَلْمَنَارَۃُ الْبَیْضَاءُ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور منارۃ المسیح تصویری زبان میں لوگوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احمدیہ جماعت اپنے گھر لے آئی ہے پس تم اپنی مسجد میں منارہ بیضاء بنا کر اس امر کا اقرار کرتے ہو کہ آج سے ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے رہے ہیں آج سے ہم اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم ان کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے لئے تیار رہیں گے۔

جماعت احمدیہ کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے جھنڈے کو کبھی نیچا نہ ہونے دے

مسجد اقصیٰ کا مینار ظاہر میں اینٹوں اور چونا سے بنی ہوئی ایک عمارت ہے لیکن تصویری زبان میں اس مینار کے ذریعہ ہم میں سے ہر شخص نے یہ اقرار کیا ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں لائے ہیں دنیا خواہ آپ کو چھوڑ دے مگر ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے اور ہم آپ کے دین کی اشاعت کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے یہ وہ عہد ہے جو اس منارۂ بیضاء کے ذریعہ ہم میں سے ہر شخص نے کیا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم مرتے دم تک اِس عہد کو اپنے سامنے رکھیں اور اسلام کا جھنڈا کبھی نیچا نہ ہونے دیں۔

مسجد اقصیٰ کا قرآن کریم میں ذکر

حقیقت یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ میں منارہ بیضاء بنانے کی خبر بھی قرآن کریم میں موجود تھی اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ [۳۵]

یعنی پاک ہے وہ خدا جو راتوں رات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو بھی ہم نے برکت دیدی۔ اقصیٰ کے معنی دُور کی مسجد کے ہیں اور رات کی تاریکی سے زمانہ کی ظلمت مراد ہے جو فیج اعوج میں پھیلی اور جس نے مسلمانوں کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ اسی پیشگوئی کو ظاہر میں پورا کرنے کے لئے مسجد اقصیٰ میں ایک مینار بنایا گیا وہ **مینار ظاہر میں مٹی اور چونے کی ایک عمارت ہے مگر درحقیقت وہ اس اقرار کا ایک نشان ہے جو اس زمانہ میں ہر احمدی نے اپنی زبانِ حال سے کیا ہے۔ اس مینار کے ذریعہ ہر احمدی نے اقرار کیا ہے کہ مَیں اس تاریکی اور ظلمت کے زمانہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے رہا ہوں، آج سے میں اسلام کے لئے ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں اور ایک لمحہ بھی میری زندگی پر ایسا نہیں آئے گا جب میں اس فرض کو نظر انداز کردوں۔**

پس منارۃ المسیح محمدیت کے ساتھ تعلق کی علامت ہے جس طرح قرآن نے کہا تھا کہ رات کے وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ چلے گئے اسی طرح حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی الہام ہوا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ گزیں ہوئے قلعۂ ہند میں'' ۶۳ے

اور پناہ ہمیشہ ظلمات کے وقت یعنی رات کو ہی لی جاتی ہے پس جس طرح سورہ نجم سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مینار ہونا ثابت ہوتا ہے مسجد اقصٰی میں منارہ بنانے کے یہ معنے ہیں کہ جماعت احمدیہ نے پھر دوسری دفعہ مدینہ کے انصارؓ کی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اندر پناہ دی ہے اور ہر احمدی نے آپ کی حفاظت کا اور آپ کے اردگرد اپنی جانیں لڑا دینے کا اقرار کیا ہے جس اقرار کو پورا کرنا آج ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے۔

پابندیٔ عہد کی ایک شاندار مثال

عرب لوگ تو اپنے اقرار کے اتنے پابند تھے کہ تاریخوں میں لکھا ہے سپین کا ایک رئیس تھا جس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ ایک دن اُس کے پاس ایک شخص دَوڑتا ہؤا آیا اور اس نے کہا کہ پولیس میرے تعاقب میں آ رہی ہے مجھے خدا کے لئے پناہ دو۔ اُس نے اپنے مکان میں اُسے چُھپا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس ایک نوجوان کی لاش اٹھا کر لائی۔ یہ اس کے بیٹے کی لاش تھی۔ پولیس والوں نے اُسے کہا ہمیں افسوس ہے کہ کسی بدبخت نے آج آپ کے بیٹے کو مار ڈالا ہے قاتل بھاگ کر اِسی طرف آیا تھا کیا آپ نے اُسے دیکھا نہیں؟ اُس نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ یہ سن کر پولیس والے چلے گئے۔ اُس نے اپنے بیٹے کی لاش کو کمرے میں بند کیا اور قاتل کی طرف گیا اور اسے اشارہ سے اپنے پاس بُلا کر کہا کہ یہ شخص جس کو تم نے قتل کیا ہے میرا بیٹا تھا لیکن چونکہ میں تمہیں پناہ دے چکا ہوں اس لئے مَیں اب تمہیں کچھ نہیں کہتا اس کے بعد اُس نے اسے اپنی جیب میں سے کچھ روپے نکال کر دیئے اور کہا یہ روپے لو اور کسی اور جگہ چلے جاؤ اگر تم سپین میں ہی رہے تو ممکن ہے میرا نفس کبھی مجھے اشتعال دلائے کہ یہ میرے بیٹے کا قاتل ہے اور میں تجھے مار ڈالوں اس لئے روپے لو اور سپین سے کہیں باہر چلے جاؤ۔ چنانچہ اس نے روپے دیئے اور اپنے اکلوتے بیٹے کے قاتل کو اپنے مکان کے پچھواڑے سے باہر نکال دیا۔ اب دیکھو یہ ایک سچے مسلمان کی حالت تھی کہ نہ صرف وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے قاتل کی جان بچاتا ہے بلکہ اُسے بھاگنے کے لئے روپے بھی دیتا ہے اس لئے کہ اس نے اُسے پناہ دی تھی پھر کتنی بڑی

ذمہ داری ہے اُس مسلمان پر جو اپنے بیٹے کے قاتل کو نہیں بلکہ اپنی جان بچانے والے کو، اپنے بیٹوں کی جان بچانے والے کو، اپنی بیوی اور بچوں کی جان بچانے والے کو اپنے گھر میں پناہ دیتا ہے اور پھر اس سے غدّاری کرتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت احمدیہ کا ایک نیا عہد

ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نیا عہد کیا ہے ہم نے یہ اقرار کیا ہے کہ دنیا کا ہر انسان خواہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے ہم آپ کو مرتے دم تک نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے اِس عہد کے نشان کے طور پر اپنے گھروں میں مینار کھڑا کیا اور ہم نے اقرار کیا کہ ہم صرف مُنہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ہم اس فتنۂ عظیمہ کے زمانہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں میں سچے طور پر پناہ دیں گے اور اپنی ہر چیز آپ کے لئے قربان کر دیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انصار کا معاہدہ

صحابہ کرامؓ نے بھی آج سے تیرہ سَو سال پہلے آپ کو اپنے گھروں میں پناہ دی تھی۔ دعویٔ نبوّت کے تیرھویں سال حج کے موقع پر جب اوس اور خزرج کے کئی سو آدمی مکہ آئے تو ان میں سے ۷۰ لوگ ایسے بھی شامل تھے جو یا تو مسلمان تھے اور یا مسلمان ہونا چاہتے تھے۔ ایک رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی ایک گھاٹی میں ان کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور جو آپ سے صرف ایک سال بڑے تھے وہ بھی آپ کے ساتھ تھے آدھی رات کے قریب مکہ کی ایک وادی میں جب دشمن، اسلام کے خلاف ہر قسم کے منصوبے کر رہا تھا یہ ۷۰ آدمی جمع ہوئے اور آپس میں بحث شروع ہوئی کہ اگر مکہ کے لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام سے نہیں رہنے دیتے تو مدینہ کے لوگ اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ حضرت عباسؓ نے کہا وعدے کرنے بڑے آسان ہوتے ہیں لیکن انہیں پورا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا ہم جو کچھ وعدہ کر رہے ہیں سوچ سمجھ کر کر رہے ہیں اور ہم اس اقرار پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میرا یہ بھتیجا مدینہ چلا گیا تو تمام عرب قبائل

تمہارے خلاف ہو جائیں گے اور ہوسکتا ہے کہ وہ مدینہ پر بھی حملہ کر دیں اس لئے تم یہ اقرار کرو کہ اگر کسی نے مدینہ پر حملہ کیا تو تم اپنی جان، مال، عزّت اور آبرو کو قربان کر کے اس کی حفاظت کرو گے۔ انہوں نے کہا ہاں ہم اس غرض کے لئے تیار ہیں اور جوش میں جیسے ہمارے ملک کے لوگ نعرے لگاتے ہیں انہوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاموش رہو اِس وقت دشمن چاروں طرف پھیلا ہؤا ہے۔ اگر اسے ہمارے اس اجتماع کی خبر ہوگئی تو ممکن ہے کہ وہ ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے مگر اب ان کے دلوں میں ایمان کی چنگاری سُلگ اُٹھی تھی خدا کا نور اُن کے دلوں میں پیدا ہو چکا تھا انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! بے شک ہم بے وطن ہیں مگر ہم آپ کی وجہ سے چُپ ہیں ورنہ آپ اجازت دیں تو ہم ابھی مکہ والوں کو اُن کی شرارت کا مزہ چکھا دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں نہیں مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت نہیں اس کے بعد انہوں نے یہ معاہدہ کیا کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کے لئے ہم اپنی جان، مال اور عزت سب کچھ قربان کر دیں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر لڑائی ہوئی تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ حضرت عباسؓ کا بھی یہی مشورہ تھا چنانچہ آخر یہی معاہدہ ہؤا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر کے چلے گئے۔

جنگ بدر کے موقع پر انصار کا جوشِ اخلاص

جب بدر کے موقع پر مدینہ سے باہر جنگ ہونے لگی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا اے لوگو! مجھے مشورہ دو کیونکہ مجھے معلوم ہؤا ہے کہ ہماری قافلہ سے مُڈبھیڑ نہیں ہوگی بلکہ مکہ کے لشکر سے ہمارا مقابلہ ہوگا۔ اِس پر یکے بعد دیگرے مہاجرین کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یَـارَسُوْلَ اللّٰـہِ! آپ بے شک جنگ کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں مگر ہر دفعہ جب اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد کوئی مہاجر بیٹھ جاتا تو آپ فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ مہاجرین تو مشورہ دے ہی رہے ہیں اصل سوال انصار کا ہے اور انصار اس لئے چُپ تھے کہ لڑنے والے مکہ کے لوگ تھے وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے یہ کہا کہ ہم مکہ والوں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں تو شاید ہماری یہ بات

مہاجرین کو بُری لگے اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ہمارے بھائی بندوں کا گلا کاٹنے کے لئے آگے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہے ہیں مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو تو ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مشورہ تو آپ کو مل رہا ہے ایک کے بعد دوسرا مہاجر اُٹھتا ہے اور وہ کہتا ہے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! لڑیئے مگر آپ بار بار یہی فرما رہے ہیں کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو اس سے مَیں سمجھتا ہوں کہ آپؐ کی مراد غالباً ہم انصار سے ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! ہم تو اس لئے چُپ تھے کہ ہم ڈرتے تھے کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کا دل نہ دُکھے اگر ہم نے کہا ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں تو ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ یہ ہمارے بھائیوں اور رشتہ داروں کو مارنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ پھر اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! شاید آپ کا اشارہ اس بیعتِ عقبہ کی طرف ہے جس میں ہم نے یہ اقرار کیا تھا کہ اگر مدینہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہوا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر جا کر لڑنا پڑا تو ہم پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! جس وقت ہم نے وہ معاہدہ کیا تھا اُس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپؐ کی کیا شان ہے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اب تو آپ کی صداقت ہم پر کھل چکی ہے اور آپ کا مقام ہم پر واضح ہو گیا ہے اب کسی معاہدہ کا کیا سوال ہے۔ سامنے سمندر ہے آپ حکم دیجئے تو ہم اس میں اپنے گھوڑے ڈالنے کے لئے تیار ہیں اور اگر لڑائی ہوئی تو خدا کی قسم! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے۔[۳۷]

صحابہ کا نمونہ ہمارے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے

یہ وہ وفاداری تھی جو صحابہ کرامؓ نے دکھائی یہ وہ اقرار تھا جس کو انہوں نے پورا کیا۔ نمونہ سامنے نہ ہو تو انسان کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو صحابہؓ نے اقرار کیا اس کو پورا کرنے کا نمونہ تمہارے سامنے موجود ہے۔ ایک قوم تھی جس نے یہ اقرار کیا اور تاریخ کے صفحات اس بات پر شاہد ہیں کہ انہوں نے اپنے اقرار کو پورا کر دیا۔ پس ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں پتہ نہیں کہ عہد کی کیا قیمت ہوتی

ہے، ہمیں پتہ نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ ہم کو پتہ لگ چکا ہے اور انصارؓ اور صحابہ کرامؓ نے اپنے عمل اور اپنی قربانی اور اپنے ایثار سے اس کی ایک ایک شق کھول دی ہے، ایک ایک شرط واضح کر دی ہے پس ہم خدا تعالیٰ کے سامنے یہ جواب نہیں دے سکتے کہ ہمیں پتہ نہیں تھا کہ اس اقرار کی کیا قیمت ہے۔ اس جواب سے سوائے مُجرم بننے کے ہم کچھ اور فائدہ حاصل نہیں کر سکتے ہمیں یا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کے لئے اپنی جانیں دینی ہونگی اور یا ہمیں ذِلّت اور رُسوائی کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے ایک مُجرم کی حیثیت میں کھڑا ہونا پڑے گا۔ بہر حال یہ مینار ہر وقت ہمارے فرض کی طرف ہمیں توجہ دلاتا ہے جس طرح مدینہ کے لوگ خود بُلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئے تھے ہم نے بھی یہ مینار اپنی مرضی سے بنایا ہے اور اس امر کا اقرار کیا ہے کہ آئندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی حفاظت کا ہم ذمہ لیتے ہیں۔ مینار کی چوٹی بھی اپنا وعدہ یاد دلاتی رہتی ہے اور اس کی روشنی بھی ہمیں بیدار رہنے کی تعلیم دیتی ہے پس جو کچھ انصار نے کیا ہمیں ان سے بڑھ کر نمونہ دکھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراجِ منیر ہیں

(۲) پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مینارہ بیضاء کہا گیا ہے اس کی مناسبت سے ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں آپ کو سِرَاجًا مُّنِيْرًا [۳۸] بھی کہا گیا ہے ان الفاظ میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دوسرے لوگ مینار بناتے ہیں تو اوّل مینار خود تاریک ہوتا ہے۔ دوم انہیں محنت کر کے اس پر روشنی کرنی پڑتی ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراج کی طرح تھے یعنی ان کی روشنی ذاتی تھی اور پھر وہ روشنی مستقل اور دائمی تھی۔ چاند کی روشنی سورج سے حاصل کردہ ہوتی ہے لیکن سورج میں ذاتی روشنی ہوتی ہے پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مینار نہیں جس پر کوئی اور روشنی رکھے تو وہ روشن ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں ایک چمکنے والے مینار ہیں لوگوں کو دُنیوی میناروں کے لئے بہت کچھ محنت اور تگ ودَو کرنی پڑتی ہے۔ ان کے لئے بجلی کے قمقموں یا تیل بتی اور دِیا سلائی وغیرہ کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ پھر دوسرے مینار دن کے وقت کام نہیں آتے صرف رات کے وقت ان کی روشنی سے استفادہ کیا جاتا

ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ تعالیٰ نے سِرَاجًا مُّنِيْرًا رکھا ہے جس میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ وہ روشن چراغ ہے جو دن کو بھی روشنی دیتا ہے اور رات کو بھی روشنی دیتا ہے۔ پھر اس کے لئے نہ تیل کی ضرورت ہے نہ بتی کی ضرورت ہے اور نہ کسی جلانے والے کی ضرورت ہے آپ ہی آپ سورج کی طرح ہر وقت روشن اور ضیا پاش رہتا ہے۔

محمد رسول اللہ کی غلامی میں الٰہی انوار و برکات کا نزول

پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے جو لوگ مینار بناتے تھے وہ اس لئے بناتے تھے کہ ان کے ذریعہ وہ خدا تعالیٰ تک پہنچ جائیں مگر وہ ہمیشہ اس سے محروم رہتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی خدا سے ملے اور جنہوں نے آپ کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو ملنا چاہا وہ بھی خدا سے ملے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [۳۹]

یعنی اے لوگو! اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو اور اس سے ملنے کے خواہشمند ہو تو اس کا ذریعہ یہ ہے کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑو وہ تمہیں مل جائے گا۔

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے مینار ہیں جن کے ذریعہ انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے ہزاروں ہزار مثالیں اُمتِ محمدیہ میں ایسی پائی جاتی ہیں کہ لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور آپؐ کی متابعت میں اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کیا اور اس کے کلام سے مشرف ہوئے اور اس کے نشانات ان کے لئے ظاہر ہوئے بلکہ میں سمجھتا ہوں اگر دوسری تمام قوموں کے فاسقوں اور فاجروں کو نکال دیا جائے اور صرف ان کے نیک اور پاک بندوں کا شمار کیا جائے تب بھی ان میں خدا رسیدہ لوگوں کی اتنی مثالیں نہیں مل سکتیں جتنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں میں ہر زمانہ میں نظر آتی ہیں۔ ہزاروں ہزار لوگ ہر زمانہ میں سے ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کیا اور ان کی برکات سے دوسرے لوگ بھی متمتع ہوئے۔

حضرت عمرؓ سے قیصر کی درخواست

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک دفعہ قیصر کے سر میں شدید درد ہؤا اور باوجود ہر قسم کے علاجوں کے اُسے آرام نہ آیا۔ کسی نے اسے کہا کہ حضرت عمرؓ کو اپنے حالات لکھ کر بھجوا دو اور ان سے تبرک کے طور پر کوئی چیز منگواؤ وہ تمہارے لئے دُعا بھی کریں گے اور تبرک بھی بھجوا دیں گے ان کی دعا سے تمہیں ضرور شفا حاصل ہو جائے گی۔ اُس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا سفیر بھیجا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ متکبر لوگ ہیں میرے پاس اس نے کہاں آنا تھا اب یہ دُکھ میں مبتلاء ہؤا ہے تو اس نے اپنا سفیر میرے پاس بھیج دیا ہے اگر مَیں نے اسے کوئی اور تبرک بھیجا تو ممکن ہے وہ اسے حقیر سمجھ کر استعمال نہ کرے اس لئے مجھے کوئی ایسی چیز بھجوانی چاہئے جو تبرک کا بھی کام دے اور اس کے تکبر کو بھی توڑ دے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک پُرانی ٹوپی جس پر جگہ جگہ داغ لگے ہوئے تھے اور جو میل کی وجہ سے کالی ہو چکی تھی اُسے تبرک کے طور پر بھجوا دی۔ اُس نے جب یہ ٹوپی دیکھی تو اُسے بہت بُرا لگا تو اُس نے ٹوپی نہ پہنی مگر خدا تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ تمہیں برکت اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسے اتنا شدید دردِ سر ہؤا کہ اس نے اپنے نوکروں سے کہا وہی ٹوپی لاؤ جو عمرؓ نے بھجوائی تھی تاکہ میں اُسے اپنے سر پر رکھوں چنانچہ اُس نے ٹوپی پہنی اور اُس کا درد جاتا رہا۔ چونکہ اُس کو ہر آٹھویں دسویں دن سر درد ہو جایا کرتا تھا، اس لئے پھر تو اس کا یہ معمول ہو گیا کہ وہ دربار میں بیٹھتا تو وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی میلی کچیلی ٹوپی اس نے اپنے سر پر رکھی ہوئی ہوتی۔

ایک صحابی کی قیصر کے مظالم سے نجات

یہ نشان جو خدا تعالیٰ نے اسے دکھایا اس میں ایک اور بات بھی مخفی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ قیصر کے پاس قید تھے اور اُس نے حکم دے دیا تھا کہ انہیں سؤر کا گوشت کھلایا جائے۔ وہ فاقے برداشت کرتے تھے مگر سؤر کے قریب نہیں جاتے تھے اور گو اسلام نے یہ کہا ہے کہ اضطرار کی حالت میں سؤر کا گوشت کھا لینا جائز ہے مگر وہ کہتے تھے کہ میں صحابی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ جب کئی کئی دن کے فاقوں کے بعد وہ مرنے لگتے تو قیصر انہیں

روٹی دے دیتا جب پھر انہیں کچھ طاقت آ جاتی تو وہ پھر کہتا کہ انہیں سؤر کھلایا جائے اس طرح نہ وہ انہیں مرنے دیتا نہ جینے۔ کسی نے اُسے کہا کہ تجھے یہ سردرد اس لئے ہے کہ تُو نے اِس مسلمان کو قید رکھا ہؤا ہے اور اب اس کا علاج یہی ہے کہ تم عمرؓ سے اپنے لئے دُعا کراؤ اور ان سے کوئی تبرک منگواؤ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے ٹوپی بھیجی اور اُس کے درد میں افاقہ ہو گیا تو وہ اس سے اتنا متأثر ہؤا کہ اُس نے اِس صحابی کو بھی چھوڑ دیا۔ اب دیکھو کہاں قیصر ایک صحابی کو تکلیف دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی سزا کے طور پر اس کے سر میں درد پیدا کر دیتا ہے۔ کوئی اور شخص اسے مشورہ دیتا ہے کہ عمرؓ سے تبرّک منگواؤ اور ان سے دُعا کراؤ وہ تبرّک بھیجتے ہیں اور قیصر کا درد جاتا رہتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اس صحابیؓ کی نجات کے بھی سامان پیدا کر دیتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔

علومِ غیبیہ کا دروازہ کھل گیا

(۳) مینار بنانے کی تیسری غرض اجرامِ فلکی سے علومِ غیبیہ کا معلوم کرنا ہوتی ہے لیکن یہ غرض بھی ان میناروں سے کبھی پوری نہیں ہوئی۔ لوگ مینار بناتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اَرواحِ سماویہ سے غیبی علوم ان کو حاصل ہو جائیں مگر کسی مینار سے بھی ان کو غیب کا علم حاصل نہیں ہوتا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے علومِ غیبیہ عطا ہوئے کہ جن کی مثال دنیا کے کسی نبی میں نظر نہیں آ سکتی بلکہ آپ تو الگ رہے آپ کے اتباع میں بھی ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں دی ہیں اور ان پر اپنے آسمانی اسرار کھولے ہیں۔ مَیں نے خود اللہ تعالیٰ کے فضل سے محض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے فیوض کی وجہ سے علومِ غیبیہ سے جو حصہ پایا ہے اس کی مثال موجودہ زمانہ میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ سینکڑوں غیب کی خبریں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر فرمائیں اور ان میں سے کئی ایسی ہیں جو دنیا میں ایک تہلکہ مچانے کا موجب ہوئیں۔

لیبر پارٹی کی کامیابی کے متعلق رؤیا

مثلاً لیبر پارٹی کی کامیابی کے متعلق جو مَیں نے رؤیا دیکھا وہ خدا تعالیٰ کے علمِ غیب کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ مسٹر ایٹلی (ATTLEE) جو لیبر پارٹی کے لیڈر اور

برطانیہ کے وزیر اعظم تھے خود انہیں اس امر کی کوئی امید نہیں تھی کہ وہ انتخابات میں اکثریت بھی حاصل کر لیں گے یا نہیں۔ پچیس جولائی ۱۹۴۵ء کی شام تک انگلستان کے اخبارات یہی لکھتے رہے کہ کنزرویٹو پارٹی میدان جیت جائے گی۔ مسٹر چرچل اپنی کامیابی کے متعلق انتہائی پُر اُمید تھے وہ سمجھتے تھے کہ لوگوں کے دلوں پر میری جنگی خدمات کا اثر ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ لیبر پارٹی برسرِ اقتدار آ سکے مگر چند ہی گھنٹوں کے بعد جو نتائج برآمد ہوئے انہوں نے تمام اخبارات اور کنزرویٹو پارٹی کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور دُنیا دیکھ کر حیران رہ گئی کہ لیبر پارٹی کامیاب ہوگئی ہے۔ مَیں نے قبل از وقت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو یہ رؤیا سنا دیا تھا اور انہوں نے انگلستان جا کر تمام بڑے بڑے لیڈروں کو یہ بات بتا دی تھی اور آخر وہی ہؤا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا تھا۔

لیبیا کے محاذ پر انگریزی اور اطالوی فوجوں کی جنگ

اسی طرح جنگِ عظیم کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی اور جو اپنے وقت پر حیرت انگیز رنگ میں پورے ہوئے۔ دنیا کا کوئی شخص ان واقعات کا جو مجھے بتائے گئے قبل از وقت قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مثلاً ۱۹۴۰ء میں مجھے بتایا گیا کہ لیبیا کے محاذ پر دشمن کی فوجوں اور انگریزی فوجوں کے درمیان شدید جنگ ہوگی مگر پھر وہ آگے بڑھیں گے اور فتح حاصل کریں گے۔ اس کے بعد پھر انگریزوں کو پیچھے ہٹنا پڑے گا اور دشمن کا دباؤ بڑھ جائے گا لیکن دوبارہ پھر انگریز انہیں دھکیل کر پیچھے لے جائیں گے غرض اسی طرح دو تین بار ہوگا مگر آخر انگریزی فوج اپنے دشمن کو دباتی ہوئی اسے شکست دے دیگی۔ جن دنوں مَیں نے یہ رؤیا دیکھا میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے مکان پر شملہ میں ٹھہرا ہؤا تھا مَیں نے چوہدری صاحب سے اِس خواب کا ذکر کیا۔ وہ اُس وقت وائسرائے کی کونسل کے اجلاس میں شامل ہونے کے لئے جا رہے تھے جب واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ مَیں نے اس رؤیا کا اور لوگوں کے علاوہ ہزایکسی لینسی وائسرائے کے پرائیوٹ سیکرٹری سر لیتھویٹ سے بھی ذکر کیا تھا اور انہوں نے اس رؤیا کو بہت تعجب سے سنا۔ دوسرے دن وہ چوہدری صاحب کے ہاں چائے پر آئے تو انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میں خود آپ کی

زبان سے یہ رؤیا سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے انہیں دوبارہ رؤیا سُنایا۔ اس رؤیا کے بعد بعینہٖ اسی طرح واقعات رونما ہوئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھائے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں اطالوی فوجیں آگے بڑھیں اور انہوں نے انگریزی فوجوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ ۱۹۴۰ء کے آخر میں پھر انگریزی فوجیں آگے بڑھیں اور اطالوی فوجیں شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ ۱۹۴۱ء میں دشمن پھر آگے بڑھا اور انگریزی فوجوں کو دھکیلتا ہوا مصر کی سرحد پر لے آیا۔ ۱۹۴۱ء کے آخر میں انگریز پھر آگے بڑھے اور دشمن کی فوجوں کو شکست دیتے ہوئے اسے کئی سَو میل تک لے گئے۔ جون ۱۹۴۲ء میں پھر دشمن کی فوجیں انگریزی فوجوں کو دھکیل کر مصر کی سرحد پر لے آئیں اور ۱۹۴۲ء کے آخر میں پھر انگریزوں نے بڑھنا شروع کر دیا اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رؤیا مجھے دکھایا گیا تھا وہ متواتر پورا ہوا اور لفظاً لفظاً پورا ہوا۔

۲۸ سَو ہوائی جہاز بھجوائے جانے کے متعلق رؤیا

اسی طرح جن دنوں فرانس، جرمنی کے مقابلہ میں شکست کھا چکا تھا اور انگریز سخت خطرہ میں گھرے ہوئے تھے مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں انگلستان گیا ہوں اور انگریزوں نے انگلستان کی حفاظت کا کام میرے سپرد کیا ہے۔ مَیں نے کہا مَیں پہلے فوجی مقامات کو دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ یہ اندازہ لگاؤں کہ ہمارے پاس کسی چیز کی کمی تو نہیں اور اگر ہے تو اسے کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مَیں نے تمام فوجی ہیڈ کوارٹرز اور سرکاری دفاتر دیکھے اور مَیں نے وزارت کو رپورٹ کی کہ انگلستان کے پاس صرف ہوائی جہازوں کی کمی ہے اگر مجھے ہوائی جہاز مل جائیں، تو میں انگلستان کی حفاظت کا کام بخوبی کر سکتا ہوں۔ اتنے میں رؤیا میں ہی ایک شخص میرے پاس آیا اور اُس نے مجھے ایک تار دی جس کے الفاظ یہ تھے کہ:-

The British Representative from America Wires, that the American Government has delivered 2800 Aeroplanes to the British Government.

یعنی برطانوی نمائندہ امریکہ سے تار دیتا ہے کہ دو ہزار آٹھ سَو ہوائی جہاز امریکن

گورنمنٹ نے برطانوی گورنمنٹ کو دیئے ہیں۔ مَیں نے تار پڑھ کر کہا کہ اب کام ہو گیا ہے اب ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں رہی۔ مَیں نے یہ رؤیا انہی دِنوں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو سُنا دیا اور انہوں نے کئی برطانوی نمائندوں اور گورنمنٹ کے دوسرے ہندوستانی معزز افسروں میں اس کا ذکر کر دیا۔

یہ رؤیا جون ۱۹۴۰ء میں مَیں نے دیکھا تھا۔ جولائی کے مہینہ میں مَیں ایک دن مسجد مبارک میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص دَوڑتا ہوا آیا اور اُس نے کہا کہ آپ کے نام ایک ضروری فون آیا ہے۔ مَیں گیا تو مجھے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی آواز آئی مگر مَیں نے محسوس کیا کہ ان کی آواز کانپ رہی ہے۔ وہ اچھے حوصلے والے آدمی ہیں مگر اس وقت ان کی آواز میں ارتعاش تھا انہوں نے کہا کہ آپ نے آج کی تازہ خبریں پڑھ لی ہیں؟ مَیں نے کہا پڑھ تو لی ہیں مگر مجھے تو ان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ انہوں نے کہا مبارک ہو آپ کی خواب پوری ہو گئی ابھی تار آئی ہے جس میں لکھا ہے:-

The British Representative from America Wires, that the Ameircan Government has delivered 2800 Aeroplanes to the British Government.

گویا وہی الفاظ جو رؤیا میں مجھے دکھائے گئے تھے ایک مہینہ کے اندر اندر پورے ہو گئے اور برطانوی نمائندے نے امریکہ سے حکومتِ انگلستان کو اطلاع دی ہے کہ امریکی گورنمنٹ، گورنمنٹِ برطانیہ کو ۲۸۰۰ ہوائی جہاز دے رہی ہے۔

سر کلو پر اتمامِ حُجّت

پھر انہوں نے کہا جن لوگوں کو مَیں نے یہ خبر سنائی تھی ان میں سے ایک سر کلو بھی تھے (جو اُس وقت ریلوے بورڈ کے ممبر تھے اور بعد میں آسام کے گورنر مقرر ہوئے) چونکہ خدا تعالیٰ نے اِس رؤیا کی صداقت کو ان پر ظاہر کرنا تھا اس لئے انہوں نے تار ایسی طرز پر پڑھی کہ ان کا خیال اس طرف چلا گیا کہ جو بات رؤیا میں بتائی گئی تھی وہ صحیح طور پر پوری نہیں ہوئی۔ چنانچہ چوہدری صاحب نے بتایا کہ جب مَیں نے سر کلّو کو فون کیا کہ سر کلّو! تم کو یاد ہے مَیں نے تمہیں امام جماعت احمدیہ کی ایک رؤیا سنائی تھی جس

میں یہ بتایا گیا تھا کہ امریکن گورنمنٹ برطانوی گورنمنٹ کو ۲۸۰۰ ہوائی جہاز دے گی اور آج یہ رؤیا پوری ہوگئی ہے کیونکہ ابھی تار آئی ہے کہ امریکن گورنمنٹ نے ۲۸۰۰ ہوائی جہاز برطانوی گورنمنٹ کو دے دیئے ہیں انہوں نے کہا بات تو ٹھیک ہے کہ آپ نے مجھے امام جماعت احمدیہ کی خواب سنائی تھی مگر وہ ساری پوری نہیں ہوئی آپ نے تو مجھے ۲۸۰۰ ہوائی جہاز بتائے تھے اور تار میں یہ لکھا ہے کہ امریکن گورنمنٹ نے ۲۵۰۰ (پچیس سَو) ہوائی جہاز دیئے ہیں۔ مَیں نے کہا سرکلو! تار کو دوبارہ پڑھو۔ اُس نے دوبارہ پڑھا تو کہنے لگا اوہو! یہ تو وہی الفاظ نکل آئے جو آپ نے مجھے بتائے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس خبر کو ایسے رنگ میں پورا کیا کہ سرکلو پر بھی حُجّت تمام ہوگئی اور انہوں نے اقرار کیا کہ واقعہ میں جو بات بتائی گئی تھی وہ پوری ہوگئی ہے۔

قادیان سے ہجرت کی خبر

اِسی طرح ۱۹۴۱ء میں مجھے قادیان سے نکلنے کی خبر دی گئی اور مجھے دکھایا گیا کہ لڑائی ہو رہی ہے گولیاں چل رہی ہیں اور ہم ایک نئے مرکز کی تلاش میں کسی دوسری جگہ گئے ہیں حالانکہ ۱۹۴۱ء میں کسی کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ہمیں قادیان سے ہجرت کرنی پڑے گی اور ایک نیا مرکز ہمیں بنانا پڑے گا۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہزارہا غیبی خبریں ملیں اور پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پیدا کر کے خود مسلمانوں کے لئے بھی علومِ غیبیہ کا منبع کھل گیا۔

چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے متعلق ایک رؤیا!

ابھی مجھے ایک تازہ رؤیا ہؤا ہے۔ میں گزشتہ دنوں ناصر آباد سندھ میں تھا کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں اپنے مکان کے برآمدہ میں ایک پیڑھی پر بیٹھا ہوں کہ اتنے میں اخبار آیا اور مَیں نے اُسے کھولا تو اُس میں یہ خبر درج تھی کہ رات نیویارک ریڈیو سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اِس خواب کے اچھے معنے بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ شہادت ایک بڑا رُتبہ ہے پس اس سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ انہیں کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوگی لیکن ظاہری تعبیر کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہ خواب منذر بھی ہوسکتی ہے اور اس کے یہ معنے بھی کئے جا سکتے ہیں کہ ان کے کام میں مشکلات

پیدا ہو جائیں گی اور دشمن انہیں ناکام کرنے کی کوشش کریگا۔ چنانچہ اس رؤیا کے بعد جب میں کراچی پہنچا تو تیرہ مارچ (۱۹۴۸ء) کو مَیں نے انہیں تار دیا کہ مَیں نے ایسا رؤیا دیکھا ہے اور مَیں نے لکھا کہ گو خواب میں قتل سے مراد کوئی بڑی کامیابی بھی ہو سکتی ہے لیکن ظاہری تعبیر کے لحاظ سے چونکہ یہ رؤیا منذر ہے اس لئے انہیں احتیاط رکھنی چاہئے۔ اس کے جواب میں مجھے ان کی طرف سے تار بھی ملا اور پھر تفصیلی خط بھی آ گیا جس میں ذکر تھا کہ بعض حکومتیں اپنی ذاتی اغراض کے لئے مخالفت کر رہی ہیں اور کام میں مشکلات پیدا ہوتی جا رہی ہیں۔ چوہدری صاحب کی بیوی مجھ سے ملنے کے لئے آئیں تو مَیں نے ان سے بھی اس رؤیا کا ذکر کر دیا۔ انہوں نے بتایا کہ مَیں نے بھی چوہدری صاحب کے متعلق ایک منذر رؤیا دیکھا ہے جس میں کسی حملہ کی طرف اشارہ ہے اور آپ کی خواب بھی یہی بتا رہی ہے۔ مَیں نے کہا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعہ میں کوئی دشمن غصہ میں آ کر ان پر حملہ کر دے مگر اصل تعبیر یہی معلوم ہوتی ہے کہ جو کام وہ کر رہے ہیں اس میں دشمن انہیں ناکام کرنے کی کوشش کرے گا۔

محمدی مینار تاابدؔ آپؐ کے نام کو قائم رکھنے والا ہے

(۴) پھر مینار بنانے کی چوتھی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ چاہتے ہیں ان میناروں کے ذریعہ ان کا نام دنیا میں قائم رہے اور لوگ انہیں عزت کے ساتھ یاد کریں مگر ہمیں دکھائی یہ دیتا ہے کہ خود بنانے والوں کے ناموں میں ہی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک کہتا ہے یہ قطب الدین ایبک کی لاٹ ہے اور دوسرا کہتا ہے یہ فلاں راجہ کی لاٹ ہے ایک کہتا ہے یہ فلاں بادشاہ کا مینار ہے اور دوسرا کہتا ہے یہ فلاں راجہ کا مینار ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مینار تاابدؔ آپؐ کے نام کو قائم کرنے والا ہے اور پھر اس کے بنانے والے کے متعلق کسی کو شبہ نہیں۔ ہر شخص دوست اور دشمن مانتا ہے کہ یہ منارہ محمدؐی ہے دنیا میں اس کا کبھی کوئی اور مدعی ہو ہی نہیں سکتا اور یہ جامہ کسی اور کے بدن پر زیب ہی نہیں دے سکتا۔

محمدی مینار دنیا کے ہر مقام پر کھڑا کیا جا سکتا ہے

پھر دُنیوی میناروں اور اس مینار میں ایک اور فرق یہ ہے کہ ان میناروں کو خواہ کتنی ضرورت ہو اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکتا۔ دلّی سے مسلمان چلے گئے مگر فیروز

شاہ کی لاٹ وہیں کھڑی رہی ۔ دلّی سے مسلمان چلے گئے مگر قطب الدین کی لاٹ وہ اپنے ساتھ نہیں لے گئے لیکن دنیا کے کسی خطہ میں تم چلے جاؤ اور جہاں بھی چاہو رہو تم اس مقام پر محمدی مینار کھڑا کر سکتے ہو یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کر سکتے ہو۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو آجکل یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے اب ہندوستان میں محمدی مینار کھڑا کرنا ان کے ذمہ ہے خصوصاً احمدی جماعت کے، اِن کو تو ایک منٹ کے لئے بھی یہ بات نہیں بھولنی چاہئے اور ہندوؤں اور سکھوں میں تبلیغ جاری رکھنی چاہئے مایوس ہونے والی بات نہیں جس خدا نے اسلام کو دنیا میں اتنا پھیلایا ہے وہ پھر بھی اُن کی زبانوں میں تاثیر پیدا کرسکتا ہے اور لوگوں کے دلوں کو صاف کرسکتا ہے۔

بہرحال یہ محمدی مینار اپنے اندر یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ تم جہاں چاہو اِس کو کھڑا کر سکتے ہو اور جس جگہ بھی تم اِس مینار کو کھڑا کرو گے وہیں خدا تعالیٰ کے انوار اُترنے لگ جائیں گے اور ہر جگہ تم اِس مینار سے روشنی حاصل کرسکو گے ۔ قطب الدین کی لاٹ پر اگر بڑے سے بڑا روشن چراغ بھی جلاؤ تو وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس میل تک روشنی پہنچا سکتا ہے۔ سمندر کی تاریکیوں میں جب کہ بڑی بڑی چٹانوں سے جہاز ٹکرا کر پاش پاش ہو رہے ہوتے ہیں ان میناروں کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا اور ہزار دو ہزار میل تک تو دنیا کا کوئی مینار بھی روشنی نہیں پہنچا سکتا لیکن اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہو تو خواہ انسان طوفانوں میں گھر جائے، حوادث اور مصائب کے بادل اس پر اُمڈ آئیں، اگر وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر خدا تعالیٰ سے دعا کریگا تو وہیں مینارِ محمدی کھڑا ہو جائے گا اس کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں، اس کے لئے کوئی وقت معیّن نہیں، سمندروں پر یہ مینار کھڑا کیا جا سکتا ہے، پہاڑوں پر یہ مینار کھڑا کیا جا سکتا ہے، غاروں میں یہ مینار لے جایا جا سکتا ہے، غرض ہر مقام اور ہر جگہ پر اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور یہ وہ خوبی ہے جو دنیا کے کسی اور مینار میں نہیں پائی جاتی۔

محمدی مینار ہر انسان کو اس کے درجہ کے مطابق روشنی دیتا ہے

پھر اس مینار میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس سے ہر شخص اپنے درجہ کے مطابق روشنی حاصل کرسکتا ہے۔ اگر قطب الدین کی لاٹ پر دس ہزار

وولٹ کی روشنی ہے اور تمہیں اس سے کم روشنی کی ضرورت ہے تو وہ اتنی ہی روشنی دے گا یا زیادہ روشنی کی ضرورت ہو تب بھی وہ دس ہزار وولٹ سے زیادہ روشنی نہیں دے گا اور اگر اس پر پندرہ ہزار وولٹ کی روشنی ہے تو وہ پندرہ ہزار وولٹ کی روشنی ہی ہر شخص کو دے گا لیکن مینارۂ محمدیؐ میں یہ خوبی ہے کہ انسان خواہ کتنی ترقی کر جائے یہ مینار اس کے درجہ کے مطابق اسے روشنی دیتا چلا جاتا ہے۔ اگر تمہیں دس ہزار وولٹ کی روشنی چاہئے تو وہ تمہیں دس ہزار وولٹ روشنی مہیا کرے گا، اگر تمہیں پچاس ہزار وولٹ کی ضرورت ہے تو وہ تمہیں پچاس ہزار وولٹ روشنی دے گا، اگر تمہیں ایک لاکھ وولٹ کی ضرورت ہے تو وہ تمہیں ایک لاکھ وولٹ روشنی مہیا کرے گا۔ غرض روحانی ارتقاء کے راستہ میں کوئی مقام ایسا نہیں آ سکتا جہاں یہ کہا جا سکے کہ اب مینارۂ محمدی سے روشنی حاصل نہیں کی جا سکتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے قُرب کے وراء الورٰی مقامات پر بھی اگر انسان پہنچ جائے تب بھی وہ محمدیؐ مینار کی روشنی کا محتاج ہے۔

یہی وہ نکتہ تھا جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ:-

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلامِ احمدؐ ہے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی عظمت

تھوڑے ہی دن ہوئے، ایک مسلمان اخبار میں مَیں نے پڑھا کہ مرزا صاحب نے حضرت مسیح ناصری کی کتنی بڑی ہتک کی ہے کہ وہ کہتے ہیں:-

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلامِ احمدؐ ہے

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جب تک وہ لوگ جو اعلیٰ سے اعلیٰ مدارجِ روحانیہ کے حامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قُرب کے بلند ترین مقامات کو طے کر چکے ہیں یہ نہ کہیں کہ ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں حاصل کیا ہے اور یہ کہ اس قدر ترقی کرنے کے باوجود ہم اب بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور آپ کے خاکِ پا ہیں اُس وقت تک مقامِ محمدیؐ کی فضیلت کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ ختمِ نبوت کی حقیقت روشن ہو سکتی ہے۔ کوئی

عیسیٰ کا مُرید اگر اس پر بُرا مناتا ہے تو بیشک بُرا منائے ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سچا غلام بڑے سے بڑا مقام حاصل کرسکتا ہے اور جتنا بھی وہ بڑھتا چلا جائے گا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے ہی استفادہ کریگا اور ہمیشہ آپ کے غلاموں اور چاکروں میں ہی اس کا شمار ہوگا۔ ہمیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس دعویٰ کے نتیجہ میں ہم مارے جائیں یا قتل کئے جائیں یا اپنے وطنوں سے نکال دیئے جائیں ہم فخر سمجھیں گے کہ ہم نے ماریں کھا کر اور گالیاں سن کر اور وطنوں سے بے وطن ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کیا اور آپ کی عظمت کو دنیا میں روشن کیا۔

نسخہ کیمیا پھر اس مینار کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ ہر شخص کو اس کی استعدادِ روحانیہ کے مطابق روشنی دیتا ہے اور دوسری طرف اس پُرانی مثل کے مطابق جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ جب کوئی شخص ''سِم سِم کُھل جا'' کہتا تھا تو خزانے کا دروازہ خودبخود کھل جاتا تھا یہاں بھی ایک ایسا ہی سِم سِم کا نسخہ موجود ہے جس کو استعمال کرنے سے منارۂ محمدیؐ کی روشنی فوراً زیادہ ہو جاتی ہے گو اس وقت اس کا ساتھی کم روشنی حاصل کر رہا ہو یہ روشنی بڑھانے والا نسخہ یہ ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَاصَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

یہ ایک کُنجی ہے جو اس مینار سے روشنی حاصل کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے تمہارے سپرد کی ہے تم خدا تعالیٰ سے یہ کہتے ہو کہ اے خدا! تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بڑھا جس طرح تُو نے حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابرہیمؑ کا نور بڑھایا۔ جب کوئی بندہ اس نسخہ کو استعمال کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کہتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بڑھانے کا وعدہ تو مَیں نے کیا ہؤا ہی ہے اس بندہ نے جو مجھے وعدہ یاد دلایا ہے تو میں اس کے بدلہ میں اس بندے کا بھی نور بڑھاؤں گا اور اسے بھی ایک چھوٹا محمد بناؤں گا۔

پس اِس نسخہ کو استعمال کر کے اس مینارِ محمدی کی نقل میں اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے مینار تیار

ہونے لگ جاتے ہیں۔ یہ مینار ہمیشہ تیار ہوتے رہے اور ہوتے چلے جائیں گے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی اُمت میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہو سکتے جو خدا کے مقرب ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف رکھتے ہوں وہ جھوٹا ہے۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتا ہے وہ آپ کے فیضان کو بند کرتا ہے ہم جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت بھی زندہ تھے جب آپ جسدِ عنصری کے ساتھ اِس دنیا میں موجود تھے اور اِس وقت بھی زندہ ہیں جب آپ دنیا سے جا چکے ہیں۔ دنیا پیدا ہوگی اور فنا ہوگی لوگ آئیں گے اور مریں گے انسانی نسل دنیا میں پیدا ہوگی اور مٹے گی مگر میرا رسول ہمیشہ کے لئے زندہ ہے جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے اور اگر اِس پر کوئی مجھے پھانسی بھی دینا چاہے تو مَیں پھانسی کے تختہ پر بھی چڑھنے کے لئے تیار ہوں۔

مینارۂ محمدی کی نقل میں بعض اور چھوٹے چھوٹے مینار

پھر اس مینارۂ محمدی کی نقل میں بعض اور چھوٹے چھوٹے منارے بھی تیار ہوئے ہیں جس طرح کہ ایک بڑا مینارہ تیار ہؤا ہے جس کے متعلق خود اَلْـمَنَارَةُ الْبَيْضَاء نے خبر دی تھی اور قرآن کریم نے بھی کہا تھا کہ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى اوران مناروں کی خبر قرآن کریم میں یوں دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ فِیْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ لا يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ [۴۰]

یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَامِصْبَاحٌ اس کے نور کی کیفیت یہ ہے کہ جیسے ایک طاقچہ ہو اور اُس طاقچہ میں ایک چراغ ہو۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اُس طاقچے کے پیچھے ایک REFLECTOR لگا ہؤا ہو اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ اور وہ REFLECTOR اتنا صاف اور عمدہ ہو جیسے ایک چمکتا ہؤا ستارہ ہوتا ہے یُوْقَدُمِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ اور وہ چراغ ایک مبارک درخت سے جو زیتون کی قسم میں سے ہے جلایا جاتا ہو لَاشَرْقِیَّۃٍ وَّلَاغَرْبِیَّۃٍ نہ وہ شرقی ہے نہ غربی یَکَادُزَیْتُھَایُضِیْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ قریب ہے کہ اس کا تیل آپ ہی آپ جل اُٹھے خواہ اسے آگ نہ دکھائی جائے مگر چونکہ اسے آگ بھی دکھائی گئی ہے اس لئے نُوْرٌعَلٰی نُوْرٍ نور پر نور نازل ہونا شروع ہو گیا ہے یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَشَآءُ اِس نور کے لئے جس کو چاہتا ہے وہ ہدایت دیتا ہے وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنے دین کی تفاصیل بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بات کو جاننے والا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس مضمون کو بیان فرماتا ہے کہ خدا کا یہ نور کس مینار پر رکھا جاتا ہے فرماتا ہے فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ یہ نور اُن گھروں میں رکھا جائے گا جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ دنیا میں میناروں کی طرح بلند کئے جائیں۔ وَیُذْکَرَفِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّوَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّاتُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَابَیْعٌ عَنْ ذِکْرِاللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ اور جن میں رات اور دن خدا کا ذکر کیا جاتا ہے اور صبح و شام اس کی تسبیح کی جاتی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا کے ذکر اور نمازوں کے قیام کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی۔ یَخَافُوْنَ یَوْماً تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ اور وہ اُس دن سے ڈرتے ہیں جس دن انسانوں کے دل دھڑکنے لگ جائیں گے اور ان کی آنکھیں جھک جائیں گی۔ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَاعَمِلُوْاوَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے اعلیٰ حصے کا اُن کو بدلہ دے اور اپنے فضل سے ان کے انعامات میں اور بھی زیادتی کرے۔ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

روحانی عظمت اور بلندی کے مستحق افراد کی تعیین!

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ روحانی طور پر بعض گھروں کو اونچا کر دیتا ہے یعنی دنیا میں انہیں ایک مینار کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے مگر فرماتا ہے کہ یہ کون سے گھر ہیں یہ وہی گھر ہیں **یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ** یہ وہ گھر ہیں جن کے اندر صبح و شام خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے اور صرف منہ سے ہی نام نہیں لیا جاتا بلکہ عملاً بھی وہ اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کرتے ہیں وہ تجارتیں بھی کرتے ہیں وہ سَودا بھی بیچتے ہیں وہ روپیہ بھی کماتے ہیں لیکن باوجود اس کے ان کا روپیہ انہیں خدا تعالیٰ سے غافل نہیں کر دیتا۔ ان کی تجارت انہیں حقوق اللہ سے اور حقوق العباد کی ادائیگی سے روک نہیں دیتی۔ وہ بندوں کا حق ادا کرتے ہیں، وہ غریبوں کی بھی ہمدردی کرتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کو بھی نہیں بھلاتے۔

ایک قابلِ غور نکتہ

جماعت احمدیہ ہمیشہ اِس نکتہ کو یاد رکھے کیونکہ اسی میں اس کی فلاح ہے۔ دین کیلئے روپیہ کمانا بھی اُس کا فرض ہے لیکن روپیہ کماتے وقت دین کی محبت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے دل میں رکھنا بھی اس کا فرض ہے بلکہ مَیں کہتا ہوں کہ اگر کوئی اور شخص بھی اِس نُکتہ پر عمل کرے گا تو خواہ وہ کسی فرقہ کا ہو وہ یقیناً ہدایت پائے گا اور خدا تعالیٰ کی نصرت حاصل کرے گا کیونکہ جو شخص نیکی کی طرف ایک قدم اُٹھاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور قدم اُٹھانے کی بھی توفیق مل جاتی ہے۔

اپنے دائرہ میں ہر مسلمان کو ایک چھوٹا سا محمد بننے کی کوشش کرنی چاہئے

بہرحال یہ آیات بتاتی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپ کی اُمت کے ہر فرد کے لئے دنیا کا روحانی مینار بننے کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ وہ صرف دنیا کما کر کبھی اونچے نہیں ہو سکتے انہیں اصل اونچائی اُس وقت حاصل ہوگی جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جزو بن جائیں گے، جب وہ خدا تعالیٰ کا ذکر دنیا میں قائم کریں گے، جب وہ نمازوں پر التزام رکھیں گے، جب وہ زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہوں گے اور کسی قسم کے ظلم اور فتنہ میں حصہ نہیں لیں

گے، یہ وہ نسخہ ہے جس کو استعمال کر کے دنیا کا ہر مسلمان روحانی دنیا کا ایک چھوٹا مینار بن سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ آج مسلمان اس نسخہ کو بُھول چکے ہیں وہ دنیا کی تمام بلندیوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ ترقی کرتے کرتے وہ ایک چھوٹے شیکسپیئر بن جائیں، وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ وہ ایک چھوٹے ہیگل بن جائیں، وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ وہ ایک چھوٹے فلسفی بن جائیں، وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ اگر سائیکالوجی کا کوئی بہت بڑا ماہر گزرا ہے تو وہ اس کی نقل میں ایک چھوٹے سائیکالوجسٹ بن جائیں، وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ ایک چھوٹے جیمز یا ایک چھوٹے فرائڈ بن جائیں مگر آج مشرق سے لے کر مغرب تک کسی مسلمان کے دل میں یہ خواہش نہیں پائی جاتی کہ وہ ایک چھوٹا محمدؐ بن جائے حالانکہ ہمارے دل میں سِوائے اِس کے اور کوئی خواہش نہیں ہونی چاہئے کہ خواہ کچھ بھی ہو اور خواہ ہمیں اِس کے لئے کوئی بھی قربانی کرنی پڑے ہم ایک چھوٹے محمدؐ بن جائیں۔

اپنے روحانی باپ کی نقل کرو

بچوں کو دیکھ لو دنیا میں ہر بچہ اپنے ماں باپ کی محبت کی وجہ سے ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جن کی مائیں اپنے بچوں سے توتلی زبان میں باتیں کرنے کی عادی ہوتی ہیں ان کے بچے بھی اسی رنگ میں بات کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور جن کے باپ باتیں کرتے وقت ہکلاتے ہیں اُن کے بچے بھی رُک رُک کر باتیں کرتے ہیں بلکہ میں نے تو دیکھا ہے کہ اگر باپ کی آنکھ یا ناک یا ہاتھ میں بات کرتے وقت کوئی معمولی سی حرکت بھی ہوتی ہے تو ویسی ہی حرکت بچے کی آنکھ یا ناک یا ہاتھ میں بھی پائی جاتی ہے یا اگر ماں اپنی آنکھ کو ذرا جھپک کر بات کرنے کی عادی ہو تو اس کی بیٹی میں بھی آنکھ کی ویسی ہی جھپک آ جاتی ہے۔ غرض بچے اپنے اخلاق اور اپنی عادات اور اپنی زبان اور اپنے لب ولہجہ میں اپنے ماں باپ کی نقل کرتے ہیں اور یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو ماں باپ سے بچوں میں آ جاتی ہیں مگر یہ کتنے بڑے افسوس کا مقام ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کامل باپ موجود ہے مگر مسلمان اس کی نقل کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے باپوں کے پیچھے بھاگے پھرتے ہیں۔ کوئی بچہ نادان سے نادان اور پاگل سے پاگل بھی ایسا نہیں ہو سکتا جو اپنے باپ اور اپنی ماں کو چھوڑ کر دوسروں کے پیچھے بھاگا پھرے۔

انسان کے بچہ کو جانے دو کُتے بھی ایسا نہیں کرتے۔ ایک کُتے کو بھی اگر چند دن روٹی کھلاؤ تو وہ اپنے مالک کے گھر کا دروازہ نہیں چھوڑتا لیکن آج مسلمانوں کے دلوں میں اپنے عظیم الشان روحانی باپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرنے کی خواہش پیدا نہیں ہوتی وہ منہ سے تو کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت قائم ہونی چاہئے مگر یہ حکومت وہ دوسروں سے منوانا چاہتے ہیں خود اس حکومت کا جوّا اُٹھانے کیلئے تیار نہیں حالانکہ ہزاروں ہزار احکام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہیں کہ نہ ان کے لئے کسی قانون کی ضرورت ہے نہ آئین کی ضرورت ہے نہ جتھے کی ضرورت ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور نماز شروع کر دی۔ کیا اس کے لئے کسی قانون کی ضرورت ہے یا رمضان آیا اور روزے رکھنے شروع کر دیئے کیا اس کے لئے کسی آئین کی ضرورت ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا کے چپہ چپہ پر بغیر کسی قانون اور آئین کے قائم کی جاسکتی ہے مگر مسلمان اس کے لئے تیار نہیں۔ وہ نعرے لگانا جانتے ہیں وہ منہ کی پُھونکوں سے کُفر مٹانا چاہتے ہیں لیکن عملی رنگ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کیلئے کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

افرادِ جماعت کو نصیحت

مَیں اپنی جماعت سے کہتا ہوں میں نے پہلے بھی کئی دفعہ نصیحت کی ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ تمہارا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ خواہ کتنا ہی چھوٹا سہی مگر بہر حال تم اپنے دائرہ میں چھوٹے محمد بن جاؤ۔ جس دن تم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو ایک چھوٹا محمد بنانے کی کوشش کرے گا، جس دن تم اُٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بن جاؤ گے اور جس دن تمہاری زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی جھلک پیدا ہو جائے گی دنیا سمجھ لے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور تمہارے اعمال اور اخلاق اور کردار کو دیکھ کر اس کے دل میں تمہاری محبت بڑھتی چلی جائے گی۔ تم ایک زندہ اور مجسم نمونہ ہو گے، تم چلتی پھرتی تبلیغ ہو گے، تم دنیا کے راہنما اور راہبر ہو گے، تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ کی طرف دنیا کو کھینچ کر لانے والے ہو گے اور وہ لوگ بھی آخر تمہارے نمونہ کو دیکھ کر بے تاب ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ جب تک ہم سب سے بڑے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو نہ دیکھ لیں ہم صبر نہیں کر سکتے تب دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم ہو جائے گی اور تمام بنی نوع انسان آپ کی غلامی میں شامل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا

اب مَیں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ لوگوں کو بھی اور ہمارے بیوی بچوں کو بھی اور ہمارے دوستوں کو بھی اور ہمارے ملنے والوں کو بھی اور ہمارے ہم قوموں کو بھی اور ہمارے ہم مذہبوں کو بھی اور ہمارے ساتھ نام میں اشتراک رکھنے والے مسلمانوں کو بھی بلکہ ہمارے ساتھ انسانیت میں اشتراک رکھنے والے تمام غیر مُسلموں کو بھی میرے آقا کی محبت بخش دے اور ساری دنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں شامل ہو جائے۔ پس آؤ! ہم خدا تعالیٰ سے التجا کریں کہ اے خدا! ہم کمزور ہیں، ہم نحیف اور ناتواں ہیں، ہمارے دل تاریک ہیں، ہماری زُبانیں زنگ آلود ہیں تُو اپنے بندوں پر رحم فرما اور ہماری زاری کو قبول کرتے ہوئے پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا میں قائم کر دے، پھر قرآن کی حکومت دنیا میں قائم کر دے، پھر تیرا نور دنیا کو روشنی دینے والا بنے، پھر دنیا کی ساری ظلمتیں اور تاریکیاں مٹ جائیں اور دنیا میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نور باقی رہے۔ اٰمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔

---

۱ المؤمن: ۳۸،۳۷ ۲ مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال۔

۳ **عبداللہ بن سبا:** یہ صنعا کا یہودی اور سبائی تحریک کا بانی تھا۔ بعض روایات کے مطابق شیعہ مسلک کا بانی تھا۔ اس نے حضرت عثمان کے زمانہ میں مسلمانوں میں نِفاق پھیلایا۔ بقول اس کے حضرت علی حضورؐ کے وصی ہیں نیز خدا کے اوتار تھے۔ حضرت علیؓ نے اسے سزائے موت دی۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۹۷۳۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۴ المنجد عربی اُردو صفحہ ۱۰۵۸۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

۵ مسلم کتاب الاذان باب بیان کفر مَنْ قَال مطرنا بالنوء

۶ **ارڑ پوپو:** نجومی۔ ضدی۔ احمق (یہ پنجابی لفظ ہے)

۷ یونس: ۹۱ ۸ النّجم: ۲ تا ۱۹

۹؎ کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ حلب ۱۹۷۴ء۔

۱۰؎ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الجمعۃ باب قولہ وَ اٰخرِیْنَ مِنْھُم(الخ)

۱۱؎ الحجر:۱۷ تا ۱۹

۱۲؎ ابوداؤد کتاب الملاحم باب مَایُذکَرُ فی قَرنِ المِائَۃ۔

۱۳؎ الجنّ :۱۰ ۱۴؎ الشعراء :۲۱۳ ۱۵؎ الطّور :۳۹

۱۶؎ الصّٰفّٰت :۷ تا ۱۱

۱۷؎ تعطیر الانام صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۸ء۔

۱۸؎ منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام مؤلفہ ابن سیرین بر حاشیہ تعطیر الانام الجزء الاوّل صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر ۱۳۲۰ھ

۱۹؎ مشکٰوۃ باب مناقب الصحابۃ

۲۰؎ بخاری کتاب الادب باب۔ المقۃ مِنَ اللّٰہ تعالٰی

۲۱؎ بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عِیْسی ابْنِ مریم عَلَیْھِمَا السَّلام۔

۲۲؎ الطلاق :۱۱،۱۲ ۲۳؎ الطارق :۲ تا ۴

۲۴؎ تذکرہ صفحہ ۱۷۱۔ ایڈیشن چہارم۔

۲۵؎ مشوش: پریشان۔ مضطرب۔ حیران۔

۲۶؎ پیدائش باب ۶ آیت ۵ تا ۷ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۴۳ء

۲۷؎ الدھر :۳۱ ۲۸؎ الانفال :۱۸

۲۹؎ بخاری کتاب الدیات باب مَنْ اَحْیَاھَا۔

۳۰؎ بخاری کتاب المغازی باب بعث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خالد بن ولید الی بنی ذیمۃ۔

۳۱؎ التکویر :۲۴

۳۲،۳۳؎ مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال۔

۳۴؎ مشکٰوۃ کتاب الفتن باب نُزُوْلِ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصلوٰۃ والسلام۔

۳۵؎ بنی اسراءیل:۲

۳۶؎ تذکرہ صفحہ ۴۸۵۔ ایڈیشن چہارم

۳۷؎ سیرت ابن هشام الجزء الثانی صفحہ ۱۲، ۱۳ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۳۸؎ الاحزاب : ۴۷

۳۹؎ اٰل عمران : ۳۲ ۴۰؎ النور : ۳۶ تا ۳۹

آخر ہم کیا چاہتے ہیں؟

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

آخر ہم کیا چاہتے ہیں؟

اگر ہم مغربی پنجاب کے باشندے ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ تمام وہ مہاجر جو مشرقی پنجاب سے مغربی پنجاب میں آئے ہیں اُن میں سے ہر ایک کو خواہ وہ زمیندار پیشہ ہے یا غیر زمیندار پیشہ گزارہ کیلئے کافی زمین مل جائے اور جب تک زمین نہیں ملتی اس کو کھانے کیلئے کافی غلہ اور پہننے کیلئے کافی کپڑا مِل جائے لیکن ساتھ ہی ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ سکھ اور ہندو جو زمینیں چھوڑ گئے ہیں چونکہ وہ ہمارے ہمسائے تھے اس لئے وہ زمینیں کسی نہ کسی طرح ہمارے پاس ہی رہیں اور مہاجروں کو نہ ملیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہر مشرقی پنجاب کے شہری کو کوئی دکان بھی مل جائے اور کوئی کارخانہ بھی مل جائے اور جب تک اُسے دکان یا کارخانہ نہیں ملتا اسے گزارہ کیلئے کچھ رقم ملتی رہے۔ مگر ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ کارخانے یا وہ دکانیں جو ہندو اور سکھ چھوڑ کے گئے ہیں چونکہ وہ ہمارے ہمسائے تھے اس لئے وہ چیزیں ہمارے پاس ہی رہیں تو اچھا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہندوؤں اور سکھوں کی دکانیں جن پر ہمارے ہمسایوں نے قبضہ کر لیا ہے وہ اُن سے چھین لی جائیں لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اگر کوئی دکان یا کارخانہ ہمارے یا ہمارے رشتہ داروں کے پاس ہے تو گورنمنٹ وہ نہ چھینے کیونکہ آخر ہم لوگ جو اتنی مدت سے سکھوں اور ہندوؤں کے مظالم سے ستائے جا رہے تھے ہمارا بھی تو اُن کے مال پر کچھ حق ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان مضبوط ہو جائے اور حکومت کے ساتھ جتنی ترقیات آتی ہیں وہ ہم کو مل جائیں اور اسی بات کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہم چاہتے تھے کہ تبادلۂ آبادی کر لیا جائے لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ تبادلۂ آزادی کی وجہ سے جو لوگ اُدھر سے آئے ہیں وہ ہمارے علاقہ میں نہ بسائے جائیں کیونکہ اس طرح نئے ووٹروں کے آنے سے ہماری ممبریاں خطرے میں پڑ

جائیں گی۔

باقی رہا یہ سوال کہ وہ کہاں بسائے جائیں؟ سو گورنمنٹ تو بڑے وسیع ذرائع رکھتی ہے وہ خود غور کر کے فیصلہ کر سکتی ہے کہ پنجاب کے سولہ اضلاع کے سوا اِن لوگوں کو کہاں بسایا جائے۔ اگر لیگ کے لیڈر اتنا بھی نہیں سوچ سکتے کہ بغیر اس کے کہ مغربی پنجاب کے اضلاع کی آبادیوں میں کوئی تغیر واقع ہو اور بغیر اس کے کہ ممبروں کے ووٹوں کے گروپ میں کوئی فرق پڑے مشرقی پنجاب سے آئے ہوئے لوگوں کو کہاں بسایا جائے تو ایسے لیڈروں کا فائدہ کیا ہے اور ایسے لیڈروں کو ہم نے کرنا کیا ہے، لیڈروں کی عقلیں آخر ایسے موقع پر ہی کام آیا کرتی ہیں۔

اگر ہم کونسل کے ممبر ہیں تو ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ مغربی پنجاب کی مضبوطی کے لئے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو وہاں سے اُجاڑا جائے لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ اس طرح مشرقی پنجاب والے لوگوں کو اس بات کا بھی حق مل جائے کہ وہ مغربی پنجاب کی اسمبلی میں کوئی دخل دے سکیں۔ وہ شوق سے آئیں اور شوق سے اپنے لئے گزارے کی کوئی صورت پیدا کریں۔ ہماری صرف اتنی شرط ہے کہ مغربی پنجاب کی زمینوں اور اس کی تجارتوں کو وہ نہ چھیڑیں۔ باقی جہاں سے چاہیں اپنے لئے انتظام کریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اسی طرح اسمبلیوں میں اِن کی کسی قسم کی دخل اندازی ہم پسند نہیں کرتے یہ ہم ضرور چاہتے ہیں کہ حکومت میں ان کو حصہ ملے۔

ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کو عزت کے ساتھ رہنے کا موقع ملے مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ وہ وزارتوں میں آجائیں۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے سر آنکھوں پر بیٹھیں لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ نوکریوں میں بھی اُن کو کوئی حصہ مل جائے۔

اگر ہم مشرقی پنجاب سے آنے والے لوگ ہیں تو ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ ہمیں کھانا بھی ملے اور کپڑا بھی ملے اور آلاتِ زراعت بھی ملیں اور بَیل بھی ملیں اور اُن کے لئے چارہ بھی ملے۔ ہمیں مکان بھی ملیں اور چارپائیاں بھی ملیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہم کام کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ بوئی ہوئی فصل ہم کو مل جائے، کٹے ہوئے کھیت ہم کو دے دیئے جائیں، نکالا ہوا دانہ ہمارے سپرد کر دیا جائے۔

ہم اِس بات پر بہت ہی ناخوش ہیں کہ ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کو کیوں لُوٹا لیکن

ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ مغربی پنجاب میں ہم جہاں جائیں وہاں کے حُکّام ہم کو غلّہ اور کپڑا وغیرہ بھی دیں اور بوئی ہوئی فصلیں ہمارے حوالہ کریں اور چھوڑے ہوئے بَیل ہمارے سپرد کریں پھر ہم اِن سب چیزوں کو اَونے پَونے داموں بیچ کر ۳۰، ۴۰ میل آگے جا کے ڈیرا لگا لیں اور مہاجر بن کر کسی دوسرے ضلع کی مہمان نوازی کی لذت حاصل کریں۔

ہم چاہتے ہیں کہ تمام مغربی پنجاب کے لوگ اِس بات کو سمجھ لیں کہ مہاجر کی کیا عزت ہوتی ہے لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ یہ کبھی نہ سوچیں کہ مہاجر کے فرائض کیا ہوتے ہیں؟ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہمیں مہاجر کہہ کہہ کر سروں پر اُٹھائیں اور آنکھوں پر بٹھائیں لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ مہاجر کے اہم ترین فرائض میں جو یہ بات داخل ہے کہ اُس مُلک کو دوبارہ فتح کرے جسے چھوڑنے پر اُسے ظالمانہ طور پر مجبور کیا گیا تھا، یہ فرض ہم سے نہ ادا کروایا جائے بلکہ ہماری جگہ کوئی اور یہ فرض ادا کرے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ مغربی پنجاب کی نہروں سے فائدہ اُٹھائیں اور اس کی تجارتوں سے متمتع ہوں اور یہ جہاد اور فتوحات کے خیالات ہماری جگہ پر کوئی اور ہمارا بھائی اپنے دماغ میں لئے پھرے اور یہ جوش اپنے سینہ میں دبائے رکھے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری طرح ہمارے دوسرے مہاجر بھائیوں کو بھی کچھ نہ کچھ زمین اور تجارت میں سے حصہ ملے مگر ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ جتنی زمین یا جتنی تجارت پر ہم نے قبضہ کر لیا ہے اس میں سے ان کو حصہ نہ ملے، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی اور راستہ کھول دے گا اور یا ہمارے لیگ کے لیڈر اور راہ نما کوئی ایسی تدبیر کریں کہ جن اموال کو ہم نے ہتھیا لیا ہے اُس پر ہاتھ ڈالے بغیر کہیں اور سے دوسروں کا گھر پورا ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم بھی خوش اور ہمارا خدا بھی خوش۔ ہمارے دل میں اپنے مہاجر بھائیوں کی ہمدردی نہ ہوگی تو اور کس کے دل میں ہوگی۔

ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان مضبوط ہو اور طاقت پکڑے لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت کوئی اور لوگ کریں اور اس کے سپاہیوں میں بھی کوئی اور قومیں بھرتی ہوں۔ پاکستان کی مضبوطی تو ہم چاہتے ہیں مگر اسی طرح چاہتے ہیں کہ اس کی مضبوطی اوروں کے ہاتھوں ہو۔

ہم مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب دونوں کے آدمی چاہتے ہیں کہ ہمارے مُلک سے بددیانتی اور خیانت بالکل مِٹ جائے لیکن ہم ساتھ ہی یہ بھی چاہتے ہیں کہ بددیانتی اور خیانت کا مفہوم یہ سمجھا جائے کہ ہمارے سِوا دوسرے لوگ جو ایسا کام کرتے ہیں وہ بددیانت اور خائن ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی افسر کسی کی رعایت نہ کرے لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اگر ہم اس کے پاس جائیں تو ہماری بات سن لے اور ہماری سفارش کو قبول کرلے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کوئی پاکستانی ملازم رشوت نہ لے لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ جب ہم رشوت دیں تو وہ ضرور قبول کرلے ورنہ ہمارا دل مَیلا ہوگا اور ہمیں یقین نہیں آئے گا کہ وہ ہمارا کام کردے گا۔

ہم اگر حاکم ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ لوگ امن سے رہیں اور کسی کو کوئی کچھ نہ کہے لیکن اگر ہم کسی کو کچھ بھی کہیں تو وہ آگے سے بُرا نہ منائے۔

ہم چاہتے ہیں کہ سب مُلک کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں اور اِس بات کو مدّنظر رکھیں کہ اگر حُکّام کسی مصلحت کے ماتحت ہندوؤں اور سکھوں کا مال اپنے گھروں میں ڈال لیتے ہیں تو اُن مالوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر عوام الناس نہ دیکھیں کیونکہ اپنے بھائی کے عیب دیکھنا بُرا ہوتا ہے اور پھر وہ یہ بھی تو سوچیں کہ حُکّام نے ہندوؤں اور سکھوں کا مال لیا ہے اور کافر کا مال لینا جائز ہے مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ اِس اصل کو عوام وسیع کرلیں اور ہندوؤں اور سکھوں کے مال پر خود قبضہ کرنے کی کوشش کریں اگر وہ ایسا کریں گے تو ہم بحیثیت حاکم کے اُن کے ہاتھ پکڑنے پر مجبور ہوں گے اور قانون کے شکنجہ میں اُنہیں باندھ لینا ہمارا فرض ہوگا۔

ہم تمام پاکستان کے شہری چاہتے ہیں کہ ہماری ریلوں کا انتظام نہایت ہی اعلیٰ درجے کا ہو، اُن کے اندر صفائی ہو، اچھے گدیلے لگے ہوئے ہوں، جگہ کھلی ہو بلکہ ہر شخص کو سونے کو جگہ مل جائے، پانی کا خوب انتظام ہو، گاڑیاں وقت پر چلیں وقت پر ٹھہریں اور تمام ریلوے ملازمین کو بڑی بڑی تنخواہیں ملیں لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ کرائے نہ بڑھائے جائیں بلکہ اگر ہو سکے تو کچھ کم کردیئے جائیں بیشک بظاہر یہ ایک ناممکن سی بات نظر آتی ہے کہ کرائے نہ بڑھائے جائیں اور تنخواہیں بڑھائی جائیں اور ریلوں کو تو اچھا کیا جائے مگر ٹکٹ کی قیمت وہی رہے لیکن آخر قائداعظم سے جو امیدیں وابستہ تھیں کیا اُن کا اتنا بھی نتیجہ نہیں نکلے گا؟ کیا لیگ کے لیڈر اتنی

کرشمہ نمائی بھی نہیں کر سکتے ؟ عوام الناس کی نگاہ میں بیشک یہ باتیں ناممکن نظر آئیں مگر ہمارے لیڈروں کی نگاہ میں تو یہ باتیں بالکل معمولی ہونی چاہئیں۔ ان ناممکنات کو ممکن بنا دینا تو ان کے دائیں ہاتھ کا کرتب ہے بلکہ ہم تو ان سے یہ امید کرتے ہیں کہ کرایوں کو کم کرنے کا سوال تو الگ رہا پاکستان کی ریلیں پاکستان کے باشندوں کیلئے وقف ہونی چاہئیں۔ اتنے گہرے تعلقات کے ہوتے ہوئے کرائے کا سوال اُٹھانا بہت نامناسب بات ہے۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور حکومت تو رعایا کی ماں باپ ہوتی ہے بھائی کا بھائی یا ماں باپ کا بیٹوں بیٹیوں سے کرائے وصول کرنا کتنی ذلیل بات ہے۔ پس ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ کرایہ ہو ہی نہیں مگر ریلیں ضرور اچھی ہوں۔ انتظام نہایت اعلیٰ ہو اور ریلوے کے ملازمین کو تنخواہیں بڑے معیار پر ملنی چاہئیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ سب ملازمین ہی کی تنخواہیں زیادہ ہو جائیں کیا مدرّس اور کیا سپاہی اور کیا پولیس مین اور کیا پٹواری اور کیا کلرک سَو سَو ڈیڑھ ڈیڑھ سَو روپیہ تو ان کو کم از کم ملنا چاہئے۔ ہاں ہم یہ چاہتے ہیں کہ بڑے لوگوں کی تنخواہیں کم کر دی جائیں۔ حساب دان لوگ کہتے ہیں کہ اگر نچلے سٹاف کی سَو روپیہ اوسط تنخواہ کر دی جائے تو پچاس کروڑ روپیہ کے قریب خرچ بڑھ جاتا ہے اور اُوپر کے سٹاف کی تنخواہیں کم کر دی جائیں تو ایک کروڑ کے قریب بچت ہوتی ہے۔ پس قریباً ۴۹ کروڑ کا فرق رہ جاتا ہے یہ کہاں سے پورا کیا جائے۔ اس کے لئے تو ملک پر ٹیکس بڑھانے پڑیں گے لیکن اگر ایسا ہو تو یہ ہماری مرضی کے خلاف ہوگا ہم ہرگز اس بات کے حق میں نہیں کہ ٹیکس بڑھائے جائیں لیکن ہم اِس بات کے حق میں ضرور ہیں کہ تنخواہیں بڑھائی جائیں۔ باقی رہا ۴۹ کروڑ کا فرق سو یہ معمولی بات ہے یہ وزراء ہیں کس مرض کی دوا۔ اگر یہ اتنی بات بھی نہیں سوچ سکتے اگر وہ ہم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں، اگر وہ وزارت کی کرسی پر بیٹھنا چاہتے ہیں تو بغیر ٹیکس بڑھانے کے ان کو تنخواہیں بڑھانی پڑیں گی اور اپنے دماغوں سے کام لے کر یہ روپیہ کہیں سے پیدا کرنا ہوگا۔ آخر اب پبلک کی حکومت ہے پبلک کی مرضی کے مطابق ان کو کام کرنا چاہئے۔ کیا کوئی ملازم اپنے آقا سے کہا کرتا ہے کہ مَیں یوں نہیں کر سکتا بہر حال اسے کرنا ہی پڑتا ہے۔ پس وزراء کو ۴۹ پچاس کروڑ بہر حال کہیں سے پیدا کرنا پڑے گا لیکن ہم سے وصول نہیں

کرنا ہوگا۔

اگر ہم وزیر ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ ہم وزارت کی کرسی پر بیٹھے رہیں اور تمام مُلک ہمارا ممنون ہو کہ ہم وزیر بن گئے ہیں۔ عقل سے کام لینے کی ہم کو ضرورت نہیں، محنت سے کام لینے کی ہم کو ضرورت نہیں، اگر لوگ گھر پر ملاقات کے لئے آئیں تو ہم گھر پر نہیں اور اگر لوگ دفتر میں جائیں تو ہم بیمار ہیں اور کوٹھی سے نہیں نکلے۔ لوگوں کو چاہئے کہ ہمارا وقت ضائع نہ کریں ہمیں باہم ایک دوسرے سے اُلجھنے دیں یا لڑائی بھڑائی کے بعد ہانپنے اور آرام کرنے کا موقع دیں۔ یہ کیا کہ ہم مُلک کی خاطر ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا بھی کریں اور پھر دوسرے کاموں کے لئے اپنا وقت بھی نکالیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ لوگ ہمارے پاس سفارش لائیں لیکن ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ ہم جن افسروں کے پاس سفارش کریں وہ ہماری سُنیں کیونکہ ہم آخر وزیر ہیں۔

ہم سرمایہ دار ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ سرکاری کارخانوں اور ملازموں کی طرف سے جب تنخواہوں کی زیادتی کا مطالبہ ہو تو اس موقع پر ہمیں ضرور تقریر کرنے کا موقع دیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو تو کم سے کم ''مزدور زندہ باد کا نعرہ'' ہمارا سب کے نعروں سے اونچا رہنا چاہئے۔ سٹیج پر سب کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری خیر خواہی مزدور کے حق میں سب سے زیادہ ہے مگر ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے نوکر کبھی تنخواہ کی زیادتی کا مطالبہ نہ کریں بلکہ غریب طبقہ سے ہماری ہمدردی دیکھ کر اُن کے دل میں محبت کا جذبہ اِس قدر اُبھرے کہ وہ خود ہی درخواست کریں کہ اے ہماری جنس کے خیر خواہ! ہماری تنخواہوں میں کچھ کمی کیجئے اور ہم کو اپنی ممنونیت کے اظہار کا ایک ادنیٰ سا موقع دیجئے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اسلامی حکومت قائم ہو اور پاکستان کا آئین اسلامی آئین ہو لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اسلام کے کسی حکم پر عمل کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔ ہم اگر عامی ہیں تو نماز روزہ کا سوال بالکل نہ اُٹھایا جائے۔ ہم اگر تعلیم یافتہ ہیں تو ہماری مُنڈی ہوئی ٹھوڑیوں کو کوئی نہ دیکھے آخر قرآن کریم میں غضِ بصر کا حکم ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہم مغربی لباس پہنیں، مغربی طریقوں پر بود و باش رکھیں لیکن ہم ساتھ ہی یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم کو سٹیج پر ''اسلام زندہ باد'' کا نعرہ لگانے کی اجازت دی جائے لیکن ہم یہ بھی

چاہتے ہیں کہ لوگ اس بات کا کبھی خیال نہ کریں کہ اسلام سب سے پہلے ہمارے دل میں مرا تھا۔

ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اِس بات کو تسلیم کرلے کہ سارے پاکستان کے باشندے اسلام کی حکومت چاہتے ہیں اور چونکہ سب باشندے اسلام کی حکومت چاہتے ہیں سوائے ان کے جن کو لوگوں نے حکومت میں اپنا نمائندہ چنا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ وہ آئینِ اسلام کے دشمن نمائندے جن کو آئینِ اسلام کے فدائی مسلمانوں نے اپنا نمائندہ بنایا تھا وہ ایک قانون بنا دیں جس سے جبری طور پر سب لوگوں سے اسلامی آئین پر عمل کرایا جائے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب ہم چاہتے ہیں کہ اسلامی آئین جاری ہو تو ہم خود بھی اس کو جاری کر سکتے ہیں لیکن آئینِ اسلام کو اپنی مرضی سے جاری کرنا کوئی ایسا مزا نہیں دے گا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی آئین تلوار کے زور سے ہم سے منوایا جائے اِسی میں اُستادی کا مظاہرہ ہے اور اِسی میں سب مزا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ کشمیر پاکستان سے ملحق ہو کیونکہ اس میں پاکستان کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر پاکستان محفوظ نہیں رہ سکتا لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اگر کشمیر فتح کرنا پڑے تو یا سرحد کے پٹھان یہ کام کریں یا صرف کشمیر کے باشندے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کام پر ہم کو روپیہ بھی خرچ نہ کرنا پڑے۔ اگر ڈوگرہ راج کے ظلم سے مسلمانوں کو اپنے وطن چھوڑنے پڑیں تو ہم دل سے متمنی ہیں کہ ہمارے بھائیوں کو ہر طرح کا آرام ملے مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ اُن کو مہاجر قرار دیا جا کر ان کی امداد کی جائے کیونکہ اس طرح مشرقی پنجاب کے مہاجرین اور مغربی پنجاب کے مستفیدین کو نقصان پہنچتا ہے۔ مگر ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ کشمیر کے مہاجر دھکے کھانے، بھوکے رہنے، تکلیفیں اُٹھانے کے بعد جب اپنے وطن کو واپس لوٹیں تو ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے لگاتے اور ہماری عنایتوں کے گُن گاتے جائیں اور آراء شماری کے وقت سَو فیصدی پاکستان کے حق میں ووٹ دیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ فلسطین سے یہودی بھاگ جائیں، عربوں کو فتح ہو مگر ہم عربوں کی کمزوری اور یہود کی طاقت پر غور کرنے کو ضیاعِ وقت سمجھتے ہیں جو مسلمان اس قسم کا خیال کرے وہ کافر ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ نتیجہ خواہ کچھ نکلے آخر تک ہم کو کچھ نہ کرنا پڑے اور جنت حمقاء میں بیٹھے ہم فتح و کامرانی کے خواب دیکھتے رہیں اور شاباش و مَرْحَبًا کے تحائف سے عربوں کو قوی

سے قوی تر بناتے جائیں اور لعنت و ملامت کے تیروں سے یہود کے سینوں کو اس طرح چھید دیں کہ ان گیدیوں کو پھر کبھی اسلامی ممالک کی طرف منہ کرنے کا خیال تک نہ پیدا ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کمزور ہو اور پاکستان مضبوط لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ پاکستان کا سونا نکال نکال کر ہندوستان پہنچائیں۔ ہندوستان کا مال لا کر مہنگے داموں پاکستان میں فروخت کریں۔ ہندوستان میں چھوڑی ہوئی مسلمانوں کی جائداد کا کوئی انتظام نہ کیا جائے مگر پاکستان کے ہندوؤں کی جائداد کو اُنہیں واپس کیا جائے۔ ہم کچھ کمشن لے کر اُن کے کارخانے سنبھال لیں اور اکثر حصہ کمائی کا ہندوستان بھجواتے رہیں مگر پاکستان مضبوط ہوتا جائے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے لیڈروں سے ہمارے خفیہ معاہدات بھی ہوں، راز و نیاز کی خط و کتابت بھی ہو، بغیر نام لئے، قائداعظم پر چوٹیں بھی ہوں، لیگ کے نقائص کو بڑھا بڑھا کر دکھائیں، ہندوستان کے عیوب پر اپنی عورتوں کے بُرقع تک ڈال دیں مگر ہم کو قوم کا منجّی اور پاکستان کا ہمدرد سمجھا جائے اور کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ پاکستانی قومیت کا احساس ترقی کرے لیکن صوبہ جاتی لُوٹ کھسوٹ کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ ملازمتیں سب صوبوں کے لئے کھلی رہیں لیکن ملیں صرف ہمارے ہموطنوں کو اور سب لوگ ہماری حُبّ الوطنی کی داد دیں اور ہماری وسیع الخیالی کو سراہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ سب فرقے اور قومیں پاکستان کی حمایت میں اپنی جانیں لڑا دیں اور کسی قربانی سے دریغ نہ کریں لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ شیعہ، مرزائی وغیرہ قسم کی اقلیتوں کو اِس ملک میں کوئی رُتبہ نہ ملے۔ اِن کو گردن زدنی اور کشتنی قرار دیا جائے لیکن یہ ہنستے ہوئے اپنی گردنیں کٹوائیں اور مسکراتے ہوئے جانیں دیں کیونکہ سچی حُبّ الوطنی کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ہم کو معذور رکھا جائے مگر اللہ تعالیٰ اپنی خداوندی کی ذمہ داریاں پوری طرح ادا کرتا رہے کیونکہ اُسے اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر ہم نے اس پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہم اُس کی غفّاری اور ستّاری کے مظاہرے کیلئے سامان پیدا کرتے رہیں اور وہ اپنی رحمانیت کے جلوے دکھاتا رہے۔ غرض ہم بھول جائیں کہ

ہم غلام ہیں اور ہم پر کوئی ذمہ داری ہے اور وہ بھول جائے کہ وہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے۔ اِن باتوں کے یاد رکھنے میں وہ مزا نہیں جو اُن کے بھول جانے میں ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ رات بھر سوئیں، دن بھر حُقّہ پئیں اور کبھی کبھی اپنے بَیلوں کو سونٹی سے ہانک دیا کریں اور سِکھ رات سے جا کر اپنے کھیتوں میں ہل چلائیں اور محنت کریں لیکن فصل پکنے کا موقع آئے تو اُن کا غلّہ ہمارے کھلیانوں میں آ جائے اور ہمارا اُن کے کھلیانوں میں چلا جائے بلکہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ہم امید تو یہ رکھتے ہیں کہ ہمارا غلّہ بھی ہمارے کھلیانوں میں رہے اور سکھوں کا غلّہ بھی مشرقی پنجاب سے اُڑ کر ہمارے کھلیانوں میں پہنچ جائے۔ غرض محنت وہ کریں اور کھائیں ہم کیونکہ ہم مؤمن ہیں اور وہ کافر۔ مؤمن و کافر میں یہ فرق بھی نہ ہو تو اس ایمان و یمان کے جھگڑے سے فائدہ ہی کیا؟

ہم چاہتے ہیں کہ سینما ہوں، خوب اچھی اچھی فلمیں دکھائیں اور اللہ میاں اُن کے دیکھنے کیلئے ہم کو خوب خوب پیسے دیں اور ہمارے علماء وزارتوں کے پیچھے ڈنڈے لئے پھریں اور اس طرف دیکھنے کی اُن کو فرصت ہی نہ ملے کہ مسلمان رات دن ناچ اور گانے میں لگے رہتے ہیں اور وہی چیزیں جو اسلام کی رُوح کے خلاف ہیں اُن کی رُوح کا جزو بنی ہوئی ہیں۔ ہم سینما سے نکلنے کے بعد ''اسلام زندہ باد'' کا نعرہ لگا دیں اور ہمارے مولوی اس نعرہ کو وزارت کی طرف لڑھکا دیں اور اس گیند بلے کی کھیل ہی میں عمر گزر جائے، سینما گھروں کی رونق میں فرق نہ پڑے اور مسجدوں کی ویرانی میں کمی نہ آئے۔ ہمارے دلوں کا اسلام مُردہ ہی رہے اور زبانوں کا اسلام روز بروز زندہ ہوتا چلا جائے۔

ہماری عورتیں چاہتی ہیں کہ اسلامی ورثہ سے وہ فائدہ اُٹھائیں۔ اسلامی حقوق ان کو حاصل ہوں لیکن اسلامی ذمہ داریاں اُن پر عائد نہ ہوں۔ پردہ کا سوال کوئی نہ اُٹھائے اور خلافِ شریعت اختلاط کے متعلق کوئی زبان نہ کھولے۔ آخر عورت ذات نازک ذات ہے جب ہمارے مرد بشری کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر غفّار و ستّار کی ذات پر نگہ رکھتے ہیں تو عورتیں تو کمزوروں میں سے کمزور جنس ہیں وہ اس کی غفّاری ستّاری سے کیوں فائدہ حاصل نہ کریں۔ پس لطف تو اِسی میں ہے کہ وہ بے ستری پر زور دیں اور خدا ستّاری پر۔

ہم اگر اخبار والے ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ اخبار کے ذمہ وار کارکن کی ابتدائی تنخواہ تین سَو سے کم نہ ہو۔ ہزار بارہ سَو ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ دنیا میں مساوات جاری رہے اور اس لئے زمیندار کو ایک ایکڑ سے زیادہ فی کس نہ ملے۔ بیشک ایک ایکڑ فی کس ملنے کے یہ معنی ہوں گے کہ دو یا تین روپیہ مہینہ اس کو ملے گا لیکن زمینداروں کو یہ تو سوچنا چاہیئے کہ اگر ہم تین سَو یا چار سَو یا پانچ سَو حاصل کرتے ہیں تو ہم اپنا وقت بھی تو زمینداروں کی خدمت کیلئے وقف کرتے ہیں۔ اگر ہمارے لئے ترقی کے راستے کھلے ہوتے ہیں ہم اپنے لڑکوں کو بی۔ اے، ایم۔ اے کروا سکتے ہیں۔ تحصیلدار، ای۔ اے۔ سی، ڈاکٹر، وکیل، لیفٹیننٹ بنوا سکتے ہیں تو اِس بات کا خیال زمینداروں کو نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ آخر ہم ہی تو مساوات کا اعلان کرتے ہیں اگر ہم نہ ہوں تو مساوات کا اعلان کرنے والا دنیا میں کون رہ جاتا ہے۔

ہم بے شک بڑے زمیندار ہیں لیکن ہم کمیونزم کی تائید کرتے ہیں۔ بے شک ہماری جائدادیں کافی ہیں لیکن دنیا کا جو بوجھ ہمارے سر پر ہے اس کے ہوتے ہوئے اِس قدر آرام تو ہمیں ملنا چاہیئے۔ غریب زمیندار کی تائید میں آواز اُٹھانے کے بعد جو خلش ہمارے دلوں میں پیدا ہوتی ہے، جس پراگندگی سے ہمارے دماغوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے اُس کے بعد پچاس ساٹھ یا سَو مربع کا ہمارے پاس ہونا کوئی ایسی بات نہیں جس پر اعتراض کیا جا سکے اور جس سے مساوات میں فرق پڑے۔

ہم تاجر ہیں اور ہم کارخانہ دار ہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے کارخانے ہمارے پاس رہیں۔ ہمارے بنک کا اکاؤنٹ خدا کرے دن بدن بڑھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ان کاموں میں کوئی دخل نہ دے لیکن ساتھ ہی ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے زمیندار بھائیوں میں مساواتِ اسلامی جاری کی جائے اور ایک ایک ایکڑ فی کس دے کر دین و دنیا کی بادشاہت ان کو بخش دی جائے۔ ہم یہ کبھی نہیں دیکھ سکتے کہ کسی زمیندار کے پاس زیادہ زمین ہو اور کسی کے پاس کم۔ باقی رہا یہ کہ ہم میں سے کوئی لاکھ پتی ہے یا کروڑ پتی یہ بالکل اور بات ہے۔ لائق آدمی زیادہ کما لیتا ہے اور نالائق آدمی زیادہ کما نہیں سکتا۔ یہ تو ایک طبعی مساوات ہے اس کو عدمِ مساوات نہیں کہا جا سکتا ہاں زمین کا کم و بیش ہونا بے شک عدمِ مساوات ہے اور اس کو ہم

برداشت نہیں کر سکتے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آمدنوں پر جب تک وہ ڈیڑھ دو ہزار کی نہ ہو جائیں کوئی ٹیکس نہ لگے لیکن ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ زمیندار کے پاس خواہ چار کنال زمین ہو اُس سے معاملہ ضرور وصول کیا جائے اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اِس بات پر کوئی اعتراض نہ کرے کیونکہ یہ ایک طبعی بات ہے اور طبعی بات کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔

ہم چاہتے ہیں کہ کوئی شخص یہ سوال نہ اُٹھائے کہ ایک ایکڑ فی کس میں زمیندار کا گزارہ کس طرح ہوگا اور وہ اپنے بچوں کو تعلیم کس طرح دلائے گا اور وہ اپنے بیماروں کا علاج کس طرح کروائے گا اور اگر کوئی زمیندار زیادہ عقل اور سمجھ کا مالک ہے تو اُسے ایک ہوشیار تاجر پیشہ یا ہوشیار ملازم کی طرح آگے بڑھنے کا موقع کس طرح ملے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک غیر طبعی سوال ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ ایسے غیر طبعی سوال کوئی نہ اُٹھائے۔

سب سے آخر میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ کوئی نہ سمجھے کہ ہم کیا چاہتے ہیں کیونکہ اگر لوگوں نے سمجھ لیا کہ ہم کیا چاہتے ہیں تو متضاد باتوں کا دروازہ کھل جائے گا اور متضاد باتوں کا دروازہ کھلنے سے انسان کا دماغ پریشان ہو جاتا اور امن برباد ہو جاتا ہے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ ہو جائے اور دوسروں کے دلوں میں یا تو خواہش پیدا ہی نہ ہو اور اگر پیدا ہو تو ہمارے حق میں ہو اور اگر ہمارے خلاف ہو تو اُس کو سننے والا کوئی نہ ہو بلکہ جو کوئی ہمارے خلاف بات کرے اُس کے وعظ میں گڑ بڑ پیدا کی جائے اور اُس پر اور اُس کے ساتھیوں پر سنگ باری کی جائے کیونکہ عقل کی باتوں کو سننے کا موقع دینا دین کو کمزور کرتا ہے اور شریعت کو کھوکھلا بناتا ہے۔ پس ہم یہ چاہتے ہیں کہ لوگ علم سے بے بہرہ رہیں اور عقل سے کورے رہیں تا کہ وہ یہی سمجھتے رہیں کہ ہم اُن کے خیر خواہ ہیں اور اِس سے بہتر امن کا ذریعہ اور کیا ہوگا کہ ہم جس طرح چاہیں ترقی کریں اور دوسرے لوگ ہماری ہر زیادتی اور ہمارے ہر ظلم کے متعلق یہ سمجھیں کہ اِسی میں اُن کی خیر خواہی ہے جس خوش نصیب مُلک کو یہ بات نصیب ہو اُس کا امن بھی کبھی برباد ہو سکتا ہے؟

(الفضل ۱۵؍ مئی ۱۹۴۸ء)

اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ

وہ دن جس کی خبر قرآن کریم اور احادیث میں سینکڑوں سال پہلے سے دی گئی تھی، وہ دن جس کی خبر تورات اور انجیل میں بھی دی گئی تھی، وہ دن جو مسلمانوں کے لئے نہایت ہی تکلیف دِہ اور اندیشناک بتایا جاتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ آن پہنچا ہے۔ فلسطین میں یہودیوں کو پھر بسایا جارہا ہے۔

کشمیر کا معاملہ پاکستان کے لئے نہایت اہم ہے لیکن فلسطین کا معاملہ سارے مسلمانوں کیلئے نہایت اہم ہے۔ کشمیر کی چوٹ بِالواسطہ پڑتی ہے فلسطین کی چوٹ بِلاواسطہ پڑتی ہے۔ فلسطین ہمارے آقا اور مولیٰ کی آخری آرام گاہ کے قریب ہے جن کی زندگی میں بھی یہودی ہر قسم کے نیک سلوک کے باوجود بڑی بے شرمی اور بے حیائی سے ان کی ہر قسم کی مخالفتیں کرتے رہے، اکثر جنگیں یہود کے اُکسانے پر ہوئی تھیں۔ کسریٰ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کروانے پر اُنہوں نے ہی اُکسایا تھا۔ خدا نے ان کا منہ کالا کیا مگر اُنہوں نے اپنے خبث باطن کا اظہار کر دیا۔ غزوۂ احزاب کی لیڈری یہود ہی کے ہاتھ میں تھی، سارا عرب اِس سے پہلے کبھی اکٹھا نہ ہوا تھا مکہ والوں میں ایسی قوتِ انتظام تھی ہی نہیں۔ یہ مدینہ سے جلاوطن شُدہ یہودی قبائل ہی کا کارنامہ تھا کہ اُنہوں نے سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینہ کے سامنے لا ڈالا۔ خدا نے ان کا بھی منہ کالا کیا مگر یہود نے اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل دشمن تو مکہ والے تھے مگر مکہ والوں نے کبھی دھوکے سے آپ کی جان لینے کی کوشش نہیں کی۔ آپ جب طائف گئے اور مُلک کے قانون کے مطابق مکہ کے شہری حقوق سے آپ دستبردار ہو گئے مگر پھر آپ کو لَوٹ کر مکہ میں آنا پڑا تو اُس وقت مکہ کا ایک شدید ترین دشمن آپ کی امداد کیلئے آگے آیا اور مکہ میں اُس نے اِعلان کر دیا کہ مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم کو شہریت کے حقوق دیتا ہوں۔ اپنے پانچوں بیٹوں سمیت آپ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا اور اپنے بیٹوں سے کہا کہ محمد ہمارا دشمن ہی سہی پر آج عرب کی شرافت کا تقاضا ہے کہ جب وہ ہماری امداد سے شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو ہم اس کے مطالبہ کو پورا کریں ورنہ ہماری عزت باقی نہیں رہے گی اور اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اگر کوئی دشمن آپ پر حملہ کرنا چاہے تو تم میں سے ہر ایک کو اس سے پہلے مَر جانا چاہئے کہ وہ آپ تک پہنچ سکے۔[۱] یہ تھا عرب کا شریف دشمن۔ اس کے مقابلہ میں بدبخت یہودی جس کو قرآن کریم مسلمان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتا ہے اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر پر بُلایا اور صلح کے دھوکا میں چکی کا پاٹ کوٹھے پر سے پھینک کر آپ کو مارنا چاہا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اس کے منصوبہ کی خبر دی اور آپ سلامت وہاں سے نکل آئے۔[۲] یہودی قوم کی ایک عورت نے آپ کی دعوت کی اور زہر ملا ہوا کھانا آپ کو کھلایا آپ کو خدا تعالیٰ نے اِس موقع پر بھی بچا لیا[۳] مگر یہودی قوم نے اپنا اندرونہ ظاہر کر دیا۔ یہی دشمن ایک مقتدر حکومت کی صورت میں مدینہ کے پاس سَر اُٹھانا چاہتا ہے شاید اِس نیت سے کہ اپنے قدم مضبوط کر لینے کے بعد وہ مدینہ کی طرف بڑھے۔ جو مسلمان یہ خیال کرتا ہے کہ اِس بات کے امکانات بہت کمزور ہیں اُس کا دماغ خود کمزور ہے۔ عرب اِس حقیقت کو سمجھتا ہے عرب جانتا ہے کہ اب یہودی عرب میں سے عربوں کو نکالنے کی فکر میں ہے اِس لئے وہ اپنے جھگڑے اور اختلاف کو بھول کر متحدہ طور پر یہودیوں کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا ہے مگر کیا عربوں میں یہ طاقت ہے؟ کیا یہ معاملہ صرف عرب سے تعلق رکھتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہ عربوں میں اِس مقابلہ کی طاقت ہے اور نہ یہ معاملہ صرف عربوں سے تعلق رکھتا ہے۔ سوال فلسطین کا نہیں، سوال مدینہ کا ہے، سوال یروشلم کا نہیں سوال خود مکہ مکرمہ کا ہے۔ سوال زید اور بکر کا نہیں سوال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا ہے۔ دشمن باوجود اپنی مخالفتوں کے اِسلام کے مقابل پر اکٹھا ہو گیا ہے، کیا مسلمان باوجود ہزاروں اتحاد کی وجوہات کے اِس موقع پر اکٹھا نہیں ہو گا......

ہمارے لئے یہ سوچنے کا موقع آ گیا ہے کہ کیا ہم کو الگ الگ اور باری باری مرنا چاہئے یا اکٹھے ہو کر فتح کیلئے کافی جدوجہد کرنی چاہئے۔ مَیں سمجھتا ہوں وہ وقت آ گیا ہے جب مسلمانوں کو یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ یا تو وہ ایک آخری جدوجہد میں فنا ہو جائیں گے یا کُلّی طور پر اِسلام کے

خلاف ریشہ دوانیوں کا خاتمہ کر دیں گے۔مصر، شام اور عراق کا ہوائی بیڑہ سَو ہوائی جہازوں سے زیادہ نہیں لیکن یہودی اس سے دس گنا بیڑہ نہایت آسانی سے جمع کر سکتے ہیں۔...... میں سمجھتا ہوں مسلمان اب بھی دنیا میں اتنی تعداد میں موجود ہیں کہ اگر وہ مرنے پر آئیں تو اُنہیں کوئی مار نہیں سکے گا لیکن میری یہ امیدیں کہاں تک پوری ہوسکتی ہیں اللہ ہی اس کو بہتر جانتا ہے۔

آج ریزولیوشنوں سے کام نہیں ہوسکتا آج قربانیوں سے کام ہوگا۔ اگر پاکستان کے مسلمان واقعہ میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اپنی حکومت کو توجہ دلائیں کہ ہماری جائدادوں کا کم سے کم ایک فیصدی حصہ اِس وقت لے لے۔ ایک فیصدی حصہ سے بھی پاکستان کم سے کم ایک اَرب روپیہ اِس غرض کیلئے جمع کرسکتا ہے اور ایک اَرب روپیہ سے اسلام کی موجودہ مشکلات کا بہت کچھ حل ہوسکتا ہے۔ پاکستان کی قربانی کو دیکھ کر باقی اسلامی ممالک بھی قربانی کریں گے اور یقیناً پانچ چھ ارب روپیہ جمع ہو سکے گا جس سے فلسطین کے لئے باوجود یورپین ممالک کی مخالفت کے آلات جمع کئے جاسکتے ہیں۔ ایک روپیہ کی جگہ پر دو، دو روپیہ کی جگہ پر تین تین روپیہ کی جگہ پر چار اور چار روپیہ کی جگہ پر پانچ خرچ کرنے سے کہیں نہ کہیں سے چیزیں مل جائیں گی۔ یورپین لوگوں کی دیانتداری کی قیمت ضرور ہے خواہ وہ قیمت گراں ہی کیوں نہ ہو اُنہیں خریدا جاسکتا ہے خواہ بڑھیا بولی پر۔ مگر بولی دینے کیلئے جیب بھی بھری ہوئی ہونی چاہئے۔

پس میں مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اِس نازک وقت کو سمجھیں اور یاد رکھیں کہ آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃ لفظ بلفظ پورا ہو رہا ہے۔ یہودی اور عیسائی اور دہریہ مل کر اسلام کی شوکت کو مٹانے کیلئے کھڑے ہوگئے ہیں۔ پہلے فرداً فرداً یورپین اقوام مسلمانوں پر حملہ کرتی تھیں مگر اب مجموعی صورت میں ساری طاقتیں مل کر حملہ آور ہوئی ہیں اور آؤ ہم سب مل کر ان کا مقابلہ کریں کیونکہ اِس معاملہ میں ہم میں کوئی اختلاف نہیں۔ دوسرے اختلافوں کو اِن امور میں سامنے لانا جن میں اختلاف نہیں نہایت ہی بیوقوفی اور جہالت کی بات ہے۔ قرآن کریم تو یہود تک سے فرماتا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ [۴]

اتنے اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی قرآن کریم یہود کو دعوتِ اتحاد دیتا ہے کیا اِس موقع پر جب کہ اسلام کی جڑوں پر تبر رکھ دیا گیا ہے، جب مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ حقیقی طور پر خطرے میں ہیں وقت نہیں آیا کہ آج پاکستانی، افغانی، ایرانی، ملائی، انڈونیشین، افریقن اور ترکی یہ سب کے سب اکٹھے ہو جائیں اور عربوں کے ساتھ مِل کر اس حملہ کا مقابلہ کریں جو مسلمانوں کی قوت کو توڑنے اور اسلام کو ذلیل کرنے کیلئے دشمن نے کیا ہے۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ قرآن کریم اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ایک دفعہ پھر فلسطین میں آباد ہوں گے لیکن یہ نہیں کہا گیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے آباد ہوں گے۔ فلسطین پر ہمیشہ کی حکومت تو عِبَادَ اللّٰہِ الصَّالِحُوْنَ کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ پس اگر ہم تقویٰ سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کی پہلی پیشگوئی اس رنگ میں پوری ہوسکتی ہے کہ یہود نے آزاد حکومت کا وہاں اعلان کر دیا ہے لیکن اگر ہم نے تقویٰ سے کام نہ لیا تو پھر وہ پیشگوئی لمبے وقت تک پوری ہوتی چلی جائے گی اور اسلام کے لئے ایک نہایت خطرناک دھکّا ثابت ہوگی۔

پس ہمیں چاہئے کہ اپنے عمل سے، اپنی قربانیوں سے، اپنے اتحاد سے، اپنی دعاؤں سے، اپنی گریہ و زاری سے اِس پیشگوئی کا عرصہ تنگ سے تنگ کر دیں اور فلسطین پر دوبارہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے زمانہ کو قریب سے قریب تر کر دیں اور مَیں سمجھتا ہوں اگر ہم ایسا کر دیں تو اسلام کے خلاف جورَو چل رہی ہے وہ اُلٹ پڑے گی۔ عیسائیت کمزوری و اِنحطاط کی طرف مائل ہو جائے گی اور مسلمان پھر ایک دفعہ بلندی اور رفعت کی طرف قدم اُٹھانے لگ جائیں گے۔ شاید یہ قربانی مسلمانوں کے دل کو بھی صاف کر دے اور ان کے دل بھی دین کی طرف مائل ہو جائیں اور پھر دنیا کی محبت ان کے دلوں سے سرد ہو جائے۔ پھر خدا اور اُس کے رسول اور اُن کے دین کی عزت اور احترام پر آمادہ ہو جائیں۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ

(الفضل ۳۱ ؍مئی ۱۹۴۸ء)

۱؎ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء

۲؎ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۔۱۲۹ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۳؎ بخاری کتاب الھبۃ باب قبول الھدیۃ من المشرکین

۴؎ اٰل عمران: ۶۵

مسلمانانِ بلوچستان سے ایک اہم خطاب

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مسلمانانِ بلوچستان سے ایک اہم خطاب

(فرمودہ ۱۴؍ جون ۱۹۴۸ء بمقام کوئٹہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

بعض احباب نے یہ خواہش ظاہر فرمائی ہے کہ میں اس موقع پر کچھ باتیں بیان کروں گو انہوں نے بتایا نہیں کہ کیا باتیں ہوں۔ اُنہوں نے مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ جو باتیں میرے نزدیک مسلمانوں کیلئے مفید ہوں میں انہیں بیان کروں۔ میں سمجھتا ہوں سب سے پہلی چیز جو مسلمانوں کیلئے یہاں بھی اور دنیا کے ہر گوشہ اور ہر ملک میں نہایت ضروری ہے اور جس کے بغیر ہماری ساری کوششیں اور دعوے اور ادّعا باطل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارا مذہب اس حقیقت کو پیش کرتا ہے کہ وہ ایک زندہ مذہب ہے جو قیامت تک قائم رہے گا۔ دنیا کے باقی مذاہب بھی بے شک اپنے سچے ہونے کے مدعی ہیں لیکن اسلام اور قرآن ایک ایسے مذہب کو پیش کرتا ہے جس کی تائید میں ہمیشہ خدا تعالیٰ اپنے نشانات اور قدرتوں کا اظہار کیا کرتا ہے پس ایک زندہ مذہب کا پیرو ہونے کے لحاظ سے ہمارے اپنے اندر بھی زندگی ہونی چاہئے۔ آخر خدا تعالیٰ اپنی قدرتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ اور پھر آپؐ کے تابعین کے ذریعہ سے دنیا کو دکھاتا رہا ہے یا نہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی تائیدات ایسے رنگ میں دکھاتا رہا ہے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ کیا کوئی ایسا سلسلہ بھی اس دنیا میں موجود ہے جس کی تائید کے سامان صرف مادی اسباب سے وابستہ نہیں بلکہ مادیات سے بالا ایک اور ہستی ان کی تائید کیلئے غیر معمولی سامان پیدا کر دیا کرتی ہے وہی سلسلہ اِس زمانہ میں بھی جاری ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ واضح الفاظ میں فرماتا ہے کہ ہمارا حزب ہمیشہ غالب رہے گا۔[1]

حزب الٰہی کے غلبہ کے اگر یہی معنی ہوں کہ ان کے پاس توپیں زیادہ ہوں گی تو وہ جیت جائیں گے یا آدمی زیادہ ہوں گے تو وہ جیت جائیں گے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں رہتی۔ ساری دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ جس کے پاس سامان زیادہ ہوتے ہیں وہ جیت جاتا ہے۔ ایسی صورت میں حزبِ الٰہی میں شامل ہونے والوں کیلئے کوئی مَابِہِ الْاِمْتِیَازْ قائم نہیں رہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہمارا حزب ہمیشہ غالب رہے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خواہ ان کے پاس ظاہری سامان کم ہوں گے تب بھی وہ ہماری تائید سے جیت جائیں گے اور جب سامان کی کمی یا ذرائع کامیابی کے فقدان کے باوجود اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ اس کا حزب دشمن پر غالب آئے گا تو یہ لازمی بات ہے کہ اِس غلبہ کی ایسی ہی صورت ہوگی جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بدر اور اُحد کی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ مسلمانوں کی تائید کے لئے نازل کئے۔ کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور مسلمانوں کے ہاتھ ایسے مضبوط کر دیئے کہ وہ زبردست طاقت اور زیادہ تعداد رکھنے والے دشمن پر غالب آ گئے لیکن خدا تعالیٰ کے نشانات کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بھی اس قابل ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری تائید میں اپنے نشانات ظاہر کرے۔

پس سب سے پہلی چیز جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ وہ ہر مسلمان کے اندر پائی جانی چاہئے یہ ہے کہ اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہمیں اپنی نگاہ آج سے تیرہ سَو سال پیچھے لے جانی چاہئے۔ اگر ہم اپنے گردوپیش کو دیکھ کر اور یہ اندازہ لگا کر کہ دنیا کی باقی قومیں کس طرح ترقی کر رہی ہیں خود بھی انہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور اس امر کو نظر انداز کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کیا ہیں یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کیا ہدایات دی ہیں تو یقیناً ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں سے وہ وعدے کئے ہیں جو دوسری قوموں سے اس نے نہیں کئے اور جب مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کے ایسے وعدے ہیں جو دوسری قوموں سے نہیں تو لازماً ہمیں ایسے حالات پیدا کرنے پڑیں گے جن میں دوسری قومیں ہم سے مشترک نہ رہیں اور اس کی یہی صورت ہے کہ ہمارے آقا اور سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم لائے تھے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ جس رنگ میں

وہ ہمیں رنگین کرنا چاہتے تھے اس رنگ میں ہم رنگین ہو جائیں اور جو باتیں اسلام کے خلاف ہیں اُن سے بچنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے اور اگر ہم محض دُنیوی تدابیر سے کام لے کر یا اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ محنتی، زیادہ سے زیادہ ہُنر منداور زیادہ سے زیادہ ہوشیار بنا کر اپنے آپ کو مغرب کا اچھا شاگرد بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم کا یہ وعدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ مغرب کے اچھے شاگردوں کی مدد کرے گا۔ قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [۲] اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرے تو تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرو جب چلو گے تو يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ خدا بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔ پس الٰہی تائید اور نصرت اِسی صورت میں آ سکتی ہے جب مسلمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

کئی سالوں کی بات ہے مَیں ڈلہوزی میں تھا کہ وہاں ایک مسلمان رئیس نے ایک پارٹی دی۔ یہ پارٹی ایک جرنیل کے اعزاز میں دی گئی تھی جن کا نام پرسی کاک تھا۔ اس مسلمان رئیس نے مجھے بھی شمولیت کی دعوت دی اور اصرار کیا کہ میں اس میں ضرور شامل ہوں۔ میں نے کہا ایسی پارٹیوں میں شامل ہونا میرے لئے مشکل ہوتا ہے کیونکہ پارٹیوں میں عورتیں بھی آتی ہیں اور وہ بعض دفعہ مصافحہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور اسلام نے چونکہ عورتوں سے مصافحہ کرنا ناجائز قرار دیا ہے اس لئے جب مصافحہ سے انکار کیا جاتا ہے تو وہ بُرا مناتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ان کی ہتک کی گئی ہے۔ ایسی صورت میں یہی بہتر ہوتا ہے کہ انسان پارٹی میں شامل ہی نہ ہوتا کہ وہ دوسرے کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ بنے مگر انہوں نے زیادہ اصرار کیا، آخر میں نے کہا میں اس شرط آؤں گا کہ مجھے وہاں ایک کونے میں بٹھا دیا جائے۔ اتفاق کی بات ہے پرسی کاک نے میرا ذکر سنا ہوا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ میں بھی اس پارٹی میں آیا ہوا ہوں تو وہ اپنی بیوی سمیت اُس کونہ میں ہی آ پہنچے جہاں مَیں بیٹھا ہوا تھا اور انہوں نے آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا اس کے بعد ان کی بیوی نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا مگر میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا میرا ہاتھ پیچھے ہٹانا تھا کہ اس کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے سمجھا کہ ساری مجلس میں مجھے ذلیل کر دیا گیا

ہے۔ پرسی کاک کو بھی اپنی ہتک محسوس ہوئی اور اس نے کہا میرا خیال تھا کہ آپ کی جماعت بڑی ایڈوانسڈ (Advanced) ہے میں نے کہا یہ آپ کی غلطی ہے ہماری جماعت تو تیرہ سَو سال پیچھے جانے کی کوشش کرتی ہے ہم نہیں جانتے کہ ہم اس مقصد میں کتنا کامیاب ہوتے ہیں مگر بہرحال ہم آگے نہیں جاتے بلکہ ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ ہم آج سے تیرہ سَو سال پیچھے کی طرف جائیں۔ وہ آدمی شریف تھا میری بات کو سمجھ تو گیا مگر میں نے دیکھا کہ اس کی بیوی نے اس میں ایسی ذلّت محسوس کی کہ یوں معلوم ہوتا تھا وہ بے ہوش جائے گی۔ آخر میں نے اس کی دلجوئی کیلئے اپنی بیوی سے اسے چٹھی لکھوائی اور اسے دعوت پر بُلایا، اس کے خاوند کو بھی بُلوایا گیا اور ان سے باتیں ہوتی رہیں اور آخر وہ دونوں خوش ہو گئے مگر بہرحال اس کا طبائع پر اثر ضرور پڑتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے نتیجے میں لوگ ہمیں بُرا سمجھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے بدتہذیب لوگ ہیں، عورتوں کی بے عزتی کرتے ہیں حالانکہ سوال عورتوں کی بے عزتی کا نہیں بلکہ سوال اسلام پر عمل کرنے کا ہے۔ ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ہتک نہ ہو، ہم ان کے احترام کا خیال رکھتے ہیں، ہم ان کی جائز رنگ میں عزت کرتے ہیں مگر ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ اسلام کے کسی حکم کی بے قدری ہو۔

سر جارج کننگھم (SIR GEORGE CUNNINGHAM) ہمارے خاندانی دوست ہیں ان کے دادا کے ہمارے دادا کے ساتھ تعلقات تھے۔ شملہ میں وہ کئی دفعہ مجھے ملے۔ ایک دفعہ شملہ میں افغانستان کے سفیر نے ایک دعوت کی اور اس میں مجھے بھی بُلایا۔ نواب صاحب بھوپال اور میں اکٹھے ایک طرف بیٹھے تھے اتفاق کی بات ہے سر جارج کننگھم دوسری طرف تھے اور سر ہیری ہیگ اس طرف بیٹھے تھے جس طرف میں تھا۔ جب دعوت ختم ہوئی تو میں جلدی سے باہر نکلا کیونکہ میں جانتا تھا کہ انگریز افسروں کی بیویاں ان کے ساتھ ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ سے مصافحہ کرنے کی کوشش کریں۔ میرے سیکرٹری جو میرے ساتھ تھے ان سے یہ غلطی ہوئی کہ اُنہوں نے آگے بڑھ کر کننگھم صاحب کے پاس میرا ذکر کر دیا اور کہا کہ وہ بھی اس دعوت میں شریک تھے اور اب جا رہے ہیں۔ کننگھم صاحب اپنی بیوی کو ساتھ لئے میرے پاس آ گئے۔ مصیبت یہ تھی کہ سارے گورنمنٹ آفیسرز ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے خود تو مصافحہ کر

لیا مگر جب ان کی بیوی نے مصافحہ کرنے کیلئے ہاتھ بڑھایا تو میں نے معذرت کر دی اور کہا کہ میں مصافحہ نہیں کر سکتا کیونکہ میرے مذہب نے عورت کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز قرار نہیں دیا۔ وہ آدمی بہت شریف تھے معذرت کرنے لگے کہ غلطی ہوگئی ہے۔ دوسرے دن انہوں نے خاص طور پر ایک آدمی میری طرف بھجوایا اور کہا کہ آج ساری رات مَیں نہیں سویا کیونکہ میری بیوی مجھے بار بار کہتی تھی کہ میری سخت ہتک کی گئی ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے تمام بڑے بڑے افسر موجود تھے اور ان کے سامنے مجھے ذلیل کیا گیا ہے۔ دوسری طرف مجھے بار بار خیال آتا تھا کہ آپ کیا کہیں گے کہ ہم سے یہ اتنے پُرانے تعلقات رکھتا ہے مگر ابھی تک اسے ہمارا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں کہ ہم عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ غرض انہی خیالات میں ساری رات گزر گئی کہ اِدھر میری بیوی اپنی ہتک محسوس کر رہی ہے اور اُدھر آپ بُرا منا رہے ہوں گے۔

پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی بعض تعلیمیں ایسی ہیں جو موجودہ زمانہ کے لوگوں کو پسند نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی سچے مؤمن کے سامنے یہ دونوں پہلو رکھ دیئے جائیں تو وہ ان میں سے کس کو ترجیح دے گا۔ ایک طرف لوگوں کے خوش یا ناخوش ہونے کا سوال ہے اور ایک طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش یا ناخوش ہونے کا سوال ہے۔ لازماً اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو خواہ لوگ ہم سے ناراض ہوں، خواہ وہ ہمیں اپنے نقطۂ نگاہ سے بدتہذیب قرار دیں، ہمارا فرض ہوگا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم پر عمل کریں اور اس امر کی پرواہ نہ کریں کہ لوگ ہمیں کیا کہتے ہیں اور میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر لوگوں کو بتا دیا جائے کہ یہ اسلام کا ایک حکم ہے جس پر ہم عمل کرنے کے لئے مجبور ہیں تو سوائے ان کے جن کے دلوں میں تعصب بھرا ہوا ہوتا ہے عموماً بڑے طبقہ کے لوگ بُرا نہیں مناتے بلکہ وہ اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

انگلستان کے سفر میں بھی میں نے دیکھا ہے کہ جب بڑے طبقہ کے لوگوں کو اس بات کا علم ہو جاتا تھا کہ ہم عورتوں کی ہتک کے خیال سے نہیں بلکہ اسلامی حکم پر عمل کرنے کیلئے ان سے مصافحہ نہیں کرتے، وہ قطعاً بُرا نہیں مناتے تھے بلکہ ہمارے اس فعل کی تعریف کرتے تھے گو ایسا بھی تھا کہ بعض لوگ پھر بھی بُرا مناتے تھے۔ سرٹامس آرنلڈ[۵] جو علی گڑھ میں فلاسفی کے پروفیسر

رہے ہیں اور جو نیم مسلمان تھے اُنہوں نے تو اتنی مخالفت کی جس کی حد ہی نہیں۔ وہ لڑکوں کو کہیں کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ اسلام نے عورتوں سے مصافحہ کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ مَیں جب کسی مجلس میں جاتا اور وہ اس میں موجود ہوتے تو اُٹھ کر چلے جاتے اور کہتے کہ یہ عورتوں کی ہتک کرتے ہیں۔ ایک دفعہ کچھ طالب علم آئے اور اُنہوں نے کہا کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ اسلام میں عورتوں سے مصافحہ کرنا ناجائز ہے؟ میں نے کہا کتابیں تو ہم اپنے ساتھ نہیں لائے مگر یہاں لائبریری موجود ہے اور اس میں ایسے حوالے دیکھے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بخاری منگوائی اور اس میں سے حوالہ نکال کر بتایا کہ یہ حدیث موجود ہے۔ جس میں وضاحتاً ذکر آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت سے مصافحہ نہیں کیا مگر اس کے باوجود ان کی مخالفت قائم رہی حالانکہ اُس وقت میرے ساتھ جو سیکرٹری تھے اور جو مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے بڑے بھائی تھے ان کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔ ان کی بیوی نے اُنہیں بیٹوں کی طرح پالا ہوا تھا اور چونکہ وہ انہیں بچوں کی طرح سمجھتی تھیں اس لئے جب یہ گئے تو وہ ان کے ساتھ چمٹ گئیں اور کہنے لگی کہ تم تو میرے بچے ہو مگر باوجود اس کے کہ ایسے سیکرٹری میرے ساتھ تھے جن کے ان کے ساتھ بہت گہرے تعلقات تھے پھر بھی جب میں کسی مجلس میں جاتا تو وہ اُٹھ کر بھاگ جاتے۔

غرض ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلامی تعلیم اور اسلامی قانون اپنے نفس پر جاری کرنے کی کوشش کریں اس کے بغیر ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ آجکل عام طور پر لوگوں میں یہ چرچا پایا جاتا ہے کہ پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہونا چاہئے مگر میری سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ اسلامی آئین کے نفاذ سے ان کی کیا مراد ہے؟ اصل سوال جو ہر فرد کے لئے قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی آئین میرے لئے ہے یا نہیں؟ جب اسلامی آئین ہر مسلمان کیلئے ہے تو مسلمان افراد اسلامی آئین پر خود عمل کیوں نہیں کرتے۔ کیا پاکستان میں کوئی ایسا قانون ہے کہ نماز نہ پڑھو؟ یا پاکستان میں کوئی ایسا قانون ہے کہ شریعت اسلامیہ کے اَور احکام پر عمل نہ کرو؟ جب نہیں تو مسلمان اگر سچے دل سے اسلامی آئین کے نفاذ کے خواہشمند ہیں تو وہ نمازیں کیوں نہیں پڑھتے؟ وہ اسلامی احکام پر عمل کیوں نہیں کرتے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان

نے ایسے قانون نہیں بنائے جن کی وجہ سے ہر شخص کو نماز پڑھنے پر مجبور کیا جا سکے مگر سوال یہ ہے کہ اگر پاکستان نے کوئی ایسا قانون نہیں بنایا تو کیا پاکستان کا کوئی قانون شراب پینے پر مجبور کرتا ہے یا ناچنے گانے پر مجبور کرتا ہے یا کوئی قانون یہ کہتا ہے کہ تم نماز نہ پڑھو۔ اگر تم مسجد میں گئے تو تمہیں چھ ماہ قید کی سزا دی جائے گی جب پاکستان میں اس قسم کا بھی کوئی قانون نہیں تو اگر ہم واقعہ میں سچے مسلمان ہیں تو ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے قانونوں پر کیوں عمل نہیں کرتے اور کیوں اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ پاکستان ان امور کے متعلق کوئی قانون نافذ کرے۔ کیا پاکستان کا قانون محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون سے زیادہ مؤثر ہوگا یا پاکستان کا قانون محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون سے زیادہ اہمیت رکھنے والا ہوگا ایک روحانی قانون ہمارے پاس موجود ہے اور اس قانون پر عمل ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون پر عمل کرتے ہوئے آج سارے مسلمان نمازیں پڑھنے لگ جائیں گے، ساری ویران مساجد آباد ہو جائیں تو کونسی گورنمنٹ انہیں اس سے روک سکتی ہے۔ یقیناً اگر وہ ایسا کریں تو اسلامی آئین خود بخود نافذ ہو جائے گا اور اس کے لئے کسی اور قانون کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

مَیں مانتا ہوں کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو حکومت کے اختیار میں ہیں، ہمارے اختیار میں نہیں اور ان کے متعلق پاکستان کی آئین ساز اسمبلی ہی کوئی قدم اُٹھا سکتی ہے عوام کوئی اقدام نہیں کر سکتے لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی طرف سے کوئی قدم کیوں نہیں اُٹھایا جاتا۔ اس بارہ میں جہاں تک مَیں نے غور کیا ہے میری رائے یہی ہے کہ وزراء اور ذمہ وار لیڈر یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کا مطالبہ کرنے والے خود سنجیدہ نہیں۔ اگر سنجیدہ ہوتے تو اپنے گھروں میں اسلامی آئین کے ان حصوں پر کیوں عمل نہ کرتے جو افراد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ جب وہ خود عمل نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ ان کا یہ مطالبہ کہ حکومت ملک میں اسلامی آئین کو کیوں جاری نہیں کرتی اپنے اندر کوئی حقیقی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر وزراء اور لیڈر یہ سمجھ لیں کہ پاکستان کا ہر مسلمان سچا مسلمان ہے اور وہ اسلام کے خلاف کسی کی کوئی بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہوسکتا خواہ وہ اس کا افسر ہو یا ماتحت، باپ ہو یا بیٹا تو پاکستان کا آئین فوراً اسلامی سانچے میں ڈھل جائے اور سورج غروب

ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنے آپ کو اسلامی رنگ میں رنگین کرلیں۔ آخر حکومت کسی چیز کے زور پر چلتی ہے۔ حکومت فوج کی طاقت پر چلتی ہے اگر ہر فوجی سچا مسلمان ہو، اگر ہر فوجی اسلام کیلئے اپنے دل میں سچی غیرت رکھتا ہو، اگر حکومت کو یقین ہو کہ اسلام کے خلاف کوئی بات کہی گئی تو ساری فوج میں بغاوت ہو جائے گی تو کونسی حکومت ہے جو اسلامی آئین کا نفاذ نہ کرے۔ اسی طرح حکومت اگر چلتی ہے تو پولیس کی طاقت پر۔ اگر پولیس کا ہر فرد سچا مسلمان ہو، اگر پولیس کا ہر فرد اپنے دل میں اسلام کیلئے سچی غیرت رکھتا ہو اور اگر حکومت کو یقین ہو کہ اسلام کے خلاف کوئی بات بھی پولیس برداشت نہیں کرسکتی، اگر کوئی ایسی بات کی گئی تو ساری پولیس میں بغاوت ہو جائے گی تو کونسی حکومت یہ طاقت رکھتی ہے کہ وہ اسلامی آئین کو نافذ نہ کرے۔ اسی طرح جس قدر محکمے ہیں سِول کے محکمے لے لو یا ملٹری کے اگر ان تمام محکموں میں کام کرنے والے سچے مسلمان ہوں تو ممکن ہی نہیں کہ ان کے متفقہ مطالبہ کے سامنے کوئی حکومت ٹھہر سکے کیونکہ وہ جانتی ہوگی کہ ان کے مقابلہ کی اس میں طاقت نہیں۔ فرض کرو پاکستان ایک فرد ہوتا اور ایک وزیر ہوتا گویا صرف دو وجود ہوتے تو کیا پاکستان کا وزیر اپنے اکلوتے بیٹے کو مارنے کی جرأت کرسکتا تھا؟ ایک بیٹے سے جو محبت ہوتی ہے اس سے ہزاروں گنا زیادہ محبت انسان کو اپنے مذہب سے ہوتی ہے اور جب اسے معلوم ہو کہ اس کا ایک ہی بیٹا اس سے وہ چیز مانگ رہا ہے جس سے زیادہ قیمتی چیز دنیا میں اور کوئی نہیں تو کونسا انسان ہے جو یہ خیال بھی اپنے دل میں لا سکے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو وہ چیز نہیں دے گا یا اِسی رنگ کی ایک اور مثال لے لو۔ فرعون جس نے موسیٰ کے وقت میں بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا اس نے یہ فعل کس لئے کیا؟ اِسی لئے کہ فرعون جانتا تھا کہ اس کی حکومت کے ذمہ دار افراد اس فعل کو ناپسند نہیں کرتے۔ اگر یہی فیصلہ آج دنیا کی کوئی حکومت کرے اور وہ فیصلہ کر دے کہ سب بچوں کو مار دیا جائے تو کیا وہ حکومت ایک دن بھی قائم رہ سکتی ہے؟ جس دن وہ اپنی اس سکیم کا اعلان کرے گی اُسی دن لوگوں کی بغاوت اسے توڑ کر رکھ دے گی کیونکہ وہاں یہ سوال ہی نہیں ہوگا کہ پچاس فیصدی لوگ حکومت کے خلاف ہیں یا اسّی فیصدی بلکہ ساری کی ساری پبلک اس کے خلاف ہوگی اور وہ پبلک کے زور کے مقابلہ میں ایک دن کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکے گی۔ اسی طرح اگر پبلک سچے طور پر

مسلمان ہو تو اس کے فطرتی جذبات کا بہاؤ اور ان کا متفقہ مطالبہ خود اپنے اندر اتنی طاقت رکھتا ہوگا کہ حکومت ان کے سامنے اپنے ہتھیار پھینکنے کیلئے تیار ہو جائے گی۔ آخر انسان جانور سے تو زیادہ عقل رکھتا ہے۔ جانوروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو کتے آپس میں لڑنے لگے ہیں تو پہلے وہ ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں اور تھوڑی دیر تک غوں غوں کرتے رہتے ہیں پھر ان میں سے ایک کتا اپنی دُم نیچی کر کے چلا جاتا ہے کیونکہ وہ محسوس کر لیتا ہے کہ دوسرا کتا مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔ اگر کتے میں یہ حس پائی جاتی ہے کہ وہ زیادہ طاقتور کتے کے سامنے اپنی دُم جھکا دیتا ہے تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک حکومت سنجیدگی سے یہ سمجھ کر کہ تمام لوگ متفقہ طور پر اس سے ایک مطالبہ منوانے پر تُلے ہوئے ہیں اور پھر بھی وہ ان کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دے ایسی صورت میں حکومت ایک دن تو کیا ایک منٹ کیلئے بھی نہیں چل سکتی۔ افسر چپڑاسی کو حکم دیتا ہے کہ فلاں کام کرو۔ اس پر وہ فوراً شور مچا دیتا ہے کہ میں اس حکم کو تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ تم اسلام پر عمل نہیں کرتے۔ مرد اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے تو وہ اس سے گفتگو کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور کہتی ہے میں تم سے نہیں بول سکتی کیونکہ تم سچے مسلمان نہیں۔ اگر ہر گھر اور ہر محکمہ میں اس طرح ہونے لگے تو بتاؤ کسی حکومت کی کیا طاقت رہ جاتی ہے۔

پس ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے اندر اسلام پیدا کرنے کی کوشش کریں اگر ہم اپنے اندر اسلام پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے تو محض آئین اسلام کے نفاذ کا شور مچانا بالکل بے فائدہ ہے۔ مثلاً اگر ہم اپنے دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ نماز پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں تو نماز کے متعلق اگر کوئی قانون بھی بن جائے تو ہمیں کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو نماز نہیں پڑھتا اس لئے نہیں کہ وہ نماز کا قائل نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے اگر ہم نماز نہیں پڑھیں گے تو وہ ہمیں بخش دیگا۔ آخر اُس نے گنہگاروں کو ہی بخشنا ہے اگر گناہ کرنے والے نہ ہوئے تو وہ بخشے گا کن کو؟ یہ جواب غلط ہے یا صحیح اس کے متعلق بحث نہیں بہر حال یہ ایک جواب ہے جو اُنہوں نے سوچا ہوا ہے لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو سمجھتا ہے کہ یہ احکام پرانے زمانہ میں محض عربوں کی اصلاح کیلئے دیئے گئے تھے۔ عرب لوگ بالکل وحشی تھے اور وہ سخت غلیظ رہتے

تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دے دیا کہ تم اپنے کپڑوں اور بدن کو صاف رکھا کرو اسی طرح ان میں کوئی تنظیم نہیں تھی وہ بالکل پراگندہ حالت میں تھے اسلام نے ان کو حکم دے دیا کہ وہ پانچ وقت مسجد میں اکٹھے ہو جایا کریں۔ اس طرح گو بظاہر نماز کا حکم دیا گیا مگر دراصل یہ غرض تھی کہ وہ خدا تعالیٰ کے ڈر کے مارے جب مسجد میں آئیں گے اور انہیں قوم اور ملک کے حالات بتائے جائیں گے تو ان میں سیاسی بیداری پیدا ہو جائے گی اور وہ دنیا پر غالب آنے کی کوشش کریں گے۔

مجھے یاد ہے میں بچہ تھا کہ میں نے ایک اخبار میں ایک دفعہ اس کے متعلق ایک مضمون پڑھا۔ ایک صاحب جو مسلمانوں کے مبلغ سمجھے جاتے تھے اور جاپان اور امریکہ میں تبلیغ کر کے آئے تھے انہوں نے واپس آنے پر علی گڑھ میں ایک لیکچر دیا جو اخبار میں شائع ہوا اور میں نے بھی پڑھا۔ اس لیکچر میں انہوں نے بیان کیا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ نماز بڑی ضروری چیز ہے اور پانچ وقت مسجد میں باجماعت ادا ہونی چاہیئے، دراصل ایسا کہنے والے حقیقت پر کبھی غور نہیں کرتے وہ یہ سمجھتے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ پُرانے زمانے کے لحاظ سے اس کے احکام اَور رنگ رکھتے تھے اور اِس زمانہ کے لحاظ سے اَور رنگ رکھتے ہیں۔ بے شک احکام وہی رہیں گے مگر حالات کے لحاظ سے ان کی ہیئت بدلتی چلی جائے گی۔ عرب لوگ جاہل تھے وہ ننگے رہتے تھے۔ کپڑے اُن کے پاس بہت کم ہوا کرتے تھے اس لئے اُن کو سجدہ اور رکوع کا حکم دے دیا گیا۔ مگر اب وہ زمانہ ہے کہ اگر سجدہ کیا جائے یا رکوع کے لئے جھکا جائے تو پتلونوں کی کریزیں بالکل خراب ہو جائیں۔ اِس زمانہ میں اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو وہ یقیناً اس حکم میں ترمیم کرتے اور یقیناً وہ یہی کہتے کہ بنچ پر بیٹھے بیٹھے اگر سر جھکا لیا جائے تو اتنا ہی کافی ہے رکوع اور سجدہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح روزہ ہے یہ روزہ ان لوگوں کیلئے ہے جو بہت کھا جاتے ہیں۔ عرب لوگ وحشی تھے اور وہ اپنے معدہ کا خیال نہیں رکھتے تھے اس لئے اسلام نے انہیں روزوں کا حکم دے دیا مگر اب تہذیب کا دَور دورہ ہے اب لوگ اپنے پیٹ کا خیال رکھتے ہیں۔ اب اگر صبح شام صرف ناشتہ کر لیا جائے اور کیک بسکٹ کھائے جائیں لیکن دن بھر کچھ نہ کھایا جائے تو روزہ کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔ غرض مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ان

عبادات کے متعلق دل سے یہ کہتے ہیں کہ یہ آؤٹ آف ڈیٹ (OUT OF DATE) ہیں موجودہ زمانہ میں ان کی ضرورت نہیں۔ ایسا آدمی جو دل سے اسلامی احکام کی قدرومنزلت کا قائل نہیں اگر اس کے لئے یہ قانون بنا دیا جائے کہ نماز پڑھو تو وہ بے شک لوگوں کے دکھاوے کے لئے نماز تو پڑھ لے گا مگر دل میں یہی کہتا جارہا ہوگا کہ خدا ان لوگوں کا بیڑا غرق کرے جو اس قسم کا قانون بنانے والے ہیں۔ آپ لوگ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہہ رہے ہوں گے اور وہ اپنے آپ پر بھی اور اس قسم کا قانون بنانے والے پر بھی لعنتیں ڈال رہا ہوگا۔ پس بے شک ظاہر میں وہ نماز پڑھ لے گا مگر اس کی نماز حقیقتاً نہیں ہوگی کیونکہ اصل نماز دل کی نماز ہے۔ جہاں مَیں اس شخص کا مخالف ہوں جو کہتا ہے کہ نماز تو دل کی ہی نماز ہے ظاہری حرکات کی کیا ضرورت ہے وہاں مَیں اس شخص کا بھی مخالف ہوں جو صرف ظاہر میں نماز پڑھ لینا کافی سمجھتا ہے دل کے اخلاص اور دل کے سوز اور دل کی محبت کا وہ قائل نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز ظاہر کی بھی ہے اور دل کی بھی اور ان دونوں چیزوں کا مجموعہ انسان کیلئے برکت کا موجب ہوتا ہے اگر ہم دل میں خدا خدا کرتے ہیں مگر ظاہر میں نماز نہیں پڑھتے تو ہمارا دل سے خدا خدا کہنا محض دھوکا اور فریب ہوگا کیونکہ محبوب کی بات مانا کرتے ہیں یا اس کی بات کا انکار کیا کرتے ہیں؟ عجیب بات یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم خدا تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور دوسری طرف ہم اپنی محبت کا کوئی ثبوت پیش کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اس نے کہا ہے سجدہ کرو مگر ہم سجدہ کرنے کیلئے تیار بھی نہیں ہوتے۔ یا ظاہر میں تو نماز پڑھی جائے مگر دل خدا کی طرف متوجہ نہ ہو تو یہ بھی کوئی نماز نہیں ہوگی بلکہ محض ایک ورزش کہلائے گی۔ جیسے ورزش سے سپاہی کا جسم مضبوط ہوتا ہے اسی طرح نماز سے اس کا جسم تو مضبوط ہوگا مگر اس کے دل میں نورِ ایمان پیدا نہیں ہوگا۔

چند ماہ کی بات ہے میں سندھ گیا تو وہاں ایک ہندو مجھ سے ملنے کیلئے آیا وہ وہاں سے بھاگا نہیں تھا کیونکہ اس کے مسلمانوں سے تعلقات تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارے مسلمانوں سے دیر سے تعلقات چلے آرہے ہیں کبھی تم نے ان کے دین پر بھی غور کیا ہے؟ وہ کہنے لگا سب مذاہب اچھی باتیں کہتے ہیں ہمارا مذہب بھی اچھا ہے اور آپ کا مذہب بھی اچھا ہے۔ میں نے

کہا اگر سب میں ایک جیسی اچھی باتیں ہیں تو پھر تم مسلمانوں کے ساتھ مل کیوں نہیں جاتے آخر کوئی نہ کوئی فرق ہی ہے جس کی وجہ سے تم ہندو اور ہم مسلمان ہیں۔ اگر ان دونوں مذاہب میں ایک جیسی باتیں پائی جاتی ہیں تو یا تو تم مسلمان بن جاتے یا ہم ہندو بن جاتے بہر حال کوئی نہ کوئی فرق ضرور تسلیم کرنا پڑے گا جس کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ ہمیں اپنا علیحدہ وجود قائم رکھنا چاہئے۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ کبھی تم نے نماز اور دیگر عبادات کا اپنے مذہب کی عبادات سے مقابلہ کیا اور یہ دیکھا کہ ان میں سے کونسی عبادت زیادہ بہتر ہے؟ اس پر وہ کہنے لگا کہ کعبہ اور دیر تو دونوں دل میں ہیں کسی ظاہری نماز کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ فرمائیے آپ شادی شدہ ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا بچے بھی ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ بچے بھی ہیں۔ میں نے کہا تم نے کبھی بیوی بچوں کو پیار بھی کیا ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں کیا۔ میں نے کہا اصل پیار تو دل کا ہوتا ہے پھر آپ ظاہر میں پیار کیوں کرتے ہیں؟ اسی لئے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ اس پیار کی کوئی ظاہری علامت بھی ہونی چاہئے۔ اگر بیوی سے پیار کرنے کیلئے آپ دل کا پیار کافی نہیں سمجھتے، بچوں سے پیار کرنے کیلئے صرف دل کا پیار کافی نہیں سمجھتے بلکہ انہیں بوسہ بھی دیتے ہیں تو خدا کے پیار کے معاملہ میں یہ آپ کیوں کہتے ہیں کہ کعبہ اور دیر تو دونوں دل میں ہیں کسی ظاہری عبادت کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں چیزیں ضروری ہیں دونوں مل کر انسان کو کامل بناتی ہیں اگر یہ دونوں چیزیں ملائی نہ جائیں تو کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر اچھی سے اچھی چیز آپ لوگ ایسے برتن میں لیں گے جو غلیظ ہوگا تو وہ چیز بھی غلیظ ہو جائے گی اور اگر بغیر برتن کے اس چیز کو لیں گے تو وہ صرف گر جائے گی گویا برتن کی بھی ضرورت ہے اور پھر اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ وہ برتن اچھا ہو اسی طرح نماز و روزہ اور حج اور زکوٰۃ اور دوسری عبادتوں کا حال ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اِدھر یہ فرمایا ہے کہ قربانی کرو مگر اُدھر یہ بھی فرما دیا ہے کہ تم یہ مت سمجھو کہ قربانی کا گوشت اور خون خدا کو پہنچتا ہے خدا کو صرف دل کا اخلاص پہنچتا ہے مگر باوجود اس کے کہ قربانی کا گوشت اور خون اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتا خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ قربانی نہ کرو بلکہ کہا ہے کہ قربانی تو کرو مگر یہ سمجھتے ہوئے کرو کہ میں خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اپنے محبوب کی بات پوری کرنے کیلئے اور

ان مقاصد کی تکمیل کیلئے جو خدا تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں قربانی کر رہا ہوں۔ مثلاً وہ غریب آدمی جو فاقے کرتا ہے یا وہ غریب آدمی جو ہمیشہ دال روٹی کھاتا ہے اس ذریعہ سے اُسے بھی گوشت مل جاتا ہے۔ گویا دل بھی صاف ہوتا ہے ہمسایوں اور غرباء کے لئے محبت کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا حکم بھی پورا ہو جاتا ہے۔ پس ہمارے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو سچا مسلمان بنانے کی کوشش کریں اگر ہم ایسا کریں تو حکومت سے تعلق رکھنے والے اسلامی احکام کی طرف بھی ذمہ دار لیڈروں کو فوراً توجہ پیدا ہو جائے گی اور وہ اس بات پر مجبور ہو جائیں گے کہ اسلامی آئین نافذ کریں مگر اس سلسلہ میں بعض اور امور بھی ہیں جو ہمیں اپنے مدنظر رکھنے چاہئیں۔

تاریخ کے طالب علم اس بات کو جانتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں ہر حکومت مذہبی کہلاتی تھی یا اگر مذہبی نہیں تو نیم مذہبی ضرور کہلاتی تھی۔ اگر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت قائم کریں گے تو ضروری ہے اس کا ردِّ عمل پیدا ہو اور ہمارا مدمقابل یہ کہنے لگ جائے کہ ہم ہندو حکومت قائم کریں گے۔ اِس زمانہ میں جو حکومتیں قائم ہیں یہ بھی ہیں تو مذہبی، یہ نہیں کہ لوگوں نے مذہب چھوڑ دیا ہے مگر اب دنیا نے پُرانے طریق کو چھوڑ کر یہ نیا طریق حکومت اختیار کر لیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہماری حکومت آزاد ہوگی اور اس میں کسی مذہب کی خاص طور پر تائید نہیں کی جائے گی مگر اِس رنگ میں ہم بھی قانون بنا دیں اور اعلان کر دیں کہ ہم قرآن کریم اور اسلام کی حکومت تو قائم کریں گے مگر ہندوؤں اور عیسائیوں اور دوسرے غیر مذاہب والوں کو مجبور نہیں کریں گے کہ وہ بھی ان احکام پر عمل کریں تو یقیناً ہم ایک ایسی حکومت قائم کریں گے جو عدل وانصاف کے آئین پر مبنی ہوگی اور جس میں ہر مذہب کے حقوق پوری طرح محفوظ ہوں گے اور یہی اصل اسلامی تعلیم ہے۔ آخر اسلام کی یہ کہاں تعلیم ہے کہ ایک ہندو کو بھی اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کیلئے مجبور کیا جائے یا ایک عیسائی کو بھی اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ اسلام ہر غیر مذہب کے پَیروکو اپنے مذہبی احکام کی بجا آوری میں کامل آزادی عطا کرتا ہے لیکن اگر غیر مذاہب والوں سے مسلمان یہ کہیں کہ ہم تم سے اپنی بات منوائیں گے تمہاری بات نہیں سنیں گے تو نہ صرف یہ کہ ہمارا ایسا کہنا اسلام کے خلاف ہوگا بلکہ اس کا ردِّ عمل یہ

پیدا ہوگا کہ انڈین یونین اِس بات پر زور دینے لگ جائے گی کہ ہم ویدوں کی حکومت ہندوستان میں قائم کریں گے اور وہ بھی مسلمانوں سے یہ کہنے لگ جائے گی کہ ہم تم سے اپنی بات منوائیں گے تمہاری نہیں سنیں گے حالانکہ جب ہم کہتے ہیں کہ ہم قرآن کریم کی حکومت دنیا میں قائم کریں گے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہر غیر مذہب کے پیرو کو کامل آزادی حاصل ہوگی اُسے مجبور کر کے اسلامی احکام پر عمل نہیں کرایا جائے گا چنانچہ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ یہودی اپنی تعلیم پر عمل کریں اور عیسائی اپنی تعلیم پر عمل کریں۔ اس اصولی حکم کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ پاکستان گورنمنٹ میں ہر مسلمان کو قرآن کریم کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنی پڑے گی اور اس پر انہی احکام کا نفاذ ہوگا جو قرآن کریم نے بتائے ہیں۔ عیسائی اگر چاہتے ہیں کہ بائبل پر عمل کریں یا ہندو اگر چاہتے ہیں کہ ویدوں پر عمل کریں تو بے شک کریں انہیں اس میں کامل آزادی ہوگی تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے مذہب کو ہم پر زبردستی ٹھونسا جاتا ہے۔ یہ قرآن کریم کا ایک ایسا امتیازی وصف ہے جو اس کی فضیلت کو نہایت واضح طور پر ظاہر کرتا ہے مگر افسوس ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد لوگوں نے اِس مسئلہ کو پوری طرح سمجھا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام ڈیموکریٹک اصول اسلام نے ہی دنیا میں قائم کئے ہیں مگر جب مسلمانوں میں تفرقہ وانشقاق پیدا ہوگیا اور خلافت راشدہ کی برکات سے وہ محروم ہوگئے تو نظامِ خلافت کو قائم رکھنے کی بجائے وہ ملوکیت کی طرف مائل ہوگئے مگر اس لئے نہیں کہ ان کے اندر ایمان نہیں تھا یا وہ سمجھتے تو تھے کہ اسلام ملوکیت کے خلاف تعلیم دیتا ہے مگر پھر بھی وہ اس کو جاری رکھنے پر مصر تھے بلکہ اس لئے کہ وہ دلی یقین کے ساتھ اِس امر پر قائم تھے کہ قرآن کریم یہی کہتا ہے کہ بادشاہت قائم کی جائے۔ بے شک ہم کہیں گے کہ وہ اس نظریہ میں غلطی پر تھے مگر وہ سمجھتے یہی تھے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اسلام کی تعلیم اِسی کے حق میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی زمانہ اِس قسم کا تھا کہ لوگ ڈیموکریٹک رول کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ خلفائے اربعہ تک تو یہ نظام قائم رہا مگر اس کے بعد چونکہ وہ لوگ کم ہوگئے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست فیض حاصل کیا تھا اور نورِ نبوت سے بُعد ہوگیا اس لئے انہوں نے نظامِ خلافت کے متعلق یہ سمجھ لیا کہ وہ میتھر ڈ آف ری پر یزینٹیشن (Method of representation) تھا جو

اتفاقی طور پر قائم ہو گیا اور باوجود اس کے کہ وہ ایماندار تھے اُنہوں نے اسلامی نظامِ خلافت کو بدل دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ اسلام کے عین مطابق ہے۔ آہستہ آہستہ جب خیالات ترقی پذیر ہوئے اور مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں تو انہیں محسوس ہوا کہ ہمارے ہاں تو یہ احکام پہلے سے موجود ہیں ہم اگر ڈیماکریسی اختیار کرتے ہیں تو ہم یورپ کی نقل نہیں کرتے بلکہ اسلام کی صحیح تعلیم پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً آزادئ مذہب کو ہی لے لو باوجود اِس کے کہ اس زمانہ میں لوگوں نے ڈیماکریسی کو نہیں سمجھا پھر بھی اس زمانہ میں یہودیوں سے یہودی مذہب پر اور عیسائیوں سے عیسائی مذہب پر ہی عمل کرایا جاتا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو زبردستی اسلام کے احکام پر عمل کرنے کیلئے مجبور کیا جاتا۔ یہی کام حضرت ابوبکرؓ نے کیا، یہی کام حضرت عمرؓ نے کیا، یہی کام حضرت عثمانؓ نے کیا، یہی کام حضرت علیؓ نے کیا۔ اس کے بعد بے شک مسلمانوں میں بغاوت ہوئی اور ان کا آپس کا تفرقہ اور شقاق بڑھتا چلا گیا مگر یہ کبھی نہیں ہوا کہ اُنہوں نے اس اصل کو ترک کر دیا ہو۔ بنواُمیہ آئے تو انہوں نے بھی اِسی پر عمل کیا، بنوعباس آئے تو اُنہوں نے بھی اِسی پر عمل کیا، سلجوقی آئے تو اُنہوں نے بھی اِسی پر عمل کیا، فاطمی آئے تو اُنہوں نے بھی اِسی پر عمل کیا، تُرک آئے تو اُنہوں نے بھی اسی پر عمل کیا اور وہ اسلامی تعلیم کے مطابق یہودیوں اور عیسائیوں اور دیگر تمام مذاہب کے پیروؤں کو ہمیشہ کامل آزادی دیتے رہے اور ان کے حقوق تسلیم کرتے رہے جب اسلام کمزور ہو گیا تو یوروپین قوموں نے اسی چیز کو کیپی چولیشنز (Capitulations) کے نام سے اسلام پر حملہ کا ایک ذریعہ بنا لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ پولیٹیکل حقوق تھے جو ہم نے اپنے زورِ بازو سے مسلمانوں سے حاصل کئے تھے مسلمانوں نے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا تھا۔ مسلمانوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم اسلام کی اس تعلیم پر عمل کرتے ہیں حالانکہ اگر اپنے ملک میں وہ غیر مذاہب والوں کو اس لئے آزادی دے رہے تھے کہ اسلام نے اس آزادی کا حکم دیا تھا تو انہیں چاہئے تھا کہ وہ دوسری قوموں سے بھی کہتے کہ ہمارے قرآن نے جب تمہیں مذہبی آزادی دی ہے اور ہم پولیٹیکل حقوق کی بناء پر نہیں بلکہ اسلام کے ایک حکم کی تعمیل میں تمہیں آزادی دیتے ہیں تو تمہارے ماتحت جو مسلمان آباد ہیں تم بھی ان کو آزادی دو اور ان کے حقوق کا خیال کرو مگر

چونکہ اس پر زور نہ دیا گیا اس لئے دشمن نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ ہمارے پولیٹیکل رائٹ تھے جو مسلمانوں نے تسلیم کر لئے تھے حالانکہ وہ پولٹیکل رائٹ نہیں تھے بلکہ اسلامی تعلیم کے ماتحت رحم دلی اور محبت کا ایک سلوک تھا جو اُن سے کیا گیا تھا۔ غرض غیر مذاہب کے متعلق یہ تعلیم ایسی ہے جس پر تیرہ سَو سال سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اگر آج بھی ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں سے یہ کہا جائے کہ پاکستان میں مسلمانوں کیلئے تو قرآن کریم اور سنت کے مطابق قانون بنا لئے جائیں گے لیکن اگر عیسائی چاہیں کہ انجیل کے مطابق ان کے قانون ہوں یا ہندو چاہیں کہ ویدوں کے مطابق ان کے قانون ہوں یا انجیل اور تورات اور ویدوں کی بجائے کوئی اور قانون اپنے لئے پسند کر لیں تو اس میں انہیں آزادی ہوگی اور حکومت اپنے مذہبی قوانین ان پر ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرے گی تو یقیناً ہم نہ صرف وہ بات پیش کریں گے جو اسلام کا عین منشاء ہے اور جس پر تیرہ سَو سال سے عمل ہوتا چلا آیا ہے بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مسلمان جو انڈین یونین میں بس رہے ہیں ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ باقی رہے پاکستان کے مسلمان سو یہ تو واضح بات ہے کہ جب نوے فیصدی مسلمان ممبر ہوں گے تو ان کی جو رائے ہوگی بہرحال قرآن کریم کے مطابق ہی ہوگی۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک مسلمان یہ رائے دے کہ ویدوں کی فلاں بات پر عمل ہونا چاہئے یا تورات کی فلاں بات پر عمل ہونا چاہئے۔ بہرحال وہ اسلامی قانون کے حق میں رائے دے گا اور اس طرح بغیر کسی خطرہ کے پاکستان میں مسلمانوں کے لئے جو بھی قانون بنے گا وہ قرآن اور سنت کے مطابق ہوگا لیکن یہ کہنا کہ ہم لٹھ کے زور سے اسلامی حکومت قائم کریں گے یہ ایک ایسی بات ہے جس کی اسلام تعلیم نہیں دیتا۔

پس سب سے پہلی بات جو میں آپ لوگوں کی خدمت میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم سطحی باتوں کی طرف جائیں ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہر مسلمان سچا مسلمان بن جائے اور ہر مسلمان قرآن کریم پر عمل کرنے لگے۔ اگر ہم اصولی نکتہ کو نظر انداز کر دیں گے تو یقیناً اسلامی حکومت کے قیام میں ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مثلاً مسلمانوں میں اِس وقت سینما کا عام رواج ہے اور وہ سینما دیکھنا کوئی معیوب بات نہیں سمجھتے۔ اس کے مقابلہ میں جب اسلامی تعلیم کو دیکھا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مرد وعورت کے اختلاط کو منع کیا ہے۔ مگر سینما سارے کے سارے مرد وعورت کے اختلاط کا ہی نتیجہ ہوتے ہیں اگر وہ اختلاط نہیں کریں گے اگر وہ مل کر ناچیں گے نہیں تو فلم بن ہی کس طرح سکے گی۔ فلم اسی طرح بنتی ہے کہ مرد بھی ناچتے ہیں اور عورتیں بھی ناچتی ہیں گویا سینما کی فلم نہیں بن سکتی جب تک مرد اور عورت اکٹھے نہ ہوں لیکن اگر سینما کے خلاف ہی آواز اُٹھائی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی آئین کا شور مچانے والے سب سے پہلے اس کی مخالفت پر اُتر آئیں۔

میں جب حج کیلئے گیا تو جہاز میں میرے ساتھ تین بیرسٹر بھی سفر کر رہے تھے ان میں سے ایک ہندو تھا اور دو مسلمان مگر مسلمان بیرسٹر بھی آزاد خیال واقعہ ہوئے تھے اور وہ اسلام کے متعلق مختلف اعتراضات کرتے رہتے تھے جن کا میں جواب دیتا۔ ان کے ساتھ ہی ایک مسلمان لڑکا بھی تھا جس کی عمر ۱۲ سال کی ہوگی۔ میں نے دیکھا کہ جب بھی وہ اسلام پر کوئی اعتراض کرتے لڑکا رو پڑتا اور کہتا کہ تم اسلام پر کیوں اعتراض کرتے ہو؟ میں نے ایک دفعہ ان سے کہا کہ تم سے تو یہ لڑکا ہی اچھا ہے تم اتنے بڑے ہو کہ اسلام پر اعتراض کرتے ہو اور اس کی یہ حالت ہے کہ اسلام پر اعتراض ہو تو رو پڑتا ہے۔ وہ کہنے لگے آپ اس کی ظاہری نیکی پر نہ جائیں ہم ابھی اس کے مذہب کی حقیقت آپ پر کھول دیتے ہیں۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے اس لڑکے کو بُلایا اور کہا اب تم انگلستان جا رہے ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہاں تمہیں جھٹکے کا گوشت ملے گا حلال گوشت نہیں ملے گا اس لئے انگلستان میں تمہیں بہرحال گوشت کھانا چھوڑنا پڑے گا۔ یہ سن کر وہ بے اختیار کہنے لگا میں تو گوشت چھوڑ نہیں سکتا۔ انہوں نے کہا دیکھ لیجئے آپ کہتے تھے اسے مذہب کا بڑا احساس ہے کیا مذہب کا ایسا ہی احساس ہوا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیسیوں باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق اگر قانون جاری کر دیا جائے اور لوگوں کے دلوں میں اسلام نہ ہو تو قانون کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا لیکن اگر دلوں میں اسلام ہو تو آپ ہی آپ اسلامی آئین نافذ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس اسلام کو دلوں میں قائم کرنا ہمارا سب سے پہلا اور اہم فرض ہونا چاہئے۔ یہ لازمی بات ہے کہ اگر فرد مسلمان ہوگا تو ایسے افراد کا مجموعہ بھی اسلامی ہی ہوگا لیکن اگر فرد مسلمان نہیں ہوگا تو ان کا مجموعی نظام بھی اسلامی نہیں ہوگا۔ کچی اینٹوں سے جو عمارت تعمیر کی جائے وہ کبھی پکی نہیں ہوسکتی۔ وہ اینٹیں الگ الگ ہونگی تب بھی کچی ہوں گی ان اینٹوں کی

عمارت بنے گی تب بھی پکی ہوگی اور وہ اینٹیں ٹکڑے ٹکڑے ہونگی تب بھی کچی ہونگی۔ یہ نہیں ہوگا کہ عمارت تو کچی اینٹوں کی بنائی جائے مگر جب وہ مکمل ہوتو بجائے کچی اینٹوں کے پتھروں کی عمارت بن جائے۔ اسی طرح فرد مسلمان ہوگا تو ان کا مجموعی نظامِ حکومت بھی اسلامی ہوگا لیکن اگر فرد مسلمان نہیں ہوگا تو حکومت بھی اسلامی نہیں بن سکتی۔ اگر کچی اینٹوں کی عمارت بنانے کے بعد یہ ممکن ہے کہ مکمل ہوکر پکی عمارت بن جائے تو بے شک یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمان فرد تو غیر اسلامی ہو اور حکومت اسلامی ہو لیکن اگر کچی اینٹوں کی عمارت پکی نہیں ہوسکتی تو ایسے افراد کے ذریعہ جو خود اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کیلئے تیار نہ ہوں ایک اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوسکتی ہے۔ بہرحال اینٹ کے مطابق عمارت ہوگی جیسی اینٹ ہوگی ویسی ہی عمارت ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک اور بات جس کی طرف میں دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا میں بے شک اختلاف بھی ہوتا ہے مگر کچھ مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں اختلافات کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ مرغیوں کو دیکھ لو چیل آتی ہے تو وہ اپنے بچوں کو اپنے پیروں کے نیچے اکٹھا کر لیتی ہے، کتے آپس میں لڑ رہے ہوتے ہیں مگر جب کوئی شخص ڈنڈا لے کر آجائے تو وہ اپنی لڑائی فوراً بھول جاتے ہیں۔ جب جانور اپنے اندر اتنی عقل رکھتے ہیں کہ مصیبت کے وقت وہ آپس کی لڑائیوں اور اختلافات کو نظر انداز کر دیتے ہیں تو انسان کو تو بہرحال ان سے زیادہ بہتر نمونہ دکھانا چاہیئے۔

حضرت علیؓ اور معاویہؓ جب آپس میں لڑ رہے تھے تو روم کے بادشاہ نے ارادہ کیا کہ وہ اس اختلاف سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کر دے اور ان کی رہی سہی طاقت کو بھی توڑ دے۔ جب اس نے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا تو اس کے جرنیل نے اسے کہا کہ آپ نے اگر حملہ کیا تو آپ غلطی کریں گے۔ یہ صحیح ہے کہ علی اور معاویہ آپس میں لڑ رہے ہیں مگر آپ کے مقابلہ میں وہ ضرور متحد ہو جائیں گے۔ چنانچہ اُس نے چڑیا گھر سے شیر منگوایا اور دو کتے بھی منگوائے اس کے بعد اس نے دونوں کتوں کے آگے گوشت ڈال دیا وہ دونوں آپس میں لڑنے لگ گئے وہ لڑ ہی رہے تھے کہ اس نے پنجرہ میں سے شیر چھوڑ دیا۔ کتوں نے جب دیکھا کہ شیر ہم پر حملہ آور ہوا ہے تو وہ دونوں آپس کی لڑائی کو چھوڑ کر شیر کا مقابلہ کرنے لگ گئے۔ اس جرنیل

نے کہا یہی حال مسلمانوں کا ہے وہ آپس میں بے شک لڑ رہے ہیں مگر آپ کے مقابلہ میں انہوں نے اکٹھے ہو جانا ہے وہ جرنیل آخر دشمن تھا اور اس نے گندی مثال ہی دینی تھی مگر اس سے اتنا تو ظاہر ہے کہ کتوں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ خطرہ کے وقت آپس کی لڑائی کو بھول کر دشمن کے مقابلہ میں متحد ہو جاتے ہیں چنانچہ اس جرنیل نے جو بات کہی تھی ویسا ہی ہوا۔ حضرت معاویہ کو جب پتہ لگا کہ روم کا بادشاہ حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس نے اپنے سفیر کے ذریعہ بادشاہ کو ایک خط بھجوایا اور اس میں لکھا کہ بے شک حضرت علیؓ اور میں دونوں آپس میں لڑ رہے ہیں مگر ہماری باہمی لڑائی سے آپ کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ اگر آپ نے اِس طرف رُخ کیا تو سب سے پہلا جرنیل جو حضرت علیؓ کی طرف سے آپ کے مقابلہ کیلئے نکلے گا وہ مَیں ہوں گا۔ گویا اُنہوں نے اعلان کیا کہ میں اُسی وقت اپنی بادشاہت کا دعویٰ چھوڑ دوں گا اور حضرت علیؓ کے ماتحت ہو کر تمہارے مقابلہ کیلئے نکل کھڑا ہوں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روم کے بادشاہ نے مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

پس اختلافات بے شک ہوتے ہیں خاوند اور بیوی میں بھی اختلاف ہوتا ہے باپ اور بیٹے میں بھی اختلاف ہوتا ہے مگر یہ اختلافات ایک حد تک ہوتے ہیں۔ اِس وقت پاکستان ایسے حالات میں سے گزر رہا ہے کہ ہم کو اپنے وہ تمام اختلافات جو قومی شیرازہ کو بکھیرنے کا موجب ہو سکتے ہیں قطعی طور پر فراموش کر دینے چاہئیں۔ مذہبی امور میں اگر ہمارا آپس میں اختلاف ہو تو یہ بالکل اور چیز ہے اور قومی اتحاد اور چیز ہے ہمیں اِس وقت اپنے تمام اختلافات کو بھلا کر دنیا پر یہ واضح کر دینا چاہئے کہ مسلمان خواہ کسی قوم اور کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والا ہو۔ رئیس ہو یا فقیر، مزدور ہو یا سرمایہ دار دشمن کے مقابلہ میں ایک اور قطعی طور پر ایک ہے۔ اگر پاکستان کی طرف کسی نے نظرِ بد اُٹھائی تو ہمارا ہر مرد، ہر عورت، ہر بچہ اور ہر بوڑھا اپنے آپ کو قربان کر دیگا مگر وہ اپنی آزادی کھونے کیلئے کبھی تیار نہیں ہوگا۔ اگر دنیا پر ہم اپنے اِس عزم کو واضح کر دیں تو میرے نزدیک نوے فیصدی اس بات کا امکان ہے کہ اگر کوئی پاکستان پر حملہ کرنے کی خواہش بھی رکھتا ہے تو نہیں کرے گا۔ مسلمانوں میں بے شک اور کئی قسم کی کمزوریاں پائی جاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ مسلمان ابھی جان دینے سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا بعض دوسری قومیں ڈرتی

ہیں اور یہ سیدھی بات ہے کہ اگر لاکھوں کروڑوں کی قوم مرنے کیلئے تیار ہو جائے تو اس قوم کو کوئی مار نہیں سکتا۔ آج ہی ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے کیا سمجھتے ہیں؟ میں نے کہا اِس میں میرے سمجھنے کا سوال نہیں اگر مسلمان بحیثیت قوم یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم مر جائیں گے تو یقیناً انہیں مارنے کی کوئی قوم طاقت نہیں رکھتی۔ دینی لحاظ سے بھی یہ ناممکن بات ہے اور دنیوی لحاظ سے بھی ناممکن ہے۔ پس اگر ہماری زبانوں پر خالی نعرے نہیں ہوا کرتے بلکہ ہم واقعہ میں آزادی کے خواہشمند تھے اور آزادی کی قدرو قیمت کو سمجھتے تھے تو آزادی کی چھوٹی سے چھوٹی قیمت جان دینا ہوتی ہے۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں جان دینا سب سے بڑی قربانی ہے۔ جان دینا سب سے بڑی نہیں بلکہ سب سے چھوٹی قربانی ہے۔ اگر مسلمان اپنے اختلافات کو دور کر کے پاکستان کیلئے جان دینے کو تیار ہو جائیں تو مَیں یقین رکھتا ہوں اور میرا یقین ایک طرف تاریخ پر مبنی ہے جس کا مَیں نے کافی مطالعہ کیا ہوا ہے اور دوسری طرف قرآن پر مبنی ہے جو میرا خاص مضمون ہے اور اس لحاظ سے اِس میں ۱۰۰۰/۱ غلطی کا بھی امکان نہیں کہ اگر مسلمان واقعہ میں مرنے کیلئے تیار ہو جائیں تو مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ پاکستان ایک دائمی حکومت بن جائے گی مگر میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جیسے اور زبردست حکومتیں ایک لمبے عرصہ تک دنیا پر حکومت کرتی چلی جاتی ہیں اسی طرح پاکستان کے افراد اپنی اولادوں کیلئے ایک لمبا اور شاندار مستقبل قائم کر دیں گے۔

(الفضل ربوہ ۲۴/ اکتوبر+ ۷/نومبر ۱۹۶۲ء)

دوسری بات [۳] جو میں آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں اس کے متعلق خواہ آپ لوگ یہ سمجھ لیں کہ مجھے اُس کے متعلق ایک خبط ہے خواہ یہ سمجھ لیں کہ چونکہ میں نے اِس تحریک میں کام کیا ہوا ہے اس لئے مجھے اُس کا احساس ہے بہر حال میں اُس کے متعلق آپ لوگوں کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ آزادیٔ کشمیر کے متعلق جو پہلی تحریک ہوئی تھی اُس کی ایسوسی ایشن کا میں پریذیڈنٹ تھا اور شیخ عبداللہ اور چوہدری غلام عباس صاحب میرے ماتحت کام کرتے رہے ہیں اب آزادیٔ کشمیر کے لئے دوسری ایجی ٹیشن شروع ہے اگر اِس وقت نقشہ ہوتا تو میں آپ لوگوں کو بتاتا کہ یہ قطعی طور پر ناممکن امر ہے کہ کشمیر کے نکل جانے کے بعد پاکستان اپنی موجودہ شکل میں

قائم رہ سکے۔ کشمیر نکل جانے کے بعد پاکستان کی حیثیت اس قسم کی ہو جاتی ہے اور پاکستان ایسے خطرات میں گھر جاتا ہے کہ اگر اُس کے ہمسائے اُس سے عداوت رکھتے ہوں جیسا کہ وہ رکھتے ہیں تو پاکستان کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ میں سمجھتا ہوں آج ہر پاکستانی مسلمان کے اندر یہ احساس ہونا چاہئے کہ آزاد کشمیر کے معاملہ میں دلچسپی لے۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کا معاملہ ایسی بے سروسامانی کے ساتھ شروع کیا گیا کہ جن دنوں کشمیر میں برف پڑ رہی تھی اور سردی اپنے زوروں پر تھی سپاہیوں کے پاس رات کو اوڑھنے کے لئے کپڑے تک نہ تھے۔ میرے نزدیک اُنہوں نے غیر معمولی قربانی سے کام لیا ہے اور اُن کی یہ روح اس قابل ہے کہ اُس کی تعریف کی جائے۔ نومبر کے آخر بلکہ دسمبر کے شروع میں یہ غور کیا جا رہا تھا کہ اُن کے لئے کہاں سے کپڑے مہیا کئے جائیں اور جنوری کے آخر میں اُنہیں کپڑے بھجوائے گئے مگر اِس عرصہ میں سردی سے جو اُنہیں نقصان پہنچنا تھا وہ پہنچ گیا اور فتح میں جو روکیں پیدا ہونی تھیں وہ پیدا ہو گئیں۔ اِس طرح اور بہت سی باتیں ہیں جن کو پبلک میں بیان کرنا مناسب نہیں مجھے چونکہ اس معاملہ سے دلچسپی ہے اس لئے مجھے وہاں کے سارے حالات معلوم ہیں اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہاں کی حالت اِس قسم کی ہے جو خطرہ والی ہے اور حالات تسلی بخش نہیں اگر خدانخواستہ انڈین یونین کی فوجیں جیت جائیں تو یقیناً پاکستان کی حفاظت ناممکن ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ معجزانہ رنگ میں کوئی اور صورت پیدا کر دے تو دوسری بات ہے اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں حاصل ہیں اور وہ بڑی قدرتوں کا مالک ہے لیکن ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اپنی عقل سے کام لیں اور خدا تعالیٰ کے مادی قانونوں پر غور کرتے ہوئے اپنی حفاظت کا سامان کریں کیونکہ قانون بھی اُسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ بہر حال وہاں کے حالات ایسے تسلی بخش نہیں پھر ہم مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں۔ میں نے اِس کے متعلق بعض تحریکات کی تھیں جن کی بناء پر ہفتہ کشمیر منایا گیا اور کچھ ضروری چیزیں فوجیوں کے لئے بھجوائی گئیں۔ ہماری یہ مدد فوج کے لئے کافی نہیں ہو سکتی لیکن یہ اُن کے حوصلوں کو بڑھانے والی ضرور ہے جیسے بچہ کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو ماں اُسے تھپکاتی جاتی ہے اور کہتی ہے ماں قربان تو کیوں روتا ہے۔ ماں قربان کہنے سے اُس کا درد کم نہیں ہو سکتا لیکن اِس ہمدردی کی وجہ سے اُس کی تکلیف کا احساس ضرور کم ہو جاتا ہے اِسی طرح اگر پاکستان کی طرف

سے کشمیر میں لڑنے والے مجاہدین کو کچھ نہ کچھ مدد پہنچتی رہے تو چاہے وہ مدد کتنی ہی قلیل ہو وہ لوگ سمجھیں گے کہ پاکستان کا ہر فرد ہم سے ہمدردی رکھتا ہے اور اِس کی وجہ سے ہماری بے سروسامان فوج کے حوصلے پہلے سے بہت زیادہ بڑھ جائیں گے پس آپ لوگ یہ نہ دیکھیں کہ آپ جو قربانی کر رہے ہیں وہ کتنی حقیر ہے یا آپ کی طرف سے جو انہیں مدد دی جارہی ہے وہ کتنی قلیل ہے آپ اِس امر کو مدنظر رکھیں کہ آپ لوگوں کی حقیر سے حقیر مدد بھی یہاں سے پانچ سات سَو میل پر لڑنے والی مسلمان فوج کے حوصلوں کو بڑھا دے گی اور اُن کی کمر ہمت کو مضبوط بنا دے گی۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں سے ایک رئیس کے قبیلہ کے کچھ لوگ وہاں گئے ہیں مگر ایک قبیلہ کے کچھ لوگوں کا چلے جانا اور ساروں کا ایسی متفقہ کوشش کرنا جس سے معلوم ہو کہ ہر مسلمان مرد اور عورت اور بچہ اُن سے ہمدردی رکھتا ہے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر ہماری طرف سے اُنہیں تھوڑی بہت مدد برابر پہنچتی رہے تو یہ چیز اُن کے حوصولوں کو بڑھانے کا بہت بڑا ذریعہ بن سکتی ہے۔ آپ لوگ یہ مت دیکھیں کہ آپ زیادہ روپیہ نہیں دے سکتے آپ لوگ خواہ پیسہ پیسہ سے مدد کریں بہرحال یہ مدد متفقہ اور مسلسل ہونی چاہئے اگر اِس رنگ میں اُن کی مدد کا سلسلہ جاری رہے تو وہ سمجھیں گے کہ ہماری موت بیکار نہیں جائے گی بلکہ ہماری قوم ہمارے نام کو عزت کے ساتھ یاد کرے گی اور یہ چیز خود اپنی ذات میں ایسی اہمیت رکھتی ہے کہ لوگ اِس کے لئے بڑی بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پس اس طرح بھی میں آپ لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ بلوچستان کشمیر سے بہت دور ہے اگر اتنی دور سے اور بلوچستان کے غیر معروف علاقوں سے بھی اُن کو مدد پہنچنی شروع ہو جائے تو لڑنے والے سپاہیوں کے حوصلے پہلے سے بہت زیادہ بلند ہو جائیں گے۔

ابھی اس سفر پر روانہ ہونے سے پہلے لاہور میں ایک ڈاکٹر صاحب مجھ سے ملنے کے لئے آئے وہ پونچھ کے محاذ پر کام کرتے رہے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ فوجی افسر تو وہاں کے حالات خطرناک بتاتے ہیں آپ یہ بتائیں کہ ہمارے سپاہیوں کی کیا حالت ہے آیا وہ تو مایوس نہیں؟ اُنہوں نے کہا ہمارے سپاہیوں کو پتہ ہی نہیں کہ اُن کا دشمن کتنا طاقتور ہے اور وہ اب تک بڑی دلیری سے لڑ رہے ہیں۔ میں نے کہا چلو یہ بھی خوشی کی بات ہے اگر سپاہی کا دل ٹوٹ

جائے تو پھر وہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

دوسری بات جو میں آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں وہ کشمیر کے متعلق ہے امید کرتا ہوں کہ اس مسئلہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے آپ لوگ پوری توجہ اِس طرح مبذول رکھیں گے۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے مشرقی پنجاب میں مظالم دیکھے ہیں جن کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں چھوٹے چھوٹے بچوں کو نیزوں پر لٹکا کر مارا گیا، عورتوں کی بے حرمتیاں کی گئیں، مردوں کو قتل کیا گیا، مکانوں اور جائدادوں کو تباہ کیا گیا اور اِس قسم کے مظالم مسلمانوں پر کئے گئے جن کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

جن دنوں فسادات زوروں پر تھے میں نے قادیان والوں کو روک دیا تھا کہ پیدل مت آنا جس طرح بھی ہو سکا میں تمہارے لئے ٹرک بھجوانے کا انتظام کروں گا مگر ساٹھ ہزار کے قریب ریفیوجی باہر سے قادیان آ پہنچا ملٹری نے اُسے ڈرایا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ ہم تمہاری حفاظت نہیں کریں گے حفاظت تو وہ پہلے بھی نہیں کرتے تھے مگر بہرحال اُنہوں نے یہ بہانہ بنایا اور اس طرح ڈرا دھمکا کر اُنہیں پیدل قافلہ کی صورت میں قادیان سے روانہ کر دیا۔ اِس قافلہ میں قریب کے گاؤں کی ایک احمدی عورت بھی شامل تھی اُس نے مجھ سے حلفیہ بیان کیا کہ بٹالہ کیمپ میں رات کے وقت ملٹری کے آدمی آئے اور وہ میرے پاس سے ایک عورت اُٹھا کر لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو وہ اُس عورت کو لائے اور اُسے وہیں میرے قریب ڈال کر چلے گئے۔ اُس عورت کو میں نے دیکھا اُس کی حالت بہت نازک تھی اور وہ بار بار بیہوش ہو جاتی تھی میں اُس کے قریب گئی اور اُس سے پوچھا بہن تمہارا کیا حال ہے؟ اُس نے بتایا کہ ملٹری کے آدمی ساری رات مجھ سے زنا کاری کرتے رہے ہیں ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا آتا اور مجھ سے یہ فعل کرتا۔ میں بار بار بیہوش ہو جاتی مگر وہ اِس ظالمانہ فعل سے باز نہیں آتے تھے اب وہ ایسی حالت میں مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں جب کہ میں سمجھتی ہوں کہ اب میں بچ نہیں سکتی چنانچہ اس کے بعد اُس نے یکدم ایک ہچکی لی اور اپنی جان دے دی۔ دنیا کی تاریخ میں اِس بے حیائی اور سفا کی کی اور کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ وہ ملٹری جس کا کام پبلک کی حفاظت کرنا ہے وہ ملٹری جس کا کام لوگوں کے ننگ و ناموس کو بچانا ہے وہ ملٹری جو آزاد ممالک میں پبلک پر

فائرنگ کرنے سے بھی انکار کر دیا کرتی ہے وہ اتنا گندہ اقدام کرے کہ عورت جیسی چیز جس کی حرمت تمام دنیا میں تسلیم کی گئی ہے اُس کی عزت اور ننگ و ناموس چاک چاک کر دے۔ اِن نظاروں کے بعد یہ خیال کر لینا کہ اگر دشمن نے حملہ کیا تو ہم بھاگ کر اُس کے مظالم سے بچ جائیں گے قطعی طور پر غلط بات ہے۔

میں جب قادیان سے لاہور پہنچا تو لاہور کے ایک بڑے آدمی جو اسمبلی کے ممبر بھی ہیں مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور اُنہوں نے بڑی گھبراہٹ میں مجھ سے ذکر کیا کہ سنا ہے اب لاہور پر بھی حملہ ہونے والا ہے اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ میں نے کہا یہ تو اللہ تعالیٰ کو ہی پتہ ہے کہ لاہور پر حملہ ہوگا یا نہیں لیکن اگر حملہ ہوا تو آپ یاد رکھیں کہ ہمارے لئے صرف دو جگہ موت مقدر ہے یا لاہور کے سامنے یا کراچی کے سمندر میں تیسرا مقام کوئی نہیں۔ پھر میں نے اُن سے کہا ابھی تک مشرقی پنجاب سے صرف تیس پینتیس لاکھ مسلمان آئے ہیں مگر اُن کو بسانے کے لئے بھی یہاں کوئی جگہ نہیں مل رہی۔ گزشتہ ہجرت کے موقع پر بیس ہزار مہاجر افغانستان گیا تھا مگر اُس کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ افغانستان نے بعض کو روس کی طرف دھکیل دیا۔ بعض کو ایران اور ترکی کی طرف بھجوا دیا اور کچھ لوگ پھر واپس ہندوستان آ گئے اگر تیس پینتیس لاکھ مہاجرین کو ابھی تک مغربی پنجاب میں جگہ نہیں ملی۔ اگر صرف بیس ہزار مہاجرین کو افغانستان پناہ نہیں دے سکا تو تین کروڑ مسلمان کس ملک میں سما سکتے ہیں بلکہ اگر ایسٹ پاکستان کے مسلمانوں کو شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد چھ سات کروڑ تک پہنچ جاتی ہے کیا دنیا میں کوئی بھی جگہ ہے جہاں یہ چھ سات کروڑ مسلمان سما سکے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ اِن دو موتوں میں سے ایک موت ضرور مقدر ہے کہ لاہور کے سامنے دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے مریں گے یا ہم کراچی کے سمندر میں غرق ہو کر مریں گے اب تم خود ہی سوچ لو تمہیں اِن دونوں موتوں میں سے کونسی موت زیادہ پسند ہے۔ تم لاہور کے سامنے دشمن سے لڑ کر عزت کی موت مرنا چاہتے ہو یا دشمن سے بھاگتے ہوئے کراچی کے سمندر میں غرق ہو کر ذلت اور لعنت کی موت مرنا چاہتے ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں فتح دے دے اور دشمن کو مغلوب کر دے لیکن اگر بھاگنے کا مرحلہ خدانخواستہ آیا تو سوائے اِس کے کہ ہم کراچی کے سمندر میں غرق ہو کر مر جائیں ہمارے

لئے اور کوئی صورت نہیں ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ بزدلی اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کو بھاگنے کا کوئی راستہ نظر آ رہا ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اس طرح بچ جاؤں گا اگر بھاگنے کا رستہ اُسے نظر نہ آئے تو وہ ہرگز بُزدلی اور دون ہمتی سے کام نہیں لے سکتا۔ اِس کے متعلق ہمارا اپنا تجربہ ہے میں نے قادیان میں اِردگرد کے گاؤں والوں کو کہلا بھیجا کہ تم اپنے اپنے گاؤں میں ہی ٹھہرو اور سکھوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرو ہم بھی تمہاری مدد کریں گے اِس پر ایک گاؤں والوں نے پیغام بھجوایا کہ اگر آپ دس مسلح آدمی بھجوا دیں تو ہم یہیں ٹھہرنے کے لئے تیار ہیں دوسرے دن میں نے اپنی جماعت کے ایک دوست کو جو ایم ایل اے ہیں اُن کی طرف بھیجا اور اُن سے کہا کہ آپ اُنہیں میری طرف سے جا کر کہہ دیں کہ ہم اپنے آدمی بھیجنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ گئے مگر جلدی واپس نہ آئے اس پر مجھے فکر پیدا ہوا کیونکہ اُن دنوں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا آخر عشاء کے وقت وہ واپس آئے اور اُنہوں نے بتایا کہ مجھے دیر اس لئے ہوگئی کہ میں جس گاؤں میں بھی جاتا اُسے خالی پاتا پھر آگے جاتا تو اگلے گاؤں میں بھی کوئی آدمی نظر نہ آتا جس گاؤں کی طرف آپ نے مجھے بھجوایا تھا اُسے بھی میں نے بالکل خالی پایا اِسی طرح بڑھتے بڑھتے میں بٹالہ تک جا پہنچا وہاں دیکھا کہ تمام گاؤں والے ریفیوجی کیمپ میں ڈیرے ڈالے پڑے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ تم نے تو کہا تھا کہ ہماری مدد کی جائے تو ہم یہاں ٹھہرنے کے لئے تیار ہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم تو ٹھہرنے کے لئے تیار تھے مگر ہمیں بٹالہ سے بعض دوستوں نے پیغام بھجوایا تھا کہ مغربی پاکستان کے وزراء روزانہ ریڈیو پر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ سکھوں کی زمینیں خالی ہیں جو مسلمان جلدی مغربی پنجاب میں آئیں گے اُنہیں اچھی زمینیں مل جائیں گی اور جو پیچھے آئیں گے وہ محروم رہ جائیں گے اِس لئے ہم اپنے گاؤں کو خالی کر کے آ گئے۔ اور تو اور بٹالہ جو ساٹھ ہزار کی آبادی کا شہر تھا اور جس میں صرف تھوڑے سے سکھ رہتے تھے وہ بھی چند گھنٹوں کے اندر خالی ہوگیا۔ سب کے سب مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑ کر ریفیوجی کیمپ میں آ گئے۔ دو دفعہ اپنے آدمی مغربی پنجاب کے وزراء کے پاس بھیجے اور ان سے کہا کہ اس قسم کے اعلانات کر کے تم ہم سے دشمنی کر رہے ہو تم کہو کہ ہم کسی کو مغربی پنجاب میں گھسنے نہیں دیں گے

اعلان کرو کہ اگر کوئی اس طرف آیا تو ہم اُسے گولی مار دیں گے جب تک تم اس قسم کا اعلان نہیں کرو گے لوگوں کے اندر مقابلہ کی روح پیدا نہیں ہوگی۔ وہ تمہارے اعلانات کی وجہ سے بزدل اور بھگوڑے بن گئے ہیں مگر میری بات کی کسی نے پرواہ نہ کی۔ ہمارا اپنا فیصلہ یہی تھا کہ ہم آخر وقت تک قادیان کو نہیں چھوڑیں گے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہزاروں مشکلات کے باوجود میں نے قادیان کو اب تک نہیں چھوڑا مگر ہم یہ بھی سمجھتے تھے کہ کسی طرح اِردگرد کے گاؤں کے لوگ بھی بیٹھے رہیں اور اس طرح دشمن کے مقابلہ میں ایک متحدہ محاذ قائم رہے مگر افسوس ہے کہ وہ اپنا علاقہ خالی کر کے آ گئے۔

بہرحال جب تک دل میں یہ امید ہوتی ہے کہ میرے بچاؤ کی فلاں جگہ موجود ہے اُس وقت تک بزدلی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر فلاں جگہ میں پہنچ گیا تو دشمن کے حملہ سے بچ جاؤں گا۔ پاکستان کے مسلمان کو سمجھ لینا چاہئے کہ باہر کا کوئی اسلامی ملک پانچ چھ کروڑ افراد کو پناہ نہیں دے سکتا اُن کے لئے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو اُنہیں اِس ملک میں رہ کر مرنا پڑے گا یا ہندو اور سکھ بن کر گزارہ کرنا پڑے گا اگر وہ کہتے ہیں کہ باہر کا کوئی اسلامی مُلک اُن کو پناہ دینے کے لئے تیار ہو جائے گا تو وہ اِس بارہ میں شدید ترین غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں جو اتنی بڑی تعداد کو اپنے ہاں پناہ دے سکے لیکن اگر وہ اس ملک میں رہ کر دشمن سے لڑیں گے اور اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے تو لڑائی میں دونوں امکانات ہوتے ہیں فتح کے بھی اور شکست کے بھی۔ وہ دشمن پر غلبہ بھی پا سکتے ہیں اور عزت اور نیک نامی کے ساتھ اپنی جان بھی دے سکتے ہیں لیکن اگر وہ بھاگے تو ضرور ذلیل ہونگے اور دشمن کے ہاتھ سے مارے جائیں گے گویا لڑائی میں دونوں باتیں پہلو بہ پہلو ہیں وہ مر بھی سکتے ہیں اور جیت بھی سکتے ہیں لیکن بھاگنے میں جیتنے کا کوئی امکان نہیں اِس میں سَو فیصدی شکست ہے اور اِس میں سَو فیصدی ذلت اور لعنت کی موت ہے پس ہمیں اپنے خیالات میں تبدیلی پیدا کرنی چاہئے بیشک لڑائیوں میں لاکھوں انسان مرتے ہیں لیکن دنیا میں کون انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ میں اتنی مدت تک یقینی طور پر زندہ رہوں گا۔ کس کو پتہ ہے کہ اُس کی کتنی زندگی ہے کیا کوئی اتنا بھی کہہ سکتا ہے کہ میں شام تک ضرور زندہ

رہوں گا؟ جب شام کو ایک شخص ہیضہ سے مر سکتا ہے تو اگر وہ اپنے ملک کی حفاظت کے لئے دشمن سے لڑتا ہوا جان دے دیتا ہے تو اِس میں ڈر کی کونسی بات ہے۔ کیا ہمارے باپ دادا موت سے بچ رہے تھے یا اُن کے باپ دادا موت کا شکار نہیں ہوئے تھے؟ یا کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے نہیں مرنا؟ جب ہمارے باپ دادا اب تک مرتے چلے آئے اور جب ہم نے بھی ایک دن ضرور مرنا ہے تو وجہ کیا ہے کہ ہم ایک ذلیل موت اپنے لئے قبول کریں اور بہادری سے لڑ کر عزت کی موت قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوں۔ اگر ہم عزت کی موت مرنا چاہتے ہیں اگر ہم ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا ہمیشہ کے لئے سرنگوں کرنا نہیں چاہتے تو یقیناً ہمارا فرض ہے کہ بہادری سے اپنی جان دینے کے لئے تیار رہیں اگر ہم ایسا کریں گے اور اگر اِس ارادہ اور نیت سے ہم جان دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ ہندوستان میں آخری جگہ جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا قائم ہے ہم سرنگوں نہیں ہونے دیں گے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ خدا یہ بے غیرتی دکھائے کہ وہ ہمیں تباہ کر دے اور دشمن کے ہاتھوں مسلمانوں کو بالکل مٹنے دے۔

(ماخوذ از غیر مطبوعہ ریکارڈ خلافت لائبریری)

---

[۱] فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (المائدة:۵۷)

[۲] اٰل عمران: ۳۲

[۳] اِس جگہ سے آگے اِس لیکچر کے آخر تک غیر مطبوعہ مواد ہے۔

پاکستان ایک اینٹ ہے اُس اِسلامی عمارت کی جسے ہم نے دنیا میں قائم کرنا ہے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پاکستان ایک اینٹ ہے اُس اِسلامی عمارت کی جسے ہم نے دنیا میں قائم کرنا ہے

(فرمودہ ۴ر جولائی ۱۹۴۸ء ٹاؤن ہال کوئٹہ)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

سب سے پہلے تو مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کسی چیز کا حصول ایک علیحدہ امر ہے اور اس چیز کے حاصل ہو جانے کے بعد اسے قائم رکھنا بالکل علیحدہ بات ہے۔ ایسے واقعات تو دنیا میں کثرت کے ساتھ مل جائیں گے کہ کسی شخص کو کوئی چیز آپ ہی آپ مل گئی ہو مگر اس امر کی کوئی ایک مثال بھی نہیں مل سکتی کہ کوئی چیز آپ ہی آپ قائم رہی ہو۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی پر مہربان ہو کر اسے مکان دے دے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے کہیں سے روپوؤں کی تھیلی مل جائے یا اسے نوٹوں کا بنڈل کسی جگہ سے مل جائے مگر یہ مثال دنیا میں کہیں نظر نہیں آئے گی کہ کوئی شخص اپنے مکان کی مرمت کا خیال تک نہ کرے اور اس کی صفائی کی طرف توجہ نہ کرے اور اتفاقی طور پر وہ مکان آپ ہی آپ صحیح اور درست حالت میں چلتا چلا جائے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو اتفاقی طور پر روپوؤں کی کوئی تھیلی مل جائے مگر یہ ممکن نہیں کہ اتفاقی طور پر وہ آپ ہی آپ خرچ ہوتی رہے۔ اسی طرح زمین آپ ہی آپ مل سکتی ہے، جائیداد آپ ہی آپ مل سکتی ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ زمین یا جائیداد بغیر ہماری توجہ کے آپ ہی آپ قائم رہے یہی حال پاکستان کا ہے۔ پاکستان کا حصول اور پاکستان کے قیام کا سوال دونوں علیحدہ علیحدہ امر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں وہ لوگ جنہوں نے پاکستان کے حصول کیلئے قربانیاں کی تھیں وہ بھی یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ پاکستان

اتنی جلدی اور ایسی صورت میں مل پائے گا۔ ہم اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ ایک گروہ نے اس غرض کیلئے بڑی بھاری قربانیاں کی ہیں اور بہت بڑی مشکلات کا اسے سامنا کرنا پڑا ہے۔ مگر ہم اس امر سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ جس رنگ میں پاکستان ملا ہے اس میں صرف انسانی کوششوں کا دخل نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جس نے ان کوششوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

اب ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ پاکستان کا مستقبل کیسا ہو۔ اگر کسی کو کوئی اچھی عمارت مل جائے اور وہ اسے اپنی عدمِ توجہ سے بگاڑ دے تو دنیا اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی بلکہ اگر اس عمارت کو وہ اس حالت میں رہنے دے جس حالت میں وہ عمارت اُسے ملی تھی تب بھی وہ تعریف کے قابل نہیں سمجھا جاتا۔ تعریف کے قابل وہ تب سمجھا جاتا ہے جب وہ اسے پہلے سے بہت اچھی حالت میں چھوڑ جائے۔ پس ہمیں اس سوال پر غور کرتے ہوئے کہ پاکستان کا مستقبل کس طرح اچھا بنایا جا سکتا ہے یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اصل مقابلہ اُسی وقت شروع ہوتا ہے جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں یہ سکیم بنائے کہ میں اس اس طرح تجارت کروں گا اور میرے پاس لاکھوں روپیہ جمع ہو جائے گا تو محض شیخ چلی جیسے خیالات پیدا ہونے کی وجہ سے ڈاکو اس کے گھر پر حملہ نہیں کر دیں گے لیکن اگر وہ اپنی سکیموں میں کامیاب ہو جائے تو اس کے بعد بے شک اسے خطرہ پیدا ہوگا کہ کہیں ڈاکو میرے گھر کو نہ لُوٹ لیں۔ پاکستان کا بھی جب تک قیام نہیں ہوا تھا اس کی مخالفت کا صحیح طور پر جذبہ پاکستان کے مخالفوں کے دلوں میں پیدا نہیں ہوا تھا جس طرح کسی شخص کے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کا خیال لوگوں کو نہیں آ سکتا جس نے ابھی تک اپنی کسی سکیم کو چلایا ہی نہ ہو۔ جب تک پاکستان قائم نہیں ہوا تھا دشمن سمجھتا تھا کہ پاکستان کا خیال مجنونوں کی ایک بڑ ہے اور گو ایک حصہ مخالفت بھی کرتا تھا مگر بعض لوگ اس وجہ سے مخالفت نہیں کرتے تھے کہ جو چیز ابھی بنی ہی نہیں اس کی ہم مخالفت کیوں کریں یا کم سے کم وہ شدید مخالفت نہیں کرتے تھے لیکن جب پاکستان وجود میں آ گیا تو جو اس کے مخالف تھے اور پاکستان کے قیام میں اپنی سکیموں کی تباہی دیکھ رہے تھے، ان کی مخالفت کا جذبہ بھڑک اُٹھا اور اُنہوں نے سمجھا کہ اب ہمیں اس کو مٹانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن

جہاں ایک طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی چیز کے حصول کے بعد مخالفت بڑھ جاتی ہے، وہاں دوسری طرف ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ جب کوئی چیز مل جاتی ہے تو بسا اوقات اس چیز کو حاصل کرنے والے کے دل سے اس کی عظمت مٹ جاتی ہے اور وہ اس چیز کو کھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں کثرت کے ساتھ ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض لوگوں نے بڑے بڑے کام کئے اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے اُنہوں نے سرتوڑ کوششیں کیں مگر جب مقصد حاصل ہو گیا تو مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور اس طرح وہ چیز جس کے حصول کے لئے اُنہوں نے سالہا سال قربانیاں کی تھیں اسے اپنی غفلت سے ضائع کر بیٹھے۔

آج سے تیس سال پہلے جب بلقان کی ریاستوں اور ٹرکی کی آپس میں جنگ ہوئی تو بلقانی ریاستیں جیت گئیں اور ٹرکی شکست کھا گیا مگر جب اسے شکست ہوگئی تو بلقانی ریاستوں میں مال بانٹنے پر آپس میں لڑائی شروع ہوگئی اور وہی لوگ جو پہلے متحد ہو کر ٹرکی کے مقابلہ میں صف آراء تھے آپس میں لڑنے لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں کئی علاقے ٹرکی کو واپس کرنے پڑے۔ غرض دنیا میں ایسی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں کہ جب تک جنگ جاری رہی لوگ قربانیاں کرتے رہے مگر جب کامیابی ہوگئی تو انہیں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا اور وہ اتحاد و یک جہتی سے رہنے کی بجائے متفرق ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو چیز آ چکی تھی وہ بھی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔

اصل بات یہ ہے کہ جب تک خطرہ سامنے ہوتا ہے لوگوں کے دلوں میں بہت جوش ہوتا ہے لیکن جب خطرہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں حالانکہ خطرہ بدستور موجود ہوتا ہے۔ بیمار کی حالت جب تک خراب ہوتی ہے تیماردار بھی اور ڈاکٹر بھی بڑی توجہ سے علاج کرتے رہتے ہیں لیکن بسا اوقات جب بیمار کی طبیعت سنبھالا لیتی ہے تو ڈاکٹر بھی سمجھ لیتے ہیں کہ اسے آرام آ رہا ہے اور تیماردار بھی اس خیال سے کہ اب تو اسے افاقہ ہے اِدھر اُدھر چلے جاتے ہیں یا تھکے ہوئے ہوں تو لیٹ جاتے ہیں مگر اس دوران میں مریض کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہی حال قوموں کا ہے جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہیں خطرات ان کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور وہ سستی اور غفلت کا شکار ہو جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

دشمن ہوشیار ہوکر فائدہ اُٹھالیتا ہے۔ پاکستان کی حالت بھی اس وقت ایسی ہی ہے۔ پاکستان نام ہے اس ملک کے ایک ٹکڑے کا جسے پہلے ہندوستان کہا جاتا تھا اور یہ سیدھی بات ہے کہ جب کسی کا کوئی عضو کاٹا جائے گا تو وہ خوش نہیں ہوگا بلکہ اس میں شدید طور پر منافرت کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ کون شخص یہ خیال بھی کرسکتا ہے کہ کسی کا ناک کاٹ دیا جائے یا کان کاٹ دیا جائے تو وہ اطمینان سے بیٹھا رہے گا اور کہے گا جَزَاکُمُ اللّٰہُ تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ جب بھی ہم کسی کے جسم کا کوئی عضو کاٹیں گے وہ ضرور تلملائے گا بلکہ اگر عضو کاٹنے کے بعد وہ زندہ رہے گا تو اس موقع کی تلاش میں رہے گا کہ میں دوسرے کو تباہ کر دوں۔ اگر تو وہ شخص مر جاتا ہے تب بے شک ہمیں اطمینان ہوسکتا ہے کہ جس شخص کا ہم نے ناک یا کان کاٹا تھا وہ مر چکا ہے اب وہ ہم سے انتقام نہیں لے سکتا لیکن اگر وہ زندہ ہے تو لازماً ہر وقت اس کے دل میں اشتعال پیدا ہوتا رہے گا اور وہ خواہش رکھے گا کہ میں اس شخص سے بدلہ لوں جس نے مجھے نقصان پہنچایا ہے۔

بعض فتوحات بے شک ایسی ہوتی ہیں جن میں مفتوحہ قومیں بالکل مٹ جاتی ہیں ایسی فتوحات میں دشمن کی طرف سے مقابلہ کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کے بعد مسلمانوں نے مصر پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ اس فتح کے بعد کوئی مصری حکومت دنیا میں نہیں رہی تھی جس میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا۔ اسی طرح مسلمانوں نے جب فلسطین فتح کیا تو فلسطین میں کوئی ایسی حکومت نہیں رہی تھی جو مسلمانوں کے خلاف جذباتِ انتقام لے کر کھڑی ہوسکتی۔ یا جب مسلمانوں نے شام فتح کیا یا عراق فتح کیا تو شام اور عراق میں کوئی ایسی حکومت نہیں رہی تھی جو مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبات رکھتی لیکن ایران اور روم سارے کے سارے فتح نہیں ہوئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ جب آئندہ خرابی پیدا ہوئی تو وہ شام میں نہیں ہوئی جو سارے کا سارا فتح ہو چکا تھا، وہ مصر میں نہیں ہوئی جو سارے کا سارا فتح ہو چکا تھا وہ عراق میں نہیں ہوئی جو سارے کا سارا فتح ہو چکا تھا بلکہ وہ ایران اور روم میں پیدا ہوئی کیونکہ وہاں ایسی قومیں موجود تھیں جن کے عضو کاٹے گئے تھے۔ یہی حالت ہماری ہے پاکستان کوئی نیا ملک نہیں بلکہ ایک مُلک کا ٹکڑا کاٹ کر اس کا نام پاکستان رکھ دیا گیا ہے۔

جس ملک کا یہ ٹکڑا ہے وہ ملک زندہ ہے۔ اگر سارے ملک کا نام پاکستان ہوتا تو خطرہ کی کوئی صورت نہیں تھی مگر اب تین چوتھائی سے زیادہ حصہ زندہ موجود ہے اور ۱/۴ کو کاٹ کر الگ کر دیا گیا ہے۔

پس پاکستان کے قیام سے خطرات دور نہیں ہوئے بلکہ پہلے سے بڑھ گئے ہیں کیونکہ ہمارا ہمسایہ سمجھتا ہے کہ اسے پاکستان کے قیام سے سخت نقصان پہنچا ہے۔ اسی سلسلہ میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے تھے انہوں نے مسلمانوں میں جذبۂ انتقام اتنا شدید طور پر پیدا کر دیا ہے کہ اب مسلمانوں کی طاقت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ درحقیقت دنیا میں دو ہی چیزیں طاقت اور قوت کو بڑھاتی ہیں۔ جذبۂ محبت یا جذبۂ انتقام۔ مائیں جذبۂ محبت کی وجہ سے بعض دفعہ ایسے ایسے کام کر جاتی ہیں جو عام حالات میں بالکل ناممکن نظر آتے ہیں اسی طرح جب کسی کو شدید صدمہ پہنچتا ہے تب بھی اس کے انتقام کا جذبہ تیز ہو جاتا ہے اسی وجہ سے محبت اور انتقام کے جذبہ کو جنون کہتے ہیں کیونکہ جنون کی حالت میں مجنون کی طاقتیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب بدر کی جنگ ہوئی تو مسلمانوں کی طرف سے صرف تین سَو تیرہ آدمی اس جنگ میں شریک تھے اور وہ بھی بالکل بے سروسامان اور ناتجربہ کار۔ لیکن دشمن کا ایک ہزار سپاہی تھا اور وہ سارے کا سارا تجربہ کار آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ ابوجہل نے ایک عرب سردار کو بھجوایا اور اسے کہا کہ تم یہ اندازہ کر کے آؤ کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ وہ واپس گیا تو اس نے کہا میرا اندازہ یہ ہے کہ مسلمان تین سَو یا تین سَو پچیس کے قریب ہیں۔ ابوجہل اس پر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا ہم نے تو میدان مار لیا۔ اس نے کہا اے میری قوم! بے شک مسلمان تھوڑے ہیں لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ مسلمانوں سے لڑائی نہ کرو کیونکہ اے میری قوم! میں نے اونٹوں پر آدمی نہیں بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں یعنی میں نے جس شخص کو بھی دیکھا اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ آج میں نے مر جانا ہے یا مار دینا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی جذبہ ان کے دلوں میں نہیں پایا جاتا[1] گویا اس جذبۂ انتقام نے مسلمانوں کو ایسی طاقت دے دی کہ ایک شدید ترین دشمن اسلام نے بھی ان کے چہروں سے

پڑھ لیا کہ اب وہ اس میدان سے واپس نہیں لوٹیں گے سوائے اس کے کہ وہ کامیابی حاصل کر لیں یا اسی جگہ لڑتے ہوئے جان دے دیں۔ جب یہ جذبات کسی قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ اسے عام سطح سے بہت اونچا کر دیتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کچھ اور باتیں بھی ہیں جن کو ہمیں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور وہ یہ کہ انتقام کا جذبہ صرف نقصان پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ احساس نقصان پر مبنی ہوتا ہے۔ ایک شخص کے اگر دس روپے کوئی شخص چرا کر لے جائے اور اسے محسوس بھی نہ ہو تو اس کے اندر کوئی جذبۂ انتقام پیدا نہیں ہوگا لیکن دوسرے شخص کا اگر صرف ایک روپیہ کوئی شخص چرا لیتا ہے اور اسے اس کی چوری کا احساس ہوتا ہے تو اس کے اندر یقیناً جذبۂ انتقام پیدا ہو جائے گا۔ پس جذبات حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ بلکہ احساسِ حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر ہم کو شدید سے شدید نقصان بھی پہنچا ہے لیکن ہمیں اس نقصان کا احساس نہیں تو محض نقصان اس بات کی دلیل نہیں ہوگا کہ ہمارے اندر جذبۂ انتقام پیدا ہو گیا ہے۔ یہی حال محبت کا ہے وہ بھی احساس پر مبنی ہوتی ہے۔ ایک حبشی کو اپنا کالا کلوٹا بچہ ہی خوبصورت نظر آتا ہے حالانکہ دوسرے کی نگاہ میں وہ بدصورت ہوتا ہے۔ غرض انتقام کا جذبہ یا محبت کا جذبہ دونوں احساس پر مبنی ہوتے ہیں۔ جتنے احساسات تیز ہوں اُتنا ہی یہ جذبہ بڑھا ہوا ہوتا ہے اور جتنے احساسات کم ہوں اتنا ہی اس جذبہ کا فقدان ہوتا ہے۔ پس ہمیں صرف اپنے نقصان کا ہی نہیں بلکہ احساسِ نقصان کا بھی جائزہ لینا پڑے گا۔ اسی طرح ہمیں دوسرے فریق کے نقصان اور اس کے احساسِ نقصان کا بھی جائزہ لینا پڑے گا۔ اگر اس کے بغیر ہم کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو درحقیقت وہ صحیح فیصلہ نہیں کہلا سکتا۔

دوسری چیز جو پاکستان کے مستقبل کے متعلق ہمیں ہمیشہ مدنظر رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ پاکستان کا مستقبل محض اسلام کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرنے کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس بناء پر کیا تھا کہ ہماری تہذیب الگ ہے اور ہندو تہذیب الگ۔ جب مسلمانوں نے یہ مطالبہ کیا اُس وقت پنڈت جواہر لال صاحب نہرو نے ایک مضمون لکھا تھا کہ بتاؤ تمہاری کونسی تہذیب ہے جو ہندوستانی تہذیب سے الگ ہے۔ ہم اُس وقت کہہ سکتے تھے کہ یہ چیز عمل سے تعلق رکھتی ہے۔ عمل کا موقع آئے گا تو ہم تمہیں بتائیں گے کہ

ہماری تہذیب کونسی ہے مگر اب جبکہ ہمیں اس تہذیب کو قائم کرنے کا موقع مل گیا ہے، پنڈت نہرو اور ان کے ساتھی اگر ہم سے یہ سوال کریں کہ وہ کونسی تہذیب ہے جس کے لئے تم نے پاکستان مانگا تھا تو یقیناً وہ اپنے اس مطالبہ میں حق بجانب ہوں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس تہذیب کے بچانے کا ہم دعویٰ کر رہے تھے وہ ایرانی نہیں تھی، نہ وہ پٹھانی، بلوچی، سندھی، پنجابی یا بنگالی تہذیب تھی کیونکہ نہ ہم سارے ایرانی تھے، نہ ہم سارے پٹھان تھے، نہ ہم سارے بلوچی تھے، نہ ہم سارے سندھی تھے، نہ ہم سارے پنجابی تھے اور نہ ہم سارے بنگالی تھے۔ پھر وہ کیا چیز تھی جس کے لئے ہم سب لڑ رہے تھے یقیناً اسلام ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہم سب میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے اور اسلامی تہذیب ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے قیام کا ہم میں سے ہر شخص خواہشمند تھا۔ اس تہذیب کے قیام کے لئے ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا۔ اب جب کہ علیحدگی ہو چکی ہے سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے وہ غرض پوری کر لی ہے جس کے لئے ہم نے علیحدگی طلب کی تھی۔ اگر ہم نے اس غرض کو پورا نہیں کیا تو دنیا ہمیں کہے گی کہ تم نے غلط دعویٰ کیا تھا در حقیقت تم اپنی ذاتی حکومت چاہتے تھے مگر ناواقف لوگوں میں جوش پیدا کرنے کیلئے تم نے اسلامی تہذیب کے نام سے شور مچا دیا۔ مختصر لفظوں میں میں یوں سمجھتا ہوں کہ ہماری لڑائی اس لئے نہیں تھی کہ ہم اپنے لئے گھر مانگتے تھے بلکہ ہماری لڑائی اس لئے تھی کہ اس ملک میں ہمارے آقا اور سردار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کوئی گھر نہیں تھا، ہم ایک زمین چاہتے تھے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین کہا جا سکے۔ ہم ایک مُلک چاہتے تھے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مُلک کہا جا سکے۔ ہم ایک حکومت چاہتے تھے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کہا جا سکے اور یہی اصل محرک پاکستان کے مطالبہ کا تھا۔ پس انفرادی اور قومی زندگی میں اسلام کو داخل کرنا ہمارا سب سے پہلا اور اہم فرض ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو یقیناً ہم اپنے دعویٰ میں سچے نہیں سمجھے جا سکتے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بات بھی کبھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ہم نے ساری دنیا میں اسلام کو قائم کرنا ہے اور ساری دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جھنڈا بلند کرنا ہے۔ پس پاکستان اس منزل کے حصول کیلئے یقیناً ایک قدم تو ہے مگر بہر حال وہ ایک اینٹ ہے اس عمارت کی جو ہم نے ساری دنیا میں قائم کرنی ہے اور ہمارا

فرض ہے کہ ہم اس عظیم الشان مقصد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے جس قدر بھی قربانیاں کر سکیں، ان سے کبھی دریغ نہ کریں۔

(الفضل ربوہ ۲۳ / مارچ ۱۹۵۶ء)

---

۱ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

ترتیب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور اُس کی دی ہوئی توفیق سے فضل عمر فاؤنڈیشن کو سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود (اللہ آپ سے راضی ہو) کی حقائق و معارف سے پُر سلسلہ تصانیف بنام ''انوار العلوم'' کی اُنیسویں جلد احبابِ جماعت کے استفادہ کے لئے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ **فَالۡحَمۡدُلِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ**

''انوارالعلوم'' کی اُنیسویں جلد حضرت مصلح موعود کی ۲۷ رمئی ۱۹۴۷ء تا ۴ر جولائی ۱۹۴۸ء کی کُل ۱۸ تحریرات و تقاریر پر مشتمل ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام الٰہی منشاء کے مطابق ۱۸۸۶ء میں قادیان سے ہوشیارپور چلّہ کشی کے لئے تشریف لے گئے۔ اِس چلّہ کے دوران اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک عظیم پسر موعود کی خوشخبری سے نوازا۔ جس کی علامات میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ ''وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا...... علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا...... اسیروں کی رُستگاری کا موجب ہوگا...... اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی''۔

اس مہتم بِالشان پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو ایک فرزندِ دلبند، گرامی ارجمند عطا فرمایا جس کے وجود باجود میں پیشگوئی کی علامات نے بڑی شان کے ساتھ ظہور فرمایا اور پھر خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۹۴۴ء میں مصلح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بڑی تحدّی کے ساتھ یہ اعلان فرمایا کہ **اِس پیشگوئی کا میں ہی مصداق ہوں۔**

حضرت مصلح موعود کو حضرت احدیت کی طرف سے علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا گیا۔

آپ تمام عمر اپنی ذہانت و فطانت سے بنی نوع انسان کی خدمت اور راہنمائی کرتے رہے۔ آپ نے صرف جماعت احمدیہ کی ہی راہنمائی اور قیادت نہیں کی بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق قوموں کی راہنمائی بھی کرتے رہے اور یوں دوسری قوموں نے بھی آپ کے وجود باجود سے برکت پائی اور اقوامِ عالَم کی رُستگاری کے لئے بھی آپ کوشاں رہے۔ آپ کی ذہانت و فطانت اور تبحر علمی کا ایک بیّن ثبوت انوار العلوم کی جلدات کی صورت میں بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

انوار العلوم کی ۱۹ویں جلد سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود کی بلند پایہ علمی استعدادوں، روحانی مرتبہ، ذہانت و فطانت، انقلاب انگیز فکری صلاحیتوں، اولوالعزم قیادت، اقوامِ عالَم کی راہنمائی اور برصغیر کی تقسیم کے تاریخی موقع پر یہاں کی اقوام کی قیادت آپ کے علوم ظاہری و باطنی کے پُر ہونے کی ایک منہ بولتی تصویر اور روشن مثال ہے۔

انوار العلوم کی ۱۹ویں جلد میں ۱۸۔ انقلاب آفرین تحریرات اور تقاریر شامل اشاعت ہیں۔ یہ تحریرات و تقاریر تاریخ احمدیت اور تاریخ ہندوستان کے حوالہ سے انتہائی نازک اور تاریخی دَور سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ یہ وہ دَور ہے جب متحدہ ہندوستان پاک و ہند میں تقسیم ہوا۔ جماعت احمدیہ نے تحریک پاکستان میں بھرپور عملی حصہ لیا اور پھر خدائی تقدیر کے مطابق اپنے دائمی مرکز قادیان دارالامان سے ہجرت کر کے خلافت احمدیہ پاکستان میں آگئی۔ اِس اہم اور تاریخی دَور کی تحریرات جہاں جذبات سے پُر ہیں وہاں نوزائیدہ مملکت پاکستان کے مسائل اور اُن کے حل کے بارہ میں راہنمائی کرنے والی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اہم جماعتی تقریبات کے موقع پر حضور کے ارشادات آپ کی ولولہ انگیز قیادت کے آئینہ دار ہیں۔

حضرت مصلح موعود نے اس دَور کی تقاریر اور مضامین میں نئی قائم ہونے والی مملکت پاکستان کے استحکام اور اُس کی ترقی اور پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے کئی راہنما اصول بیان فرمائے۔ حضور نے پنجاب میں موجود ایک بہت بڑی قوم سکھوں سے اپیل کی کہ وہ پنجاب کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے پاکستان کے ساتھ اِلحاق کریں جو کہ ان کے مفاد میں ہوگا۔

حضرت مصلح موعود نے اس عرصہ کے دوران یعنی ۴۸۔۱۹۴۷ء میں روزنامہ الفضل میں

گاہے بگاہے بعض اہم مسائل پر اداریئے بھی لکھے۔ یہ اداریئے تقسیم ہند کے حوالے سے اور نئی مملکت پاکستان کے لئے راہنمائی پر مبنی تھے۔ ان اداریوں کی تعداد ۲۶ ہے۔ یہ تمام اداریئے انوار العلوم کی جلد ھٰذا میں شامل اشاعت کئے گئے ہیں۔

۱۹۴۷ء کا جلسہ سالانہ دسمبر میں لاہور میں منعقد ہوا اور اس جلسہ میں معروضی حالات کے پیشِ نظر صرف مرد شامل ہوئے۔ مرکز احمدیت قادیان سے باہر ہونے والا یہ پہلا جلسہ سالانہ تھا۔ حضور نے اس کے افتتاحی خطاب میں قادیان سے اپنی والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار فرمایا اور اس میں حضور نے قادیان واپس ملنے کی توقع کا اظہار بھی فرمایا۔ حضور نے جلسہ سالانہ سے اختتامی خطاب بھی فرمایا۔ یہ دونوں خطابات اِس جلد کی زینت ہیں۔ نیز مارچ ۱۹۴۸ء میں ہونے والی شوریٰ کے ساتھ خواتین کو بھی جلسہ سالانہ کی غرض سے شرکت کا موقع ملا۔ یوں جلسہ سالانہ ۱۹۴۷ء دو حصوں میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر بھی حضور نے خطابات فرمائے جو اس جلد میں شامل ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد حضور نے پاکستان کے مختلف بڑے شہروں کے دَورے کئے اور ان دَوروں کے مواقع پر آپ نے ولولہ انگیز خطابات فرمائے جو نئی مملکت کے قیام کے حوالہ سے اہل پاکستان کی ذمہ داریوں پر مبنی تھے وہ تمام خطابات بھی اس جِلد کا حصہ ہیں۔ عالمی استعماری طاقتوں نے اپنے سیاسی مصالح کی تکمیل کے لئے فلسطین کو تقسیم کر کے صیہونی ریاست کی بنیاد ۱۶ رمئی ۱۹۴۸ء کو رکھی۔ حضور نے اپنی دُور بین نگاہ سے مستقبل میں پیش آمدہ حالات و واقعات اور ان کے اندوہناک نتائج کو بھانپ لیا۔ چنانچہ آپ نے ایک فکر انگیز اور پُر معارف مضمون اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ کے نام سے تحریر کیا جو ۲۱ رمئی ۱۹۴۸ء کے الفضل میں شائع ہوا اور اسے ایک ٹریکٹ کی صورت میں شائع کر کے عرب ممالک میں تقسیم بھی کیا گیا جس پر عرب اخبارات نے تعریفی تبصرے بھی کئے اور عالمِ اسلام کے حق میں آواز اُٹھانے پر حضور کا شکریہ بھی ادا کیا۔ یہ مضمون بھی جِلد ھٰذا کی زینت ہے۔

جِلد ھٰذا میں شامل تحریرات کے مطالعہ سے جہاں ایمان ترقی کرتا اور علم و معرفت کے اضافے کا موجب بنتا ہے وہاں اس جِلد کی تحریرات کے ذریعہ اس دَور کی اہم جماعتی و سیاسی

تاریخ سے بھی آگاہی ملتی ہے۔ یہ ولولہ انگیز تقاریر اور پُرشوکت تحریرات یقیناً احبابِ جماعت کے ازدیادِ علم اور ازدیادِ ایمان کا موجب ہوں گی۔اِنْشَاءَ اللّٰہُ۔

اس جلد کی تیاری کے مختلف مراحل میں حسبِ سابق بہت سے بزرگان اور مربیان سلسلہ نے اس اہم اور تاریخی کام کی تدوین واشاعت میں خاکسار کی عملی معاونت فرمائی ہے۔مکرم مولانا فضل الٰہی صاحب بشیر اور مکرم چوہدری رشید الدین صاحب نے مسودات کی ترتیب، اصلاح اور ابتدائی پروف ریڈنگ کے سلسلہ میں بہت اخلاص سے خدمات سرانجام دی ہیں۔

مکرم عبدالرشید صاحب طاہر، مکرم حبیب اللہ صاحب باجوہ اور مکرم فضل احمد صاحب شاہد مربیان سلسلہ نے پروف ریڈنگ، حوالہ جات کی تلاش، مسودات کی نظر ثانی، اعراب کی درستگی اور Re-Checking کے سلسلہ میں بہت محنت سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔تعارف کتب مکرم مبشر احمد صاحب خالد مربی سلسلہ کا تحریر کردہ ہے۔فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

خاکسار ان سب احباب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔ نیز دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن سب احباب کے علم ومعرفت میں برکت عطا فرمائے۔اپنی بے انتہا رحمتوں اور فضلوں سے نوازے اور ہمیں اپنی ذمہ داریاں احسن رنگ میں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اللہ تعالیٰ اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ احباب کو استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اٰمِیْنَ

والسلام

خاکسار

ناصر احمد شمس

سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تعارف کتب

یہ انوار العلوم کی اُنیسویں جلد ہے جو سیدنا حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی کی ۲۷رمئی ۱۹۴۷ء تا ۴رجولائی ۱۹۴۸ء کی ۱۸ مختلف تحریرات وتقاریر پر مشتمل ہے۔

(۱) زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب کی خوبیاں اور اُن کا پس منظر

مکرم سید منیر الحصنی شامی صاحب نے مؤرخہ ۲۱رمئی ۱۹۴۷ء کو بعد نماز مغرب قادیان میں زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب کے مناقب کے موقع پر عربی زبان میں ایک تقریر کی۔ مگر وقت کی کمی کے باعث تقریر کے بعد حاضرین کو مذکورہ تقریر کے بارہ میں سوالات دریافت کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ چنانچہ دوتین روز بعد مؤرخہ ۲۶رمئی کو بعد نماز مغرب دوبارہ مجلس منعقد ہوئی تو حضرت مصلح موعود نے حاضرین کو السید منیر الحصنی شامی صاحب سے ان کے لیکچر کے متعلق سوالات پوچھنے کا موقع عطا فرمایا جس پر کچھ احباب نے مکرم منیر الحصنی صاحب سے بعض سوالات دریافت کئے اور الحصنی صاحب نے ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔

سوال و جواب کے اختتام پر حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ چونکہ بعض حاضرین عربی زبان سے ناواقف ہیں لہٰذا میں اس گفتگو کا اُردو میں مفہوم بیان کر دیتا ہوں۔ چنانچہ حضور نے سوال و جواب کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دراصل نہ سوال کرنے والے مقرر کی بات کو پوری طرح سمجھ سکے ہیں اور نہ ہی مقرر صاحب سوالات کو پوری طرح سمجھ سکا ہے۔ لہٰذا دونوں کو ہی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضور نے اصل حقیقت حال پر روشنی ڈالی۔ نیز اگلے روز

دوبارہ مؤرخہ 27 مئی کو اِسی مضمون کو وضاحت فرمائی۔

حضور نے اپنے اس محاکمہ میں عربوں کی خصوصیات کا پس منظر بیان فرمایا نیز اسلام کے ظہور کے بعد ان میں پیدا ہونے والے اخلاقِ فاضلہ اور ان کی قومی خوبیوں میں پیدا ہونے والے نکھار کی وضاحت فرمائی۔

یہ مضمون ستمبر ۱۹۶۱ء کو روزنامہ الفضل ربوہ میں ۶ قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ جسے اب پہلی دفعہ انوار العلوم کی اس جلد میں کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

(۲) خوف اور امید کا درمیانی راستہ

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کی آزادی و تقسیم کا معاملہ آخری مراحل میں داخل ہو رہا تھا تو اُس وقت مسلمانوں کے اندر حالات کی نزاکت کا جو احساس نظر آنا چاہیے تھا وہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ چنانچہ اس صورت حال کے پیش نظر حضرت مصلح موعود نے مؤرخہ ۲۹ رمئی ۱۹۴۷ء کو بعد نماز مغرب قادیان میں ایک لیکچر دیا۔ جس میں مسلمانوں کی اِس حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

> ''قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مومن خوف اور رجاء کے درمیان ہوتا ہے نہ تو اُس پر خوف ہی غالب آتا ہے اور نہ اُس پر امید غالب آتی ہے بلکہ یہ دونوں حالتیں اس کے اندر بیک وقت پائی جانی ضروری ہیں جہاں اس کے اندر خوف کا پایا جانا ضروری ہے وہاں اس کے اندر امید کا پایا جانا بھی ضروری ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ نہ تو وہ خوف کی حدود کو پار کر جائے اور نہ امید کی حدود سے تجاوز کر جائے اور یہی وہ اصل مقام ہے جو ایمان کی علامت ہے یا خوش بختی کی علامت ہے۔''

حضور کے اِس خطاب کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ خوف اور امید کا درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیے نیز کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ کے دونوں احکام تدبیر اور تقدیر پر عمل ضروری ہے۔ لہٰذا ان حالات میں کہ جہاں مسلمانوں کو کامیابی کی امید نظر آ رہی ہے وہاں خوف کا پہلو بھی پیش نظر رہنا

چاہیے اور آخری دم تک تدبیر کو عمل میں لانا چاہیے۔
حضور کا یہ خطاب پہلی بار مؤرخہ ۱۲؍جون ۱۹۴۷ء کو روزنامہ الفضل قادیان میں شائع ہوا اور اب انوار العلوم کی جلد ھٰذا میں کتابی صورت میں شائع ہو رہا ہے۔

(۳) مصائب کے نیچے برکتوں کے خزانے مخفی ہوتے ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مؤرخہ ۳۰؍مئی ۱۹۴۷ء کو بعد نماز مغرب قادیان میں یہ فرمودات ارشاد فرمائے جو مؤرخہ ۱۵؍ستمبر ۱۹۶۱ء کو پہلی بار روزنامہ الفضل میں شائع ہوئے۔
حضور کے ان فرمودات کا موضوع مولانا رومی کا یہ شعر تھا کہ:۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است

یعنی خدا تعالیٰ کی ایک یہ بھی سنت ہے کہ جب کسی قوم پر کوئی بلا آتی ہے تو اس کے نیچے برکتوں کا ایک مخفی خزانہ ہوتا ہے۔ حضور نے اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

''یعنی اس بلا کے آچکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی برکات ظاہر ہوتی ہیں جو اس قوم کے لئے تقویت کا موجب ہوتی ہیں یہ ایک نہایت سچی بات ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب کبھی مومنوں کو مشکلات اور مصائب و آلام کا سامنا ہوتا ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی باتیں ضرور ظاہر ہوتی ہیں جو ان کے ایمان میں ازدیاد کا موجب ہوتی ہیں اور صداقت اور شوکت کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مصیبت اور مشکل جو آپ کو پہنچی اپنے بعد بے شمار معجزات چھوڑ کر گئی اور اس کے ذریعہ سے مومنوں کے ایمان تازہ ہوئے اور وہ قیامت تک کی نسلوں کے لئے برکت اور رحمت کا موجب ہوں گے۔''

حضور کا یہ روح پرور خطاب پہلی دفعہ اس جلد میں کتابی صورت میں شائع ہو رہا ہے۔

(۴) قومی ترقی کے دو اہم اصول

حضرت مصلح موعود نے یہ ارشادات مؤرخہ ۵، ۶ / جون ۱۹۴۷ء کو بعد نماز مغرب قادیان میں ارشاد فرمائے جو پہلی دفعہ اکتوبر ۱۹۶۱ء کے روزنامہ الفضل میں تین قسطوں میں شائع ہوئے۔ جن کو اب اِس جلد میں پہلی بار کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

حضور نے اپنے اِن فرمودات میں قومی ترقی کے درج ذیل دو اہم اصول بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ اپنے مقصد کی برتری اور کامیابی پر پورا یقین پیدا کرنا چاہیے۔ جب کوئی شخص اس یقین سے لبریز ہو جائے تو اس کے اندر کام کی غیر معمولی طاقت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو کامیابی کی ضامن بن جاتی ہے۔

۲۔ قومی ترقی کے لئے دوسری ضروری چیز قوتِ ارادی ہے جو ایمان کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ مگر اس سلسلہ میں یہ بات ہمیں یاد رکھنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی قوتِ ارادی اور انسان کی قوتِ ارادی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

(۵) سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل

۱۹۴۷ء میں انگریزی تسلط سے ہندوستان کی آزادی نیز ہندوستان کی تقسیم کا اعلان کچھ ہی دنوں تک متوقع تھا مگر حتمی اعلان سے پیشتر ہی پنجاب کی تقسیم کے متعلق انگریزوں کے عزائم سامنے آ رہے تھے۔ چنانچہ ایسے حالات میں حضرت مصلح موعود نے سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل کے نام سے یہ مضمون تحریر فرمایا جسے ٹریکٹ کی صورت میں شائع کروا کر تقسیم کیا گیا۔ نیز افادۂ عام کے لئے یہ مضمون مؤرخہ ۱۹ / جون ۱۹۴۷ء کو روزنامہ الفضل قادیان میں بھی شائع کیا گیا۔

اس مضمون میں حضور نے سکھوں کو یہ باور کرانا چاہا کہ پنجاب میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے پنجاب کی تقسیم کی صورت میں سب سے زیادہ فائدہ

ہندوؤں کو حاصل ہوتا ہے اور سب سے زیادہ نقصان سکھوں کو ہوگا۔ لہٰذا سکھوں کو چاہیے کہ وہ ہندوستان کی بجائے پاکستان کے ساتھ الحاق کریں جس سے اُن کو سراسر فائدہ ہوگا جیسا کہ بعد کے حالات نے ثابت بھی کیا۔ حتّٰی کہ علیحدگی پسند تحریکات نے بھی جنم لیا۔

پس اگر سکھ اُس وقت حضرت مصلح موعود کا یہ مشورہ مان جاتے تو آج اُن کو الگ وطن بنانے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی اور پنجاب کی تقسیم سے سکھوں کو جو معاشی، معاشرتی اور ثقافتی لحاظ سے جو نقصان اُٹھانا پڑا اُس سے وہ محفوظ رہتے۔ مگر افسوس کہ سکھوں نے اس اپیل کو وقعت نہ دی۔

(۶) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام واقعات اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت پیش کرتے ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مؤرخہ ۱۷، ۲۵ اور ۲۹ / جون ۱۹۴۷ء کو بعد نماز مغرب قادیان میں قرآن کریم کی آیت اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی روشنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے کئی ایمان افروز واقعات نہایت لطیف پیرایہ میں بیان فرمائے۔ جو افادۂ عام کے پیشِ نظر ماہ اگست و نومبر ۱۹۶۱ء میں روزنامہ الفضل ربوہ میں ۱۰ قسطوں میں شائع ہوئے تھے۔ جنہیں اب پہلی بار اِس جلد میں کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔

ان لیکچرز کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائیدات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء میں ارفع و اعلیٰ مقام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام اہم واقعات، اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت پیش کررہے ہیں۔

۲۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی آیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہزاروں واقعات اور ہزاروں ایمان افروز نظاروں کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نازک موقع پر ہر دکھ اور پریشانی کے وقت آپ کے ساتھ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا ثبوت دیا۔

۳۔ دل ہلا دینے والے مصائب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ایمان پر مضبوطی سے قائم رہنا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی سچائی کا زبردست ثبوت ہے۔

۴۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر نازک موقع پر اللہ تعالیٰ نے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا وعدہ اپنی پوری شان کے ساتھ پورا کیا۔

۵۔ اوائل میں ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جانثاروں کی ایک چھوٹی سی جماعت کا قائم ہو جانا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی سچائی کا زبردست ثبوت ہے۔

۶۔ ہر موقع اور ہر مرحلہ پر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی تائید و نصرت فرمائی۔ جس سے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

(۷) الفضل کے اداریہ جات

حضرت مصلح موعود نے مؤرخہ ۲؍ جون ۱۹۴۷ء تا ۲۳؍ مارچ ۱۹۴۸ء گاہ بگاہ روزنامہ الفضل قادیان ثُمَّ لاہور میں تقسیم ہندوستان سے دو ماہ پیشتر اور چند ماہ بعد بعض اہم معاملات و مسائل پر اداریے لکھے جن میں اُس وقت کے اہم مسائل اور ایشوز پر روشنی ڈالی۔ اس جلد میں ان تمام اداریوں کو یکجائی طور پر کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ ان اداریوں کے عناوین حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سیاستِ حاضرہ

۲۔ قومیں اخلاق سے بنتی ہیں

۳۔ مشرقی اور مغربی پنجاب کا تبادلۂ آبادی

۴۔ پاکستان کی سیاستِ خارجہ

۵۔ جماعت احمدیہ کے امتحان کا وقت
۶۔ قادیان
۷۔ کچھ تو ہمارے پاس رہنے دو
۸۔ قادیان کی خونریز جنگ
۹۔ سیاستِ پاکستان
۱۰۔ پاکستان کا دفاع
۱۱۔ پاکستانی فوج اور فوجی مخزن
۱۲۔ کشمیر اور حیدر آباد
۱۳۔ کشمیر کی جنگ آزادی
۱۴۔ پاکستان کی اقتصادی حالت
۱۵۔ کشمیر
۱۶۔ کشمیر اور پاکستان
۱۷۔ سپریم کمانڈ کا خاتمہ
۱۸۔ مسٹر اٹیلی کا بیان
۱۹۔ صوبہ جاتی مسلم لیگ کے عہدہ داروں میں تبدیلی
۲۰۔ کانگرس ریزولیوشن
۲۱۔ تقسیم فلسطین کے متعلق روس اور یونائیٹڈ سٹیٹس کے اتحاد کا راز
۲۲۔ مسلم لیگ پنجاب کا نیا پروگرام
۲۳۔ کشمیر کے متعلق صلح کی کوشش
۲۴۔ پاکستان اور ہندوستان یونین صلح یا جنگ
۲۵۔ خطرہ کی سُرخ جھنڈی
۲۶۔ قادیان، ننکانہ اور کشمیر

(۸) پاکستان کا مستقبل

حضرت مصلح موعود نے پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے معاً بعد پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں ''پاکستان کا مستقبل'' کے موضوع پر بصیرت افروز لیکچرز دیئے۔ جن میں لاہور کے بڑے بڑے دانشور، سکالرز اور اہل علم حضرات شامل ہوئے۔ اور ان لیکچرز پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ پہلے پانچ لیکچرز مینارڈ ہال لاہور اور چھٹا لیکچر یونیورسٹی ہال لاہور میں ارشاد فرمایا۔

زیرنظر لیکچر مؤرخہ ۷؍دسمبر ۱۹۴۷ء کو مینارڈ ہال لاہور میں ارشاد فرمایا مگر وقت کی کمی کے باعث اس مضمون کے کئی حصے بیان کرنے سے رہ گئے تھے۔ لہٰذا حضرت مصلح موعود نے اپنی یادداشت پر اس مضمون کو افادۂ عام کے لئے روزنامہ الفضل لاہور میں شائع کروانے کی غرض سے تحریر فرمایا تھا جو مؤرخہ ۹؍دسمبر ۱۹۴۷ء کو روزنامہ الفضل لاہور میں شائع ہوا۔

حضور نے اپنے اس خطاب میں نباتی، زرعی، حیوانی اور معنوی دولت کے لحاظ سے پاکستان کو کیسے ترقی دی جاسکتی ہے، زرّیں تجاویز اور مشوروں سے نوازا۔

(۹) خدا کے فرشتے ہمیں قادیان لے کر دیں گے

حضرت مصلح موعود نے یہ مختصر خطاب جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ ۱۹۴۷ء بمقام لاہور کے موقع پر مؤرخہ ۲۷؍دسمبر کو جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ قادیان سے باہر جماعت احمدیہ کا یہ پہلا جلسہ سالانہ تھا۔ لہٰذا جن حالات میں یہ جلسہ منعقد ہو رہا تھا ان میں جذبات کا بے قابو ہونا قدرتی امر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مصلح موعود کا یہ سارا خطاب قادیان سے محبت وعقیدت کے جذبات سے لبریز تھا اور بڑا ہی جذباتی اور رُلانے والا خطاب تھا۔ حضور نے اس خطاب میں قادیان کے واپس ملنے کی توقع ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

''ہمارا ایمان اور ہمارا یقین ہمیں بار بار کہتا ہے کہ قادیان ہمارا ہے وہ احمدیت کا مرکز ہے اور ہمیشہ احمدیت کا مرکز رہے گا۔ (انشاء اللہ) حکومت خواہ بڑی

ہو یا چھوٹی بلکہ حکومتوں کا کوئی مجموعہ بھی ہمیں مستقل طور پر قادیان سے محروم نہیں کر سکتا اگر زمین ہمیں قادیان لے کر نہ دے گی تو ہمارے خدا کے فرشتے آسمان سے اُتریں گے اور ہمیں قادیان لے کر دیں گے۔''

(۱۰) تقریر جلسہ سالانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء (غیر مطبوعہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یہ بصیرت افروز خطاب مؤرخہ ۲۸ ؍دسمبر ۱۹۴۷ء کے جلسہ سالانہ منعقدہ لاہور میں ارشاد فرمایا۔ حضور کا یہ خطاب غیر مطبوعہ تھا جو اب پہلی دفعہ انوار العلوم کی اِس جلد میں شائع ہو رہا ہے۔ حضور نے اس خطاب میں درج ذیل متفرق امور پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۔ تفسیر کبیر کی اشاعت میں تأخیر کی وجوہات

۲۔ قرآن کریم کے پہلے دس پاروں کا انگریزی ترجمہ مع تفسیری نوٹس و دیباچہ کی اشاعت کی نوید سناتے ہوئے اس انگریزی تفسیر القرآن کے دیباچہ جو حضور نے خود تحریر فرمایا تھا کے دوسری بعض زبانوں میں شائع کرنے کے پروگرام پر روشنی ڈالی۔

۳۔ پارٹیشن کی وجہ سے احمدی طلباء و طالبات کا جو تعلیمی حرج ہوا اُس پر حضور نے تعلیم کی اہمیت وضرورت بیان فرمائی۔

۴۔ پارٹیشن کی وجہ سے پیدا ہونے والے فتنوں کے باعث جماعت کے چندے بہت متأثر ہوئے۔ لہٰذا حضور نے افرادِ جماعت کو اپنے چندے بڑھانے کی طرف توجہ دلائی۔

۵۔ تقسیمِ ہندوستان کی وجہ سے لاکھوں احمدی ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے ان کی آبادکاری کے متعلق ہدایات فرمائیں۔

۶۔ حضور نے اپنے اس خطاب میں بعض غیر طبعی اور غیر دینی سکیموں پر محاکمہ کرتے ہوئے آبادی کو بڑھانے کی ضرورت پر زور دیا۔ اور از روئے قرآن آبادی کی کثرت کو ہی قومی ترقی کا ذریعہ قرار دیا کیونکہ مستقبل آدمیوں سے ہی وابستہ ہوتا ہے۔

۷۔ حضور نے اپنے اس خطاب میں پاکستان بننے کی اہمیت اور ہماری ذمہ داریوں پر بھی

تفصیل سے روشنی ڈالی۔

۸۔ بیرونی مشنوں کی مساعی اور حالات و واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے لندن مشن کی خدمات کا بالخصوص ذکر فرمایا نیز ایک نو احمدی انگریز مبلغ مکرم بشیر احمد آرچرڈ صاحب کا ذکرِ خیر بھی بیان فرمایا اِسی طرح جرمن مشن، ہالینڈ مشن، سوئٹزرلینڈ، امریکہ، شام، فلسطین اور انڈونیشیا کے مشنوں کی مساعی پر روشنی ڈالی۔

۹۔ حضور نے پاکستان میں جماعت احمدیہ کے لئے ایک نئے مرکز کی ضرورت پر زور دیا۔

۱۰۔ حضور نے افراد جماعت کو تجارت اور صنعت میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے ایک تجارتی سکیم سے متعارف کروایا اور تجارت وصنعت میں افرادِ جماعت کو دلچسپی لینے کی ضرورت پر زور دیا۔

۱۱۔ آخر پر حضور نے اس سوال پر روشنی ڈالی کہ قادیان سے ہماری جماعت کو ہجرت کیوں کرنی پڑی؟ اس سلسلہ میں حضور نے فرمایا کہ تذکرہ میں بعض الہامات اور پیشگوئیوں کی روشنی میں مفصّل طور پر وضاحت فرمائی کہ ہماری یہ ہجرت اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق ہے۔

(۱۱) دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی

حضرت مصلح موعود نے قادیان سے لاہور ہجرت کے بعد پاکستان کے مستقبل کے موضوع پر جو چھ لیکچر دیئے۔ زیر نظر لیکچر ان میں سے آخری لیکچر تھا جو حضور نے یونیورسٹی ہال لاہور میں دستورِ اسلامی یا اسلامی آئین اساسی کے موضوع پر دیا۔ یہ لیکچر افادۂ عام کیلئے وکالت دیوان تحریک جدید نے مؤرخہ ۱۸ر فروری ۱۹۴۸ء کو ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا تھا اور اب دوسری مرتبہ انوار العلوم کی اِس جلد میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اس خطاب میں حضور نے دستورِ اسلامی کی وضاحت کرتے ہوئے اس پہلو پر روشنی ڈالی کہ پاکستان میں کس قسم کا آئین یا دستور نافذ ہونا چاہئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

''پس اگر پاکستان کی کانسٹی ٹیوشن میں مسلمان جن کی بھاری اکثریت ہوگی

یہ قانون پاس کر دیں کہ پاکستان کے علاقے میں مسلمانوں کیلئے قرآن اور سنت کے مطابق قانون بنائے جائیں گے ان کے خلاف قانون بنانا جائز نہیں ہوگا تو گو اساسِ حکومت کُلّی طور پر اسلامی نہیں ہوگا کیونکہ وہ ہو نہیں سکتا مگر حکومت کا طریق عمل اسلامی ہو جائے گا اور مسلمانوں کے متعلق اس کا قانون بھی اسلامی ہو جائے گا اور اسی کا تقاضا اسلام کرتا ہے۔ اسلام ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ہندو اور عیسائی اور یہودی سے بھی اسلام پر عمل کروایا جائے بلکہ وہ بالکل اس کے خلاف کہتا ہے۔‘‘

(۱۲) قیام پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں

قیام پاکستان کے بعد حضرت مصلح موعود نے لاہور، کراچی، سیالکوٹ، جہلم، نوشہرہ، مردان اور پشاور میں استحکامِ پاکستان کے موضوع پر متعدد لیکچر ارشاد فرمائے جن میں مسلمانوں کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی تھی۔

چنانچہ زیر نظر لیکچر بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حضور نے مؤرخہ ۱۸؍ مارچ ۱۹۴۸ء کو تھیوسافیکل ہال کراچی میں لجنہ اماء اللہ کراچی کے زیر انتظام یہ لیکچر ارشاد فرمایا تھا۔ جس میں چھ صد سے زائد احمدی و غیر احمدی خواتین نے شمولیت کی۔ لیکچر کا بنیادی نقطہ خواتین کو ان کے فرائض کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرنا اور انہیں قربانی اور ایثار کے لئے سرگرمِ عمل کرنا تھا کیونکہ کوئی قوم عورتوں کے تعاون کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔

اس تقریر میں حضور نے درج ذیل دیگر مضامین پر روشنی ڈالتے ہوئے خواتین کو اُن کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔

۱۔ یقین کامل کامیابی کا ذریعہ بنتا ہے۔

۲۔ دنیاوی امور دین کے تابع ہونے چاہئیں۔ اصل زندگی وہی ہے جو شریعت کے قوانین کے تابع گزاری جائے۔

۳۔ اُخروی زندگی برحق ہے اور اصل زندگی اُخروی ہی ہے۔

۴۔ سورۃ الکوثر کی تفسیر کرتے ہوئے عورتوں کو عبادت کرنے اور خدا کی راہ میں قربانیاں

دینے کی تحریک فرمائی۔ سورۃ کوثر کی آیت فَصَلِّ لِرَبِّکَ کی تفسیر کرتے ہوئے سورۃ الفلق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سورۃ میں حاسدوں کے حسد سے بچنے کی دعا سکھائی گئی ہے اور سورۃ فلق میں وہ دعا بھی سکھا دی ہے جو ان کے حسد سے بچنے کے لئے ضروری ہے۔

۵۔ حضور نے اس تقریر میں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''اسلام پر اس وقت جو نازک دَور آیا ہوا ہے وہ ایسا نہیں کہ مرد اور عورت کی قربانی کے بغیر اس میں سے گزرا جا سکے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہر مرد اور عورت یہ سمجھ لے کہ اب اس کی زندگی اپنی نہیں بلکہ اس کی زندگی کی ایک ایک گھڑی اسلام کے لئے وقف ہے اور اسے سمجھ لینا چاہئے کہ زندہ رہ کر اگر ذلّت کی زندگی بسر کرنی پڑے تو اس سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ وہ اسلام کی خاطر لڑتا ہوا مارا جائے۔''

حضور کا یہ معرکۃ الآراء لیکچر شعبہ نشر و اشاعت لاہور کے زیر انتظام کتابی صورت میں شائع کروایا گیا تھا جسے اب دوبارہ انوار العلوم کی اس جلد میں شائع کیا جا رہا ہے۔

(۱۳) آسمانی تقدیر کے ظہور کیلئے زمینی جدوجہد بھی ضروری ہے

جماعت احمدیہ کا جلسہ سالانہ ۱۹۴۷ء تقسیمِ ہندوستان کی وجہ سے پیدا ہونے والے حالات کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا تھا۔ حالات کی خرابی، مہاجرین کی آبادکاری اور سواریوں کی عدمِ دستیابی جیسے مسائل کے پیشِ نظر یہ فیصلہ کیا گیا کہ جلسہ سالانہ منعقدہ ماہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں خواتین شامل نہ ہوں بلکہ مارچ ۱۹۴۸ء میں منعقد ہونے والی مجلس شوریٰ کے ساتھ ایک دن کا اضافہ کر کے جلسہ سالانہ کے دوسرے حصہ کا انعقاد کر کے مستورات کو شامل ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ چنانچہ اس پروگرام کے مطابق مؤرخہ ۲۸ / مارچ ۱۹۴۸ء کو جلسہ سالانہ منعقد کیا گیا جس میں مستورات بھی شامل ہوئیں۔ اس جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے حضور نے یہ لیکچر

ارشاد فرمایا تھا جسے روزنامہ الفضل لاہور نے مؤرخہ ۱۸؍اپریل ۱۹۴۸ء کو افادۂ عام کے لئے شائع کیا تھا۔

اس خطاب میں حضور نے سب سے پہلے تو اِس امر کی طرف توجہ دلائی کہ اجتماع صرف وہی بابرکت ہوتے ہیں جو نیک مقاصد اور نیک ارادوں کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد حضور نے اپنی دو مبشر رؤیا سنائیں جن کی تعبیر میں احمدیت کا مستقبل انتہائی روشن دکھائی دے رہا ہے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین

(۱۴) تقریر جلسہ سالانہ ۲۸؍مارچ ۱۹۴۸ء

حضور نے یہ خطاب جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۴۷ء کے تتمہ کے طور پر منعقد ہونے والے جلسہ مؤرخہ ۱۸؍مارچ ۱۹۴۸ء کو لاہور کے دوسرے سیشن میں ارشاد فرمایا تھا۔

اس خطاب میں حضور نے بیرونی جماعتوں بالخصوص امریکہ، ہالینڈ اور جرمنی میں جماعتی ترقی اور مساعی کا مختصراً تذکرہ فرمانے کے بعد ''سیر روحانی'' کے مضمون کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ:۔

> ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ایک عظیم الشان مینار ہے جو قیامت تک روشنی دیتا چلا جائے گا۔ قادیان کا مینار دراصل تصویری زبان میں ہمارا یہ اقرار ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج سے ہمارے مہمان ہیں اور آپ کے لئے ہم ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔''

(۱۵) آخر ہم کیا چاہتے ہیں

حضرت مصلح موعود نے یہ بصیرت افروز مقالہ پارٹیشن کے بعد تحریر فرمایا جو مؤرخہ ۱۵؍مئی ۱۹۴۸ء کو روزنامہ الفضل لاہور میں شائع ہوا اور بعد ازاں مہتمم نشرو اشاعت لاہور کے زیر اہتمام پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا گیا۔

اس مقالہ میں حضور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف توجہ دلائی کہ

عَلَی الْاِنْسَانِ اَنْ یُّحِبَّ لِاَخِیْهِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِهٖ یعنی انسان کو چاہیے کہ وہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے۔ ہمارے تمام مسائل کا حل اِسی اصول میں پنہاں ہے۔ اگر ہم اپنے اندر یہ روح پیدا کرلیں تو ہمارے تمام مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

(۱۶) اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ

۱۶؍مئی ۱۹۴۸ء کو جب استعماری طاقتوں نے اپنی سیاسی مصالح کی تکمیل کے لئے فلسطین کو ناجائز طور پر تقسیم کرا کے اسرائیلی حکومت کی بنیاد رکھوائی تو اُس وقت حضرت مصلح موعود نے اپنی دوربین نگاہ سے مستقبل میں پیش آمدہ حالات وواقعات اوران کے نتائج کو بھانپ لیا تھا چنانچہ آپ نے اُس وقت اس عنوان کے تحت ایک فکرانگیز اور بصیرت افروز مضمون رقم فرمایا جو ۳۱؍مئی ۱۹۴۸ء کے روزنامہ الفضل میں شائع ہوا۔ اِس مضمون میں آپ نے انتہائی دردمندانہ رنگ میں عالَمِ اسلام کو توجہ دلائی تھی کہ وہ عرب کے عین قلب میں ایک یہودی حکومت کے قیام کے نقصانات کو محسوس کریں اور آپس کے اختلافات کو دور کر کے متحد ہو جائیں اور صیہونیت کے خطرناک عزائم کا مقابلہ کرنے کے لئے مال اور جان کی ہر ممکن قربانی پیش کریں۔ اس مضمون کا عربی ترجمہ کر کے وسیع پیمانہ پر شائع کیا گیا اور عرب پریس نے اس مضمون کو بہت اہمیت دی اور مصنف کا شکریہ ادا کیا اور اس کے مندرجات پر تعریفی تبصرے لکھے۔ چنانچہ دمشق سے شائع ہونے والے شام کے مشہور اخبار ''النهضة'' نے اپنی ۱۶؍جولائی ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں اس مضمون کا خلاصہ درج کرنے کے بعد لکھا کہ:۔

> ''یہ لیکچر بہت عمدہ ہے اور مسلمانوں اور فلسطین کے حق میں بہت اچھی آواز ہے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دین متین کے بارے میں ہماری تمناؤں اور مصنف کی نیک آرزوؤں کو پورا کرے اور اللہ اِس بلند مقاصد میں ہماری پشت پناہی فرمائے''۔

اس کے علاوہ عالَمِ اسلام کے متعدد اخبارات نے بھی اس مضمون پر بہت زوردار ریویو

لکھے اور عالَمِ اسلام کو بروقت انتباہ کرنے پر حضور کا شکریہ ادا کیا۔

(۱۷) مسلمانانِ بلوچستان سے ایک اہم خطاب

حضرت مصلح موعود ۱۴؍ جون ۱۹۴۸ء کو دورہ پر کوئٹہ تشریف لے گئے۔ جماعت احمدیہ کوئٹہ نے حضور کے اِس دورہ کو غنیمت جانتے ہوئے ہر ممکن استفادہ کی کوشش کی۔ چنانچہ جماعت کوئٹہ نے حضور کے اعزاز میں ایک دعوتِ عصرانہ کا اہتمام کیا۔ جس میں حضور نے یہ خطاب فرمایا۔ یہ خطاب پہلی دفعہ مؤرخہ ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو روزنامہ الفضل ربوہ نے شائع کیا۔ حضور نے اس عظیم الشان تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ ملک میں اسلامی آئین نافذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان پہلے اپنے نفس پر اسلامی احکام جاری کرنے کی کوشش کرے اپنے آپ کو سچا اور حقیقی مسلمان بنائے بغیر کبھی ہمیں اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل نہیں سکتی۔

(۱۸) پاکستان ایک اینٹ ہے اُس اسلامی عمارت کی جسے ہم نے دنیا میں قائم کرنا ہے

سیدنا حضرت مصلح موعود نے پاکستان بننے کے معاً بعد ''پاکستان کا مستقبل'' کے موضوع پر لاہور میں چھ لیکچر ارشاد فرمائے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضور مغربی پاکستان کے دوسرے متعدد مرکزی شہروں میں تشریف لے گئے اور پاکستان کے ہزاروں باشندوں کو استحکامِ پاکستان کے موضوع پر اپنے بصیرت افروز خیالات اور تعمیری افکار سے روشناس کرایا۔

جون ۱۹۴۸ء میں حضور کوئٹہ تشریف لے گئے اور کوئٹہ میں نہایت معلومات افزاء اور روح پرور پبلک لیکچر فرمائے۔ جن میں پاکستان کو پیش آمدہ اہم ملکی مسائل میں اہل پاکستان کی راہنمائی کرتے ہوئے نہایت شرح و بسط سے انہیں اپنی قولی و ملی ذمہ داریوں کی بجا آوری کی طرف توجہ دلائی اور اپنے پُر جوش اور محبت بھرے الفاظ میں بے پناہ قوتِ ایمانی اور ناقابلِ تسخیر عزم و ولولہ سے لاکھوں پژمُردہ اور غمزدہ دلوں میں زندگی اور بشارت کی ایک زبردست روح

پھونک دی۔

زیرنظر خطاب حضرت مصلح موعود نے مؤرخہ ۴ جولائی ۱۹۴۸ء کو ٹاؤن ہال کوئٹہ میں پاکستان اور اس کے مستقبل کے موضوع پر ارشاد فرمایا۔ جسے پہلی دفعہ افادۂ عام کیلئے مؤرخہ ۲۳ مارچ ۱۹۵۲ء کو روزنامہ الفضل لاہور میں شائع کیا گیا اور اب جلد ھذا میں شائع ہو رہا ہے۔

انڈیکس

مرتبہ: مکرم فضل احمد شاہد صاحب

مضامین

آیات قرآنیہ

حدیث بالمعنیٰ

(ترتیب بلحاظ صفحات)

احادیث

حدیث بالمعنیٰ

(ترتیب بلحاظ صفحات)

اسماء

ن

مقامات

کتابیات